

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
يَا اللَّهُ مَدِّدْ

سنی شیعہ مسائل پر  
”تحفہ اثنا عشریہ کے سر پر جامع کتاب“

# محرم امامیہ

تصنیف

محقق اہل سنت  
مولانا حافظ  
محمد سید میانوالی مدظلہ العالی

ناشر

مکتبہ عثمانیہ  
بن حافظ حمزہ  
ضلع میانوالی

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ

يا اللہ مدد

حق چار یار

خلافت راشدہ

سُنِّي شَيْعَةَ مَسَائِلِ پر

”تحفہ اثنا عشریہ“ کے طرز پر جامع کتاب

# تحفہ امامیہ

جس میں خُلفاء راشدین کی عثمانیت اور اہل سنت  
والجماعت کی صداقت پر بیسیوں کتب کی ورق گردانی  
سے سیر حاصل بحث کی گئی ہے اور وِفافِض کے متم  
مطاعن کے تحقیقی اور الزامی جواب دیئے گئے ہیں۔

مؤلفہ: حافظ مہر محمد میاں والوی

ناشر مکتبہ عثمانیہ بن حافظ جی ضلع میانوالی



# دوبارہ طبع دوم

۱۹۸۱ء کے آخر میں یہ کتاب طبع ہوئی تھی۔ ماہنامہ بینات کراچی، البلاغ کراچی اور خدام الدین لاہور وغیرہ نے شاذ اقبصے کیے اور کئی علماء کرام اور قارئین نے خراج تحسین پیش کیا۔ مخالفین میں سے کسی کو اس کتاب کے کسی مضمون وحوالہ پر تنقید و اعتراض کرنے کی جرأت نہیں ہوئی لہذا بلا ترمیم و اضافہ بعینہ دوبارہ خوش مناباس میں طبع کی گئی ہے۔ جب کہ اس کا ترمیمہ شیعہ حضرات سے ایک سو سو سوالات اور اس کا متن و خلاصہ "تحفۃ الاخیار" دشیعوں کے تمام اعتراضات کا مدلل جواب، ۲۴، ۲۵، ۲۶ ہزار چھپ کر عالمی مبلغ بن چکے ہیں۔

نام کتاب \_\_\_\_\_ تحفہ امامیہ  
مصنف \_\_\_\_\_ مولانا حافظ مہر محمد۔ فاضل نصرۃ العلوم گوجرانوالہ  
و متخص فی علوم الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ  
بنوری ٹاؤن \_\_\_\_\_ کراچی  
صفحہ \_\_\_\_\_



ضخامت \_\_\_\_\_ قیمت مجلد سنری \_\_\_\_\_  
مجلد کارڈ کور \_\_\_\_\_ تاریخ اشاعت \_\_\_\_\_  
ملنے کے پتے: \_\_\_\_\_

محمد رمضان میمن معرفت ہلال بک ہاؤس صدر کراچی  
کتب خانہ رشیدیہ - راجہ بازار - راولپنڈی  
مکتبہ فاروقیہ حنفیہ - عقب فائر بریگیڈ - اردو بازار گوجرانوالہ  
مدینہ کتاب گھر - اردو بازار گوجرانوالہ  
عمران اکیڈمی - 40/B اردو بازار لاہور  
مکتبہ قاسمیہ 17 - اردو بازار - لاہور  
مکتبہ اسلامیہ - کلی مہاجرین - تلہ گنگ



# ”تحفہ امامیہ“ وغیرہ کے متعلق قارئین کے تاثرات

۱۔ تبصرہ ہفت روزہ ”خدام الدین“ لاہور۔ مولانا سعید الرحمن علوی رقم طراز ہیں:

..... چنانچہ انھوں (مسنف) نے غایت درجہ محنت کے ساتھ شیعہ سکول کی اہل کتابوں کی طرف مراجعت کر کے ضخیم کتاب تیار کر دی جس کے متعلق یہ بات بجا طور پر کہی جاسکتی ہے کہ فریقین کے اختلافی مسائل پر ایک ٹھوس مستند اور ذمہ دارانہ کتاب ہے جس میں جدید اسلوب کا بھی لحاظ کیا گیا ہے۔ چند سال پہلے کے ایرانی انقلاب اور بعض دوسرے عوامل کے سبب برادرانِ اہل سنت کے ذہنوں میں شیعہ سکول کے متعلق جو غلط فہمیاں ہیں ہمیں یقین ہے کہ اس کتاب کے مطالعہ سے ان کا آزار ہو جائے گا اور اس سکول کو اس کی اہل شکل میں دیکھنے اور سمجھنے کا موقع ملے گا۔ ہم اس دستاویز کی تیاری پر اپنے فاضل دوست کو مستحق تبریک سمجھتے ہوئے امید کرتے ہیں کہ برادرانِ اہل سنت اس کی زبردست پذیرائی کریں گے۔ دوسری کتاب ”عدالت حضراتِ صحابہ کرامؓ“ ایک عرصہ قبل چھپ کر اہل علم سے خارج تحسین حاصل کر چکی ہے..... (خدام الدین ۲۴ ستمبر ۱۹۸۲ء صفحہ ۲۸۷) ۲۔ عظیم محقق اہل سنت مولانا محمد نافع جامعہ محمدیہ جنگ رقم طراز ہیں:-

..... آپ نے اپنی تصنیف ”تحفہ امامیہ“ بندہ کو کئی ایام سے ارسال فرمائی تھی..... دیگر گزارش ہے کہ آپ بڑے عمدہ لائق فاضل نوجوان ہیں اور اس میدان (مدح صحابہؓ) میں خوب کام کر رہے ہیں اور بڑی قیمتی تصانیف کے آپ مصنف ہیں۔ میری حقیر سی تالیفات (درہار بنیہم وغیرہ) میں کوئی مسئلہ قابل اصلاح نظر آئے تو اس سے مرہانی فرما کر مجھے مطلع فرمادیا کریں یہ آپ کی بڑی توازش ہوگی۔ (مکتوب ۲ جون ۱۹۸۲ء)

۳۔ یہ حضرت کی ذرہ نوازی اور کسر نفسی ہے ورنہ احقر آپ کی کتب کا خوشہ چین ہے۔ ۳۱۔ بریلوی مکتب فکر کے فعال کارکن مولانا غلام نبی صدر تحریک حقوق اہل سنت و الجماعت ۳۲۔ بلڈنگ فیروز سنر سدر راولپنڈی چند خطوط میں رقم طراز ہیں:-

۱۔ جناب محترم حافظ مہر محمد صاحب مدظلہ السلام علیکم۔ تعلیمات اہل بیت (ع) و سلسلہ عزاداری (



بڑھ کر خوشی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اہل سنت و جماعت کو قائم و دائم رکھے اور حضور (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ہم مکتبہ بریلوی خیال کے لوگوں کو اگلی صفحوں میں لانے کے لیے کوشاں ہیں دُعا فرمائیں کامیابی ہو۔ آپ کا مخلص: حافظ غلام نبی صدک تحریک اہل سنت راولپنڈی، ۱۰ جون ۱۹۸۵ء

ب۔ پاکستان اسلامک مشن: جناب محترم حافظ محمد صاحب۔ السلام علیکم۔ آپ کی اسلامی خدمات قابل تحسین ہیں۔ خدا آپ کو صحت، تندرستی اور توفیق سے نوازے میں نے پاکستان اسلامک مشن کی اس بھاری ذمہ داری کو سنبھالتے ہی دیوبندی بریلوی عقائد پر زور دیا کہ آپس میں اتحاد ہو جائے کچھ دیوبندی اور بریلوی علماء کو یہ بات پسند نہ آئی فاسل کر بریلوی مکتبہ کے چند علماء کو سخت تکلیف ہوئی بلکہ تحریک اہل سنت کی طرف سے میں نے ان کو امام باڑوں سے نکالا مثلاً....

.... شیعہ سنی اتحاد نامہ مکتبہ ہے بلکہ بریلوی دیوبندی عقائد کا اتحاد آسان ہے جیسے نورانی صاحب اور مفتی صاحب کا، ۱۹۸۷ء میں اتحاد ہوا تھا..... تو دین کی سربندی اور باطل قوتوں سے نپٹنے کے لیے اتحاد بہت ضروری ہے۔ (۱۲ جولائی ۱۹۸۵ء)

ج۔ ہم..... مولانا عبد الوحید ربانی ملتان کے علاوہ مولانا محسن رضا سابق شیعہ عالم کی تقریریں بذریعہ کیٹ نشر کر رہے ہیں جن کا اثر بریلوی خیال میں پھیل رہا ہے۔ دیوبندی تو ویسے ہی صحابہ کرامؓ کے ہاں نثار ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو صحابہ کرامؓ کی محبت نصیب فرمائے آپ کی خدمات اللہ کے فضل سے بہت عروج پر ہیں..... (۲۳ جولائی ۱۹۸۵ء)

۴۔ ساہی وال سرگودھا سے مولانا مفتی کفایت اللہ مرحوم لکھتے ہیں:- تحفہ امامیہ جب بھی منظر عام پر آجائے مجھے ارسال کریں جب تک اس کتاب کو پڑھ نہ لوں گا مجھے اطمینان نہ آئے گا۔

۵۔ ماتلی سندھ سے محمد ایوب نظامانی میڈیکل سٹور لکھتے ہیں:- ہم سنی کیوں ہیں؟ اور شیعہ حضرات سے ایک سو سو سوالات پڑھیں۔ آپ نے بہت مدلل جوابات دیئے ہیں۔

۶۔ مولانا عبد العلی فاروقی ایڈیٹر البدر، لکھنؤ انڈیا ایک خط میں لکھتے ہیں:- اپنی تازہ تصانیف بھیجتے رہا کیجئے اس طرح ہم لوگوں کو استفادہ کا موقع بھی مل جایا کرے گا اور کتابوں کا اپنے حلقہ میں تعارف بھی ہوتا رہے گا۔ (۲ دسمبر ۱۹۸۱ء)



# فہرست مضامین

باب اول	قرآن سے ثبوت	۳۷
سوال ۱۔ شعب ابی طالب میں محسوری	پیغمبرؐ اور حضرت علیؑ کے ارشادات	۳۹-۳۸
شعب میں محسوری کی وجہ	حضرت فاطمہؑ کا ارشاد اور مکررین دختران پر لعنت	۴۰
حضرت عمرؓ کا اسلام اور انقلاب	حضرت حسینؑ کا ارشاد	۴۰
تمام مسلمان بنو ہاشم کی طرح محسور تھے	حضرت باقرؑ و جعفرؑ کے ارشادات	۴۰
کوئی مسلمان خوراک کی لدا دہنیں کر سکتا تھا	شیعہ مجتہدین کے فیصلہ جات	۴۲
مظلومین فی سبیل اللہ کے نام	شیعی و سادس کا ازالہ	۴۶
حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ کے مصائب	حضرت زینبؑ کی شان	۴۹
حضرت ابوالعاصؓ خوراک پہنچاتے تھے	رقیہؑ و اُمّ کلثومؑ کی شان	۵۰-۵۰
سوال ۲۔ حضرت فاطمہؑ کی تدفین	حضرت فاطمہؑ کی شان	۵۲
آپؐ کی تدفین وصیت کے مطابق تھی	عائل فامہ کے اسباب	۵۵
غسل حضرت عثمانؓ زوجہ صدیقؓ نے دیا	باب دوم	
مدفن فاطمہؑ جنت البقیع میں ہے	سوال ۳۔ دعوت ذی العشرہ	۵۸
مدفن کے متعلق شیعہ کا اختلاف	روایتی جرح۔ روایت ثابِت	۶۰
روضہ میں عدم تدفین کے وجوہ	چھ باتیں شیعہ کے خلاف ہیں	۶۲
حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ نے اجازت لے کر دفن کی وصیت کی	سوال ۴۔ قصہ موافات مضطرب ہے	۶۵
دفن شیخینؑ کا باطنی سبب	اجتماع اور موافات کتب سیرت سے	۶۷
شیخینؑ کی تدفین درمنداقدین حضرت علیؑ کی رضا	اخوت حضرت ابوبکرؓ اور زیدؓ بن حارثہ	۶۷
حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کا حضورؐ کی مٹی سے پیدا ہونا	کے لیے بھی ثابت ہے	۶۷
حضرت علیؑ سے شیخینؑ کے مناقب	صرف نسبی فضیلت کا رآمد نہیں	۶۸
پیغمبرؐ کی صاحبزادیاں چاریں	حضرت ابوبکرؓ کی افضلیت پر دلائل قاطعہ	۶۹



۱۰۶	قافلہ اہل بیتؑ شیعہ ہی کو قاتل بتایا	۶۹	آپؐ صاحبِ پیغمبر کے تاجدار ہیں
۱۰۸	شیعہ خود اقبالِ جرم کر کے روتے ہیں	۷۲	واقعہ ہجرت کتبِ شیعہ میں
۱۰۹	شیعہ کا غدر لنگ بدتر از گناہ ہے	۷۶	آپؐ مصدقین کے امام ہیں
۱۱۰	صاحبِ تعلیمات صداقت کی غلط بیانیوں کا محاسبہ	۷۸	آپؐ مہاجرین میں سب سے اعلیٰ ہیں
۱۱۲	اہلِ کوفہ کا تشیع	۷۸	سب سے اتقیٰ اور ازکی ہیں
۱۱۳	غدر و نفاق کی اہم وجہ	۸۰	آپؐ بحکمِ نبیؐ امام نماز ہیں
۱۱۵	اہلِ سنت امام کی نصرت کیوں نہ کی؟	۸۱	حضرت علیؑ آپؐ کے پیچھے مقتدی ہیں
۱۱۶	شدادِ کربلا کے اجمالی نام	۸۲	تمام امت کا آپؐ کی افضلیت پر اتفاق ہے
۱۱۷	یزید کا اہلِ بیتؑ سے حسن سلوک	۸۳	عبدالنبیؑ ہی آپؐ افضل کہے جاتے تھے
۱۲۰	سوال ۵: حضرت علیؑ کے خلفائے ثلاثہ سے تعلقات	۸۵	آپؐ کے متعلق بشارتِ خلافت پٹی ہوئی
۱۲۱	شیخینؑ کا اتباع	۸۸	انبیاءؑ ہی تمام کائنات سے افضل ہیں
۱۲۳	حضرت علیؑ اور مدحِ شیخینؑ	۹۱	سوال ۵: اہلِ سنت کے کثیر الروایہ حضرات
۱۲۸	طبری کے مکالموں کی حقیقت	۹۲	اہلِ بیتؑ سے کئی روایت کے اسباب
۱۲۸	سندِ لغویں	۹۳	مکثرین سے کثرت کے اسباب
۱۲۹	معنا شیعہ کو غیر مفسد ہیں	۹۶	شیعہ نے حضرت علیؑ سے علم کیوں روایت نہ کیا
۱۳۰	سوال ۵: قصہ قرطاس	۹۷	پیش کردہ حدیثیں موضوع ہیں
۱۳۰	حدیثِ قرطاس		باب سوم
۱۳۲	ردِّ وحی کے الزام کے تین جوابات	۹۷	سوال ۵: قاتلینِ امام کون ہیں؟
۱۳۳	نسبتِ ہذیان کی حقیقت	۹۷	قاتلینِ امام شیعانِ کافر ہیں
۱۳۷	تحریر نہ ہونے سے امت کی گمراہی کا افسانہ	۹۸	امام کی امن پسندی اور سیاست کنارہ کشی
۱۳۸	مقصدِ تحریر کیا تھا؟	۹۹	شیعہ ہی نے آپؐ کو خط لکھ کر بلایا
۱۳۹	مسئلہ کے متعلق چند سوالات	۱۰۰	امامت کے متعلق آپؐ کا اور اہلِ سنت کا نظریہ
۱۴۰	ایک لغو رسالہ کا محاسبہ	۱۰۱	امام سے برسرِ پیکار شیعہ ہی تھے



۲۰۰	ایک نور سالہ کا جائزہ	۱۲۵	سوال ۹: قبل تدفین خلیفہ کا انتخاب
۲۱۰	جنازہ سیدہ اور شیخین	۱۲۶	سابقہ امام پر قیاس لغو ہے
۲۱۳	آخری گزارش	۱۲۷	شیعہ کا امام قبل از موت ہی خلیفہ بن جاتا ہے۔
۲۱۴	باب پنجم	۱۲۸	جنازہ رسول میں سب محابہ کرام کی شرکت
۲۱۴	سوال ۱۱: عدم تصویبی کی خانہ جنگیاں	۱۵۰	حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ کی صریح موجودگی
۲۱۴	اہل سنت کا معتدل فیصلہ		باب چہارم
۲۱۴	بطور الزام تحقیق و تشریح	۱۵۲	سوال ۱۲: قصہ فدک
۲۱۵	اہل نروان کے قاتل	۱۵۲	مسئلہ فدک کیوں پیدا کیا گیا؟
۲۱۶	شیعہ کا خارجی بن کر قاتل علیؓ ہوتا	۱۵۳	مسئلہ کی سادہ تفہیم
۲۱۸	اہل جمل کے قاتل	۱۵۶	ناراضی پر دس تمہیدی گزارشات
۲۲۰	حضرت علیؓ کا خلفائے ثلاثہ کی تعریف کے نام تاریخ سے	۱۶۱	مسئلہ کی علمی تنقیح
	حضرت عائشہ صدیقہ (ام المؤمنین) کے جان نثاروں	۱۶۲	مال فے اور فدک کی حقیقت
۲۲۲	کی جان نثاری اور جنگ کا خاتمہ	۱۶۷	اموال فے میں حضور کا طرز عمل
۲۲۴	پس نظر جنگ صفین		حضرت صدیق اکبرؓ کا اہل بیت کو فدک
۲۳۱	شیعہ پر حضرت علیؓ کی ناراضی	۱۷۰	دینا اور ان کا راضی ہونا
۲۳۲	ایک شبہ کا ازالہ	۱۷۳	حضرت فاطمہؓ کے سوال کا منشا کیا تھا؟
۲۳۳	عدم تصویبی پر ایک نظر	۱۷۷	حدیث لا فورث متفق علیہ ہے۔
۲۳۶	حضرت علیؓ کا قطعی فیصلہ	۱۷۸	کتب شیعہ سے ثبوت
۲۳۷	سوال ۱۳: منافقین کی تحقیق	۱۸۲	ایک شبہ کا ازالہ
۲۳۸	صحابی کی تعریف اور ان کی تعداد	۱۸۳	لفظ غضبت راوی کا مدرج ہے
۲۳۸	منافق بہت کم تھے	۱۸۵	کتب اہل سنت سیدہ کی رضا مندی
۲۳۹	قرآن میں پیشین گوئیاں	۱۸۸	شیعہ کے لائل و مرآت اور ان کے جوابات
۲۴۱	منافق مخذول و مردود ہوئے	۱۹۶	روایات بہہ کی حقیقت



۲۹۷	الزامی جواب	۲۴۳	قرآن میں منافقوں کی علامات
۲۹۸	سوال ۱۵: تناقض کے لیے چھ چیزوں میں اتحاد ضروری ہے	۲۴۵	قرآن میں منافقوں کی علامتیں شیعہ پر منطبق ہیں
۲۹۹	صحابہ کرامؓ کی ان جگہوں میں خطا و صواب کا معنی	۲۴۶	سوال ۱۳: دلائل اربعہ
۳۰۰	کاملین پر سونیاں کا وقوع	۲۴۷	مذہب اہل سنت کے چار دلائل میں
۳۰۱	شیعہ بزرگوں میں اختلافات کی چودہ مثالیں	۲۴۸	قرآن و سنت کی صداقت
۳۰۷	سوال ۱۶: انت و شیعہ تک موضوع ہے	۲۴۹	اجماع و قیاس کی جہتیت
۳۱۰	بارہ ائمہ کے شیعوں کی تعداد	۲۵۰	امت کا معصوم از گمراہی ہونا
۳۱۲	فائدہ مہمہ	۲۵۳	شیعہ دلائل اربعہ کے منکر ہیں
۳۱۳	شیعہ کی موضوع احادیث	۲۵۳	قرآن کریم کا انکار اور کفر
۳۱۶	اہل سنت ہی فائز المرام ہیں	۲۵۶	ایک شبہ کا ازالہ
	سوال ۱۷: حضرت عائشہؓ کے حضرت عثمانؓ سے	۲۵۸	حدیث مصطفیٰ کے منکر ہیں
	بہتر تعلقات	۲۶۱	شیعہ اور اہل سنت میں فرق
۳۱۹	حضرت علیؓ سے بہتر تعلقات	۲۶۲	اجماع و قیاس کے کھلے منکر ہیں
۳۲۰	اقتلوا النشد کا قصہ وضعی ہے	۲۶۵	خلافت راشدہ پر ۱۲ قرآنی آیات
۳۲۲	سوال ۱۸: جملہ انوں کے ائمہ اربعہ کی	۲۷۹	احادیث مصطفیٰ اور خلافت راشدہ
۳۲۴	امامت کی حقیقت	۲۸۰	احادیث شیعہ
۳۲۷	امت محمدیہ گمراہی پر جمع نہ ہوگی	۲۸۲	اہل سنت کی بارہ احادیث
	چاروں ائمہ کے مقلدین ایک دوسرے کے	۲۸۷	خلافت اور اجماع امت
۳۲۹	پہچھے اقتدار کرتے ہیں۔		باب ششم
۳۳۰	شیعہ پانچ وحدتوں کے دشمن ہیں		سوال ۱۹: خلیفہ کی مخالفت
۳۳۱	پیغمبرؐ پر حضرت علیؓ کو عملاً فضیلت	۲۹۱	اُمّ المؤمنین کا موقف
۳۳۲	پیغمبرؐ سے باطن دشمنی کی مثالیں	۲۹۲	حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کا موقف
۳۳۳	وحدت قرآن سے دشمنی	۲۹۴	شیعہ اکابر کے اختلافات

۳۶۰	قرآن حکیم کی اشاعت	۳۳۳	وحدت کلمہ سے دشمنی
۳۶۱	سنت و فقہ کی اشاعت	۳۳۳	وحدت کعبہ سے دشمنی
۳۶۳	فتوحات تبلیغ اسلام کے لیے تحفیں	۳۳۵	وحدت امت سے دشمنی
۳۶۳	حدود اسلام کی وسعت	۳۳۵	سوال ۱۹: حضرت عائشہؓ کی تحقیق وفات
۳۶۵	معرکہ جنگ میں تبلیغی فرائض	۳۳۶	ام المؤمنینؓ کے فضائل قرآن میں
۳۶۶	خلفاءِ رنجہ کا ذاتی خوبیوں میں تقابل	۳۳۶	ام المؤمنینؓ کا مقام حضورؐ کی نظر میں
۳۶۶	شجاعت صدیقیؒ	۳۴۱	ذاتی حالات و علمی خدمات
۳۶۸	جرات فاروقیؒ	۳۴۳	قتل کا سانحہ غلط ہے
۳۷۰	جرات عثمانیؒ و مرتضویؒ		باب ہفتم
۳۷۱	شجاعت کے اثرات میں تقابل		سوال ۲۰: خلفاء راشدینؓ کے اوصاف
۳۷۲	علم میں موازنہ	۳۴۵	کا تقابلی مطالعہ
۳۷۲	علم صدیقیؒ	۳۴۷	شیعہ کے ہاں افضلیت کا معیار
۳۷۴	علم فاروقیؒ	۳۴۷	افضلیت کے وجوہ چار ہیں
۳۷۶	علم عثمانیؒ	۳۴۸	مرہبی فیصلہ کر دے
۳۷۷	علم مرتضویؒ	۳۴۸	مرہبی وہ کام لے جو سب سے افضل لگتا ہے
۳۷۸	عبادت میں موازنہ	۳۴۹	طلبا جماعت کسی کو مانیٹر بنالیں
۳۸۱	سخاوت میں موازنہ	۳۵۰	ذاتی اوصاف میں کوئی فائق ہو
۳۸۵	امانت	۳۵۱	خلفاءِ رنجہ کا اوصاف میں موازنہ
۳۸۶	حضرت شاہ ولی اللہؒ کا اقتباس	۳۵۲	قوت ایمانی حضرت ابوبکرؓ کا ایمان
	باب ہشتم	۳۵۶	حضرت عمرؓ کا ایمان
۳۸۷	مسئلہ امامت در پردہ انکار ختم نبوت ہے	۳۵۷	حضرت عثمانؓ کا ایمان
۳۸۷	سوال ۲۱: بارہ خلفاء کی بحث	۳۵۹	۲۔ کثیر الہدایت ہوتا
۳۸۷	اہل سنت کا معیار امامت	۳۶۰	حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ سب سے بڑے ہادی ہیں



۲۰۳	محدثیت کا دعویٰ	۳۸۸	شیعہ کے بارہ ائمہ ہرگز مراد نہیں
۲۰۳	بباطن نبوت کا اعتراف	۳۸۹	ما فوق البشر شیعی ائمہ کے خواص
۲۰۳	منکر جنمی ہیں	۳۸۹	امام مثل نبی مرسل من اللہ ہے
۲۰۴	نظمی ختم نبوت کا اقرار	۳۸۹	امام مثل نبی حجۃ اللہ ہے
۲۰۴	مسلمانوں سے قطع تعلق	۳۹۰	امام پر ایمان اور اس کی طرف رجوع ضروری ہے
۲۰۴	معاملات میں قطع تعلق	۳۹۱	امام کی اطاعت بھی فرض ہے
۲۰۵	کلمہ میں علیحدگی	۳۹۱	وہ اللہ کی شریعت کا والی و قانن ہے
۲۰۵	تمام مسلمان کنجریوں کی اولاد ہیں	۳۹۲	ائمہ اللہ کا نور ہیں
۲۰۵	تمام مسلمان سؤر اور لعنتی ہیں	۳۹۲	ائمہ نبوت کا درخت و مضبوط ملائکہ ہیں
۲۰۵	تمام مخالفین مسلمانوں کے قتل کے منصوبے	۳۹۳	ائمہ اللہ کی زبان اور دروازہ ہیں
۲۰۵	انبیاء علیہم السلام اور بزرگان دین کی توہین	۳۹۳	ائمہ عالم الغیب ہیں
۲۰۶	مکہ و مدینہ کی توہین	۳۹۴	ائمہ موت و حیات میں مختار ہیں
۲۰۷	مکہ کے سوا دوسری جگہ کا حج	۳۹۵	ائمہ پیغمبروں کے ساتھ علم میں مساوی ہیں
۲۰۷	قادیانیت کے متعلق قرمی اسمبلی کا فیصلہ	۳۹۵	ائمہ مستقل آسمانی کتابوں والے ہیں
۲۰۸	شیعہ پر بھی صادق آتا ہے	۳۹۶	ائمہ حلال و حرام میں مختار ہیں
۲۰۹	شیعہ کے ائمہ مراد نہ ہونے پر دوسری دلیل	۳۹۷	ائمہ درجہ میں حضور کے مساوی ہیں یا افضل ہیں
۲۱۰	حضرت علیؑ کا اپنی خلافت میں معذور ہونا	۳۹۹	حق صرف ائمہ کے پاس ہے
۲۱۲	ائمہ اہل بیت مراد نہ ہونے پر تیسری دلیل	۴۰۰	ائمہ کا منکر و مخالف بھی کافر و مرتد ہے
۲۱۲	حدیث کا مفہوم	۴۰۱	ائمہ سب انبیاء سے افضل ہیں
۲۱۸	حدیث کے مصداق کون سے افراد ہیں	۴۰۱	شیعہ در باطن ائمہ کو انبیاء مانتے ہیں
۲۱۹	حدیث من مات کی بحث	۴۰۲	شیعہ ائمہ کے دعاوی اور مرزا قادیانی کے دعاوی کا سرسری محاذ
			دعویٰ نبوت میں تضاد

۴۲۱	باب دہم	حدیث من مات کے معانی
۴۲۵	سوال ۲۳۲: کلمہ طیبہ	جاہلیت کی موت کیوں ہوگی؟
۴۲۶	اسلام میں کلمہ طیبہ کی اہمیت	امام زمان کا ایک اور مصداق
۴۵۱	کلمہ اہل سنت ہی قرآن نے سکھایا	باب ہفتم
۴۵۵	شیعی شبہات کا ازالہ	سوال ۲۳۳: دین میں بدعات کا موجب کون ہے؟
۴۵۶	آیت انما ولیکم اللہ کے تین جوابات	اہل سنت دین میں کمی بیشی کے قائل نہیں
۴۵۸	آیت اولی الامر سے استدلال کا جواب	عقائد اعمال کا شیعی اضافہ
۴۵۸	کتب شیعہ کے کلمہ پر ۵۱ شہادتیں	حضرت عمرؓ کا دامن بدعت پاک ہے
۴۵۸	کلمہ اہل سنت ہی رسول اللہؐ نے سکھلایا	الصلوة خیر من الصوم کا ثبوت
۴۶۰	صحابہ اہل بیتؑ نے یہی کلمہ پڑھا پڑھایا	تراویح کا ثبوت
۴۶۱	حضرت باقرؓ و جعفرؓ نے بھی یہی کلمہ پڑھایا	پار تبکیر نماز جنازہ کا ثبوت
۴۶۲	ائمہ اہل بیتؑ نے یہی کلمہ ولادت کے وقت پڑھا	متعہ کی حرمت خود جنور سے ثابت ہے۔
۴۶۳	سب کائنات یہی کلمہ پڑھتی ہے	شیعہ کے ہاں متعہ کے شرائط و ارکان
۴۶۵	اذان و اقامت وغیرہ میں کلمہ طیبہ	حضرت علی المرتضیٰؑ سے ممانعت
۴۶۵	شہادتین کا کلمہ ہی کامل ایمان ہے	ایک شبہ کا ازالہ
۴۶۷	شیعہ علماء کا اعترافِ حقیت	طلاق ثلاثہ معاً بائن میں
۴۶۸	شیعی شبہات کا ازالہ	قیاس شرعی حجت ہے
۴۷۰	سط ابن جوزی کی کتابیں وابی ہیں	قیاس کی حجتیت کا شیعہ سے ثبوت
۴۷۱	التحیات و شمار بھی ثابت ہے	سوال ۲۳۴: اجماع سے انتخاب
۴۷۲	نمازیں ہاتھ باندھنا قرآن سے ثابت ہے	قرآن سے ثبوت
۴۷۵	ترتیب وضو بھی قرآن سے ثابت ہے	تاریخ سے ثبوت
۴۷۶	سٹی بدعات کی وجہ	ابن خلدون کا قیمتی حوالہ
۴۷۸	کتب مراجع و مصادر	الزاحی سوال است



# نقشِ آغاز

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَنَحْمَدُهُ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ۔ امانت

۱۹۷۶ء میں تحفہ ”الاخیار“ ایک رسالہ راقم نے لکھا تھا جس میں ساہیوال کے ایک پٹواری نام نہاد نوشیجہ مجتہد کے شائع کردہ اشتہار کے چوبیس سوالات کا جواب خالص تحقیقی زبان میں دیا تھا اور وہ بار بار چھپ کر اہل علم و سنت سے خراج تحسین حاصل کر چکا ہے۔ چونکہ بڑی بڑی اہم کتابوں سے مواد لیا تھا۔ توجہ چاہا کہ ان تمام مباحث کو اصل عبارات سمیت بالوضاحت اگر لکھا جائے تو اہل علم و فن کو بہت فائدہ ہوگا۔ چنانچہ دوبارہ تحقیق کے ساتھ جب اسے مرتب کیا تو ایک ضخیم کتاب میں تبدیل ہو گیا۔ اور اس کا نام ”تحفہ امامیہ“ تجویز کر کے قارئین سے اشاعت کا وعدہ بھی کر دیا گیا۔ ضخیم ”شیجہ حضرات سے ایک سو سوالات“ پانچ مرتبہ الگ چھپ کر مذہب کا عالمی مبلغ بن چکا ہے۔ بحمد اللہ پانچ سال کے بعد مزید اضافوں اور جدید مباحث کے ساتھ حاضر خدمت ہے۔ میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ یہ کتاب اپنے موضوع پر تمام کتب قدیمہ و جدیدہ سے افضل ہے تاہم یہ کہنے میں کوئی ہلک نہیں کہ بحمد اللہ سنی شیعہ اختلافی مسائل پر سنجیدہ اور تحقیقی اسلوب میں عصر حاضر کی ناگزیر اور تشنگی بھانے والی کتاب ہے۔ جس کا مطالعہ اہل سنت کے دین و ایمان کے تحفظ کا باعث ہوگا تو فریق مخالف کے خبیثہ اور متدل افراد کو بھی غور و فکر اور اپنے نظریات پر نظر ثانی کی دعوت دے گا۔ کیونکہ خود ان کے ہی مسلمہ اصول ”تعلین کی اتباع“ اور ”آئمہ اثنا عشر“ کے فرامین کی پیروی کی دعوت دیگا۔ تصنیف کے دوران یہ لحاظ رکھا گیا ہے کہ پاکستان میں جن شیعہ مؤلفین نے اختلافی مسائل پر طبع آزمائی کی ہے ان کے لایعنی دلائل کا توڑ تو کر دیا مگر تعارف کے ساتھ مفصل تردید کی ضرورت نہ سمجھی۔ الا ماشاء اللہ۔

یہ کتاب چونکہ مخالف کے پیش کردہ خاص مسائل کے دفاع پر مبنی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ فکر کے ذہن میں کسی خاص مسئلہ کا حل یا جواب اس میں نہ ملے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ مشاجرات کی بحث



میں کتب شیعہ یا تاریخ سے الزامی اور دفاعی مواد دیکھ کر کہہ دوںی حدیث ہیں۔ ”حضرات اہلبیت کرام“ کے حق میں قاصر تباہیں تو انشاء اللہ اس بڑی سے بچیں کیونکہ حضرت علیؑ اور آپ کے اہل بیت و رفقاء ہمیں اسی طرح پیارے اور سر پر ایماں ہیں جیسے تمام عشرہ مبشرہ اور صحابہؓ و انصارؓ ہمارے مقتدا، پیشوا اور آنکھوں کا نور، دل کا سرور ہیں۔ صرف یہ نکتہ ذہن میں رکھیے کہ یہ کتاب اہل تشیع کے غلو و جہالت کے دفاع میں ہے۔ نا صہبت و خروج اس کا موضوع نہیں ہے۔ ہاں بعض جزوی مقامات پر ان کی گمراہی کی نشاندہی کر دی ہے۔ ان کا مفصل رد ان شاء اللہ کسی اور کتاب میں ہوگا۔

اس کتاب کے دلچسپ اور قابل مطالعہ چند خاص مسائل یہ ہیں۔ فضائل خلفاء راشدینؓ۔ مسئلہ برائے حضرت علیؑ کے خلفائے ثلاثہؓ سے بہترین تعلقات۔ قاتلان حسینؑ کا تعار۔ قرطاس۔ باغ ذک۔ خلافت۔ عداوتہ جمل و صفین۔ تحریف قرآن۔ امامت و ختم نبوت میں تقابلی مطالعہ۔ ۲۰ خلفاء کی بحث۔ مذہب غلو کی تصویر۔ اصلی کلمہ طیبہ کا کتب شیعہ سے متواتر ثبوت۔ ہر بحث قرآن و سنت اور امامیہ کی احادیث سے مزین۔ افراط و تفریط سے پاک اور دانشمندانہ تحریر کا آئینہ ہے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ | ہمارے عام سنی مسلمان بہت سے اس دفاعی اقدام کو بھی فرقہ واریت کہہ کر ناپسند جاننے ہیں جبکہ باقی تمام فرق باطلہ اپنے مقررین و موفین کو نہ صرف سر آنکھوں پر پہناتے بلکہ باطل نظریہ کی اشاعت میں پیش پیش ہوتے ہیں۔ ان کی خدمت میں گزارش ہے کہ یہ سوچ ہی آپ کے غلط اور برحق مسلمان ہونے کی ہے کیونکہ قرآن و حدیث میں فرقہ بندی کی مذمت آئی ہے۔ ہم خود اسی نظریہ کے حامی ہیں کہ فرقہ وارانہ رسم اور گروہی امتیاز کو روا نہیں رکھتے۔ کیونکہ ہمارے اسلاف اہل سنت اور اکابر علماء دیوبند نے اپنے امتیاز و پہچان کے لیے کسی مسئلے کو جولا نگاہ اور ذریعہ امت نہیں بنایا جس کا ثبوت قرآن و سنت اور فقہ حنفیہ سے نہ ہو۔ اور کسی مسئلے کو اپنا مخالف جان کر اس سے اعراض و سکوت نہیں کیا جس کا ثبوت اخبار صحیحہ اور اقوال سلف صالحین میں صریح ملتا ہو۔

فرقہ دراصل فرق اور فارقہ سے مشتق ہے یعنی جو گروہ یا مسئلہ نکال کر یا امت کے



معمول بہاؤ کو نظر انداز کر کے ایک جہاد راستے پر چل پڑے اور باقی مسلمانوں کو گمراہ بنائے۔ یا  
 فرد علی فقہی مسائل کی آڑ میں اپنے مخالف تمام مسلمانوں کو نشانہ طعن بنائے تو وہ فرقہ اور مذہب  
 کا مصداق ہو گا۔ جیسے شیعوں کی ایجاد و ترویج سے صلاۃ و سلام کا اذان میں اضافہ نماز کے بعد  
 ذکر الہر کی پابندی۔ نوحہ و حیدری کا رواج۔ شیعوں کی طرح ماتم و تحزیب داری اور مذہبی جلوسوں  
 کی نمائش چند برسوں سے نام نہاد سنیوں میں چل نکلی ہے اور جو شریعت و سنت کا پابند قدیم طرز  
 کا مسلمان ان کو ناپسند کرے تو فوراً اس پر ”وہابی و گستاخ“ ہونے کا فتویٰ لگا دیا جاتا ہے  
 یعنی سنی شیعہ کے بالمتقابل نہ رہا۔ اپنا قومی وجود و تشخص کھو بیٹھا۔ ہاں غیر شعوری طور پر شیعہ کے خصائص  
 اپنا کر خاص سنی مسلمانوں کو کافر و گمراہ بنانے میں سرگرم عمل ہے اور اپنے سادہ لوح عوام کو شیعیت  
 کا شکار بلکہ ان کی ترقی کا میدان بنا رہا ہے۔ فوا اسفا۔

میں تمام سنی مسلمانوں سے اپیل کرتا ہوں کہ ایسی مذہبی منافرت اور غفلت سے بچتے ہوئے  
 مندرجہ ذیل طبقات سے اپنا جہاد جاری رکھیں۔

- ۱۔ کمیونسٹ و بے دین طبقہ جو خدا کے وجود اور مذہب و عمل کی ضرورت کے بھی منکر ہیں۔
- ۲۔ منکرین حدیث یعنی پر دیزی قسم کے لوگ جو مسلم ضروریات دین کا بھی انکار کر جاتے ہیں۔
- ۳۔ فرقہ مندرہ مرزاویہ جو مرزا قادیانی کو اماد اللہ بنی۔ مجدد و ماسیح موعود مانتے ہیں۔
- ۴۔ اعدائے صحابہ و افضل جو قرآن کو صحیح اور واجب العمل نہیں جانتے۔ سنت رسول کو نقل  
 دوم اور حجت دین نہیں مانتے۔ تمام ملائکہ نبوت صحابہ کرام کو مرتد یا منافق کہتے ہیں ختم نبوت و  
 رسالت کے بجائے امامت کے قائل ہیں اور کلمہ۔ اذان۔ نماز۔ حج۔ زکوٰۃ۔ پیشوائے معصوم وغیرہ  
 میں تمام ملت محمدیہ سے جہاد مذہب رکھتے ہیں۔

ہر شخص کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ دنیا میں توحید۔ نبوت اور آسمانی کتاب و شریعت کی دعویٰ دار  
 تین قومیں ہیں۔ مسلمان۔ عیسائی اور یہودی۔ تینوں کا امتیاز کلمہ کے آخری جز۔ صاحب وحی معصوم  
 ہادی اور جدا کتاب و قانون سے ہوتا ہے۔ ارشاد الہی ہے۔ ”اے اہل کتاب آؤ اس کلمہ طریف  
 جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں (مسلمہ) ہے کہ ہم سوائے اللہ کے کسی کی عبادت نہ کریں  
 اور اللہ کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہ کریں اور ہم میں سے کوئی دوسرے کو خدا کے سوا اپنا کارساز



و مشکل کہ شانہ بنائے رہا (۱۵۶) جبکہ یہی اصولی فرق و اختلاف شیعہ دوسرے مسلمانوں سے رکھتے ہیں  
ملاحظہ ہو۔

۱۔ مسلمان جو کلمہ شہادتین پڑھتے ہیں یہی قرآن نے پ ۶۶۲ - ۱۲ میں سکھایا اور حضور  
علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دو لاکھ مسلمانوں کو پڑھایا مگر اس کے قائل کو شیعہ ہرگز مومن و ناجی  
نہیں مانتے۔ بلکہ وہ ”علی ولی اللہ و صلی رسول اللہ و خلیفۃ بلا فصل“ سے کلمہ کی تکمیل کرتے ہیں۔  
حالانکہ یہ نہ قرآن و سنت میں ہے نہ اہل بیت سے کسی معتبر کتاب میں ثابت ہے کسی دین و ملت  
کا کلمہ ایک ہی ہوتا ہے اس میں کمی بیشی کفر ہے۔ ایک جز کے اضافہ سے یا شیعہ مسلم برادری سے  
الگ ہو گئے یا اسے نہ مانتے سے ۹۵٪ سنی ان کے ہاں مسلمان نہ رہے۔

۲۔ پانچ نمازیں پانچ وقت میں فرض ہیں۔ جیسے ارشادِ قدرت ہے ”نماز مومنوں پر اپنے  
اپنے وقت میں پڑھنا لازم ہے۔“ (پ ۱۲۶۲۵) مگر شیعہ صرف تین اوقات میں پڑھتے ہیں۔  
۳۔ نماز کے بعد اسلام کا پیرا کن زکوٰۃ ہے کہ سال گزرتے پر صاحبِ نصاب کو بچہ حصہ  
نکالنا فرض ہے۔ مگر شیعہ بلا سکہ سونا چاندی کہی ٹوٹ اور مال تجارت پر زکوٰۃ کے قائل نہیں۔  
ہاں منافع کے بعد اس کی بچت پر عمر میں صرف ایک منہ پانچواں حصہ امام کے نام پر نکالتے اور ذکر و  
تجندوں کی مالی خدمت میں صرف کرتے ہیں۔ اور زکوٰۃ پیداوار کی کچھ اقسام پر عشرہ کے قائل  
ہیں۔

۴۔ اپنی نوعیت کے اعتبار سے سب سے افضل عبادت ہے مگر شیعہ عقیدہ یہ ہے ”جو  
مومن عید کے دن کے علاوہ حضرت حسینؑ کی قبر کی زیارت کرنے حق پہچان کر اٹھے اس کو ۲۰ حج میر و  
اور ۲۰ مقبول عمروں کا ثواب ملے گا۔ اور ۲۰ ان حجوں کا جو نبی مرسل یا امام عادل کے ساتھ کیے ہو۔  
(فروع کافی ج ۱ ص ۵۸)

۵۔ تمام مسلمان اذ الحمتنا و الی الناس ۱۱ سورتوں کے ۳۰ پارے قرآن کو تخریف و تحریف سے  
پاک اصلی کتاب اللہ مانتے ہیں مگر شیعہ اسے ناقص اور کمی بیشی والا مانتے ہیں جو مسلمانوں کا منسوخ  
تورات و انجیل کے متعلق عقیدہ ہے۔ شیعہ اصلی واجب الاتباع قرآن اس کتاب کو کہتے ہیں جو  
ان کے عقیدہ میں حضرت علیؑ نے لکھی اور پیدائش سے آپ کو یاد تھی وہ ہر دور میں ہر امام کے



پاس رہی۔ اب وہ امام محمدی کے پاس غار میں ہے وہ جب ظاہریوں کے تو ۳۱۳ شیعوں کو وہ  
اصلی قرآن پڑھائیں گے۔ ہر شیعہ کا یہ عقیدہ ہے۔ (مجالس المؤمنین ج ۱ ص ۳۴)

۶۔ شیعہ حضور خاتم النبیین کے ہاتھ پر ۵۔ ۱۰ آدمیوں کو بھی ہدایت یافتہ و مومن نہیں  
ماتے وہ ہدایت و ایمان کا نفع حضرت علیؓ و حسینؓ کو مانتے ہیں اور ان کو بلا واسطہ رسول عالم  
لدنی و امام اور ایک قسم کا رسول مانتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو۔ اصول کافی ج ۱ ص ۱۸۱ کھنڈ)  
۷۔ شیعہ عتبد سید محمد یا حسین جعفری سولہ مسئلے قرآن ۱۰۱ پر لکھتا ہے۔

وہ بہر کیف حضرت علیؓ رسول بھی ہیں، امام بھی ہیں اور حضرت محمدؐ کے وزیر بھی ہیں اور  
صرف یہی نہیں بلکہ ۱۲ کے ۱۲ ہی رسول اور امام تھے (سولہ مسئلے مطبوعہ ادارہ علوم الاسلام سائڈ  
کلاں لاہور)

۸۔ تمام صحابہؓ کو مترکہ کہتے ہیں۔ "امام باقرؓ نے فرمایا کہ حضورؐ کے بعد تمام صحابہؓ فرزند ہو گئے  
سوائے تین کے۔ ابوذر۔ مقداد و سلمانؓ درجہ اعلیٰ کشتی صراصل کافی ج ۲ ص ۳۴۲ مجالس المؤمنین  
منتہی الآمال وغیرہ)

۹۔ چونکہ نور اللہ شوستری کا اعتراف ہے کہ اور مدینہ کے باشندوں پر ابو بکر و عمرؓ کی  
محبت غالب ہے۔ (مجالس المؤمنین ص ۵۶) لہذا ان پر امام باقرؓ و جعفرؓ نے فتویٰ یہ لگایا ہے  
کہ اہل مکہ خدا کے کھلے منکر ہیں اور اہل مدینہ مکہ والوں سے ستر گنا زیادہ پیہد ہیں (اصول کافی ج ۲ ص ۳۴۲)  
۱۰۔ مرزا قادیانی کی طرح تمام مسلمانوں کو ولد ازنا کہتے ہیں کہ امام باقرؓ نے فرمایا۔

۱۱۔ ابو حمزہ الثد کی قسم سب لوگ بنیاد کنوئیں کی اولاد ہیں سوائے ہمارے شیعوں کے درود کافی ص ۲۸۵  
ان کے پیش تو گفتم حال دل تر سیدم کہ از رده شوی رنہ دلبر اچا گسخت بسیار

اب آپ حمیر کوٹوال کر فیصلہ کیجیے کہ شیعوں کی مائمی مجالس جلوس اور ندبی تقریبات میں شریک ہونا  
چاہیے یا نہیں اور یہ کہ آپ حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کو ماننے کے باوجود کسی گرجا کی محفل میں شرکت نہیں کرتے  
مگر آپ حضرت علیؓ و حسینؓ سے محبت کی آڑ میں ایسے لوگوں کی مجالس عزائم میں شریک ہو جاتے ہیں۔ عقائد کے  
لحاظ سے دونوں میں کیا فرق ہے؟ عاقل را اشارہ کافی ست۔

خاتم اہل سنت مہر محمد میا نوالوی گوہر نوالہ۔ ۵ ذوالحجہ ۱۴۱۷ھ





## باب اول

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله رب العلمين الذي اصطفى من خلقه انبياء ورحمة للعلويين  
والسفليين وجعلهم ذروة للمؤمنين وقادة هداة للمسلمين فوفقهم لرفقة  
شان الدين والصلوة والسلام على افضلهم واقفاهم محمد سيد المرسلين وخاتم  
النبيين الذي نزل على قلبه روح الامين بتنزيل رب العلمين وعلى اله العترة الطيبة  
والازواج الطاهرة واصحابه الكرم البررة المتقين سيما الخلفاء الراشدين  
المهديين الذين انشأهم المولى البصرة دينه القوي المتين ورياهم الرسول على  
المهدي والتقى والنقاء هداية لخير امته الى يوم الدين وعلمهم الكتاب والسنة اذكى  
تعليم من الاسلاف الى الخلفين وزكاهم احسن تربية من الاولين والاخرين فصاروا  
بتربيته شموسا ونجوما في الهداية والتعليم والتزكية ملته اجمعين فنصر الله من  
اتبعهم بالاحسان مرضييين وخذل من في قلبه زيغ وبغض لهؤلاء رسادته  
المسلمين رضي الله عنهم اجمعين

سوال ۱۔ تاریخ شاہد ہے کہ قریش مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مکمل طور پر بائیکاٹ  
کر لیا تھا۔ اس بائیکاٹ کا عرصہ تین سال کا ہے حضرت ابوطالب تمام بنو ہاشم کو شعب ابیطالب  
میں لے گئے تھے۔ یہ تین برس کا عرصہ بنی ہاشم نے نہایت عسرت اور کٹھن تکالیف سے گزارا۔ ان  
تین سال کے دوران حضرت ابو بکر و عمر کماں تھے اگر یہ بزرگ مکہ ہی میں تھے تو انہوں نے آنحضرت  
صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ کیوں نہ دیا۔ اگر یہ بزرگ شعب ابی طالب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ  
نہ جاسکے تو کسی وقت ان بزرگوں نے آب و دانہ ہی سے کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کی  
ہو۔ جب کہ کفار مکہ میں سے زبیر بن امیہ بن مخیرہ نے پانی کھانا پہنچانے اور عہد نامہ کو توڑنے پر



دوستوں کو آمادہ کیا۔

جواب۔ چند باتیں پیش نظر رکھنے سے اعتراض کی حقیقت عیاں ہو جائے گی۔

شعب میں قید کا یہ واقعہ کیوں پیش آیا۔ آیا غیر بنو ہاشم مسلمان بھی محصور تھے۔ کیا غیر محصور مسلمان بنو ہاشم کو درہ میں کھانے پینے کی امداد پہنچا سکتے تھے پہلی بات کے متعلق تمام مؤرخین کا اتفاق ہے کہ جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا سیّد الشہداء حضرت حمزہ اور امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما اسلام لے آئے اور دنیا سے کفر و شرک میں زلزلہ برپا ہو گیا اور علی الاعلان تبلیغ اسلام سے کفار کو کھلا اٹھے تو سب نے بالاتفاق یہ تجویز پیش کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو الحیاۃ بالشد قتل کر دیا جائے۔ جناب ابوطالب نے دستورِ عرب کے موافق برادری سسٹم پر تمام بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب کو جمع کر کے شعب میں چلے جانے کا فیصلہ کر لیا تاکہ کفار و فحشہ حملہ نہ کر دیں تو کفار نے تمام قبائل عرب کے اتفاق سے ایک عہد نامہ تیار کیا۔ اور کعبہ شریف میں آویزاں کر دیا جس کی رو سے بنو ہاشم کے ساتھ لہین دین۔ رشتہ ناطہ اور خوراک وغیرہ پر پابندی لگادی۔

تاریخ کی مشہور کتاب طبری ج ۲ ص ۲۲۲ پر ہے۔

جب حضرت عمرؓ مسلمان ہو گئے اور اسلام قبائل میں پھیلنا شروع ہو گیا جو مسلمان بنجائی کے پاس پناہ گزیں گئے اس نے ان کی حفاظت کی تو قریش نے اجتماع کیا اور یہ طے کیا کہ ایک عہد نامہ لکھیں جس میں یہ شرط رکھیں کہ بنو ہاشم و بنو مطلب سے نہ کوئی رشتہ لیگا اور نہ کوئی

فلما اسلم عمر وجعل الاسلام  
يفتشوا في القبائل وحمل النجاشي من حضرة  
الى بلاد منهم اجتمعت قریش فاتفقت  
بينها ان يكتبوا بينهم كتابا يتعاقدون  
فيه على ان لا ينكحوا الى بنى هاشم و  
بنى المطلب ولا ينكحوهم۔

ان کو رشتہ دے گا۔

نیز ج ۲ ص ۲۲۵ پر ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب - اللہ کی ان پر ہزاروں رحمتیں ہوں جب اسلام لے آئے۔ آپ طاقتور، مضبوط اور پر شکوہ شخصیت تھے اور اس سے پہلے حضرت حمزہ بن عبد المطلب بھی اسلام لاکچے تھے تو صحابہ رسولؐ نے اپنے اندر بڑی طاقت دیکھی اور



اسلام قبائل میں پھیلنا شروع ہو گیا۔  
حافظ ابن کثیر المتوفی (۶۸۰) ابن اسحاق کے حوالے سے البیاریہ والنہایہ ج ۳ ص ۹۷ پر  
رقم طراز ہیں۔

”حضرت عمرؓ اسلام لے آئے آپ ٹبرے دبدر والے تھے۔ آپ کے آگے کوئی چون و چرا  
نہ کر سکتا تھا۔ صحابہ رسولؐ آپ کے ذریعے اور حضرت حمزہؓ کے ذریعے محفوظ ہو گئے۔ حتیٰ کہ قریش  
غضبناک ہو گئے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرمایا کرتے تھے ہم کعبہ شریف کے پاس نماز نہ پڑھ  
سکتے تھے۔ جب حضرت عمرؓ اسلام لے آئے تو کفار قریش سے جنگ کی اور کعبہ شریف کے پاس نما  
پڑھی اور آپ کے ساتھ ہم نے بھی پڑھی۔ صحیح بخاری میں حضرت ابن مسعودؓ کا یہ ارشاد بھی ہے کہ جب  
سے عمرؓ اسلام لائے ہم غالب ہوتے چلے گئے۔ نیز فرمایا حضرت عمرؓ کا مسلمان ہونا فتح اسلام تھی۔  
آپ کی ہجرت الی المدینہ نصرت اسلام تھی۔ آپ کی خلافت رحمت تھی۔ ہم پہلے کعبہ کے پاس نماز نہ  
پڑھ سکتے تھے حتیٰ کہ جب حضرت عمرؓ اسلام لے آئے تو قریش سے جنگ کی۔ کعبہ کے پاس نماز  
پڑھی اور ہم نے بھی آپ کے ساتھ پڑھی۔“

شیخہ کتاب روضۃ الصفا ج ۲ ص ۲۹ میں بھی قیدیہ شعب کا یہی سبب لکھا ہے۔

”قواعد شریعت بظاہر ہر حمزہ وفاروق اعظمؓ استحکام نہ پریت وطنطنہ قوس نبوت  
بسامع اقاصی وادانی قبائل عرب رسید بہت برہلاک حضرت مقدس نبوی مصروف داشتند۔  
واین خبر باطالب رسیدہ بنی ہاشم وبنی مطلب را جمع فرمودہ ودر حفظ حضرت رسالت پناہ  
ازیشان معاونت خواست مومنایں برائے رفع درجات آخرت وشرکایں آن دو قبیلہ بنابر  
تعصب وحمیت کہ عادت عرب است کم موافقت بر میان بستند (بحوالہ کشف الاسرار ص ۱۵)

یعنی حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ کے قبول اسلام سے اسلام کا غلطہ بلند ہوا تو قریش نے  
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا پروگرام بنالیا۔ ابوطالب کو تپہ چلا تو اس نے ہاشمی اور  
مطلبی گھرانوں کو اکٹھا کر کے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تحفظ میں اعانت طلب کی۔ ان کے  
اتفاق کرنے سے سب شعب ابوطالب میں چلے گئے۔

سنی شیعہ ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ حضرت حمزہؓ کے بعد حضرت عمرؓ کے اسلام لانے



سے ایک انقلاب برپا ہو گیا۔ قبائل میں سب سے زیادہ تبلیغ اسلام کو دیکھ کر کفار مشتعل ہو گئے اور یہ صور حال پیدا ہو گئی۔ اب عقلاً بھی یہ بعید ہے کہ جس شخصیت کے اسلام سے کفار اتنے مشتعل ہوں کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنا چاہتے ہوں خود اسے آزاد چھوڑ دیں۔ بلکہ صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۲۲ میں یہ تصریح ہے کہ جب حضرت عمرؓ اسلام لے آئے۔ ابو جہل وغیرہ صنادید قریش کو اپنے اسلام سے مطلع کیا اور تنہا کفار سے جنگ کی تو سب کفار بکھرنے لگے آپ کو قتل کرنے کے لیے گھروں کا محاصرہ کر لیا جن سے جنگ بھرا ہوا تھا۔ آپ گھر میں رہ و پوش ہو گئے۔ باہر سے آنے والے کفار کے ایک سردار عاص بن وائل بھی نے آپ کو پناہ دی اور کفار کو گھر میں واپس کیا۔

ہماری معلومات کے پیش نظر بالاتفاق تمام کفار نے یا شب ہجرت اور شب سے قبل قتل کا منصوبہ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا بنایا۔ یا پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قتل کا بنایا۔ اسی سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کفار کو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرح دشمنی تھی۔ وہ کیسے آپ کو آزاد چھوڑ سکتے تھے۔ اگر شعب میں ان کی محصور سیلیم نہ کی جائے۔ تو گھر کی محصور سیلیم بدرجہ اولیٰ سخت تھی کہ ہر وقت تمام شہر کی تلواریں دروازے پر چلتی تھیں۔ امر دوم کے متعلق ہماری رائے یہ ہے کہ بنو ہاشم کے ساتھ دوسرے مسلمان بھی قید شعب میں شریک ہو گئے تھے۔ انہوں نے از خود گھر میں محصور سیلیم کے بجائے اپنے محبوب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قید ہونے اور فقر و مصائب سہنے کو سرمایہ افتخار بنایا۔

اکبر خاں نجیب آبادی نے بار بار یہ جملے اپنی تاریخ قصہ شعب میں کہے ہیں۔

”جس قدر مسلمان تھے وہ بھی ان (بنو ہاشم) کے ساتھ ہی اس درے میں جو شعب ابی طالب کے نام سے مشہور ہے چلے گئے۔ (تاریخ اسلام ص ۱۱۲) پھر رہائی کے متعلق لکھتے ہیں۔

”بنو ہاشم اور تمام مسلمان شعب ابی طالب سے تین سال کے بعد نکلے اور مکہ میں آکر اپنے گھروں میں رہنے لگے۔ شعب ابی طالب میں مسلمانوں کو بھوک سے بیتاب ہو کر اکثر درختوں کے پتے کھانے پڑتے تھے۔ بعض بعض شخصوں کی حالت یہاں تک پہنچی کہ اگر کہیں سوکھا چمڑہ مل گیا تو اسی کو صاف اور نرم کر کے آگ پر رکھا اور بھون کر چبایا۔ ص ۱۲۱۔

ظاہر ہے کہ تمام مسلمانوں میں حضرت ابوبکر و عمرؓ بھی ہیں۔ وہ بھی شعب میں ساتھ گئے اور



قید ہوئے۔ امام ابلسنت مولانا عبد الشکور کھنوی نے خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم مناقب صدیقی میں  
صریحہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی حضور کے ساتھ گھاٹی میں قید و معیت کا ذکر کیا ہے۔

”حضرت صدیقؓ اذ خود اس مصیبت میں شریک ہو گئے۔ آپ کے ساتھ وہ بھی شوب میں  
چلے گئے اور وہیں رہے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا نے اس مصیبت سے نجات دی تو  
انہوں نے بھی نجات پائی۔ ابوطالب نے اس واقعہ کو اس شعر میں یوں بیان کیا ہے۔

وہم رجعوا سہل بن بیضار راضیا فسر ابوبکر بہا و محمد

انہوں نے جب سہل بن بیضار کو (نقص معاہدہ پر) راضی کر کے بھیجا تو اس پر حضرت ابوبکر  
صدیقؓ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہو گئے۔ اور یہ واقعہ علامہ ابن عبد البر کی الاستیعاب  
میں بھی ہے۔ اس سے پتہ چلا کہ ابوطالب کے ہاں حضرت ابوبکرؓ مومن اور غلص جہاں تھے تبھی خود دونوں

غیر ہاشمی حضرت سعد بن ابی وقاص فاتح ایران — یعنی سعد بن مالک بن دھیب بن عبد

مناف بن زہر بن کلاب کے از عشرہ مبشرہ اور ہاشمی وہ لوگ ہیں جو دھیب کے بھائی ہاشم کی اولاد سے ہیں۔  
کامیاب ہے کہ ایک دفعہ رات کو سوکھا ہوا چہرہ ہاتھ لگایا اسی کو پانی سے دھویا۔ آگ پر بھونا اور پانی  
میں ملا کر کھایا (رسول رحمت ۴۹) وروض الفہم ج ۱ ص ۲۴۵

حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۹۳ کے حوالے سے حیاۃ الصحابہ ج ۲ ص ۳۲ پر ہے۔

حضرت سعدؓ فرماتے ہیں کہ ہم وہ لوگ ہیں کہ مکہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہ کر ہم لوگوں  
کو اور خود حضورؐ کو تنگی مناش انتہا سے زیادہ پیش آئی۔ جب ہم اس مشقت میں (قید شوب کے وقت  
پر) پڑ گئے تو ہم لوگوں کو اس فقر و فاقہ اور سختی جھیلنے کی عادت پڑ گئی اور ہم لوگوں نے بڑے صبر اور  
تحل سے کام لیا اور میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ میں رہتے ہوئے یہ بھی دیکھا کہ  
رات کی اندھیری میں پٹیاب کے لیے اٹھا۔ کچھ کھر کھر اسٹ کی آواز آئی تو اسے غور سے دیکھا وہ  
اونٹ کی کھال کا ٹکڑا تھا اسے اٹھایا اور اسے دھویا اور پھر اسے جلایا اور اسے دو پتھروں سے  
پیس کر سفوف سا بنایا اور اسے پچانک کر پانی پی لیا۔ اسی پر میں نے تین دن گزار دیئے۔

انتہائی متعصب شیعہ مؤرخ ملا باقر علی مجلسی بھی لکھتے ہیں۔

در تفسیر امام حسن عسکری منقول است امام حسن عسکری کی تفسیر میں منقول ہے کہ



کہ چونکہ کفار قریش حضرت رسول را علی گروانیدند

کہ پناہ لشعب ابی طالب برد وایشان بریں  
مشتبہ جیسے را منزل کل گردند کہ مانع شوند از آن گد

کے بایشان از وقتہ برساند و کار بر اصحاب

آنحضرت بسیار تنگ شد و با آنحضرت تسکات  
دے گردند از کمی از وقتہ حضرت دعا کرد تا حقت

بہتر از من و سلوئی بنی اسرائیل برائے ایشان  
فرستاد و ہر چہ ہر یک از ایشان آرزو میکرد

از انواع طعام ہر یوچہ و حلاوات و جامہا  
نزد ایشان حاضر میشد (حیات القلوب ج ۲ ص ۲۱۱)

میٹھی چیزوں اور کپڑوں کی تمنا کرتے ان کے پاس وہ پیر پہنچ جاتی۔

اس شکی تحقیق سے معلوم ہوا کہ اصحاب رسول شعب میں فقر و تنگی برداشت کرتے تھے اور

باہر سے رسد و خوراک ہرگز نہیں پہنچ سکتی تھی کیونکہ کفار نے پرہ لگا رکھا تھا یا فرض کوئی مسلمان

کو شمش کز تانہ بھی ناکام ہوتا۔ مسلمانوں کے ساتھ خیر و فروخت بھی ممنوع تھی۔ امیر موم

کے متعلق روضۃ الصفا ج ۲ ص ۲۹ میں بھی یوں تفصیل لکھی ہے۔

کہ کہ شعب میں مسلمانوں کے داخلے کے بعد ان پر بڑی مصیبت لگی۔ اگر اہل سلام میں سے

کوئی ایک بھی اس جگہ سے قدم باہر نہ نکالتا۔ کفار شرار اسے خوب تکلیف پہنچاتے اور کسی قیدی

کو مجال نہ دیتی کہ موسم حج و عمرے کے علاوہ اس جگہ سے باہر قدم رکھیں اور موسم حج میں بھی

الوجہل۔ نضر بن حارث۔ عاص بن وائل۔ عقبہ بن ابی معیط اور ان جیسے سنگ دل مشرکین نے

راستوں پر کھڑے ہو کر ان لوگوں سے کہتے جو اشیاء خور و دنیٰ بیچنے کے لیے لے لائے کہ جو کوئی تم

میں سے محمد اور اس کے صحابہ کے ہاتھ کچھ فروخت کرے گا اس کا مال و اسباب برباد کر دیا جائے

گا۔ اور اگر کبھی موسم زیارت و طواف میں دیکھتے کہ رسول اللہ کے ساتھیوں میں سے کوئی شخص

خریداری کر رہا ہے تو وہ اس پر دام چڑھادیتے تھے حتیٰ کہ مسلمان بیچارہ مایوس ہو جاتا تھا۔

جب کفار قریش نے حضور کو مجبور کر دیا کہ

آپ شعب ابی طالب میں پناہ لیں۔ اور  
انہوں نے شعب کے دروازے پر ایک جھا

پہ بدار مقرر کر دی جو اس بات سے منع کریں کہ

کوئی شخص شعب والوں تک خوراک پہنچائے

آنحضرت کے صحابہؓ (بنو ہاشم و غیرہ بنو ہاشم) پر

تنگی ہو گئی۔ انہوں نے آپ سے بھوک کی تسکات

کی آپ نے دعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل

کے من و سلوئی سے بہتر ان کے لیے کھانا اتارا

اور ان میں سے جو بھی جس قسم کے میوے کھاتے



اب انصاف سے آپ ہی بتائیں کہ ان حالات میں کوئی مسلمان کس طرح یہ قدرت پاسکتا تھا کہ وہ کوئی چیز خرید کر حضور تک پہنچائے اور کفار کی گرفت سے بچ سکے۔ اب وہی صورتیں تھیں یا تو ہمدرد قسم کے کفار یہ کام سرانجام دیں جیسے سوال میں مذکور ہے۔ یا پھر چوری چھپے کا کاراستہ تھا۔ بھلا مخفی عمل ہم تک روایت ہو کر کیسے پہنچ سکتا تھا۔ بالفرض اگر حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما یا کسی مسلمان نے کچھ دانہ پانی پہنچایا بھی ہو تو اس کی اطلاع ہم تک کیسے پہنچے۔ کفار کی ناکہ بندی کے علاوہ اس بنا پر بھی روایت کی ضرورت نہ سمجھی گئی کہ ہم مسک و ہم مشرب ایک دوسرے کی اعانت کرتے ہی ہیں۔ البتہ زمہیر بن امیہ وغیرہ کا کھانا پہنچانا یا مقابلہ ختم کرنے کی کوشش کرنا مخالفین کی اپنی اور قابل روایت بات تھی اس کا تاثر بخیر جز بنیاد امر مقبول تھا۔ شیعہ کے نزدیک مؤمن صحابہ حضرت عباسؓ اور ابوذر غفاری رضی اللہ عنہم بھی غیر ماضی ہیں کیا ان کے بھی اس عمل کا ثبوت مل سکتا ہے؟ اگر نہیں تو حضرت ابو بکر و عمرؓ سے ہی یہ معنی برتھب مطالبہ کیے؟ اصل بات یہی ہے کہ شعب میں تمام بنو ہاشم۔ ماسوائے ابولہب اور اس کے بیٹوں کے۔ قید تھے۔ ان کے ساتھ دیگر صحابہؓ نہ بھی بکشت تھے اور جو مسلمان اپنے گھروں میں تھے وہ بھی قید تھے۔ خرید و فروخت یا کاروبار میں کوئی بھی آزاد نہ تھا۔ نہ معلوم یہ لوگ اپنے بال بچوں کا گزارہ کیسے چلاتے ہوں گے۔ حضرات شیخینؓ شعب میں حضورؐ کے ساتھ گرفتار قید و مصائب تھے۔ بالفرض گھر میں بھی ہوں تو بھی قید تھی۔ جب سید سے منہ نہ کوئی بات کرنا۔ نہ خرید و فروخت ہوتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات پر سخت پابندی تھی۔ ان تکالیف کا تصور اصحاب عشق و درد ہی کر سکتے ہیں۔ بعض صحابہؓ و اہلبیتؑ نبویؐ سے محو کیمینہ میں اس کی رسائی کہاں۔ وہ تو صرف طعن پر طعن کرنا اور رسول خداؐ کا دل دکھانا ہی جانتے ہیں۔

**حضرات شیخینؓ کے مصائب و آلام** | شیعہ مترض یہ تصور دلانا چاہتے ہیں کہ مکہ میں مصائب بنو ہاشم نے اٹھائے اور حضرت ابو بکر و عمرؓ وغیرہم

رضی اللہ عنہم صحابہ کرامؓ نے تکلیفیں نہیں پائیں۔ حالانکہ معاملہ برعکس ہے۔ بنو ہاشم کے کم افراد آغاز اسلام میں مشرف بایمان ہوئے اور وہ بھی بیشتر مواقع پر کفار کے مظالم سے اس لیے محفوظ رہے کہ جناب ابوطالب رئیس خاندان اور قریش کے ہم مذہب تھے۔ کفار ان کا احترام کرتے



ہوئے نبوہاشتم سے کم تعرض کرتے تھے۔ صنفاء و عزباء صحابہؓ۔ اور غلاموں کا طبقہ مصائب کی بھٹی میں جھونکا گیا تھا۔ جیسے حضرت یاسرؓ، عمار بن یاسرؓ، سمیہؓ، بلالؓ، ابو فکیہؓ، زبیرہؓ، خیاب بن الارتؓ، حضرت ابوذر غفاریؓ، حضرت زبیر بن عوامؓ، طلحہ بن عبید اللہؓ، سعید بن زیدؓ۔ ان کی بیوی فاطمہ بنت خطابؓ، مصعب بن عمیرؓ، عثمان بن مظعونؓ و غیر ہم رضی اللہ عنہم اجمعین ان میں سے حضرت ابوذر و عمارؓ کے سوا شیعہ کو کسی سے بھی ذرا عقیدت و الفت نہیں۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ و عمر فاروقؓ رضی اللہ عنہما اگرچہ چاندانی محض زاور سرسراوردہ قسم کے بزرگ تھے۔ تاہم اپنے محبوب و مقبوع حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاع و علامی میں ان کو بڑے بڑے مصائب کا نشانہ بننا پڑا۔ بطور نمونہ چند واقعات پیش خدمت ہیں۔

۱۔ و نوفل بن عبد کان من اشد المشرکین عداۃ لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و هو الذی قمن ابا بکر بطلحۃ قبل المجدۃ بمکہ و اوقفہا بحبل و عذ بہما یوما الی اللیل حتی سئل فی اموہما (شیبہ کتاب کشف الغمہ ص ۲۴۵)

کفار کا شیر نوفل بن خویلد حضورؐ کی دشمنی میں کفار سے سخت تھا۔ اسی نے ہجرت سے قبل مکہ میں حضرت طلحہ و ابو بکرؓ کو رسی میں باندھ کر پورے دن رات تک سخت سزا دی تھی حتیٰ کہ ان کی گھٹائی کے متعلق پوچھ گچھ ہونے لگی تھی۔

۲۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اتریں صحابہؓ ہو گئے تو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اس بات پر اصرار کیا کہ اب آپؐ حکم کھلا تبلیغ کیجیے۔ آپؐ نے فرمایا اے ابو بکر! بھی ہم لوگ تھوڑے ہیں مگر حضرت ابو بکرؓ بار بار اصرار کرتے رہے۔ پچانچہ حضورؐ نے علانیہ دعوت دینی شروع کر دی۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ تبلیغ کے لیے کھڑے ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے۔ اسلام میں یہ وہ پہلے خطیب ہیں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف دعوت دی۔ مشرکین چاروں طرف سے حضرت ابو بکرؓ اور مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے اور بڑی بے دردی کے ساتھ مسلمانوں کو مارا پیٹا۔ حضرت ابو بکرؓ رضی اللہ عنہ کو مارا بھی اور روند بھی۔ عقبہ بن ربیعہ فاسق نے قریب آکر اپنے کئی تلہ والے جوتا سے حضرت ابو بکرؓ کو مارنا شروع کیا اور ان کو آپ کے چہرے پر مارتا۔ آپ کے پیٹ پر کو دا بھی۔ حضرت ابو بکرؓ اس قدر زخمی ہو گئے تھے کہ ان



کا چہرہ اور ناک نہ پہچانی جاتی تھی۔ بے ہوش ہو گئے تھے۔ ہوش آنے پر سب سے پہلے حضور کی خیریت پوچھی تھی۔ (حیۃ الصحابہ ج ۱ صفحہ ۲۹)

۳۔ حضرت عمرؓ جب مسلمان ہو گئے تو کفار کے مجمعوں میں جا جا کر علی الاعلان بتایا اور کہا اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمدؐ عبیدہ ورسولہ۔ سب کفار آپ پر چیلے۔ حضرت عمرؓ (تنہا) ان سب سے لڑتے رہے یہاں تک کہ سوچ سر پہ آگیا۔ حضرت عمرؓ تھک کر بیٹھ گئے اور کہتے تھے جو تمہارے جی میں آئے کرو۔ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر یتیم میں سوا آدمی ہو جائیں تو پھر یا یتیم رہیں گے یا تم رہو گے۔ (حیۃ الصحابہ ج ۱ صفحہ ۲۹)

۴۔ اسلام عمرؓ پر جب سارا شہر آپ کو قتل کرنے اٹھ آیا اور آپ مجبوراً گھر میں پناہ گزیں ہو گئے تو آپ کے پاس ابو العاص بن اہل سہمی آیا اس نے کفار کو آپ سے ہٹایا (بخاری)۔  
۵۔ محمد بن ابراہیم نمکی لکھے ہیں کہ جب حضرت عثمانؓ اسلام لے آئے تو ان کے چچا حکم بن ابوالحسن بن امیر نے ان کو پکڑا اور رسیوں میں باندھ دیا اور کہا تو اپنے باپ دادوں کے دین سے ایک نئے دین کی طرف پھر گیا۔ خدا کی قسم میں تجھ کو بندھا رہے ہوں گا جب تک کہ تو اس دین کو نہ چھوڑے گا۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا میں کبھی بھی اس دین کو چھوڑنے والا نہیں۔ جب حکم نے ان کی پختگی دیکھی تو چھوڑ دیا۔ (ابن سعد ج ۳ صفحہ ۳۴)

سرورِ کونین کے علاوہ حضرت علیؓ یا دیگر کسی ہاشمی بزرگ کے متعلق ایسے واقعات ہمارے علم میں نہیں۔

حضرت ابوالعاصؓ خوراک پہنچاتے تھے | خدا اور تعصب کا براہو۔ معتز بن زہیر بن امیر وغیرہ مالی امداد پہنچانے والوں میں حضرت ابوالعاصؓ بن

ربیع دامادِ رسولؐ کا ذکر نہیں کرتا۔ جو حضرت زینب بنت رسولؐ کے شوہر اور حضرت خدیجہ الکبریٰؓ کے بھانجے تھے۔ مبادا ان کا ذکر ہو تو شیخ مذہب خاک میں مل جائے۔

باقر علی غلبی بھی قصہ شعب میں ان کا ذکر خیر لیں کرتے ہیں۔

ابوالعاصؓ بن ربیع کہ دامادِ حضرت رسولؐ بود شترال بر در شعب مے آورد کہ گندم اور ابوالعاصؓ بن ربیع جو حضورؐ کے داماد تھے گندم اور کھجوروں سے اونٹ لاد کر شعب کے



دروازے بارگاہ بود و صد امین و آں شتران  
کہ داخل درہ مے شدند و برہیکشت لہذا حضرت  
فرمود کہ ابوالعاص حق دامادی مارا نیکور عایت  
کرد۔ و حیات القلوب ج ۲ ص ۳۳  
داماد ہونے کا بہت اچھا لحاظ کیا۔

دروازے پر لے آئے اور آواز دیتے تو اونٹ  
درہ میں داخل ہو جاتے (مسلمان غلہ اتار لیتے)  
تو حضرت ابوالعاص واپس ہو جاتے۔ یہی وجہ  
ہے کہ حضور فرماتے ہیں ابوالعاص نے ہمارے

شہید کتاب اعلام الورلی ۶۱ مطبوعہ ایران میں بھی یہی الفاظ ہیں۔

دامادی کے لقب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یا حضرت ابوالعاص کو نوازا  
یا پھر حضرت عثمان ذوالنورین کے متعلق فرمایا تھا کہ اگر رقیہ و ام کلثوم کے بد میری کوئی اور بھی  
صاحبزادی ہوتی تو حضرت عثمان کو بیاہ دیتا۔ اور چونکہ آنکھوں کی یہ ٹھنڈک حضور کو تو ریشم  
حضرت فاطمہ الزہراء سلام اللہ علیہا و علیٰ ایہا و زوہبہا سے حاصل نہ ہوئی تھی بلکہ دختر الوہب  
کی خواستگاری کی وجہ سے حضرت فاطمہؓ کے ناراض ہونے اور میکے چلے جانے پر حضور کو یوں  
فرمانا پڑا تھا۔ فاطمہ بضعة منی فمن اذا ہا فقد اذانی فاطمہ میرے گوشت کا حصہ ہے جو  
اسے ستائے گیا اس نے مجھے ستایا۔ اور یہ قصہ طریقیں کی تاریخ و سیرت میں متواتر ہے لہذا شیعہ  
حضرت علیؓ کے ماسوا کسی کو داماد رسول ماننے سے بدکتے ہیں۔ حالانکہ یہ متواتر حقیقت ہے۔  
اس کا انکار صریح و کاہرہ ہے اور ہمارے علم میں کوئی مثال نہیں کہ کسی مستند شیعہ مؤلف یا مورخ  
محدث نے بنات رسولؐ اور آپ کے دامادوں کا انکار کیا ہو۔ جیسے اگلے سوال میں تمام عبارات  
مفصل آرہی ہیں۔

سوال ۲ حضرت فاطمہؓ کا انتقال بقول اہلسنت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
کی رحلت کے چہ ماہ بعد ہوا حضرت ابوبکرؓ کا انتقال ۲ برس رسول خدا کے بعد ہوا حضرت عمرؓ  
نے ۲۶ ذی الحجہ ۲۳ھ کو انتقال فرمایا تو کیا وجہ تھی کہ دونوں بزرگوں کو جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ و  
سلم کے بعد کافی عرصہ کے بعد انتقال کرتے ہیں۔ روح رسولؐ میں دفن ہونے کے لیے جگہ مل گئی۔  
اور رسول خدا کی اکلوتی بیٹی سیدہ طاہرہ مادر جنین کو باپ کے پاس قبر کی جگہ نہ مل سکی۔ کیا خود  
تو لڑنے باپ سے علیحدگی قبر کی وصیت کی تھی یا حضرت علیؓ نے حکومت وقت کی پیشکش کو ٹھکرا



دیا تھا۔ یا مسلمانوں نے بھنڈے رسول کو قبر رسول کے پاس دفن نہ ہونے دیا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔  
 جواب۔ شدید دوست سخن سانی میں اپنے اسلاف کی طرح خوب ماہر ہے۔ اسے کہتے ہیں۔  
 مدعی سست گواہ چست۔ ورنہ حضرت فاطمہ الزہراء کی تجہیز و تکفین اور تدفین بلا اختلاف ان  
 کی اپنی مرضی اور وصیت کے مطابق ہوئی حضرت علی المرتضیٰ حضرت عباس و دیگر صحابہ کرام رضی  
 نے تمام امور وصیت کے مطابق سرانجام دیئے۔ طبقات ابن سعد ج ۸ تذکرہ حضرت فاطمہ رضی  
 ایک نظر میں تمام روایات ملاحظہ ہوں۔

- ۱۔ حضرت فاطمہ رضی سب سے پہلی خاتون ہیں جن کے لیے تشہد ربا پر وہ چار پائی بنائی گئی  
 ہوا سجاد بنت عبدی بن زویہ ابو بکر صدیق رضی نے بنائی تھی (از ابن عباس رضی)
- ۲۔ فاطمہ رضی کے جنازے کی نماز عباس بن عبد المطلب نے پڑھائی اور انہیں قبر میں عباس  
 علی رضی اور فضل بن عباس رضی نے اتارا (از عروہ)
- ۳۔ فاطمہ رضی کی قبر میں علی رضی عباس رضی اور فضل رضی اترے (از عائشہ رضی)
- ۴۔ حضرت فاطمہ رضی کی نماز علی رضی کے پڑھائی (از عروہ)
- ۵۔ فاطمہ رضی پر ابو بکر رضی نے نماز پڑھی تھی۔ (از شعبی)
- ۶۔ حضرت ابو بکر رضی نے حضرت فاطمہ رضی کے جنازے کی نماز پڑھائی اور چار تکبیریں کہیں (از  
 ابراہیم نخعی)

۷۔ حضرت فاطمہ رضی کورات میں علی رضی نے دفن کیا (از زہری)  
 عروہ محمد بن علی حضرت عائشہ رضی بن سیدہ حضرت ابن عباس رضی سے روایات ہیں کہ رات  
 کے وقت حضرت علی رضی نے آپ کو دفنایا۔ ان تمام روایات سے پتہ چلتا ہے کہ جو کچھ ہوا بلا نزاع و  
 اختلاف ہوا اور بنو ہاشم کے ذمہ داروں نے تجہیز و تکفین کی تھی ظن غالب یہ ہے کہ حضرت  
 فاطمہ الزہراء رضی نے رات کو اپنا جنازہ اٹھانے اور جنت البقیع میں دفن کرنے کی وصیت کی تھی۔  
 اور حضرت ابو بکر صدیق رضی نے چار تکبیروں سے آپ کا جنازہ پڑھایا۔

شیخہ کی معتبر کتاب اعلام الوری باعلام الهدی ص ۵۵ اپر تدفین کا ذکر یوں ہے۔

روایت ہے کہ آپ ۳ جمادی الاخرہ ۱۱ھ میں



جمادی الاخرۃ احدی عشرۃ من  
الہجرتہ وبقیت بعد النبی خمسۃ و  
تسعين یوما وروی اربعۃ اشهر وروی  
امیرالمومنین غسلها اسماء بنت عمیس  
وافہا قالت اوصت فاطمۃ ان لا یغسلها  
اذا ماتت الا انا وعلی فغسلتها انا وعلی  
وصلی علیہا امیرالمومنین والحسن  
والحسین وعمار ومقداد وعقیل و  
الزبیر والبوذر وسلمان وبریدۃ ونفر  
من بنی ہاشم فی جوف البیل ودفنہا  
علی امیرالمومنین سرابوصیتہ منہا فی  
ذلک -

فوت ہوئیں۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے  
بعد ۹۵ دن یا ۴ ماہ زندہ رہیں حضرت علی و  
حضرت اسماء بنت عمیس نے وجہ ابو کبشہؓ غسل  
دینے والے تھے۔ اسماءؓ کہتی ہیں حضرت فاطمہؓ  
نے وصیت کی تھی کہ آپ کو غسل میں اور علیؓ ہی  
ویں پس میں نے اور علیؓ نے غسل دیا۔ اور  
جنازے میں یہ لوگ یقینی تھے۔ حضرت علیؓ حضرت  
حسن حسین۔ عمار۔ مقداد۔ عقیل۔ زبیر۔ ابوذر  
سلمان۔ بریدہ اور بنو ہاشم کے کچھ لوگ معنی  
اللہ عنہم اجمعین۔ جنازہ رات کو ہوا اور حضرت  
امیرالمومنینؓ نے آپ کو وصیت کے مطابق  
پوشیدہ دفن کیا۔

اس اقتباس سے چند باتیں معلوم ہوئیں۔  
۱۔ حضرت فاطمہؓ نے اپنے غسل اور تدفین کے حلقہ وصیت کی تھی اور حضرت علیؓ نے  
اسی پر عمل کر کے رات کو تدفین فرمائی۔ اگر روئے نبویؐ میں دفن کرنے کی وصیت کی ہوتی تو ضرور  
روایت میں تذکرہ ملتا اور پھر حضرت علیؓ اس کی خلاف ورزی کر کے کسی جنت البقیع میں دفن نہ  
کرتے۔ اگر شیعہ مترفع کے پاس اس کا ثبوت ہوتا تو باحوالہ کتب تاریخ فریقین سے واضح کرتے یہ  
کس قدر تہیکی اور اصولی مناظرہ سے جہالت پر مبنی بات ہے کہ خصم سے یہ ثبوت مانگا جائے۔ کیا  
خود بتول نے باپ سے علیحدگی قبر کی وصیت کی تھی؟ وصیت ایجابی امور میں ہوتی ہے کہ ایسا کرنا۔  
سلبی امور میں تو اس وقت ہوتی ہے۔ جب متوفی کو ظن غالب ہو کہ میرے ورثہ یا یہ غلط کام ضرور  
کریں گے تو وہ اس سے روک جائے۔

۲۔ حضرت علیؓ نے آپ کو وصیت کے مطابق ہی رات کے وقت اور پوشیدہ طور پر دفنایا  
اگر مجبرہ عائشہ صدیقہؓ میں دفن کی وصیت ہو تو دونوں میں تضاد ہے۔ مسجد نبویؐ میں اور



روضہ اقدس میں تدفین کیسے مخفی رہ سکتی ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کا دروازہ مسجد میں کھلتا ہے۔ نمازیوں اور نفل پڑھنے والوں سے مسجد بھری رہتی ہے اور صلاۃ و سلام پڑھنے والوں کا تائبانہ رہتا ہے۔

۳۔ رات کو اور پوشیدہ تدفین اس لیے نہیں ہوئی کہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ اور صحابہ کرامؓ (العباد باللہ) جنازہ میں شرکت نہ کریں جیسا کہ شیعہ کا باطل خیال ہے۔ بلکہ اس کی وجہ محض ستر پوشی اور عوام کی نظروں سے سرریہ مبارک کو بھی بچانا ہے۔ جیسے البیہ والنہایہ ج ۶ ص ۳۳۳ پر ہے۔

ودفنت بالبقیع وہی اول من ستر آپ کو جنبۃ البقیع میں دفن کیا گیا۔ آپ وہ پہلی خاتون ہیں جن کا جنازہ ڈھانپا گیا۔

رات کو تدفین کی وصیت میں یہ تاثر بھی دلاتا ہے کہ سیدہ خاتونِ جنت دنیا کو شبِ تاریک میں چھوڑ کر جا رہی ہیں۔ اور اللہ کے مقبرین بندوں کے علاوہ دنیا میں تاریکی ہی تاریکی ہے۔ ۴۔ حضرت فاطمہؓ نے اپنے غسل کے لیے حضرت اسماء بنت عبیسؓ کو مقرر کیا اور حضرت علیؓ کو ان کا معاون نامزد کیا۔ یہ اسماء رضی اللہ عنہا فیصل امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیقؓ کی اہلیہ محترمہ ہیں اور وفات صدیقی کے بعد حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ کے عقید میں آئی تھیں۔

یہیں سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ صدیقی گھرانہ کو خاندانِ اہلبیت کے ساتھ کس قدر محبت و وفاداری ہے۔ کہ حضرت اسماءؓ اپنے خاوند کی اجازت سے نہ صرف مدتِ دراز تک حضرت فاطمہؓ کی تیمارداری میں رہیں بلکہ غسل کا شرف بھی بنا بر وصیت آپ کو حاصل ہوا جو سونے پر سماگہ کی مثل ہے اور خاندانِ اہلبیت کے گھرانہ صدیقی پر اعتماد کا اعلیٰ ترین ثبوت ہے۔

۵۔ این سعادت بزورِ باز و نیست تانہ بخشد خدائے بخشندہ اور یہیں سے شیعہ کے وہ ہفوات پادر ہوا ہو جاتے ہیں کہ ابوبکر صدیقؓ کو تو وفاتِ فاطمہؓ و جنازہ کی اطلاع نہ دی گئی تھی یہ کیسے ممکن ہے۔ خاتونِ جنت کی وفات و جنازہ ہوا اور لوگوں کو پتہ نہ چلے۔ بیوی غسل و تکفین تک کی خدمت سرانجام دیں اور خلیفۃ المسلمین خاوندِ بخیر ہو۔ دراصل اس قسم کے باطل نظریات سے یہ مفاد پرست ٹولہ۔ اہل بیتِ نبویؐ کی عزت و توقیر کو خاک میں ملاتا ہے۔ ورنہ ہمارے نزدیک جنازہ پوری چھپے نہ تھا۔ جیسے قاتل اپنے مقتولوں



کے ساتھ کرتے ہیں۔ بلکہ صحابہ کرامؓ کی کثیر تعداد شریک تھی۔ ہاں جنازہ کس نے پڑھایا؟ اس میں روایات مختلف ہیں۔ ایک روایت میں آپ کے خاوند حضرت علیؓ کا نام ہے۔ ایک میں یحییٰ بن جعفر حضرت عباسؓ کا ہے۔ ایک میں آپ کے نانا ابو بکر صدیقؓ کا ہے۔ کوئی بھی ہو ہر ایک بزرگ و مستحق تھا۔ کیا ہی خوش قسمت جنازہ تھا اور کیا خوش بخت جنازہ پڑھنے والے تھے۔ صلوات اللہ علی نبیہم وعلیہم اجمعین۔

شیعہ عالم نجم الحسن کرار وی آپ کی وفات کے سلسلے میں لکھتے ہیں۔  
 ”جب رات ہوئی تو حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو غسل دیا اور کفن پہنایا نماز پڑھی اور جنت البقیع میں لے جا کر دفن کر دیا۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ کو منبر اور قبر رسول اللہ علیہ وسلم کے درمیان دفن کیا گیا۔ (چودہ ستارے ص ۲۵۲)

روایت ثانی پر تو اعتراض بنانے کی حاجت نہیں رہی۔ روایت اولیٰ پر ظاہر ہے کہ حضرت علیؓ نے یہ سب کام وصیت کے مطابق کیے۔ اگر حجرہ عائشہؓ میں دفن کی وصیت ہوتی تو آپ ایسا ہی کرتے۔ اس اقتباس میں حضرت علیؓ کے غسل دینے کا مطلب یہ ہے کہ آپ پانی لانے بہانے میں معاون تھے۔ ہاتھوں سے غسل حضرت اسکاؤد و ابو بکرؓ دے رہی تھیں۔

اہل سنت کے برعکس۔ مدفن فاطمہؓ میں شیعہ روایات مختلف ہیں۔ ایک روایت میں جنت البقیع ہے جو

دنیا کے سب قبرستانوں سے افضل ہے اور جہاں دس ہزار صحابہ کرامؓ اہم مقامات المؤمنین۔ بات رسولؐ اور آپ کے صاحبزادے ابراہیم مدفون ہیں۔ یہی روایت سب سے اصح اور اہل سنت کا مذہب قوی ہے۔ معتد علماء شیعہ بھی یہی کہتے ہیں۔ جیسے کرار وی صاحب کا حوالہ گزرا۔ جنت البقیع میں آپ کی اور حضرت حسنؓ۔ عباس بن عبدالمطلب۔ زین العابدین۔ حضرت باقر و جعفر رضوان اللہ علیہم کی قبور صحیح سالم ایک گول احاطے میں ہیں۔ ایران کے بڑے بڑے فاضل شیعہ کو راقم نے وہاں صلاۃ و سلام پڑھتے دیکھا ہے۔

دوسرا مقام بیت فاطمہؓ ہے جو مسجد نبویؐ کے بالکل قریب تھا اور دروازہ مسجد میں کھلتا تھا۔ تیسرا مقام آپ کی قبر اور منبر کے درمیان روضۃ من ریاض الجنۃ میں ہے۔ یہ دونوں مقام



اب مسجد نبوی میں شامل ہیں۔ یہاں بھی احتیاطاً صلاۃ و سلام پڑھ لینا چاہیے۔  
اب شیعہ روایات ملاحظہ کریں۔

ثم قال علي يا اسماء اغسليها وخطيها  
وكفنيها قال فغسلوها وكفنوها وحطوها  
وصلوا عليها ليلا ودفنوها بالبقيع ومات  
بعد العصر قال ابن بابويه جاء هذا الخبر  
هكذا والصحيح عندى انها دفنت في  
بيتها فلما زاد بنو امية في المسجد صار  
في المسجد (كشف الغم ص ۱۲۹)  
جب بنو امیہ نے مسجد میں اضافہ کیا تو یہ حصہ مسجد میں آگیا۔  
۲۔ داماموضع قبرها فاختلف فيه  
قال بعض اصحابنا انها دفنت بالبقيع و  
قال بعضهم انها دفنت في بيتها... و  
قال بعضهم انها دفنت فيما بين القبر  
والمنبر (اعلام الورى ص ۵۹ بحوالہ كشف الغم ص ۱۲۹)  
آپ کی جائے قبر میں اختلاف ہے بعض حضرات  
کہتے ہیں جنت البقیع میں دفن ہوئیں بعض کہتے  
ہیں اپنے گھر میں دفن ہوئیں اور بعض کہتے ہیں کہ  
قبر نبوی اور منبر کے درمیان دفن ہوئیں جو  
جنت کا ٹکڑا ہے۔

پھر مصنف کہتے ہیں پہلا قول بعید ہے اور دوسرے دو اقرب الی الصواب ہیں۔  
اس روایت کی رو سے اگر آپ واقعی اپنے گھر یا مسجد نبوی کے چھتے ”روضۃ من ریاض  
الجنة“ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ میں مدفون ہوئیں تو پھر عز و شرف کا کیا کہنا؟ یہاں  
تدفین کسی صورت میں مخفی نہ ہو سکتی تھی۔ یہ مسلمانوں کی خلافت کا ہیڈ کوارٹر تھا۔ ہر وقت سینکڑوں  
مسلمان نماز پجکانہ۔ نوافل۔ صلاۃ و سلام کے لیے شب و روز موجود رہتے تھے۔ اصحاب صفہ کی  
رہائش گاہ یہی تھی اگر یہ منہ امت کرتے تو تدفین کیسے ہو سکتی تھی۔ ان روایات اور اس مدفن کے  
پیش نظر خفیہ تدفین کا افسانہ خلیفہ خدا اور مسلمانوں پر سیدہ کی ناراضی کے وضعی قصے اور اس  
قسم کے تمام شیعہ شبہات خود بخود دفن ہو جاتے ہیں۔



روئے پاک میں دفن نہ کرنے کی وجہ | یہاں تک تو سیدہ حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کے دفن کا بیان ہوا کہ خود ان کی وصیت کے مطابق مہرک

مقام پر تدفین ہوئی۔ اب رہا یہ امر کہ مسلمانوں نے روئے رسولؐ میں کیوں دفن نہ کیا تو وضاحت یہ ہے کہ ایک تو وصیت کے خلاف ہوتا۔ دوم یہ کہ حضرت عائشہ صدیقہ کا حجرہ قبرستان نہ تھا۔ نہ جگہ وقف تھی۔ وہ تو نبض قرآنی **وَإِذْ كُنَّا نَقِيلُ فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ** (احزاب) اور اسے نبی کی اہل بیت بیویو! تمہارے گھروں میں جو اللہ کی آیتیں اور حکمت کی باتیں پڑھی جاتی ہیں ان کو یاد کرتی رہا کرو) حضرت عائشہؓ کی ملکیت خاصہ تھا۔ حضرت عائشہؓ کی جلاو عظمت کے پیش نظر اللہ پاک نے آپ کے حجرے وراثت گاہ کو مدفن پیچھے رہنے سے مشرف کیا۔ جس طرح آپ کی گود میں حضورؐ کی وفات ہوئی۔ آپ نے اپنے دانتوں سے چبا کر مسواک کرایا اور آخری دنوں میں تیار واری وضعت کا فریضہ سر انجام دیا۔ تو یہاں از خود دفن کرنے کا سوال نہ تھا۔ اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی یہ منظور ہوتا کہ میری اور میری اولاد کی قبر یکجا ہو۔ تو آپؐ وصیت میں یوں فرمادیتے کہ مجھے جنت البقیع میں میری صاحبزادیوں اور صاحبزادہ ابراہیمؑ کے پاس دفن کرنا یا جب حضرت فاطمہ الزہراء کو اپنے بعد جلدی ہی وفات اور ملاقات کی بشارت دی تھی تو فرمادیتے کہ انہیں میرے ساتھ دفن کرنا۔ اس قسم کی کوئی روایت سنی شیعہ ذخیرہ تاریخ میں سے نہیں مل سکتی۔

بالفرض اگر حضرت سیدہ وصیت فرماتیں تو بھی اپنی ماں اور مالک حجرہ حضرت عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا وعلیٰ زوجہا سے اجازت درکار تھی۔ بالفرض اگر نہ بیتی تو بھی کوئی شرعاً و عرفاً ناروا بات نہ ہوتی۔ اس کے برعکس حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بھی اپنی صاحبزادی سے اجازت مانگی اور عند الرسولؐ دفن کی وصیت کی (بخاری) اسی طرح حضرت عمر فاروقؓ نے بھی اجازت مانگی پھر دفن کی وصیت کی (بخاری ج ۲ ص ۱۹۹) بنا بریں مسلمانوں کے ذمے ان حضرات کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں دفن کرنا لازم ہو گیا تھا۔ اور حضرت فاطمہؓ کے متعلق ایسی کوئی بات نہ تھی۔ حضرت ابوبکر و عمرؓ کی تدفین در روئے اقدس کے موقع پر حضرت شیر خدا علی المرتضیٰ، حضرت حنین عباس و دیگر سب اہل بیت و بنو ہاشم رضوان اللہ علیہم اجمعین موجود تھے۔ وہی



روکا وٹ ڈال دیتے۔ کیا ذرا بھی اس کا شوشہ کہیں ملتا ہے؟ بلکہ وہ تو خود شریک عمل نظر آتے ہیں۔

**دفن شیخین کا باطنی سبب** | یہ تو ظاہری سبب ہوا اصلی سبب تدفین مع الرسول وہ انتظام خداوندی ہے جس پر سنی و شیعہ کا مشترکہ ایمان ہے۔ ہر شخص کی قبر وہاں بنتی ہے جہاں سے اس کا خمیر تیار کیا جاتا ہے۔

شیعہ کے مستند مترجم مولوی مقبول صاحب دہلوی آیت منہا خلقنا کم کے تحت لکھتے ہیں۔ ”کہ کافی میں امام جعفر صادق سے منقول ہے کہ نطفہ جب رحم میں پہنچ جاتا ہے تو خدا تعالیٰ ایک فرشتہ کو بھیج دیتا ہے کہ اس مٹی میں جس میں یہ شخص دفن ہونے والا ہے تھوڑی سی لے آئے پچانچہ وہ فرشتہ لاکر نطفہ میں ملا دیتا ہے اور اس شخص کا دل ہمیشہ اس مٹی کی طرف مائل ہوتا رہتا ہے (اس غیر حسی میلان کا ہر شخص کو پتہ نہیں لگ سکتا، جب تک کہ اس میں دفن نہ ہو جائے۔) (پ ۱۶ ص ۳۷)

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ ہر کچھ کی ناف میں اس مٹی کا حصہ ہوتا ہے جس سے وہ بنایا گیا یہاں تک کہ اسی میں دفن ہو جائے اور میں، ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما ایک ہی مٹی سے بنے ہیں اور اسی میں دفن ہوں گے (المفق و المفق و المخطیب)

یہ حدیث فرقہ بریلویہ کے پیشوا مولوی احمد رضا خان صاحب نے بھی اپنے فتاویٰ افریقہ میں نقل کی ہے۔ بلکہ اس کے ساتھ امام حکیم ترمذی کی نوادر الاصول سے یہ الفاظ بھی نقل کیے ہیں۔

جس جگہ کوئی دفن ہوگا فرشتہ اس جگہ سے مٹی لے کر نطفہ کے ساتھ گوندھتا ہے اللہ تعالیٰ کے قول کا یہی مطلب ہے ہم نے مٹی سے تم کو پیدا کیا اور مٹی میں لوٹائیں گے۔

و یاخذ التراب الذی یدفن فی بقعته و تعجن بہ تطفته فذاک قولہ تعالیٰ منہا خلقنا کم و فیہا نعید کم (فتاویٰ افریقہ ص ۸۵)

یہ حوالہ اس لیے دیا ہے کہ آج نادان بریلوی حضرات نور و بشر کا مسئلہ کھڑا کر کے آنحضرت



اور شیخین میں غیر شعوری طور پر تفریق کرتے ہیں تو دوسری طرف انہوں نے رسالت کے متصل نعرہ حیدری لگاتے اور اسے بعد جواب میں دفعہ دہراتے ہیں۔ یہی خلفاء ثلاثہ کا انکار اور تبرائے جو رفض و تشیع کا شعار ہے مگر اب سادہ لوح سنی بھی شیعہ پر و پیگندہ سے ان کی چالوں میں آ رہے ہیں وہ اپنے امام کے نقل کردہ حوالہ بالا سے حضرات شیخین کی حضور سے جوہری وحدت اور مقام رفیع کا اندازہ لگائیں اگر نعرے لگانا کارِ ثواب ہے تو ان کا نعرہ بھی ضرور لگائیں تاکہ سنی ہونے کا ثبوت ہو۔

**تذقین حضرت علیؑ کے ایمان سے ہوئی** | حضرت ابو بکر و عمرؓ کی تذقین پر آج شیخہ کو حسد و اعتراض ہو تو ان کا مذہب ان کو مبارک مگر حضرت علیؑ تیسرے خدا تو اس پر راضی بلکہ رائے دینے والے تھے۔ صحیح بخاری میں حضرت ابن عباسؓ کی یہ حدیث ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں: میں اس جماعت میں کھڑا تھا جو حضرت عمرؓ بن الخطاب کے لیے دعا مانگ رہے تھے۔ جبکہ آپ کی میت چار پائی ہوئی تھی اچانک ایک شخص میرے پیچھے سے آیا میرے کندھے پر کھینی رکھی۔

اور فرماتے گئے کہ ابن خطاب تجھ پر اللہ رحمت کرے میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تجھے اپنے ساتھیوں حضورؐ و صدیقؓ کے ساتھ جوڑے گا۔ کیونکہ میں بہت دفعہ آپ سے سنا کرتا تھا کہ میں اور ابو بکرؓ و عمرؓ تھے۔ میں نے اور ابو بکرؓ و عمرؓ نے یہ کام کیا۔ میں اور ابو بکرؓ و عمرؓ چلے اور بلاشبہ مجھے امید ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ قبر و حشر میں ان کے ساتھ بلائے گا۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو

يقول يرحمك الله ان كنت لارجوا ان يجعل الله مع صاحبيك لاني كشيدما كنت اسمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول كنت وابوبكر وعمر وفعلت وابوبكر وعمر وانطلقت وابوبكر وعمر وان كنت لارجوا ان يجعلك الله معهما فالتفت فاذا علي بن ابي طالب۔

(بخاری ج ۱ ص ۵۱۹)

وہ علی بن ابی طالب تھے۔

معلوم ہوا کہ منشا پیغمبر کے مطابق حضرت علیؑ نے حضرت عمرؓ کی قبر حضورؐ کے پاس بنانے کی اجازت دے دی۔



اس خطبہ کی تفصیل محب طبری نے ریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ میں یوں پیش کی ہے۔  
 ذرا غور سے پڑھیے۔ حضرت ابوبکر و عمرؓ سے حضرت علیؓ کو جس قدر عقیدت و محبت تھی وہ اس سے  
 عیاں ہے۔ عبدالرحمن کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ حضرت عمرؓ کے جنازہ کے پاس آئے آپ کیڑے سے  
 ڈھانپے ہوئے تھے تو حضرت علیؓ نے فرمایا۔ مجھے پسند نہیں کہ اس کفن میں لپٹے ہوئے شخص کے  
 نامہ اعمال سے زیادہ اچھے کسی کے نامہ اعمال کے ساتھ اللہ سے ملاقات کروں یعنی اس کا نامہ اعمال  
 سب موجودین سے بہتر اور یہ سب سے افضل ہے۔ (۱) اسے ابن خطاب! اللہ کی تجھ پر رحمت ہو۔  
 آپ اللہ کی آیتوں کے بڑے عالم تھے۔ آپ کے سینے میں اللہ کی بڑی عظمت تھی۔ آپ اللہ سے خوف  
 کھاتے تھے۔ اور اللہ کے بارے میں لوگوں سے خوف نہ کھاتے۔ آپ حق کے لیے فیاض باطل  
 کے لیے بخل۔ دنیا کے لیے بخل۔ دین کے لیے بخل۔ اور آخرت سے پیٹ بھرنے والے تھے۔

اوقربن حکیم کہتے ہیں جب حضرت عمرؓ فوت ہو گئے۔ تو حضرت علیؓ بیماری کی حالت  
 میں آگے سلام کہا (صدیق سے) کہ چھوٹا ہوا۔ پھر سر اٹھا کر فرمایا۔ عمرؓ پر رونے والی (آنکھ) کیا اچھی  
 ہے۔ اوہ عمر! عمرؓ نے کئی کوسیدھا کیا۔ اور اس کو مضبوط کیا۔ ہائے عمر! پاکدامن ہو کہ فوت  
 ہوا۔ مگر عجیب والا تھا۔ ہائے عمرؓ! سنت پر چلتا رہا اور فتنہ سے بچتا رہا۔ اللہ کی قسم ابن خطاب  
 نے بھلائی پائی اور شر سے نجات پائی پھر فرمایا۔ وہ اپنی وفات سے قافلہ کوتاریکی میں چھوڑ گئے۔  
 کہ متحدہ راستے ہو گئے۔ نہ گمراہ ہدایت پاتا ہے اور نہ ہدایت یافتہ کو یقین ہوتا ہے (ریاض النضرۃ  
 ج ۲ ص ۱۲۷)

اسی قسم کا خطبہ نہج البلاغہ میں ہے جو اپنے موقع پر آئے گا۔  
 حضرت ابوبکر صدیقؓ کی وفات کے دن آپ نے فرمایا۔

اسید بن صفوان عمر رسالت کو پانے والے کہتے ہیں جس دن حضرت ابوبکرؓ کی وفات  
 ہوئی تو مدینہ پہنچ و پکار سے لڑا اٹھا جس طرح کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دن لرزہ  
 برپا ہوا تھا۔ حضرت علیؓ انا اللہ وانا الیہ راجعون پڑھتے ہوئے آئے اور فرمایا۔ آج خلافت نبوت  
 ختم ہو گئی۔ پھر جنازہ صدیقی سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق  
 خاص مولیٰ جدے آرام تھے۔ راز دان مشیر اور قابل اعتماد تھے آپ سب سے پہلے مسلمان سب سے



خالص ایمان والے، سب سے بڑے یقین والے سب سے زیادہ خوف کھانے والے۔ اللہ کے دین میں سب سے بڑی دلچسپی لینے والے۔ سب سے بڑھ کر حضورؐ کی اور اسلام کی حفاظت کرنے والے آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم سب سے زیادہ مہربان۔ سب سے بہترین صحبت والے۔ سب سے زیادہ خوبویں والے۔ سبقت اسلام و ایمان میں سب سے افضل۔ سب سے بلند رتبہ۔ سب سے زیادہ قرب والے۔ سب سے زیادہ خلق۔ عادت۔ رحمت اور فضیلت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ۔ مرتبے اور عزت میں سب سے انترف۔ حضورؐ کے سب سے بڑھ کر قابلِ بھروسہ تھے۔

پس اللہ تعالیٰ آپ کو اسلام اور پیغمبرؐ کی طرف سے بہترین بدلہ عنایت فرمائے۔ آپ حضورؐ کے لیے بلند ناکھ اور کان کے تھے۔

اسی طرح طویل خلبے کے آخر میں ہے۔ رسول اللہ کے بعد آپ سے بڑھ کر مسلمانوں کو کسی موت کا صدمہ نہیں پہنچا۔ آپ دین کا وقار۔ امان۔ غارِ پناہ۔ جماعت۔ قلعہ اور فریاد رس تھے۔ منافقوں پر شدید سخت تھے۔ اللہ پاک آپ کو اپنا رسول کے ساتھ ملائے۔ ہمیں آپ کے صدمہ وفات کے ثواب سے محروم نہ کرے۔ آپ کے بعد گمراہ نہ کرے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون (ریاض النضرہ ج ۱ ص ۲۳۹-۲۴۰)

## پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صاحبزادیاں چار ہیں۔

مستترض کا حضرت سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کو حضورؐ کی اکلوتی بیٹی کہنا۔ قرآن کریم ارشادات پیغمبر اقول آمنہ اہل بیت کی کھلتی تکذیب ہے۔ اور چودھویں صدی تک کے تمام علماء مجتہدین شیعہ کی تصریحات کا انکار ہے۔ ہمارے علم میں اس صدی سے قبل کوئی شیعہ عالم نہیں جس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صاحبزادیوں کا انکار کیا ہو یا کسی مستند متداول کتاب میں اس موقف کو مبرہن کیا گیا ہو۔ چنانچہ متداول شیعہ لٹریچر پر سے وسیلوں حوالے صدیٰ ناظرین کیے جاتے ہیں جس سے قارئین کو یقین ہو جائے گا۔ کہ قرآن کریم اور ارشادات نبویؐ سے



اپنے زعم کے خلاف انحراف تو شدید کا معمول ہے ہی پیغمبروں سے افضل اپنے آئمہ کی تصریحات اور شدید مذہب کے مؤسس و مجتہد علماء کے اتفاق کو بھی نہیں مانتے۔ ان کا مذہب بس اتنا ہی ہے کہ زمانے کی حالت اور رخ کو دیکھ کر جس بات کو چاہا ہر جزو دین بناؤ الا خواہ آئمہ سے اس کا ثبوت بالکل نہ ہو جیسے عزاداری کی تمام اقسام تنزیہ و تکبر پرستی، اسب نوازی وغیرہ اور جس موافق اہلسنت اپنے آئمہ و علماء سے ثابت شدہ حقیقت کا چاہا انکار کر دیا اور ادھر ادھر کی باتوں سے کچھ بچتی کرتے گئے۔ مسدہ بات اربعہ، حقا نیت خلفاء راشدین، تکمیل شریعت پر پیغمبر آخر الزمان، صداقت مذہب اہلسنت وغیرہ مسائل اسی قسم سے تعلق رکھتے ہیں۔

## بنات رسول کا قرآن سے ثبوت

سورت الزاب ع ۸ میں اللہ پاک کا ارشاد ہے۔  
 يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّذَوِّ الْأَعْيُنِ وَبَنَاتِكَ  
 وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ  
 جَلَابِيشِهِنَّ (پ ۵۷ پہلی آیت)  
 اے نبی تم اپنی ازواج سے اور اپنی بیٹیوں سے  
 اور اہل ایمان کی عورتوں سے کہہ دو کہ وہ  
 اپنی چادروں سے گھونگھٹ نکال لیا کریں۔  
 (ترجمہ مقبول ص ۵۷ ط لاہور)

اس آیت کریمہ میں ایک دوسرے پر موقوف تین لفظ ہیں۔ ازواج۔ بنات ان کی نسبت صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے۔ ۳ مومنوں کی عورتیں تینوں جمع کے لفظ ہیں اور معنی و ترجمہ بھی جمع والا ہے۔ عربی میں دو سے زیادہ افراد کے لیے جمع کا لفظ استعمال ہوتا ہے معلوم ہوا کہ جیسے ازواج رسول ۲ سے زائد ہیں جن کی تاریخ و سیرت میں تعداد متفقہ اور یقینی ہے۔ اسی طرح بنات رسول بھی دو سے زائد ہیں جنکی تاریخ و سیرت کے اتفاق سے تعداد یقینی ہے۔ اگر کوئی شخص صرف ایک زوجہ رسول کو مانے بقیہ کا انکار کرے وہ قرآن کا منکر اور کافر سمجھا جائے گا۔ اسی طرح ایک صاحبزادی رسول کو مان کر بقیہ کا انکار کرنے والا یا العیاذ باللہ اور باپ تجویز کرنے والا۔ قرآن کا منکر و کافر سمجھا جائے گا۔ اپنی بیوی کی پہلے خاوند کی لڑکیوں کو ربیبہ (پالی ہوئی) کہا جاتا ہے۔ جیسے ارشاد ہے۔

وَرَبَائِبُكُمُ النَّبِيُّ فِي حُبُّو كُمْ مَقَرِّ  
 اور تمہاری ربیبہ بیٹیاں جو تمہاری ان ازواج



نَسَاؤُكُمْ الَّتِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ (نساء ۶۴)

کی گود میں ہوں جن سے تم نے صحبت کی ہو۔

(ترجمہ مقبول)

لہذا نبات رسولؐ سے حضرت خدیجہ الکبریٰؓ کے سابق خاوند کی پروردہ لڑکیاں مراد لینا۔ قرآن کے برخلاف ہوا۔ اسی طرح نبات سے نواسیاں مراد لینا بھی باطل ہے۔ کیونکہ لغت عرب میں نبات صلبی بیٹی کو ہی بطور حقیقت ولخت کہا جاتا ہے۔ نواسی یا پوتی کو نبات البنت یا بنت الابن کہتے ہیں۔ ان کو بنت کہنا مجازی اور ثانوی ہے۔ نیز یہ دے کا حکم جو ان ہونے کا اتفاق کرتا ہے نزولِ آیت کے وقت نواسیوں کی پیدائش بھی یقینی نہیں چہ جائیکہ وہ جوان اور خطاب پروردہ کی اہل ہوں۔ نیز اور روحانی باپ ہونے کی حیثیت سے امت کی لڑکیاں بھی مراد نہیں ہو سکتیں۔ کیونکہ ان کے لیے نساء المؤمنین کا مستقل تیسرا لفظ موجود ہے۔ الخرض قرآن پاک سے قطعی طور پر حضورؐ کی متعدد صاحبزادیوں کا ثبوت ہوا اور شیعہ کے لیے فرار کا موقع نہ رہا۔ بالقرائن سادہ یعنی لٹریچر ایک صاحبزادی ہونے کا ثبوت دے۔ حالانکہ وہ بھی چاہی بتاتا ہے۔ تو بھی اس سب کا انکار کرنا اور قرآن کے آگے ہٹ کر کئی صاحبزادیاں ماننا فرض ہوا بشرطیکہ شیعہ قرآن پاک کو مانتے ہوں۔

پیغمبرؐ کے ارشادات | شیعہ کے خاتم المحدثین باقر علی علیہ السلام نے فرمایا۔

اور خدیجہؓ پر خدا رحمت کرے۔ میرے طاہر اور مطہر اس سے پیدا ہوئے جن کا نام عبد اللہ تھا اور قاسم کو جانا۔ اور فاطمہؓ رقیہ زینب ام کلثوم میری صاحبزادیاں اس سے پیدا ہوئیں۔

۱۔ و خدیجہؓ خدا اور رحمت کنداز من طاہر و مطہر ابہم رسانید کہ او عبد اللہ بود و قاسم را آورد و فاطمہ و رقیہ و زینب و ام کلثوم از و بہم رسیدند رجبات القلوب ۸

۲۔ نیز بسند معتبر امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ رسول خداؐ کو لوگوں نے کہا کہ آپ فاطمہؓ کو کیوں زیادہ چومتے ہیں اور گود میں اٹھاتے ہیں اور اپنے پاس بہت بلاتے اور اتنی شفقت فرماتے ہیں

کہ باقی اپنی صاحبزادیوں کے ساتھ یہ شفقت

کہ نسبت با سائر دختران خود نمینمائی



نہیں کرتے۔ تو حضورؐ نے فرمایا۔ میں نے بہشت کا سیب کھایا۔ اس کا نطفہ بنا۔ جس سے فاطمہؑ پیدا ہوئیں۔ (جلال الہیون ص ۸)

۳۔ حضرت حنینؑ کی فضیلت میں حضورؐ نے فرمایا۔ . . . . وخالہ ایشا زینبؑ است وخالہ ایشا زینبؑ دختر رسول خداؐ است (جلال الہیون ص ۲۳۱-۲۹۱) کہ ان کی خالہ رسول خداؐ کی صاحبزادی زینبؑ ہے۔

**حضرت علیؑ کے ارشادات** | حضرت علیؑ نے وزیر کی حیثیت سے حضرت امیر المومنین عثمانؓ کو فہمائش اور مشورہ دیتے ہوئے فرمایا تھا۔

۴۔ وصحبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کما صحبنا وما ابن ابی قحافة ولا ابن الخطاب باولی بعمل الحق منک وانت اقرب الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وشیجة رحم منہما وقتلت من صہرہ مال مینالا۔

جس طرح ہم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہے ویسے تم بھی رہے ہو۔ اور حق پر عمل پیرا ہونے میں ابوبکر صدیقؓ اور عمرؓ خطابؓ تم سے اولیٰ ذمہ دار تھے جبکہ آپؐ خونی رشتہ کے لحاظ سے حضورؐ کے زیادہ قریبی ہیں۔ اور حضورؐ کی دامادی کا وہ شرف بھی پایا ہو۔

(فتح البلاغ ص ۹۲ مترجم سرزا یوسفین)

حضورؐ کی غیر فاطمہؑ صاحبزادیوں۔ حضرت عثمانؓ کے داماد بنی ہونے اور حنینؑ کی طرح عامل بالحق ہونے کا حضرت علیؑ المرتضیٰؑ نے فیصلہ فرما دیا۔ گوانداز کلام میں بعض باتوں سے اختلاف اور اصلاح مقصود ہے۔

**حضرت فاطمہؑ کا ارشاد** | آپؐ نے وفات کے وقت حضرت علیؑ کو وصیت کی تھی کہ میرے بعد میری بہن زینبؑ بنت رسولؐ کی صاحبزادی امامہ بنت ابو العاصؑ سے شادی کرنا۔

چوں مرض فاطمہؑ شدید شد علیؑؑ طلبید وگفت وصیت میکنم ترا کہ بعد از من امامہ دختر خواہر من زینبؑ بخوابی۔

جب حضرت فاطمہؑ کی بیماری زیادہ ہو گئی علیؑؑ کو بلایا اور کہا میں تجھے وصیت کرتی ہوں کہ میرے بعد امامہؑ میری بہن زینبؑ کی لڑکی



اللہم صل علی رقیۃ بنت نبیک وعلیٰ ام کلثوم بنت نبیک وعلیٰ صاحبزادیوں پر رحمت  
نیبک والعن من اذی

نیبک فیہا اللہم صل علی ام کلثوم بنت نبیک والعن من اذی نبیک فیہا  
دہذیب الاحکام ج ۱ ص ۱۵۳۔ استنبصار ج ۱ ص ۲۲۵۔ زاد المعاد مجلسی ص ۲۲۵ بحوالہ رسالہ داماد  
علیٰ و داماد نبی ص ۱۵۳ ترجمہ ۱۔ اللہ حضرت رقیہ و ام کلثوم رضو کی صاحبزادیوں پر رحمت  
بھیج اور ان لوگوں پر لعنت فرما جو ان کا باپ اور تجویز کر کے تیرے رسول کو ستاتے ہیں۔

حضرت حسینؑ کا ارشاد | حضرت حسینؑ نے مدینہ سے کوچ کرتے وقت تمام بنو ہاشم کو  
صبر کی وصیت کی اور اپنے یوم شہادت کو سابقہ ایام غم سے  
تشبیہ دے کر فرمایا۔

اور وہ دن اسی طرح مصیبت والا ہوگا جس  
دن کہ حضرت رقیہؑ، زینبؑ اور ام کلثومؑ و حضورؐ  
و مانند روزیت کہ رقیہ و زینب و  
ام کلثوم وفات یافتند۔ (جلد العیون ص ۱۵۳)  
کی صاحبزادیوں نے وفات پائی تھی۔

۸۔ و مانند روزیت کہ امیر المومنین  
علیہ السلام و فاطمہ و رقیہ و زینب و ام کلثوم  
و خیران پیغمبر از دنیا رفتند و منتی الامال ج ۱  
ص ۲۳ مطبوعہ جاویدان بیان،

۹۔ مندرجہ ذیل حوالہ جات میں آپ کی چار صاحبزادیوں کا صریح ثبوت موجود ہے  
تحفۃ العوام ص ۱۱۲۔ حیات القلوب ج ۲ ص ۱۸۹۔ اصول کافی ص ۲۷۸۔ صافی کتاب الحجہ ج ۳  
مرآۃ العقول شرح الاحول والفروع ج ۲ ص ۳۵۲۔ قول ابن عباسؓ در مرآۃ العقول بحوالہ  
مذکورہ۔ تہذیب الاحکام ج ۱ ص ۱۵۳۔ استنبصار ج ۱ ص ۲۲۵۔ تاریخ الامم ص ۶ بحوالہ البنت پاکٹ بک ص ۱۸۱

۱۰۔ امام باقرؑ و حقیقہ کے ارشادات | دونوں میں سے ایک امام سے روایت ہے کہ  
”جب رقیہ بنت نبی صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئیں



تو حضور نے فرمایا اے رقیہ! ہمارے نیک صحابی عثمان بن مظعونؓ اور ان کے ساتھیوں سے مل جا  
حضرت فاطمہ الزہراءؓ قبر کے کندے پر بیٹھی آنسو قبر میں گرا رہی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم ان کو کپڑے سے جھپٹ رہے تھے اور کھڑے ہوئے دعا کرتے تھے۔ اے اللہ! میں اس  
کی کمزوری کو جانتا ہوں تو اسے قبر کے جھکے سے بچانا اور فروغ کافی جو ۱۴۲ھ ۲۲ دھنران

۱۱۔ باسند معتبر از حضرت صادقؑ روایت  
معتبر سند کے ساتھ حضرت صادقؑ سے روایت  
کر دہ اند کہ از برائے رسول خدا از خدیجہ متولد  
شد طاہر و قاسم و فاطمہ و ام کلثوم و رقیہ و  
زینب و فاطمہ رانہ حضرت بامیر المومنین علی کرم  
اللہ وجہہ تزویج نمود و ام کلثوم را با عثمان و  
بعد از وفات او حضرت رقیہ را با تزویج  
نمود۔ (حیات القلوب ج ۲ ص ۵۸۸ طبرستان)

ہے کہ رسول خدا کی حضرت خدیجہ سے یہ اولاد  
ہوئی۔ طاہر۔ قاسم۔ فاطمہ۔ ام کلثوم۔ رقیہ  
زینب رضی اللہ عنہم۔ فاطمہ کا نکاح حضور نے  
حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا اور ام کلثوم  
کا حضرت عثمانؓ سے کیا اور اس کی وفات کے  
بعد حضرت رقیہ کا نکاح عثمانؓ سے کیا۔

۱۲۔ نیز ملا باقر علی مجلسی لکھتے ہیں  
و ابن بابویہ بسند معتبر از آنحضرت روایت  
کر دہ است کہ از برائے رسول خدا متولد شد  
از خدیجہ قاسم و طاہر و نام طاہر عبد اللہ بود  
و ام کلثوم و رقیہ و زینب و فاطمہ۔  
(حیات القلوب ج ۲ ص ۵۸۸)

ابن بابویہ نے معتبر سند کے ساتھ حضور سے روایت  
کی ہے کہ حضرت خدیجہ سے رسول خدا کی اولاد  
قاسم۔ طاہر۔ نام عبد اللہ تھا۔ ام کلثوم۔  
رقیہ۔ زینب اور فاطمہ ہوئی۔

۱۳۔ شیخ صدوق امام جعفر صادقؑ سے روایت کرتے ہیں کہ خدیجہؓ سے رسول اللہ کی  
اولاد۔ قاسم۔ طاہر یعنی عبد اللہ اور ام کلثوم۔ رقیہ۔ زینب اور فاطمہ رضی اللہ عنہن ہوئیں حضرت  
علی بن ابی طالبؓ نے فاطمہؓ سے نکاح کیا۔ ابوالحاص بن ریح بنو امیہ کے فرد نے حضرت زینبؓ  
سے نکاح کیا۔ عثمان بن عفانؓ نے ام کلثومؓ سے نکاح کیا۔ .... وہ جب فوت ہو گئیں بدر کے  
موقعہ پر تو حضور نے ان کو رقیہ بیاہ دی۔ پھر آپؐ نے فرمایا اے عائشہؓ! تمہارا اللہ نے محبت  
کرنے والی اور بچے جننے والی میں برکت ڈالی ہے خدیجہؓ رحمہا اللہ نے مجھ سے طاہر یعنی عبد اللہ



مطہر اور قاسم - فاطمہ رقیہ - ام کلثوم اور زینبؓ جی ہیں (مخصال شیخ صدوق ج ۲ ص ۱۶)  
۱۴۔ مصدقہ امام ہمدی - کافی کلینی باب مولد القتی میں ہے -

وتزوج خدیجۃ وهو ابن بضع  
وعشرين سنة فولد له منها قبل مبعثہ  
علیہ السلام القاسم ورقیة وزینب  
وام کلثوم وولد له بعد المبعث الطیب  
والطاهر وفاطمة علیہا السلام وروى  
ایضاً انه لم یولد له بعد المبعث الا  
فاطمة علیہا السلام وان الطیب الطاهر  
ولد اقبل مبعثہ (کافی ص ۲۳۹ ج ۱۶)

حضرت نے خدیجہؓ سے نکاح کیا جب آپ  
بیس سال سے زائد عمر کے تھے تو بعثت سے  
پہلے ان سے آپ کی اولاد حضرت قاسم -  
رقیہ - زینب اور ام کلثوم ہوئی اور بعثت کے  
بعد طیب - طاہر اور فاطمہ علیہا السلام ہوئیں  
اور یہ بھی روایت ہے کہ بعثت کے بعد صرف  
حضرت فاطمہؓ پیدا ہوئیں اور طیب و طاہر  
وغیرہ بعثت سے پہلے پیدا ہوئے۔

حضرت رسول مقبولؐ اور عن الشیخہ آئمہ معصومین کے ان ارشادات سے آفتاب  
نصف النہار کی طرح یہ ثابت ہو گیا کہ حضورؐ کی اپنی صلیبی بیٹیاں حضرت خدیجہؓ سے چار تھیں۔  
اور ان کے نکاح خود آپؐ نے حضرت ابوالعاصؓ عثمان اور علی رضی اللہ عنہم سے کیے۔ اب ان  
کو سابقہ خاوند کی اولاد اور پروردہ پیغمبر کو نہا۔ رسولؐ و امام کا کھلا انکار ہے۔ اللہ شیعہ بھائیوں  
کو ہدایت دے۔

۱۵۔ قرب الاسناد میں حضرت صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ حضرت خدیجہؓ سے  
حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد طاہر - قاسم - فاطمہ - ام کلثوم - رقیہ - زینبؓ پیدا  
ہوئیں۔ فاطمہؓ کی حضرت امیر المومنینؓ سے اور زینبؓ کی ابوالعاصؓ بن ربیع اموی سے اور  
ام کلثومؓ کی حضرت عثمانؓ بن عفان سے شادی کی۔ پھر رقیہؓ کی ان سے شادی کی۔ پھر شیخ عباس  
قمی فرماتے ہیں کہ مشہور مؤرخین کا نوشتہ یہ ہے کہ ام کلثومؓ کی تزویج حضرت عثمانؓ سے حضرت  
رقیہؓ کی وفات کے بعد ۲۷ھ میں جنگ بدر کے موقع پر ہوئی۔ (منتہی الآمال ج ۱ ص ۱۸)

۱۶۔ ملا باقر علی مجلسی فرماتے ہیں۔  
شیعہ مجتہدین کے ارشادات

ابوالعاصؓ حضرت رسولؐ

و ابوالعاصؓ کہ داماد حضرت رسولؐ



بود... لہذا حضرت فرمود کہ ابوالعاصِ حق  
وامادی مارانیکور عایت کرد و حیات القلوب  
۷۲ طہ ۳۱۱ قصہ قیدہ شعب

— چوں بخانہ عثمان احمد امام کلثوم دختر حضرت  
رسول نشان داد کہ اور در فلاں موضع پناہ  
کرده است (حیات القلوب ص ۳۸۲)

۱۷۔ حیات القلوب ۵۹۱-۵۹۲ پر حضرت رقیہ کے تفصیلی حالات میں لکھا ہے۔

ابن ادريس بسند صحيح از حضرت امام  
محمد باقر روایت کرده است کہ رسول خدا دختر  
بد و منافق (العبا ذبالہ) داد کہ یکے ابوالعاص  
پسر یح و آں دیگرے کہ عثمان بود۔ عیاشی  
روایت کرده است کہ از حضرت صادق پسرین  
آیا رسول خدا دختر خود را عثمان داد حضرت  
فرمود بے۔ راوی گفت... بلز دختر دیگر  
با و داد حضرت فرمود بے (حیات القلوب ۵۹۲)

۱۸۔ شیخ طوسی در امالی روایت کرده  
است کہ زفاف حضرت امیر و فاطمہ شانزدہ  
روز بعد از وفات رقیہ بود بعد از رجوع جنگ  
بدر (جلد ۱ الحیون ص ۱۱۲)

کے داماد تھے و شعب ابی طالب میں غلہ بیچنے  
کی وجہ سے حضور فرمایا کرتے تھے کہ ابوالعاص  
نہ ہماری دامادی کا اچھا حق ادا کیا  
جب عثمان کے گھر میں آئے تو بنت پیغمبر حضرت  
ام کلثوم نے بتایا کہ اس چیز کو فلاں جگہ چھپایا  
ہے۔

ابن ادريس نے سند صحیح کے ساتھ امام محمد باقر  
سے روایت کی ہے کہ رسول خدا نے اپنی لڑکیاں  
(العبا ذبالہ) دو منافقوں کو دیں ایک  
ابوالعاص ربيع کے بیٹے کو۔ اور دوسرا عثمان  
تھا۔ عیاشی نے روایت کی ہے کہ حضرت صادق  
سے لوگوں نے پوچھا کہ رسول خدا نے حضرت عثمان  
کو لڑکی دی۔ حضرت نے فرمایا ہاں۔ راوی نے  
کہا پھر دوسری لڑکی بھی دی فرمایا ہاں  
شیخ طوسی نے امالی میں روایت کی ہے کہ حضرت  
علی و فاطمہ کی شادی و ملاپ حضرت رقیہ کی  
وفات کے ۱۶ دن بعد۔ جنگ بدر سے لوٹنے  
کے بعد ہوا تھا۔

۱۹۔ اس سوال کے جواب میں۔ کہ حضرت حسین باوجود اپنی شہادت کے علم کے کہ بلا میں کیوں  
گئے۔ مجلسی فرماتے ہیں کہ امام ظاہر شرع و احکام کا مکلف ہے باطن کا ذمہ دار نہیں۔ جب اہل  
کوفہ نے تشیع و ایمان کا دعویٰ کر کے بلایا تو جانا ہی تھا۔

اگرچہ میں نے بود رسول خدا دختر عثمان نے داد  
اگر اس طرح ہوتا یعنی ظاہر اسلام و ایمان کا



وعائشہ و حفصہ را بجمالہ نکاح خود در نی آورد  
و ہر گاہ چنین باشند پس امام بحسب ظاہر مکلف  
بود رجلا العیون مٹا  
سے جنگ کے مکلف تھے۔

اعتبار نہ کیا جاتا تو رسول خدا عثمان کو لڑکیاں  
نہ دیتے اور عائشہ و حفصہ کو نکاح میں نہ لاتے  
جب ایسا تھا تو امام حسین بھی بحسب ظاہر منافقوں

صد افسوس کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو حضرت عثمان و عائشہ و حفصہ رضی اللہ عنہم کے  
ظاہری ایمان و اسلام کا اعتبار کیا اور ان سے برضا و خداوندی رشتے کیے۔ مگر ان کو ان کے  
باطنی احوال کا علم نہ ہو سکا اور اب شیعہ کو ہو گیا کہ ان کے نفاق و بے ایمانی کا الجیاذ باللہ دھندورا  
پیٹ رہے ہیں۔

ہماجرین حبشہ میں عثمان اور آپ کی بیوی رقیہ  
بنت سنجیر بھی تھیں۔ اور زبیر بن عوام و عبد  
بن مسعود۔ عبد الرحمن بن عوف (اکابر صحابہ  
بھی تھے۔

۲۰۔ وادعلاہما ابوہ وند عثمان و رقیہ  
دختر حضرت رسول کہ زنا اور ابوہ زبیر بن عوام  
عبداللہ بن مسعود و عبد الرحمن بن عوف الخ  
رحیات القلوب ج ۲ ص ۳۵ ہجرت حبشہ بیان  
البحان شیخ قمی و تحفۃ العوام ص ۱۱۳

آپ نے حضرت خدیجہ سے ۲۰ سال سے زائد  
عمر میں شادی کی تو بعثت سے پہلے ان سے  
آپ کی اولاد رقیہ۔ ام کلثوم اور زینب پیدا  
ہوئیں۔

۲۱۔ تزوج خدیجۃ و ہوا بن بضم  
وعشرین ستۃ فولدت لہ قبل المبعث  
رقیۃ و ام کلثوم و زینب۔

(تذکرۃ المعصومین ص ۱)

اگر نبی نے حضرت عثمان کو صاحبزادی دی تو  
ولی سنجیر (علی) نے (باتباع سنجیر) حضرت عمر

۲۲۔ اگر نبی دختر عثمان و ادولی دختر  
بعم فرستاد رجاس المؤمنین ص ۸۸  
کو اپنی لڑکی ام کلثوم ضیاء دی۔

رقیہ اور ام کلثوم ایک دوسرے کے بعد  
حضرت عثمان بن عفان کے نکاح میں آئیں۔

۲۳۔ رقیہ و ام کلثوم یکے بعد دیگرے  
در عقد نکاح عثمان بن عفان آمدند متایخ  
آل امجاد ص ۹۔ شفاء الصدور و اکروب ج ۲۔ منتہی الامال ج ۱ ص ۱



۲۲۔ زوج النبی بنتیہ عثمان

حضور نے اپنی دو لڑکیاں عثمان بن عفان کو بیاہ دیں۔

بن عفان (مسالك الافهام تنقيح  
نشر لک الاسلام ۵۳۲)

۲۵۔ شیعہ کی مشہور کتاب اعلام الوریٰ باعلام الہدیٰ از علامہ طبرسی میں ہے۔

یعنی زینب بنت رسول اللہ کی شادی ابوالعاص بن ریح سے ہوئی اور ایک لڑکی امامہ بنت  
پیدا ہوئی جس کی شادی فاطمہ کے انتقال کے بعد حضرت علی سے ہوئی۔ حضرت زینب کا انتقال  
مدینہ میں ۷ ہجری میں ہوا۔ رقیہ بنت رسول اللہ کی شادی۔ یعنی صرف نسبت اور سنگنی۔ اس حضرت  
کے چچا زاد عتبہ بن ابی لباب سے ہوئی لیکن اس نے غلوت سے پہلے طلاق دے دی۔ حضور نے  
اس کے لیے بدو عافرائی چنانچہ اسے شیر اٹھا کر لے گیا۔ پھر رقیہ کی شادی عثمان بن عفان سے  
ہوئی اور ایک لڑکا عبداللہ پیدا ہوا جو بچپن میں (چھ سال کی عمر میں) فوت ہو گیا۔ زمانہ بدر میں  
رقیہ کا انتقال ہوا۔ ان کے مرض اور فن و فن کے باعث حضرت عثمان جنگ بدر میں شریک  
نہ ہو سکے۔ حضرت عثمان نے جب حبشہ ہجرت کی تھی تو رقیہ ساتھ تھیں۔ پھر ام کلثوم کا نکاح بھی  
حضرت عثمان سے حضرت رقیہ کی وفات کے بعد ہوا۔ وہ بھی کچھ عرصہ بعد وفات پا گئیں۔ فاطمہ  
کا ذکر مستقل آئے گا۔ (اعلام الوریٰ)

۲۶۔ امامہ بنت ابی العاص دہی

ابوالعاص کی بیٹی امامہ۔ یہ رسول اللہ کی نواسی  
ہیں۔ ان سے حضرت علی نے ان کی خالہ بتول  
کے بعد نکاح کیا تھا۔

بنت بنت رسول اللہ تزوجہا بعد  
موت خالتہا البتول علی علیہ السلام  
(کشف الغمہ ۱۳۲ علی بن عیسیٰ اردبیلی)

۲۷۔ کتاب المحجر لابن حبیب میں ہے۔

پس خدیجہ بنت خویلد سے القاسم و زینب۔ ام  
کلثوم۔ فاطمہ اور عبداللہ جو طابرو طیب کہلا  
ہیں۔ بخنے۔

قوله خدیجة بنتی القاسم و زینب و  
ام کلثوم و فاطمة و عبد اللہ و هو الطاهر  
والطیب اسم واحد رجوال کشف الاسرار

تیرھویں صدی کے محقق شیعہ شیخ عباس قمی نے معتبر کتاب منتہی الامال ج ۱۸ حضور



کی اولاد امجاد میں پیشہ جی لکھا ہے کہ

۲۸۔ ابو نصر فراہی نے حضورؐ کی اولاد امجاد کی تعداد کے متعلق فرمایا ہے۔

فرزند نبیؐ قاسم و ابراہیم است پس طیب و طاہر زراہ تعظیم است  
 بافاطمہ و رقیہ و ام کلثوم و زینب شمر از اسر تعظیم است  
 یعنی اگر تعلیم پانچا خیال ہے تو چار صاحبزادیوں کے نام یاد کر لو

شیعی و سائوس کا ازالہ | قرآن کریم کے علاوہ کتب متبرہ شیعہ سے آپ کے سامنے ہے اس

پر تمام حوالہ ثبات کا تتبع کیا جائے تو ضخیم جلد تیار ہو سکتی ہے حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام۔  
 حضرت فاطمہ الزہراءؑ حضرت علیؑ حضرت حسینؑ حضرت باقرؑ و جعفرؑ تمام شیعہ مجتہدین کی تصریحات  
 آپ کے سامنے ہیں ان میں کسی ایک شخصیت کا انکار کرنے اور ان کی بات سے انحراف مذہب  
 شیعہ کا خاتمہ ہے مگر خدا اور اہل اسلام و خلفاء دشمنی کا ستیاناس ہو اس کی موجودگی  
 میں آدمی حق کو قبول نہیں کر سکتا۔ ان میں سے ہر حوالہ قطعی الثبوت ناقابل تردید مستند ترین  
 شیعہ مانند کا ہے۔ مگر یہ امکان نہیں ہے کہ عام و خاص شیعہ ان کو پھک کر رجوع الی الحق کرے گا۔  
 اور چار صاحبزادیوں کو مان کر ان کے مثالی شوہروں کی تعظیم کرنے لگ جائے گا۔ اس لیے کہ اس کا  
 ایمان فاسق و قاجر بے نماز و بے شرع ذاکروں گویوں اور قصیدہ خوانوں پر ہے یا شرعی چہرے  
 اور وضع سے محروم نام نہاد مجتہدوں اور مولویوں پر ہے۔ ان لوگوں نے عوام شیعہ کو بتایا  
 کہ نبیؐ کی صاحبزادی ایک تھی۔ اب ایک عامی پختہ شیعہ قرآن و سنت اور ارشاداتِ امیرؑ کی دھرج  
 تکذیب کر کے کھلی خلاف ورزی نو کر سکتا ہے۔ مگر اپنے ذاکر یا مفاد پرست شیعہ مولوی یا سید  
 کی غلطی یا گمراہی تسلیم نہیں کر سکتا جن کے ہاتھ پر اس نے محمدی اسلام چھوڑ کر شیعہ اسلام قبول  
 کیا ہے۔ یہیں سے معلوم ہوا کہ شیعہ ایمان اور اس کی بچگی کا معیار کیا ہے۔ یعنی جتنا کوئی شخص  
 پختہ شیعہ ہو گا اسی قدر وہ اپنے قریبی دینی پیشواؤں کو مجتہد کو غلطی اور گمراہی سے پاک تصور  
 کرے گا۔ اس پیشوا کے قول کے سامنے۔ بناتِ رسولؐ کا مسئلہ ہو یا مروجہ عزا داری وغیرہ کی  
 حرمت کا۔ حرمِ نبویؐ اہمات المؤمنین کی عزت کا سوال ہو یا حضورؐ کے خسر و دامادوں

۲۹۔ وقد زود النبی صلی اللہ علیہ وسلم بنتہ من ابی العاص بن الربیع قبل ان یسلم (تخریج احمد) کہ حضورؐ نے ابوالعاصؓ کو سلمان کہنے سے پہلے اپنی بیٹی بیابہ دی۔



اور خلفاء و راشدینؓ وغیرہم کے مقام کا مسئلہ ہو۔ سینکڑوں ارشادات قرآنی۔ فرامین نبویؐ اقبال  
 ائمہ اہل بیت۔ تصریحات اسلاف شیعہ پیش کردیے جائیں بہر صورت شیعہ انکار پر انکار کرے گا۔  
 اور کبھی ان دلائل حقیقہ کو نہیں مانے گا۔ کیونکہ ان کے ماننے میں موجودہ ذاکر و مجتہد کی تخلیط لازم  
 آئے گی اور یہ شیعہ کو کسی قیمت پر منظور نہیں۔ دراصل صاف لفظوں میں ایمان اس کے لیے  
 قربانیاں۔ یہ صرف ذاکروں اور ان کی بدعات سے محقق ہیں۔ حضرات اہل بیت کا نام صرف جملہ  
 کو چننا مانے کا پھندا اور دام ہے۔ اب معلوم کیجیے کہ مسئلہ زیر بحث پر شیعہ کے پاس کون سی عقلی نقلی  
 دلیل ہے جس کے سامنے قرآن حکیم۔ سنت و حرمت نبویؐ۔ ارشادات ائمہ اور اجماع مجتہدین کا  
 خون کیا جاتا ہے۔ آپ یقین جانے مسئلہ بذاپر کسی بھی شیعہ کے پاس نہ قرآن کی آیت ہے نہ  
 ارشاد نبویؐ نہ قرآن امام معصوم۔ لے دے کے چودھویں صدی کے ملاؤں کے چند مندرجہ ذیل  
 ڈھکوسلے ہیں۔

شعبہ ۱۔ اہل سنت اپنے خطبات میں صرف ایک صاحبزادی کا نام لیا کرتے ہیں۔  
 جواب۔ چونکہ بعض دلائل کی وجہ سے حضرت فاطمہ الزہراءؑ کا مقام باقی تین بہنوں  
 سے اونچا ہے اور اہل سنت کا اس پر ایمان ہے کہ حضرت فاطمہؑ کا نام صراحۃً اور بقیہ کا و  
 بناتہ سے اشارہ لیتے ہیں۔ خطبہ میں ان کا نام نہ لینا ہی کی دلیل ہرگز نہیں۔ بالاتفاق حضرت  
 قاسم۔ طاہر۔ ابراہیم حضورؑ کے چھوٹے صاحبزادے تھے۔ مگر ان کا نام بھی خطبہ میں لیا جاتا۔ سنی  
 خطباء کو چاہیے کہ ایسے غلط فہمی کے مقام پر چاروں صاحبزادیوں کا نام لیا کریں تاکہ شرار  
 شیخ نہ بن جائے

شعبہ ۲۔ بعض ذاکرین کہتے ہیں کہ اگر چار بیٹیاں ہوتیں تو مباہلہ کے دن ضرور لاتے۔  
 جواب۔ مباہلہ ۹ھ میں پیش آیا جو بالآخر ہوانہ تھا اور حضورؑ نے آلِ عبا کو شرکت  
 کے لیے تیار کیا تھا جبکہ باقی صاحبزادیاں اس سے پہلے وفات پا گئی تھیں۔ بیات القلوب ج ۲  
 ۱۹۷ میں ہے کہ زینبؑ کی وفات ۸ھ یا ۷ھ میں ہوئی۔ حضرت رقیہؑ جنگ بدر کے سال وفات پا  
 گئیں۔ ام کلثومؑ ۸ھ میں رحمت الہی سے واصل ہوئیں۔

شعبہ ۳۔ جس زینبؑ کا نام نبات نبویؐ میں ملتا ہے وہ آپؐ کی پروردہ تھی۔



جواب۔ بالکل تو منالطہ ہے۔ حضرت زینب کا حضور کے صلب سے، خدیجہ الکبریٰ کے  
 بطن سے تھے تا اور حضرت ابوالحاض بن ربیع کے نکاح میں آنا وسیلوں حوالہ جات سے مبرہن کیا  
 جا چکا ہے۔ جس کا انکار امام معصوم و پیغمبر معصوم کا انکار ہے۔ آپ کی ربیعہ زینب نامی اور لڑکی  
 تھی۔ جو آپ کی اہلیہ حضرت ام سلمہ کے بطن سے تھی۔ اس کے والد کا نام ابو سلمہ تھا۔ اسی کو ہمارے  
 علامہ زینب ربیعہ بنتی کہتے ہیں۔ اور زینب بنت محمد کی ماں کا نام خدیجہ الکبریٰ ہے۔ (اسد الغابہ  
 ج ۲ ص ۵۶۵) جو حضرت سیدہ خاتونِ جنت کی ماں ہے اسی زینب بنت النبی کے متعلق آپ نے  
 فرمایا ہے۔

ہی افضل بناتی اُصیبت فی رطحاوی ج ۱ ص ۵۱ ذخائر العقبیٰ ص ۱۵۸) یہ میری سب سے افضل  
 بیٹی ہے۔ میرے لیے اس کو رکفار کی جانب سے مصیبت پہنچی۔  
 شبہ ۱۔ یہ حضرت خدیجہ کے بطن سے سابق خاوند سے تھیں اور بعض کہتے ہیں ہالہ بن  
 خدیجہ کی بیٹیاں تھیں۔

جواب۔ صریح جھوٹ ہے۔ آپ کی کوئی صاحبزادی سابق خاوند سے حضور کے گھر میں نہیں  
 آئی۔ صریح ارشادات نبوی و فرامین جعفر صادق علیہ السلام ملاحظہ کریں اور شیعہ کو جھوٹ کی مبارک  
 دیں۔ الاستیعاب میں ہے کہ مؤرخین کا اتفاق ہے کہ ان سب کی پیدائش بعد از نکاح خدیجہ حضور  
 کے گھر میں ہوئی۔ پھر یہ مآذ اللہ سابق خاوند سے کیسے ہوئیں؟ علامہ عباسی یہ دو قول نقل کر کے کہتے  
 ہیں۔ ورنہ فی اس دو قول روایات مستبرہ دلالت میکند۔ روایات مستبرہ ان دو قولوں کو غلط بتاتی  
 ہیں،

شبہ ۵۔ اگر چار ہوتیں تو مرتبہ اور مقام میں برابر ہوتیں۔

جواب۔ خدا پنچ انگشت برابر نہ کر دے۔ ایک ہی ماں باپ کی اولاد میں کئی لحاظ سے فرق  
 مشاہدہ کی بات ہے۔ حضرت فاطمہ اگر بعض امور میں اپنی بہنوں سے ممتاز ہیں تو اس کا یہ  
 مستی کہاں سے نکلا کہ باقی صاحبزادیوں کا وجود ہی نہیں ایسے گمراہ قیاس سے خدا سے بچائے۔  
 شبہ ۶۔ اگر پیغمبر کی صاحبزادیاں ہوتیں تو ان کے کچھ فضائل منقول ہوتے۔  
 جواب۔ فضائل میں کمی بیشی تو غیر اختیاری اور قدرتی عطیہ ہے۔ تاہم جو کسی فضائل



ان کے بھی منقول ہیں۔

## حضرت زینبؓ کی شان

حضرت زینبؓ کو آپؐ نے سب سے افضل وہ بیٹی بتایا ہے جسے حضورؐ کی طرف ہجرت کرنے کی وجہ سے کفار نے ستلایا یعنی بہارین اسود اور دوسرے آدمی نے ان کی اوٹھنی کو بدکایا جگایا۔ آپؐ گر پڑیں۔ حمل ساقا ہو گیا۔ شدید بیمار ہو گئیں۔ اسی صدمے سے ۸۷ یا ۸۸ میں وفات پائی (الاستیعاب ج ۴ ص ۱۳۱۲ الماشی الاصابہ) ارشاد ربانی قَالَ لَئِنْ هَاجَرُوا وَآخَرِ جُومِنْ دِيَارِهِمْ وَآوَدُوا فِي سُبُلِيْ جَنُودُنَا لَآ دُخْلَنَّهُمْ جَنَّتِ تَاوَالَهُ عِنْدَكَ حُسْنُ الثَّوَابِ (میں یقیناً ان کو ہمیشہ کے جنت میں داخل کر کے بہشت میں بدلہ دوں گا، کہے تحت کون کہہ سکتا ہے کہ وہ جنت والوں کی سرتاج نہ ہوں گی۔ حضرت زینبؓ مراد وار کفار کے ظلم و ستم سے حضورؐ کا دفاع کرتی تھیں معجم طبرانی میں ہے کہ ایک مرتبہ کفار نے حضورؐ کو گالیاں دیں۔ منہ پر تھوکا اور چہرے پر مٹی ڈالی کہ منہ بھر گیا۔ ایک لڑکی پانی لے کر آئی اور چہرہ مبارک اور ہاتھوں کو دھویا۔ یہ آپؐ کی صاحبزادی زینبؓ تھیں۔ بخاری نے بھی اس حدیث کو مختصراً اسی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (اصابہ ج ۳ ص ۲۶۵) میں حضرت منیب نقادی کے ترجمہ میں اس قدر اور زیادہ ہے کہ آپؐ نے حضرت زینبؓ سے مخاطب ہو کر یہ فرمایا اے بیٹی! تو اپنے باپ کے مخلوب اور ذلیل بولے کا خوف مت کر۔ (رواہ البخاری فی تاریخہ والطبرانی والبیہقیم۔ ابوزرعہ دمشقی فرماتے ہیں یہ حدیث صحیح ہے۔ (کوالتر الحال ج ۶ ص ۳۰۶ و سیرت المصطفیٰ ج ۱ ص ۱۵۵)

تعجب ہوتا ہے کہ بڑی ہستیاں بھی ایسا اوقات حمیت نہی میں پھنس جاتی ہیں۔ میں نے مجمع الزوائد میں پڑھا ہے کہ حضرت عروہؓ ایک مرتبہ حضرت زینبؓ کے متعلق حدیث بالا اور واقعہ مصیبت و شہادت بیان کر رہے تھے تو حضرت زین العابدینؓ نے ٹوک دیا کہ اس طرح مت بیان کیا کرو۔ ہماری اماں فاطمہؓ پر حرف آتا ہے۔ یہی وہ جگر گوشہ پیغمبرؐ اور اپنی ماں خدیجہؓ کی تصویر زینبؓ ہیں۔ کہ جب انہوں نے ابوالحاضؓ کو چھڑانے کے لیے اپنا ہار قدیر میں بھیجا تھا حضورؐ دیکھتے ہی رونے لگے۔ زینبؓ و خدیجہؓ کی تصویر آنکھوں میں پھر نے لگی ہار واپس کر دیا اور بلا قدر ابوالحاضؓ



کو چھوڑ دیا۔

یہی وہ زینبؓ ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو انتہائی محبوب تھیں۔ حافظ ابن عبد البرؒ لکھتے ہیں۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محبا فیہا اسامت وھا جدت حین ابی زوجھا ولدت من ابی العاص غلاما یقال لہ علی وجاریۃ اسمھا امامۃ (الاستیعاب)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان سے خوب محبت کرتے تھے۔ یہ مسلمان ہوئیں اور ہجرت کی جب کہ ان کے خاوند ابوالعاصؓ نے انکار کیا تھا بعد میں مسلمان ہو گئے تھے، علی نامی لڑکا اور امامہ نام کی لڑکی جننی تھی۔

یہی وہ زینبؓ ہیں جن کی صاحبزادی امامہؓ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کندھے پر اٹھاتے جب سجدے جاتے تو اتار دیتے جب اٹھتے تو اٹھا لیتے۔ ام المومنین عائشہ صدیقہؓ کا بیان ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایک تحفہ دیا گیا جس میں موتیوں کا ہار تھا آپؐ نے فرمایا یہ تو میں اپنے گھرانے کی سب سے پیاری لڑکی کو دوں گا پھر حضورؐ نے امامہ بنت زینبؓ کو بلایا اور اس کے گلے میں ہار ڈال دیا حضرت عائشہؓ سے ایک اور روایت میں ہے کہ حضورؐ کی خدمت میں نجاشیؓ بادشاہ نے ایک زیور تحفہ بھیجا اس میں ایک سونے کی انگوٹھی تھی جس کا نگینہ حبشی عقیق کا تھا آپؐ نے وہ امامہؓ کو دیا۔ ابن عبد البرؒ کہتے ہیں کہ حضرت فاطمہ الزہراءؓ کے بعد امامہؓ سے حضرت علیؓ نے نکاح کیا۔ زبیر بن عوامؓ نے بیاہ کر کے دی کیونکہ اس کے والد ابوالعاصؓ نے اسے وصیت کی تھی۔ (الاصباہ ج ۴ ص ۲۳۶)

یعنی حضرت زینبؓ حضرت علی المرتضیٰؓ کی سالی ہو کر پھر خوشدامن بھی بنیں۔ شیعہ علیؓ کہلا کر حضرت علیؓ کی ساس سے بھی نفرت و انکار؟ خدا ایسے مذہب و عقیدہ سے ہر مسلمان کو بچائے۔

حضرت رقیہؓ بھی قدیم الاسلام اور مہاجرہ فی سبیل اللہ ہیں جب اپنے خاوند حضرت عثمانؓ کے ہمراہ حبشہ کو ہجرت کر کے جا رہی تھیں حضورؐ کو کئی دنوں تک خبر خیر نہ پہنچ سکی تو قیام تھے۔ تو حضورؐ کے پاس ایک عورت آئی اور کہا میں نے ان کو دیکھا ہے۔



فقال منحهما الله ان عثمان اقل  
من هاجر باهله من هذه الامه  
(الاصابه ج ۳ ص ۳۵)

وفی روایة والذی نفسی ببید  
انه اول من هاجر بعد ابراهيم ولوط

اللہ پاک میاں بیوی پر انعام کی بارش برائے  
بلاشبہ عثمانؓ اس امت کے وہ پہلے شخص ہیں  
جنہوں نے بیوی کے ساتھ ہجرت کی۔

اور ایک روایت میں ہے اس خدا کی قسم جس کے  
قبضے میں میری جان ہے حضرت ابراہیمؑ و لوطؑ

علیہما السلام کے بعد عثمانؓ بیوی کے ساتھ ہجرت کرنے والے پہلے شخص ہیں۔

جنگ بدر کے موقع پر حضرت رقیہؓ بیمار تھیں۔ ان کی تیمارداری کی خاطر آپ حضرت عثمانؓ  
کو مدینہ چھوڑ گئے۔ مگر حضرت رقیہؓ اس بیماری میں اللہ کو پیاری ہو گئیں جب آپ کو دفن کیا جا  
راہ تھا اس وقت حضرت زید بن حارثہ حضورؐ کی اونٹنی عبد عا پر سوار ہو کر مشرکین کے قتل اور  
فتح اسلام کی بشارت لائے جب حضورؐ واپس آئے تو آتے ہی حضرت رقیہؓ کی قبر پر اشکبارانہ  
حاضری دی اور دعائیں کی۔

فروع کافی کے حوالے سے گزر چکا ہے کہ جب حضرت رقیہؓ کو دفنایا جا رہا تھا تو حضرت  
فاطمہؓ کناسے پر بیٹھی رو رہی تھیں اور حضورؐ ان کے آٹسو جھپٹ رہے تھے۔ مگر یہ واقعہ حضرت  
ام کلثومؓ کے متعلق ہے۔ کیونکہ وہ رقیہؓ سے چھوٹی ہیں اور بدر کے موقع پر رقیہؓ کی تدفین سے  
حضورؐ کی غیر حاضری واضح بات ہے۔

**حضرت ام کلثومؓ کی نشان** ابن سعد کہتے ہیں کہ ام کلثومؓ نے ہجرت الی المدینہ حضورؐ صلی اللہ  
علیہ وسلم اور حضرت فاطمہؓ وغیرہ عیال نبویؐ کے ساتھ کی نیز  
حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ام کلثومؓ  
کی قبر پر دیکھا آٹسو بہہ رہے تھے اور فرمایا وہ شخص قبر میں اترے جس نے سچ رات صحبت نہ کی  
ہو تو ابو طلحہؓ نے کہا میں ایسا ہوں۔ پھر حضورؐ نے ان کو اترنے کا حکم دیا۔ (الاصابه ج ۳ ص ۳۹)  
علامہ ابن عبد البر کہتے ہیں۔

مجھے اس کے متعلق کوئی اختلاف معلوم نہیں کہ حضرت زینبؓ سب صاحبزادیوںؓ بڑی ہیں۔  
ہاں۔ رقیہؓ۔ فاطمہؓ۔ ام کلثومؓ رضی اللہ عنہن میں میرٹ نگاروں کا اختلاف ہے۔ اکثر علماء اسی



ترتیب سے قائل ہیں (یعنی سب سے چھوٹی حضرت ام کلثومؓ ہیں اور ان سے بڑی حضرت فاطمہؓ ہیں)

جرجانی سے منقول ہے کہ رقیہؓ سب سے چھوٹی ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت فاطمہؓ سب سے چھوٹی ہیں۔ (الاستیعاب والاصحابہ ج ۲ ص ۳۲)

سبقتِ ایمان - ہجرت - مکارمِ اخلاق کے علاوہ حضرت ام کلثومؓ کے مرفوع فضائل بھی منقول ہیں۔ ام عباسؓ مولانا رقیہؓ کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ یقول ما نزلت عن عثمان ام کلثوم فرماتے تھے میں نے عثمانؓ کا ام کلثومؓ کے ساتھ نکاح آسمانی وحی سے کیا ہے۔ (الابوحی من السماء - قال ابن مندک لا یخفی الا بهذا الاسناد یروایت ابن مندک)

۲۔ ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا۔ میرے پاس جبریلؑ آئے اور کہا اللہ آپ کو حکم دیتا ہے کہ عثمانؓ کو ام کلثومؓ سے رقیہؓ کے مہر کے برابر بیہ دیں اور اسی مہر پر دیں۔ (قال ابن مندک غریب الاصحابہ)

شہرہؓ شید کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ رقیہؓ و ام کلثومؓ پہلے عقبہ و عتیبہ سپران ابولہب سے بیابھی گئی تھیں تو پھر حضرت عثمانؓ کے نکاح میں کوئی فضیلت کی بات نہ رہی۔

جواب - یہ غلط ہے۔ قبل از دعویٰ نبوت برادر ہیؓ کے تحت حضورؐ کے چچا کے بیٹوں کے ساتھ نسبت اور منگنی تھی۔ اسی کو سیرت نگاروں نے عقد اور نکاح سے تعبیر کر دیا۔ ورنہ باقاعدہ شادی اور رخصتی ہرگز نہ ہوئی تھی۔ کیونکہ مبعوث کے تھوڑے دنوں بعد سورت

ثبت ید الی لب کے نازل ہونے اور سپران ابولہب کے رشتہ سے انکار کے وقت ان کا جوان ہونا ہی یقینی نہیں۔ اکثر علماء حضرت فاطمہؓ کو ام کلثومؓ سے بڑا کہتے ہیں۔ حضرت فاطمہؓ کافی کے

بیان کے مطابق مبعوث کے بعد پیدا ہوئیں اور سلسلہ میں غزوہ بدر کی جد حضرت علیؓ سے شادی ہوئی۔ اس وقت حضرت ام کلثومؓ کو اسی حضورؐ کے گھر میں تھیں اور کچھ عرصہ بعد حضرت عمرؓ

حضرت حفصہؓ کو حضرت عثمانؓ سے بیاہ دینا چاہتے تھے تو حضورؐ نے فرمایا۔ میں عثمانؓ کو حفصہؓ سے بہتر بیوی اور حفصہؓ کو عثمانؓ سے بہتر خاوند دیتا ہوں۔ چنانچہ حضرت حفصہؓ سے خود نکاح کر لیا



اور ام کلثومؓ۔ سب سے چھوٹی۔ صاحبزادی سہ ماہ میں حضرت عثمانؓ کو بیاہ دی (الاستیعاب)۔  
 اگر حضرت ام کلثومؓ فاطمہؓ سے بڑی ہوتیں تو حضرت علیؓ سے ان کا نکاح ہوتا۔ بڑی بقول شیعہ  
 کئی سالوں سے جوان کو بٹھلا کر چھوٹی کو بیاہ دینا تو دستور کے خلاف ہے۔ اس لحاظ سے حضرت  
 ام کلثومؓ کی عمر نبوت نزول سورت تبت کے وقت ۳۲ سال ہی قرین قیاس ہے۔ اور حضرت  
 رقیہؓ ان سے ۳ سال یا چھ سال بھی بڑی مانی جائیں تب بھی شادی و رخصتی کی عمر میں نہ تھیں۔  
 واقعی نے کچھ ہے۔ جب سورت تبت نازل ہوئی تو ابولہب نے کہا میرا سہ ماہ سے اندر ہرام ہے  
 اگر محمدؐ کی بیٹیوں کو چھوڑ نہ دو پس انہوں نے چھوڑ دیا۔ دخول اور رخصتی سے پہلے حافظ ابن  
 حجرؒ سے بہتر بتاتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ ابن مسعودؓ کی اتباع میں ابن عبد البرؒ کے اس بیان سے اولیٰ  
 ہے جس میں لعنت سے قبل رقیہؓ و ام کلثومؓ کی تزویج بتائی گئی ہے۔ کیونکہ ابو عمروؒ نے اس پر  
 مورخین کا اتفاق نقل کیا ہے کہ زینبؓ سب صاحبزادیوں سے بڑی ہیں۔ وہ لعنت سے ۱۰  
 سال پہلے پیدا ہوئیں تو ان سے بھی چھوٹوں کے ساتھ شادی کیسے ہو سکتی ہے ہاں اگر یہ ثابت  
 ہو جائے تو یہ عقد نکاح تا حصول الطلاق یعنی صغر سنی کی منگنی۔ ہوگا تو شادی سے پہلے جدائی  
 ہو گئی۔ ابن مندہؒ کہتے ہیں کہ عتبہ ام کلثومؓ کی رخصتی و دخول سے پہلے مر گیا۔ (الاصابہ ج ۱ ص ۴۱۹)  
 اس تحقیق کی رو سے جب شادی و رخصتی ہوئی ہی نہیں۔ نہ طرفین نے ایک دوسرے  
 کو دیکھا تو سیدہ رقیہؓ و ام کلثومؓ رضی اللہ عنہما کی شان میں کوئی فرق نہ آیا۔ اور حضرت  
 عثمانؓ کو یکے بعد دیگرے و امادی کا شرف اسی طرح حاصل ہوا جس طرح حضرت علیؓ کو ۹ سال  
 بعدؓ میں حاصل ہوا۔

اور اس سے شیعہ کا یہ شبہ بھی باطل ہو گیا کہ پیغمبرؐ زادیاں ہو کر کافروں سے کیسے بیاہی  
 گئی تھیں۔ کیونکہ یہ کفر و اسلام کی تفریقِ نبوت کے بعد ہوئی اور اسی وقت منگنی والی  
 پختہ بات چیت بھی خود کافروں کی طرف سے ختم کر دی گئی۔ جسے انہوں نے تخلیط کے طور پر  
 طلاق سے تعبیر کیا۔

علاوہ ازیں مسلم و غیر مسلم میں نکاح کی حرمت تو بہت بعد میں تقریباً ۱۷ھ کے لگ بھگ  
 مدینہ میں انری اس سے قبل کوئی تفریق نہ تھی۔ رشتے ناٹے ہوتے رہتے تھے۔



حضرت فاطمہ الزہراءؑ کی شان | سبقت ایمان - ہجرت - زہد و ورع - عبادت و  
سماوت وغیرہ اوصاف میں اشتراک کے علاوہ  
بلاشبہ حضرت فاطمہؑ کے چند مخصوص فضائل بھی ہیں۔

۱۔ حضرت فاطمہؑ اصحاب کسا میں سے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت  
علی و فاطمہؑ حسن و حسین رضی اللہ عنہم کو چادر میں داخل فرما کر ان کو اہل بیتؑ فرمایا اور  
ان کے تطہیر اور ازالہ رجز کی دعا فرمائی۔ (ترمذی)

بعض حضرات کو اس کی صحت میں کلام ہے کہ سند میں کوئی نہ کوئی راوی رافضی آجاتا ہے۔  
۲۔ حضرت فاطمہؑ کو مرض و فات میں اپنی وفات کی خبر دی تو وہ رو پڑیں۔ پھر اپنے  
سے جلدی ملنے کی (یعنی فاطمہؑ کی جلدی وفات کی) خبر دی تو وہ ہنس پڑیں تاہم وہ غمگین تھیں  
تھیں تو حضورؐ نے یوں تسلی دی۔

یا فاطمة الا ترصنین ان تکونی  
سیدۃ نساء اهل الجنة و نساء  
المؤمنین (بخاری و مسلم)

۳۔ فاطمہؑ بضعۃ منی فمن  
اغضبها اغضبنی (بخاری و مسلم)

۴۔ حضرت عائشہؓ سے پوچھا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ کون پسند تھا۔  
تو فرمایا فاطمہؑ تھیں پوچھا مردوں میں سے  
فرمایا ان کے خاوند کہ وہ میری واپسنت کے  
مطابق روزہ دار اور شب بیدار تھے۔

۵۔ شادی کے وقت وضو کر کے حضورؐ نے پانی حضرت علیؑ و فاطمہؑ پر چھڑکا اور یہ دعا دی۔  
اللهم بارک فیہما وبارک علیہما  
و بارک فی نسلہما (الاصحاب)

۶۔ حضرت انسؓ راوی ہیں کہ جہان کی عورتوں میں چار کامل ہوئی ہیں۔ مریم بنت عمرانؑ۔



اسیہ زوجہ فرعون۔ حدیچہ بنت خویلد۔ فاطمہ بنت محمد (ترمذی)،

بخاری شریف ج ۱ ص ۵۳۲ کی اس جیسی حدیث میں مریم بنت عمرانؑ۔ اسیہ زوجہ فرعون کے بعد یہ لفظ ہیں۔ اور عائشہؓ کی فضیلت سب عورتوں پر ایسی ہے جیسے شریک کی تمام کھانوں پر۔

**فضائل خاصہ کے اسباب** | اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ فضائل خاصہ مواقع اور اسباب کے تحت ظاہر ہوئے ہیں۔ اگر وہ مواقع اور اسباب بقیہ تین صاحبزادوں کو درپیش آتے تو دریائے رحمت سے وہ بھی بہرہ ور ہوتیں۔ واقعہ میاہلہ اور کساء متعلقہ آیتوں کے نزول کے بعد تھا۔ اور یہ واقعہ ۹ھ میں پیش آیا۔ اور حضرت رقیہؓ و ام کلثومؓ و زینبؓ ۱۲ھ۔ ۱۳ھ۔ ۱۴ھ میں جنت میں پہنچ چکی تھیں۔

عورتوں کی سردار ہونے کا لقب بھی آخر عمر میں وفات نبویؐ کی خبر کے صدمہ پر مرحمت ہوا۔ اور اس کی روایت ام المؤمنین عائشہؓ سے ہوئی اور ان کے ذریعے سب امت کو معلوم ہوا اور ہمارا اعتقاد بنا۔ ورنہ حضرت فاطمہؓ کو بطور راز تنہائی میں بتایا تھا۔ حضرت عائشہؓ و فاطمہؓ کی آپس میں الفت و محبت واضح ہے۔ ان لوگوں پر اللہ کی لعنت ہو جو اس ماں بیٹی میں بھی بغض و حسد کا اعتقاد رکھتے ہیں۔

”فاطمہؓ کے جگر گوشہ“ ہونے کا نشان نزول تو کتب تاریخ و شیعہ میں متواتر ہے کہ حضرت علیؓ کے فاطمہؓ بنت ابی جہل سے ارادہ نکاح کے وقت اور دیگر حضرت فاطمہؓ کی گھریلو شکایات کے پیش نظر بار بار آپؐ نے فرمایا۔ بقیہ تین صاحبزادیاں بھی بعد رسولؐ تھیں۔ مگر اس کے بیان کی ضرورت خاوندوں کیسے پر سکون ماثرتی زندگی کی وجہ سے نہ سمجھی گئی حضرت ابوالحسنؓ کو بہتر و اماد۔ دامادی کا سحق ادا کرنے والا فرمانا اور حضرت عثمانؓ کے متعلق کہنا کہ اگر میری اور لڑکی ہوتی تو وہ بھی عثمانؓ کو بیاہ دیتا۔ سابقہ گزر چکا ہے۔

چوتھی روایت کے متعلق عرض یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ، عائشہؓ، فاطمہؓ، علیؓ حنین رضی اللہ عنہم سب ہی رسولؐ خدا کو سب سے زیادہ محبوب تھے۔ یہ لوگ اپنے متعلق محبوبیت الی الرسولؐ کو بیان نہیں کر سکتے دوسرے ہی بیان کرتے ہیں۔ جیسے حضرت انسؓ، عمرو بن العاصؓ، ابوہریرہؓ



و غیر ہم نے حضرت عائشہؓ و صدیق اکبرؓ کی محبوبیت مرقوعاً بیان کی اسی طرح ام المؤمنینؓ نے حضرت علی المرتضیٰؓ اور سیدہ کی محبوبیت بیان کی فی نفسہ ان میں کوئی تعارض نہیں۔ اور اس سے یہ بھی واضح ہے کہ حضرت عائشہؓ کو اہل بیت نبویؐ سے عظیم عقیدت تھی۔ اور یہ حدیث اتنی تاثرات کا نتیجہ ہے حضرت علیؓ کے متعلق بھی کوئی بدگمانی و خلش نہ تھی۔ وہ بر ملا آپ کو صائم اور قائم اللیل فرماتی ہیں۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل کا بقا و اولاد فاطمہؓ سے اللہ کے ہاں مقدر تھا۔ تو آپ کی شادی کے موقع پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مذکورہ بالا دعا کرادی۔ اگر دوسری صاحبزادوں کے لیے بھی ایسی دعا ہو جاتی تو وہ بھی صاحب اولاد باقیہ تو ہیں۔ کچھ لوگ حضرت زینہؓ کی اولاد کے قائل ہیں چھٹی حدیث کا مصادیق موجود ہے۔ ورنہ چار کے بجائے ۵ سب جہان سے افضل اور کامل خواتین مانی جاتیں تو کیا حرج ہے۔ حضرت خدیجہؓ و عائشہؓ ہوں یا حضرت فاطمہ الزہراءؓ سب ہی حضور علیہ السلام کی آنکھوں کی ٹھنڈک، دل کا سرور، کاشانہ کی زینت۔ دین کی معلمہ مریدہ، عزت نبویؐ کا خزانہ اور تمام مومنوں کی مائیں اور ان کے دل کا نور ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو ان کی محبت نصیب فرمائے اور بدخواہوں و دشمنوں کو یر باد کرے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

ہم نے تشبیہ کے قدیم و جدید اثر پیر سے کافی تتبع و تلاش جاری رکھی کہ حضور علیہ السلام کی ایک صاحبزادی یا اکلوتی ہونے پر کوئی آیتہ فریان پیغمبرؐ، ارشاد امام باکوئی فتویٰ مجتہدین ہی مل جائے مگر ایسی کوئی چیز نہ مل سکی۔ البتہ دو باتیں ملی ہیں سابقہ شبہات سے مربوط کر کے ان پر آپ غور فرمائیے۔

شبہ ۵۔ ارجح المطالب میں بحوالہ فردوس دہلی اور مسند علی رضایہ روایت ہے کہ حضورؐ نے اپنے سے بھی بڑھ کر حضرت علیؓ کے فضائل میں فرمایا اذیت صہامثلی و لحادوت انامثلی کہ نخجے محبہ حبیباً خسر بلا ہے اور مجھے محبہ حبیباً خسر نہیں بلا۔ اس میں حضورؐ کے حضرت علیؓ کے بے مثال اور سب سے اعلیٰ شان والے خسر ہونے کا اقرار ہے مگر ایسا کوئی کلمہ حصر اور غیر کے لیے خسر نہ ہونے کی صراحت نہیں ہے اور حضرت علیؓ کی خصوصیت میں اس کا ذکر باعتبار کثرت کے ہے کہ فاطمہؓ جیسی صدیقہ کا حضرت علیؓ کی زوجہ ہونا اور حسینؓ کا فرزند رسولؐ



ہونے کے بجائے فرزند علیؑ ہونا حضرت علیؑ کا خاصہ ہے تو نہ سب رسولؐ کو بھی اسی انداز سے ذکر کر دیا۔ کیونکہ باقی دو خاص باتوں کے لیے علت اور وجہ یہی بنی تھی۔ یہ روایت کو کچھ ماننے کے مفروضہ پر مبنی ہے ورنہ ایسی ہو گئی ہوا لوں کی بلا سند روایت قرآن و سنت کے صریح دلائل کے سامنے کیا حقیقت رکھتی ہے۔

شعبہ ۹۔ حضرت لوطؑ کی دو بیٹیاں تھیں ان کو قرآن نے بنات کہا تو اسی طرح ایک کو احزاب میں بنات کہا ہے۔

جواب اولاً قرآن و سنت اور تاریخی متواتر دلائل کے سامنے ایک اختلافی بات اور فرضی استدلال پیش کرنا دیانت نہیں۔ قرآن میں حضرت لوطؑ کی صاحبزادیوں کے لیے۔ هُوَلَاؤُ - بَنَاتِي - هُنَّ - فِيْ بَنَاتِكَ - سب جمع کے صیغے آئے ہیں۔ ایک اختلافی تعبیری قول سے انہیں نظر انداز کر دینا اور دو کا قائل ہونا۔ قرآن کے ساتھ ایسا ظلم ہے جو ہر گمراہ فرقے کو یہ موقع دے گا کہ واحد و جمع کی تمام اصطلاحات ختم کر دے اور ہر جگہ حسب منشا واحد سے جمع اور جمع سے واحد مراد لیتا پھرسے۔ (معاذ اللہ)

ثانیاً۔ اس قول کی غلطی کا سبب یہ ہوا کہ قوم لوطؑ کے دو بڑے مطاع سید اور چودھری تھے ان کو دو بیٹیاں نکاح میں دینا چاہیں تاکہ ان کے بڑی سے رکنے سے سب رک جائیں تو اس سے حصر کا مفہوم برآمد کرنا کہ لڑکیاں ہی دو تھیں غلط ہے کیونکہ دو کی تصریح دو سر و اول کی تصریح کے ساتھ ملی ورنہ مجرم اور بھی تھے۔ آپ ان کو بھی دکانوں کی عزت پانے کے لیے بیٹیاں دینا چاہتے تھے۔

ثالثاً مفسرین نے دو والے قول کا رد بھی کیا ہے۔ تفسیر غرائب القرآن و غریبہ بر حاشیہ تفسیر طبری ۱۲/۵۸ پر ہے۔

”ایک قول یہ ہے کہ قوم کے مقتدر و سردار تھے۔ ان کو اپنی دو بیٹیاں دینی چاہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ آپ کی بیٹیاں دو سے زیادہ تھیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بیٹیاں حقیقتاً کچھ کے لیے پیش نہ کی ہوں بلکہ ان کو شرم و حیا دلانے کو یہ بات کہی ہو۔“

رابعاً۔ بیٹیوں سے مراد جمع ہی ہے۔ ہاں تفسیر میں دو ہیں مگر قوم لوطؑ کی منکوحہ بیویاں

مراۃ نبی کریمؐ اپنی قوم کا روحانی باپ ہوتا ہے۔ ۲- اپنی اصلی بیٹیاں مراد ہیں۔ یہ قیادہ کا قول ہے۔ (مجمع البیان ۳/۳۳۸)



# باب دوم

سوال ۳ دعوت ذوالعشیرہ کے موقع پر حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ نے وعدہ نصرت کیوں نہ فرمایا۔ کیا یہ دونوں بزرگ دعوت ذوالعشیرہ میں شامل تھے۔ اگر شامل نہ تھے تو یہ حضرات رسول اللہ کے قریبی کیوں کر ہو سکتے ہیں؟

جواب۔ شیبہ بے چارے کتنے لاوارث اور دلائل سے یتیم ہوتے ہیں اور انتہائی نکتہ قسم کے تاریخی افسانے ان کے براہین کا شاہکار ہوتے ہیں۔ یہ واقعہ ایک تاریخی موضوع روایت ہے احادیث کا متفقہ الطرفین یا مستند واقعہ نہیں۔ اس کی حقیقت درج ذیل ہے۔

علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں۔ یہ روایت نہ سنن میں ہے نہ مختاری میں اور نہ مسانید میں ہے یہ موضوع بات ہے بنی عبدالمطلب کی تعداد نزولِ آیت کے وقت چالیس نہ تھی۔ آپ کی زندگی میں بھی وہ اس تعداد کو نہ پہنچ سکے۔ (المنتقى ۶۸۴ من المنہاج)

اس کے واضح کا نام عبد الغفار بن قاسم ابو مریم کوفی ہے جو راضی تھا۔ شیبہ کی اکثر تصانیف میں اس کا ذکر ملتا ہے۔ امام قاضی نے بھی تنقیح المقال ج ۲ ص ۵۸ پر اس کا ذکر کیا ہے۔ ابن تیمیہ فرماتے ہیں یہ اجماعاً منسوک راوی ہے۔ ابن بدینی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث وضع کیا کرتا تھا انسانی اور حاتم نے اسے منسوک الحدیث قرار دیا ہے۔ امام احمد فرماتے ہیں اس کی اکثر روایات باطل ہوا کرتی تھیں۔ سماک بن حرب اور ابو داؤد نے اسے کاذب اور ابن حبان نے شری قرار دیا ہے۔

(حاشیہ المنتقى)

روایتی جرح کے بعد اب درایت کے لحاظ سے اس کی حقیقت ملاحظہ ہو۔

”جب آیت وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ رآہ اپنے قریب ترین رشتہ داروں (دادھیال) کو ڈرائیے نازل ہوئی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ عبدالمطلب کی تمام اولاد کو بلا لاؤ تاکہ میں انہیں تبلیغ کروں۔ آپ بلا لائے۔ وہ چالیس آدمی تھے۔ ان میں آپ کے چچا۔ ابوطالب۔ حمزہ۔ عباسؓ۔ ابولہب وغیرہم بھی تھے۔ پہلے دن دعوت کھلا دیکھنے کے بعد بات نہ ہو سکی۔ دوسرے دن اسی طرح دعوت کھلا کر فرمایا۔ اسے عبدالمطلب



کی اولاد میں تمہارے لیے دنیا اور آخرت کی بھلائی لایا ہوں۔ اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ تم کو دعوت الی اللہ دوں۔ اس بات پر کون تم میں سے میری مدد کرے گا۔ جبکہ وہی میرا بھائی۔ وصی اور تم میں میرا جانشین ہوگا۔ سب قوم خاموش رہی حضرت علیؑ بولے۔ اے اللہ کے نبی! میں آپ کا مددگار رہوں گا۔ حالانکہ میں سب سے چھوٹا۔ باریک آنکھوں والا۔ چھوٹی پنڈائیوں اور بڑے پیٹ والا تھا۔ آپ نے میری گردن پکڑ کر فرمایا۔ یہ میرا دینی بھائی اور وصی ہے اور تمہارے اندر میرا جانشین ہے۔ تم اس کی بات سنو اور فریاد نہ داری کرو اس کے بعد لوگ اٹھ کر چلے گئے اور ابوطالب سے مذاقاً کہنے لگے کہ تمہیں محمدؐ نے بیٹے کی اطاعت اور فرماں برداری کا حکم دیا ہے۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے بنو عبدالمطلب! میں تمہاری طرف خصوصیت سے اور دیگر لوگوں کی طرف عموماً بنی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ تم میرا دعویٰ اور عزم دیکھ چکے ہو۔ تم میں سے کون اس شرط پر میری بیعت کرے گا کہ وہ میرا بھائی، ساتھی اور وارث بنے۔ آپؐ نے تین مرتبہ یہ فقرہ دہرایا۔ جب کوئی نہ اٹھا تو میں سب سے چھوٹا ٹھا، اٹھا۔ تو آپؐ نے فرمایا۔ بیٹھ جا۔ تیسری مرتبہ میں نے بیعت کی۔ پس اسی وجہ سے میں چچا کے بیٹے کا وارث (علمی) ہوں اور چچا کا نہیں ہوں۔ تاریخ طبری ج ۲ ص ۳۲۱-۳۲۲ بقولہ کتب شیعہ میں سے حیات القلوب ج ۲ ص ۲۴۹، ۲۵۸ سے مفصلاً بیان کیا گیا ہے اور شیعہ تفسیر مجمع البیان و تفسیر قمی میں بھی ہے۔ ”کہ یہ دعوت تین دن تک ہوتی رہی۔ بنو عبدالمطلب برادری سے کسی نے حامی نہ بھری تو تیسرے دن حضرت علیؑ نے اس پر لبیک کہی۔ حالانکہ آپ صغیر سن تھے۔ ابولہب مذاق اڑاتا تھا۔ غالباً دیگر حاضرین نے ”خلیفتی فی اہلی“ میرے گھر والوں میں میرا جانشین ہوگا۔ کے منصب کو اپنے شایان شان نہ جانا اور خاموش رہے۔“ یہی وہ واقعہ ہے جس پر اعتراض کی بنیاد ہے۔ اس سے قطع نظر کہ یہ ایک تحریر روایت ہے اور حضرت علیؑ کا علیہ و تعارف بھی مکر وہ بتایا گیا ہے۔ اور اس سے بھی قطع نظر کہ آغاز دعوت اسلام سے ہی جبکہ قریبی برادری بھی مسلمان نہ ہوئی تھی۔ آپؐ کو اپنے وصی اور خلیفہ کا فکر کیوں دامگیر ہو گیا تھا۔ اس وقت صرف آپؐ مامور بالدعوت الی الاسلام تھے مستقبل دنیوی کے



قطعی انجام سے واقف نہ تھے۔ جیسے ارشادِ ربانی کے ذریعے آپ سے یوں اعلان کرایا جاتا تھا۔

فَرَأَيْتُمْ مَآ كُنْتُ بِدَاعٍ مِّنَ الرُّسُلِ وَمَا أَدْرَايَ مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ إِنَّا فَعَلْنَا مَا يَوْحَىٰ إِلَيْنَا (احقاف ۱۲)

فرمائیے میں کوئی انوکھا رسول نہیں ہوں اور میں انجامِ ذبیہ نہیں جانتا کہ تمہارے میرے ساتھ کیا کچھ کیا جائے گا۔ میں تو صرف وحی کی پیروی کرتا ہوں۔

اور اس سے بھی قطع نظر کہ آیت و اندر عشیرہ تک کے تحت آپ رشتہ داروں کو خدا کی نافرمانی اور عذاب سے ڈرانے کے ہی مکلف تھے۔ اعلانِ خلیفہ کا تو تصور و شائبہ بھی آیت میں نہیں ہے۔ اس قصہ سے مندرجہ ذیل باتیں روایت سے ثابت چھ باتیں شیعہ کے خلاف ہیں | معلوم ہوئیں۔

۱۔ یہ صرف اپنی برادری بنو عبد المطلب کو دعوت تھی غیر بنو عبد المطلب حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو بلانے کا سوال ہی نہ تھا لہذا اعتراض ہی لغو ثابت ہوا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ تین سال قبل آغازِ نبوت پر ہی ایمان لایچکے تھے اور آپ کے معاون و دستِ راست بن کر دیولِ موزن افراد۔ جیسے حضرت عثمانؓ طلحہؓ زبیرؓ سعد بن ابی وقاصؓ عبدالرحمن بن عوفؓ وغیرہ رضی اللہ عنہم۔ کو حلقہٴ مگویشِ اسلام کراچکے تھے۔ (تاریخ طبری ج ۲ ص ۱۸۱ وغیرہ)

حضرت عمرؓ کو اس واقعہ کے تین سال بعد مشرف باسلام ہوئے مگر ان کے اسلام پر مسلمانوں کو بڑی تقویت پہنچی اور شاعتِ اسلام تیز ہو گئی۔ جیسے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جیسے قدیم الاسلام اور فاضل صحابی کی شہادت اور حوالہ جات سابقہ مذکور ہو چکے ہیں۔

۲۔ بنو ہاشم و بنو عبد المطلب میں سے حضرت علیؓ کے سوا کسی نے بھی اسلام اور حمایتِ پیغمبرؐ کا اعلان نہیں کیا۔ اور یہیں سے معلوم ہو چکا کہ سابقون الاولون ایک دو فرد کے ماسوا بنو عبد المطلب اور ہاشمی حضرات نہیں یہ شرف اللہ نے غیروں کو ہی عطا فرمایا ہے۔ اور اس میں بھی خدا کی بہت بڑی حکمت اور صداقتِ نبوت پر عظیم عقلی دلیل ہے کہ برادری اور قریبی لوگ مخالفت کرتے ہیں مگر اخیارِ حضورؐ کے قدموں میں اگر تے ہیں اور کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہیں



کرتے ہیں کہ ان کو صاف نظر آ رہا ہے کہ آپ کو پیغمبر ماننا۔ دنیوی وقار کے برخلاف ایک درمقیم کو اپنا آقا و سردار بھی ماننا ہے۔ اگر دعویٰ نبوت سیاسی سطح پر یا دنیوی عزت کی خاطر (العیاذ باللہ) ہوتا تو سب سے پہلے آپ کی قوم لبیک کہتی کہ ان کا وقار بلند ہوتا اور غیر خود کو آپ کی غلامی میں دینے سے گریز کرتے۔

۳۔ اس سے جناب ابوطالب والد حضرت علیؑ کا بھی مومن و مسلمان نہ ہونا اظہر من الشمس ہو گیا۔ اگر شبہ خیال کے مطابق آپ مسلمان و مومن ہوتے تو ضرور اسلام اور وزارت پیغمبر کا اعلان کرتے حضرت حمزہؓ و عباسؓ کے خلاف جو میں بھی تو آپ سے کلمہ پڑھنا یا رائج دین قریش سے تبرک کرنا ثابت نہیں۔

۴۔ اس قصہ سے معلوم ہوا کہ حضرت علیؑ نے بھی تیسرے سال اسلام و ایمان کا اقرار و اظہار کیا۔ اس لحاظ سے تو آپ سابق الاسلام ثابت نہ ہوئے دوسرے حضرات ہی ہوئے۔ بخاری ج ۱ ص ۵۱۶ پر ہے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

روایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و مامعہ الاخمسة اعبد و امرأتان و ابوبکر میں نے آغاز اسلام میں حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام کو دیکھا آپ کے ساتھ پانچ غلاموں دو عورتوں اور ابوبکرؓ کے سوا کوئی مومن نہ تھا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پہلے ہی ماہ میں ایمان لانے کا اعتراف کتب شیعہ میں بھی ہے۔ یہ ماہ کی بھی روایت میں ایک تعبیر ہے ورنہ آپ پہلی ہی دعوت پر گویا پہلے دن حضرت خدیجہؓ کے بعد مسلمان ہو گئے تھے۔

شیعہ کتاب اعلام الوریٰ ص ۵۰ میں ہے۔

حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ بصری گئے ہوئے تھے۔ ایک راہب نے پوچھا کیا کوئی مکہ کا آدمی تم میں ہے۔ میں نے کہا میں ہوں۔ اس نے کہا کیا احمد ظاہر ہو گئے؟ میں نے پوچھا احمد کون ہیں راہب نے کہا۔ احمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب۔ اس نے اس ماہ میں نبوت کا دعویٰ کرنا ہے۔ وہ آخری پیغمبر ہے حرم سے نمودار ہو گا۔ کھجوروں کی جگہ (مدینہ) ہجرت کر جائے گا۔ تو فوراً اس



کی خدمت میں جا جلوہ فرماتے ہیں میرے دل میں یہ بات بیٹھ گئی جلدی سے کہ آپہنچا۔ پوچھا کیا نئی بات ہوئی لوگوں نے کہا۔

ہاں محمد بن عبداللہ امین نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ ابوبکرؓ نے آپؐ کی پیروی کر لی ہے۔ جلوہ فرماتے ہیں میں وہاں سے نکلا۔ حضرت ابوبکرؓ کے پاس آکر پوچھا کیا آپؐ نے اس شخص کی پیروی کر لی؟ فرمایا ہاں۔ تو بھی اس کے پاس جا اور تابعداری کر لے۔ کیونکہ وہ صرف حق کی طرف بلائے

نعم محمد بن عبد اللہ الامین  
تنبا وقد تبعہ ابن ابی قحافۃ قال فخرجت  
حتی دخلت علی ابی بکر فقلت اتبع  
ہذا الرجل قال نعم فانطلق الیہ و  
ادخل علیہ فاتبعہ فانہ یدعو الی الحق  
(بحوالہ کشف الاسرار)

ہیں۔

پھر حضرت جلوہ فرماتے ہیں کہ ابوبکرؓ نے راجہ کا قصہ سنایا۔ حضرت ابوبکرؓ کو حضورؐ کی خدمت میں لے آئے وہ مسلمان ہو گئے اور راجہ کی بات سنائی جب جلوہ فرماتے ہیں ابوبکرؓ کے ساتھ مسلمان ہو گئے تو نوفل بن نولہ قریشی شیران کو مارتا تھا۔

۵۔ اس خلافت اور وزارت کا مقصد دینی فیصلہ دینا یعنی بنو عبدالمطلب پر نگرانی اور خاندانی گھروں اور امور کے انتظام کو سرانجام دینا ہے تاکہ آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم فارغ البالی سے منصب نبوت کا فریضہ ادا کریں۔ قید و بند۔ موت کی صورت میں۔ اہل و عیال کی ذمہ داری اور دین و دنیا کے تفکرات سے آزاد ہوں۔ اسے خلافت کبریٰ اور تمام امت کی قیادت سے واسطہ نہیں کیونکہ نہ اس کی ضرورت تھی نہ چند نفوس کے سوا امت کی وسعت کے انتظام کا مسئلہ درپیش تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت علیؓ تمام خاندان بنو ہاشم سے آپؐ کو عزیز اور پراعتقاد ہیں۔ گھر کے فرد اور خانگی ضرورتیں بھی پوری کرتے ہیں۔ قرضہ جات اور کفار کی امانتوں کا لین دین بھی باہر نبوی کرتے ہیں۔ لیکن حضور علیہ السلام کے ساتھ دعوتی و تبلیغی میدان میں نہ سمجھ وقت ساتھ ہیں نہ تقریر و تائید کرتے نظر آتے ہیں نہ آپؐ کو کفار کی طرف سے زد و کوب کیا جاتا ہے اس کے برعکس ایک اور شخصیت سایہ کی طرح حضورؐ کی بہم و سامت تھی ہے۔ آپؐ کے ساتھ تقریر و تبلیغ بھی کر رہے ہیں۔ کفار کا آپؐ سے دفاع بھی کر رہے ہیں۔ مار کھا کھا کر لہو لہان بھی ہو رہے ہیں۔ بے ہوش بھی ہوتے ہیں۔



سخت گرمی اور دوپہر میں آرام کے لیے حضورؐ کو اپنے گھر لے جاتے ہیں۔ یہ ابو بکر صدیقؓ ہیں جن کی تربیت خلیفۃ فی اہلی کے تحت نہیں۔ بلکہ خلیفہ و مقتدا برائے جمیع امت کے لحاظ سے ہو رہی ہے کہ ان کے متعلق یہ فرما کر رخصت ہونا ہے۔ **ناقد و بالذین من بعدی ابی بکر و عمر (نزدی)** میرے بعد دو شخصوں کی پیروی کرنا۔ ابو بکرؓ کی اور (پھر) عمرؓ کی۔ رضی اللہ عنہما جمیعاً۔

۶۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کی میراث علمی ہوتی ہے اور حضرت علیؓ بھی اس کے وارث ہیں۔ حضرت علیؓ کا صاف فرمانا کہ میں اپنے چچا کا وارث نہیں۔ حالانکہ وہ اقرب رشتہ ہے۔ اور چچا کے بیٹے کا وارث ہوں۔ اسی حقیقت کی غمازی کرتا ہے۔

الحاصل۔ دعوت ذوالعشیرہ کا یہ قصہ اگر ثابت ہے تو چشم مار و شن دل ماشا و شلیہ حضرت دوستِ ظرفی سے اس سے ثابت درج بالا ستہ امور پر بھی ایمان لائیں یعنی شلیہ نزاع ختم ہو جائے۔ منترض کا یہ کہنا۔ اگر دونوں بزرگ شامل نہ تھے تو یہ حضرات رسول اللہؐ کے قریبی کیونکر ہو سکتے ہیں۔ روح اسلام سے ناواقف اور جہالت پر مبنی ہے۔ اسلام میں قرابت نبویؐ فی نفسہا باعث فضیلت نہیں۔ بلکہ تابع پیغمبرؐ کے درجہ سے ہے۔ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

ان ادلی الناس یا بواہیم لکذین  
اتبعوک و هذا النبی والذین امنوا  
واللہ ولی المؤمنین (آل عمران)

جس تک سب لوگوں سے زیادہ حضرت ابراہیمؑ کے قریبی (اور گے) وہ لوگ ہیں جو آپؐ کے پیروکار تھے۔ اور اب یہ نبی اور مومنین اہماب

اللہ (ایسے) مومنوں کا مددگار و سرپرست ہے۔

مشرکین قریش اور یہود و نصاریٰ کو حضرت ابراہیمؑ کی نسل اور آل میں سے ہونے کی وجہ سے قرابت کا دعویٰ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اس کا رد فرمایا۔ کہ حضرت ابراہیمؑ کے قریبی وہ ہیں جنہوں نے ان کی پیروی اپنے اپنے وقت میں کی اور ہمارے پیغمبرؐ بھی متبع ہونے کی حیثیت سے آپؐ کے قریبی ہیں۔ اور اس پر ایمان لانے والے۔ ابو بکرؓ و عمرؓ، عثمانؓ و علیؓ، ابوذرؓ، عمارؓ، بلالؓ، صہیبؓ، خبابؓ، بعض متبع ہونے کی حیثیت سے قریبی ہیں۔ اور ابولہب، عقبہ، شیبہ، اہل و غیرہ نافرمانی کی وجہ سے ابراہیمؑ کی نسل اور سادات میں سے ہونے کے باوجود ہرگز قریبی نہیں۔

نہج البلاغہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ایمان ساز ہے۔



ان ولی محمد من اطاع الله و  
رسوله وان بعدات لحيته وان عدو  
محمد من عصی الله ورسوله وان  
قربت قربته۔

حضرت محمدؐ کے قریبی دوست وہ ہیں جو اللہ  
و رسولؐ کے فرمانبردار ہوں اگرچہ خونی رشتہ  
دور ہو۔ اور حضرت محمدؐ کے دشمن وہ ہیں جو  
اللہ و رسولؐ کے نافرمان ہوں اگرچہ رشتہ قریبی ہو۔

بلاشبہ حضرت علیؑ قریبی بھی ہیں اور مومن و تابع بھی۔ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ صاحب کچھ  
دور کے رشتہ دار سہی۔ مگر نسبتی رشتہ داری میں خسر سونابہ نسبت داماد ہونے کے زیادہ اعزاز  
رکھتا ہے کیونکہ خسر دینے والا اور خرچ کرنے والا ہے۔ داماد لینے والا اور اپنے اوپر خرچ کروانے  
والا ہے۔

اس سے قطع نظر اصول بالاکہی رو سے حضرت علیؑ اور شیخینؓ کے ایمان۔ اتباع۔ ایثار  
پر پختہ۔ نشر اسلام۔ بانی بنی میں امت کو افادہ وغیرہ امور میں موازنہ کیا جائے گا۔ جو  
ان امور میں بڑھے گا وہی آپؐ کا قریب ترین رشتہ دار سمجھا جائے گا۔

اہل سنت کی تحقیق و عقیدہ میں حب حضرات شیخینؓ امور مذکورہ میں حضرت علیؑ سے  
بڑھ کر ہیں تو اصول بالاکہی رو سے وہی سب سے افضل اور پختہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے  
قریب ترین رشتہ دار سمجھے جائیں گے۔ اس مسئلہ کی وضاحت سوال نمبر ۱ میں اور کابل تفصیل  
سوال نمبر ۲ کے تحت ان شاء اللہ آئے گی۔

سوال نمبر ۱۔ حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) بقول اہل سنت تمام امت محمدیہ سے افضل  
ہیں تو بوقت مواخات یعنی جب رسول اللہؐ نے مسلمانوں میں بھائی چارہ قائم فرمایا حضرت ابوبکرؓ  
کو کیوں اپنا بھائی نہ بنایا جبکہ تاریخ شاہد ہے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دعوت ذوالعشرہ  
اور مدینہ منورہ میں تشریف لانے پر فرمایا۔ یا علی انت اخي فی الدنیا والاخرۃ۔ کیا اس سے  
ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت علیؑ بعد از رسول خدا تمام کائنات سے افضل و اکمل ہیں۔ انصاف  
مطلوب ہے۔

الجواب۔ دعوت ذوالعشرہ کی حقیقت تو بیان ہو چکی ہے یہ دلیل بھی اسی جیسی ہے۔  
اور تابعی شہادت کا دعویٰ بلا دلیل ہے کیونکہ حضرت علیؑ کے متعلق مواخات فی المدینہ کی روایات



مضطرب ہیں۔ بعض میں ہے کہ ہجرت الی المدینہ کے بعد مہاجرین کا معاشرتی مسئلہ حل کرنے کے لیے آپ نے ایک ایک مہاجر اور ایک ایک انصاری کے مابین بھائی چارہ قائم کرایا۔ حضرت علیؑ کا سہل بن حنیفؓ کے ساتھ بھائی چارہ کرایا۔ (الاصحاب للابن حجر ج ۲ ص ۸۷) غالباً یہی وجہ ہے کہ حضرت سہلؓ کے ساتھ آپؐ کے تعلقات اچھے رہے۔ اپنے عہد خلافت میں ان کو گورنر بھی بنایا ہے۔

یہ روایت مختلف الفاظ کے ساتھ مسند احمد کی طرف نسبت کر کے شیوہ علامہ علیؑ نے منہاج کرامہ میں بھی نقل کی ہے۔ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ یہ روایت امام احمدؒ نے ذکر نہیں کی بلکہ القطبی کے اضافات میں سے ہے جو ساقط الاحتجاج ہیں۔ القطبی نے زید بن ابی اوفیؓ سے روایت کیا ہے اور اس میں یہ الفاظ بھی ہیں جو ردافض قصداً حذف کر دیتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں آپ سے کیا ورثہ پاؤں گا؟ آپؐ نے فرمایا وہی ورثہ جو انبیاء سابقین دوسروں کو دیا کرتے تھے۔ یعنی کتاب اللہ اور سنت رسولؐ۔ یہ روایت بالفاق مخدین جھوٹ ہے۔ بلکہ مواخات پر عمل تمام روایات جھوٹی ہیں۔ یہ مواخات آپؐ نے مہاجرین کے درمیان قائم نہیں کی تھی بلکہ مہاجرین انصاری کے درمیان قائم کی تھی۔ (المنتقى من المناجیح ص ۱۷۷ رد دوم)

ماضی قریب کے مشہور سیرت نگار اور سنی شیعہ نزاع سے آزاد مولانا غلام رسول مہر مرحوم "رسول رحمت" ص ۲۳۸ پر رقمطراز ہیں۔

اجتماع اور مواخات | مسجد نبویؐ کی تعمیر مکمل ہو چکی تو حضرت انس بن مالکؓ کے گھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین و انصار کو جمع کیا۔ اس اجتماع میں نوے یا ایک سو اوصحاب موجود تھے جن میں نصف مہاجرین اور نصف انصار تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تاخوافی اللہ اخوین اخوین۔ اللہ کی راہ میں دود و آدمی بھائی بن جاؤ۔ (ابن ہشام القسم الاول ج اول و دوم ص ۵۰)

پوری فہرست اسماء کہیں سے نزل کی جو نام مختلف روایات میں ملے وہ درج ذیل:







سوا کوئی پشت پناہ نہ تھا۔ آپ کے بھائی عقیل اور طالب (بجالت کفر) مکہ میں تھے۔ سیدنا جعفر بن ابی طالب حبشہ میں تھے۔ جیسے حضورؐ نے مکہ میں آپ کی معاشی ذمہ داری خود لے رکھی تھی یہاں نئے دیس میں بھی آپ کی اشک شوئی اس کے بغیر ممکن نہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپ مواخات فرما چکے حضرت علیؑ کو کسی کے ساتھ نہ ملا یا تو آپ سخت ناراض ہوئے نتیجہ کا بیان ملاحظہ ہو۔ جو کشف الغمہ ج ۱ ص ۹۲ پر ہے کہ جب سب مہاجرین و انصار کی آپ مواخات کر چکے اور حضرت علیؑ کی کسی کے ساتھ نہیں کی تو وہ حضورؐ پر (الحیا ذ باللہ) غصے ہو کر کہیں چلے گئے حضورؐ نے انہیں تلاش کر کے پاؤں سے ٹھوکر ماری اور فرمایا تو صرف مٹی والا (البو تراب) بننے کے لائق ہے۔

ان غضبت علی حین اخیت بین  
المہاجرین والانصار ولم اواخ بینک  
وبین احد منهم... انت اخی فی  
الدنیا والاخرۃ (بلفظہ)

کیا تو مجھ پر ناراض ہو گیا جب میں نے مہاجرین  
و انصار کے درمیان مواخات کی اور تجھے  
کسی کے ساتھ نہیں ملایا۔ تو میرا بھائی ہے  
دنیا میں اور آخرت میں۔

انوت حضرت صدیقؑ و زیدؑ  
افضلیت کما فی الجملہ فضیلت کی بات ہے مگر کلی  
السلام نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے متعلق بھی بروایت ابن عباسؓ یہی فرمایا ہے۔

لو كنت متخذاً من امتی خلیلاً  
لا اتخذت اباً بکراً ولكن اخی وصاحبی۔  
(بخاری ج ۱ ص ۵۸) وفی روایۃ لا اتخذت خلیلاً  
ولكن اخوة الاسلام افضل۔

اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو خلیل بناتا تو  
ابوبکرؓ کو یقیناً بناتا لیکن وہ میرے بھائی  
اور دوست ہیں اور ایک روایت میں ہے  
میں ان کو خلیل بناتا لیکن اسلام کا بھائی ہونا

بہت شان کی بات ہے۔

چونکہ مقام خلت ”دل میں صرف ایک کے سامنے“ کا نام ہے۔ وہ صرف خدا کی ذات تھی  
اس لیے اس کی نفی کر کے انوت کا اثبات فرمایا۔ اور حضرت زید بن حارثہ کے متعلق بھی آپؐ کا  
ارشاد ہے۔ انت اخونا و مولانا آپ ہمارے بھائی اور محبوب ہیں۔ (بخاری ج ۱ ص ۵۲۸)  
احادیث صحیحہ میں یہ بھی مذکور ہے کہ آپؐ نے فرمایا۔ میری خواہش ہے کہ میں اپنے بھائیوں



کو دیکھ لیتا جو میرے بعد پیدا ہوں گے اور بن دیکھے ایمان لائیں گے) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔  
 اِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ اِخْوَةٌ (سب مومن بھائی بھائی ہیں)

مواخات کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ بھائی چارہ قائم کرنے والوں میں تمام امور میں تماثل اور تشابہ پایا جاتا ہے۔ بھائیوں میں فرق مراتب اور اوصاف میں کمی بیشی مشابہہ کی بات ہے۔ تو اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علیؓ کو اپنا بھائی فرمایا تو اس سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ آپ ہی سب سے افضل ہیں اور امام بلا فصل ہیں۔

اخوت نسبی مدار فضیلت نہیں | واضح رہے کہ اخوت نسبی ہی کو شیوخ حضرات مدار فضیلت کہتے ہیں لیکن اخوت اسلامی اور صحبت پیغمبری اس سے کہیں افضل ہے کیونکہ وہ آخرت میں بھی بدستور ہوگی۔ ارشاد ہے۔

۱۔ وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِنْ غَلٍّ اِخْوَانًا عَلٰی سُرٍّ مُّقْتَابِلِينَ (نور ۶۱)  
 اور ان کے دلوں میں جو کچھ کینہ ہو گا ہم اس کو نکال دیں گے۔ اور وہ سختوں پر ایک دوسرے کے مقابل بھائی بھائی بن کر بیٹھے ہوں گے۔  
 ۲۔ اَلَا خِلَافٌ يَّوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِينَ (زخرف ۶۶)  
 دوستی رکھنے والے اس دن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے مگر متقی اس سے مستثنیٰ ہیں  
 (ترجمہ مقبول ۵۹)

معلوم ہوا کہ اسلامی برادری اتنی پختہ ہے کہ دنیا میں فی الجملہ کدورت کے بعد بھی محبت و الفت سے قائم و دائم ہوگی۔ اور متقین بدستور ایک دوسرے کے دوست رہیں گے مگر اخوت نسبی وہاں کام نہ دے گی۔

اِسْأَلُوْنَ (مومنون)  
 فَلَا اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَاءَلُوْنَ  
 اِسْأَلُوْنَ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيهِ وَاُمِّهِ وَاَبْنَيْهِ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ (عبس)  
 اس دن ان کے درمیان نہ رشتہ داری ہوگی نہ ایک دوسرے کا پوچھیں گے۔  
 اس دن آدمی اپنے بھائی۔ ماں۔ باپ۔ بیوی اور بیٹوں سے بھاگے گا۔

جب یہ اخوت اسلامی حضرت علی المرتضیٰؓ اور دیگر کئی صحابہ کرامؓ میں مشترک ہے تو



افضلیت پر استدلال درست نہیں ہے۔ اگر استدلال اخوت اسلامی ونسبی کے جامع ہونے کی وجہ سے ہے۔ تو یہ اجتماع حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ عثمان رضی اللہ عنہ و زبیر رضی اللہ عنہ بھی ہے۔ بوجہ ان میں شیخین کی افضلیت سوال ۳ کے آخر میں پھر ملاحظہ فرمائیے۔

بالفرض اس وصف مشترک کو تنبیہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر ہی دلیل بنائیں تو یہ جزوی فضیلت ہوگی۔ جیسے قرآن حکیم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے ”اُمَّةٌ قَانِتَةٌ لِلّٰهِ حَنِيفًا۔“ وہ بمنزلہ ایک امت کے خدا کے مطیع و موحد تھے، وَلَقَدْ اصْطَفَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا اَوَّلَ بِمَنَ ان کو دنیا میں چن لیا، ارشاد فرمائے ہیں مگر حضور علیہ السلام کے لیے ایسے صریح الفاظ نہیں ملتے یا جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو روح اللہ اور کلمۃ اللہ فرمایا ہے۔ اور حضرت یوسف علیہ السلام کے تذکرہ کو احسن القصص فرمایا ہے مگر حضور علیہ السلام کے متعلق ایسے الفاظ قرآن حکیم میں ہرگز نہیں ملتے۔ جیسے ان انبیاء علیہم السلام کو ان جزوی القاب وخصائص کے باوجود سید الرسل علیہ افضل الصلوات والتسلیمات فضیلت نہیں دی جاسکتی۔ اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اخوت نسبی کی وجہ سے خلفائہ ثلاثہ رضی اللہ عنہم فضیلت نہیں دی جاسکتی۔ کیونکہ حضور کی افضلیت علی الانبیاء پر دلائل قاہرہ کی طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر بھی دلائل قاطعہ موجود ہیں۔

## حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خصائص

۱۔ آپ صاحبہ کے تاجدار ہیں | قرآن حکیم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو صاحبِ پیغمبر فرمایا ہے۔

اَلَا تَنْصُرُوْكَ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ  
اِذَا خَرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِنَّا فِىْ اَشْيٰىنِ اِذَا  
هُمَ فِى الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ بِصَاحِبِهِ لَا تَخْذَنْ  
اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (توبہ ۶۶)

اگر تم رسول خدا کی مدد نہ کرو گے تو (کچھ پر وانیہں)  
اللہ نے تو اس کی مدد ایسے وقت کی تھی جبکہ  
ان لوگوں نے جو کافر ہو گئے تھے اسے ایسی  
حالت میں نکالا تھا کہ وہ دو میں کا دوسرا

تھا جس وقت کہ وہ دونوں غار میں تھے اس وقت ہمارا رسول اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا کہ  
افسوس نہ کر بے شک اللہ ہم دونوں کے ساتھ ہے۔ (ترجمہ مقبول من ۲۳)



اس آیت کریمہ میں حضرت کے ساتھ اللہ نے اس مدد کا ذکر کیا ہے جو صرف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ذریعہ فرمائی یعنی اس انتہائی مشکل اور خطرناک مرحلے میں آپ کے معاون و مددگار ساتھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی تھے اس آیت نصرت بننے کے لیے سب صحابہ رضی اللہ عنہم سے اللہ نے آپ کو چنا۔ اور صاحبِ پیغمبر کا ساتھی، فرما کر گویا ناصر البنی فرمایا۔ نیز ثانی اثنین فرمایا کہ یہ بتلایا کہ وہ دونوں ایسے جڑواں اور مساوی درمزارج و مصائب ہیں کہ ہر ایک کو ثانی اثنین دو میں کا دوسرا اور ایک دوسرے کی صورت و یادگار کہا جائے گا۔ اگر پیغمبرِ اقل ہیں تو صدیقِ ثانی ہیں۔ اور خلافت بلا فصل کا فیصلہ علیم و حکیم نے اسی نقطہ میں فرما دیا۔ اگر اس سفر میں محافظ و یا ڈی گارڈ کی حیثیت سے صدیقِ ثانی و آگے ہیں تو سرورِ کائنات ثانی اثنین اور عقب میں محفوظ چلے آ رہے ہیں۔ یہ دونوں وہ لقب ہیں جو صدیقِ اکبر سے ہی مخصوص ہیں۔ کوئی صحابی ان سے مشرف نہیں کیا جاسکتا۔ مقام نصرت و مشکلات میں صاحبِ پیغمبر ہونا بہت بڑا مخصوص اعزاز ہے جسے عام سافروں کے ساتھیوں پر قیاس کرنا اور مدارِ فضیلت نہ ماننا قرآنِ حکیم کی روح و اسلوب پر ظلم ہے جو یحییٰ بن کاشیوہ ہے۔ لا تحزن (تو میرا) غم نہ کر، میں یہ بھی بتلا دیا کہ صدیقِ اکبرؓ کو دین و دنیا کی سب سے قیمتی متاع سید الرسلؐ کی سلامتی کا اس مشکل ترین گھڑی میں فکر تھا۔ کیونکہ حزن کا معنی دوسرے کے لیے غم کھانا ہے جیسے لف و نشر مرتب کے طور پر حضرت لوط علیہ السلام کے متعلق ارشاد ہے۔

لَا تَحْزَنْ وَلَا تَحْزَنْ إِنَّا مَدْجُوكَ  
وَ أَهْلَكَ۔

اے لوط! نہ خوف کر نہ غم بے شک ہم تجھے اور تیرے گھروالوں کو نجات دیں گے۔

روافض کا اسے غم پیغمبر سے اپنی ذات کے لیے ڈر میں تبدیل کرنا، لغت و قرآن کے بدترین تحریف ہے۔ اگر اپنی ذات کا ڈر ہوتا تو اس خطرناک مرحلے میں ساتھ کیوں ہوتے نہ اس سفر کی تیاری میں کیوں رہتے۔ جب یہ نزدیکی اور اپنی جان کا ڈر نہیں۔ بلکہ محبوبِ پیغمبرؐ کے عشق میں دنیا سے غم و اندوہ کا غوطہ تھا تو یہ محبت کی اور ایمان کی زبردست دلیل ہوئی۔ بالضرر اگر یہ غم، غمِ جاننا نہ ہوتا اور لا تحزن کا شیریں بول عاشقِ صادق کے گوشِ ایمان میں نہ ڈالاجاتا تو دنیا کو عشقِ صدیقِ پیغمبرؐ پر شبہ ہوتا۔ مولانا ابوالکلام آزادؒ نے کیا خوب فرمایا،







هو الاقوى لا نه خاف على النبى صلى  
الله عليه وسلم من القوم فانزل الله  
سكينته عليه بنامين النبى صلى الله  
عليه وسلم فسكن جأشه وذهب  
روعاه وحصل الامن (قرطبي ج ۸ ص ۳۸)  
گیا فکر دور ہو گیا اور امن حاصل ہو گیا۔

عربی نے کہا ہے۔ ہمارے علماء کہتے ہیں یہی  
قوی تر تفسیر ہے کیونکہ وہی مشرکین سے حضور  
صلی اللہ علیہ وسلم پر نقصان کا اندیشہ کر رہے  
تھے۔ پس اللہ نے آپ پر تسلی نازل کی کہ حضور  
علیہ السلام محفوظ رہیں گے تو آپ کا اندیشہ ختم

رہا یہ شبہ کہ آگے مجھے کی ضمیریں پیغمبر کی طرف راجع ہیں اس کو صاحبہ کی طرف لوٹانا  
انتشار ضمائر ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے۔ جیسے مندرجہ ذیل آیت اس  
کی تفسیر ہے۔

لَتُؤْمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَتُعَزِّرُوهُ  
وَتَوْقِرُوهُ وَتُسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلاً  
(فتح ۱۶)

ایم نے پیغمبر تزیین و بشیر بھیجا تا کہ تم اللہ و رسول  
پر ایمان لاؤ۔ پیغمبر کی خدمت کرو۔ اس کی  
عزت کرو اور اللہ کی پاکی بیان کرو صبح و شام  
پہلی دو ضمیریں رسول کی طرف راجع ہیں تیسری اللہ کی طرف کیونکہ اسی کی تسبیح کا ذکر بار بار

قرآن میں آیا ہے۔

قصہ ہجرت اور واقعہ غار میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی معیت  
واقعہ ہجرت کتب شیعہ میں | و رفاقت مقبول پر تمام امت کا اتفاق و اجماع ہے۔ کوئی  
منتصب بھی انکار نہیں کر سکتا۔ مندرجہ ذیل شیعہ علماء نے انتہائی دشمنی اور تعصب کے باوجود  
حضرت صدیق اکبر کے یار غار ہونے کا ثبوت فراہم کیا ہے۔

ملاکاشی در تفسیر صافی ص ۱۹۳۔ ملا باقر علی مجلسی حیات القلوب ج ۲ ص ۲۲۱۔ کشف الغمہ  
ج ۱ ص ۱۰۹-۲۳۴-۴۰۴۔ تفسیر حرج عسکری ص ۲۱۳۔ مرزا باذل ایرانی غزوات حیدری ص ۶۵۔ تفسیر  
منہج الصادقین ص ۲۱۱-۲۴۱۔ مقبول دہلوی ضمیمہ مقبول ص ۲۹۔ تفسیر قمی ص ۲۴۶ اور ۲۹ جہاں  
حضور نے آپ کو انت الصدیق بھی فرمایا ہے۔ قاضی نور اللہ شوستری مجالس المؤمنین  
ج ۱ ص ۲۱۔ حلقہ حیدری ص ۶۵۔



نزولِ آیتِ بالا سے قبل بھی حضرت ابو بکرؓ کا صاحبِ البتی ہونا اس قدر زبان زدِ خلایق تھا کہ کفار بھی آپ کو اسی لفظ سے یاد کرتے تھے۔ ملا باقر علی مجلسی نے بروایت شیخ طبری ابن شہر آشوب وغیرہ سب مفسرین عامہ و خاصہ سے نقل کیا ہے کہ ایک کافر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پکڑنے کے لیے حضرت ابو بکر صدیقؓ کے گھرا آیا۔ اسماۃؓ دختر ابو بکرؓ کہتی ہیں کہ حضورؐ وَاِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَجِبَآءَ ابْنِ قَارِئٍ (جب آپ قرآن پڑھتے ہیں تو ہم آپ کے اور کافروں کے درمیان پردہ ڈال دیتے ہیں) آیت تلاوت فرمائی۔ جب وہ قریب آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ نہ سکا اور حضرت ابو بکرؓ سے کہا کہ میں نے سنا ہے صاحبِ توتیرے ساتھی نے میرا گلہ کیا ہے۔ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا پروردگارِ کعبہ کی قسم تجھے برا نہیں کہا ہے۔ (حیات القلوب ج ۲ ص ۲۶۶)

معلوم ہوا کہ مطلقاً کفار کی نظر میں بھی حضور صاحبِ صدیقؓ اور صدیقؓ صاحبِ رسولؐ تھے۔ ایسا کیوں نہ ہوتا جبکہ ملی زندگی کی تبلیغی جاں فشانیوں میں حضرت ابو بکرؓ ہی رفیقِ خاص تھے۔ ملا باقر علی مجلسی لکھتے ہیں۔

”کہ ایک مرتبہ ام حبیل زوجہ ابولہب حضورؐ کے تعاقب میں نکلی جب مسجدِ حرام میں داخل ہوئی تو حضرت ابو بکرؓ حضورؐ کی خدمت میں تھے۔ بولے آپ اوجھل ہو جائیں کہ میں یہ کچھ اس نہ کرے۔ آپؐ نے فرمایا مجھے نہ دیکھ سکے گی۔ جب قریب آئی تو آپؐ کو نہ دیکھ سکی۔ ابو بکرؓ سے پوچھا کیا تو نے محمدؐ کو دیکھا۔ آپؐ نے کہا (بھی) نہیں۔ پھر وہ واپس ہو گئی۔ حیات القلوب ج ۲ ص ۲۳۷۔ نیز مجلسی باب ۵۴ میں لکھتے ہیں۔

”کہ متواتر معجزات میں سے جن کو سنی و شیعہ نے روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ کفارِ قریش سے تنگ آکر حضورؐ نے مدینہ کا رخ کیا راستہ میں ام مہذبہ کے خیمہ میں پہنچے اور حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ حاضرینِ فہیرہ اور عبداللہ بن ارقیط بھی آپؐ کی خدمت میں تھے۔ آپؐ نے خشک تھنوں والی بکری کا دودھ انا دو ہا کہ سب نے بھر کر پیا (حیات القلوب ج ۲ ص ۲۲۹)

ایک مرتبہ حضورؐ کو اونٹ نے سجدہ کیا۔ حضرت عمرؓ سنا تھا۔ عرض کیا ہم آپؐ کو سجدہ کرنے کے زیادہ حق دار ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا بلکہ خدا کو سجدہ کرو۔ (حیات القلوب ج ۲ ص ۲۱۵)



راوندی وابن شہر آشوب نے روایت کی ہے کہ ایک انصاری نے باغ میں چند مکریوں نے آپ کو سجدہ کیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کیا ہم بھی آپ کو سجدہ کریں۔ فرمایا غیر خدا کو سجدہ روا نہیں ہے۔ (حیات القلوب ج ۲ ص ۲۱۶)

گو ان واقعات میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر طعن بھی کیا گیا ہے مگر اس سے یہ تو معلوم ہو چکا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کے بھدم ساتھی اور رفیق خاص تھے اور حضور کی ذات بھی غیر خدا تھی۔ آپ خدا کا عکس یا اوتار نہ تھے تاکہ عیسائیوں کی طرح آپ کو اوصاف خداوندی کا منظر قرار دیا جائے۔ اور شیخین کو حضور علیہ السلام سے کمال عشق و عقیدت تھی۔

مکی تبلیغی زندگی میں بارہا ایسا ہوا کہ کفار حضور علیہ السلام پر حملہ کرتے تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مدافعت کرتے۔ ایک دفعہ عقبہ بن ابی معیط کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے دھکیل کر فرمایا۔ اَلْقَتْلُونَ رَجُلًا اَنْ يَقُولَ رَقِيَ اللّٰهُ۔ کیا تم اس آدمی کو قتل کرتے ہو جو کہتا ہے کہ میرا پروردگار صرف اللہ ہے۔ (تاریخ طبری ج ۲ ص ۳۳۳ بخاری ج ۱ ص ۵۲)

اسی مدافعت میں ایک مرتبہ آپ نے شدید زخمی ہوئے کہ بیہوش ہو گئے جب ہوش آئی تو سب سے پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی غیر عافیت پوچھی (کتب تاریخ)

الغرض ایسے واقعات حد و حساب سے باہر ہیں جن میں خلفائہ ثلاثہ خصوصاً حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مکی زندگی میں محبت نبوی اور نصرت دینی اظہر من الشمس ہے ان کا کفار کے ہاں مغرب اور مظلوم فی سبیل اللہ ہونا تاریخی حقیقت ہے۔ مثلاً کشت الغمہ ص ۲۴۵ ملاحظہ ہو اس کے برعکس سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مدنی زندگی میں مجاہدانہ کارناموں کے باوجود مکی زندگی میں ایسی قربانیاں کم ہیں۔ حتیٰ کہ ملا باقر علی حبیبی منصف شیعہ مورخ بھی حیات القلوب و جلالہ العیون میں حضور کی محبت میں کفار کے ہاتھوں ستم رسیدگی یا مدافعت عن الرسول کا ایک واقعہ بھی ذکر نہ کر سکے۔ گویا جو مقام حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے مدینہ میں حاصل کیا وہ شیخین کی زندگی میں قبل از ہجرت حاصل کر چکے تھے۔

۲۔ آپ صدیقین کے سردار ہیں | گو اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی مرتبہ صدیقیت پر فائز ہیں۔ افضلیت کی دوسری وجہ آپ کا صدیق ہونا ہے۔



جیسے ارشادِ ربانی ہے۔ اُولَٰئِكَ هُمُ الصِّدِّيقُونَ وَالشُّهَدَاءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ (حدید ۲۸)  
 کہ یہی لوگ صدیق ہیں اور شہید ہیں اپنے رب کے ہاں۔ مگر بطور لقب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا  
 طرہ امتیاز ہے۔ آپ اس لقب سے تمام صحابہ کرام میں ممتاز اور پکارے جاتے ہیں۔

۱۔ صاحبِ رجال کشی شیخ نے حضرت بریدہ سلمیٰ سے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ  
 حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جنتِ تین آدمیوں کی مشتاق ہے۔ اتنے میں حضرت ابوبکرؓ  
 آئے تو آپ سے حاضرین صحابہؓ نے کہا۔ آپ صدیق اور ثانیِ اشہدین ہیں آپ ان تین آدمیوں  
 کے متعلق پوچھیں کہ وہ کون ہیں مگر آپ نے نہ پوچھا۔ پھر حضرت عمرؓ آگئے تو ان سے حاضرین  
 نے کہا آپ فاروق ہیں۔ فرشتہ آپ کی زبان پر بولتا ہے آپ ان تین آدمیوں کے متعلق حضورؐ  
 سے پوچھیں کہ وہ کون ہیں مگر آپ نے نہ پوچھا، پھر حضرت علیؓ آئے تو حاضرین نے کہا اے  
 ابوالحسن آپ پوچھیں۔ تو حضرت علیؓ نے فرمایا۔ میں پوچھوں گا اگر ان میں ہوا تو بھی خدا کا شکر  
 ادا کروں گا اگر نہ ہوا تو بھی۔ وہ تین حضرات مقلدِ رضا، سلمان اور ابوذرؓ تھے اس روایت  
 میں گو شیخین پر افتراء بھی کیا گیا ہے کہ انہوں نے اس اندیشے سے نہ پوچھا کہ اگر ان تینوں میں  
 ان کا نام نہ ہوا تو ان کی قوم انہیں عار دلائے گی اور یہ افتراء کتنا ہی تھا ورنہ اتنی اہم فضیلت  
 والی روایت کتبِ شیعہ میں کیسے آسکتی تھی۔ مگر اس سے بے ضرورت و شش کی طرح یہ تو واضح ہو گیا  
 کہ دربارِ نبویؐ میں بھی حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ صدیق ثانیؓ اور فاروقِ ناطق بالملک کے  
 لقب سے مشہور اور پکارتے جاتے تھے اور حضرت علیؓ کو حضرت ابوالحسن کہا جاتا تھا۔  
 ۲۔ اور یہ لقب آپ کو خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دیا تھا۔ شیعہ تفسیر قمی مطبوعہ  
 نجف اشرف ص ۲۹ میں ہے کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام غارِ ثور میں تھے تو ابوبکرؓ نے  
 فرمایا۔ میں بطورِ مکاشفہ حضرت جعفر طیارؓ اور ان کے ساتھیوں کو کشتی میں دیکھ رہا ہوں کہ  
 وہ اپنی نشستوں پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کی مجھے بھی دکھا دیجیے۔ آپؐ  
 نے ان کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرا تو انہوں نے بھی دیکھ لیا پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان  
 سے فرمایا۔ انت الصدیقؓ۔ تم صدیقؓ ہو۔

۳۔ شیعہ کے پانچویں امام ابو جعفر الباقرؓ نے بھی آپؐ کو صدیق فرمایا ہے۔ آپ سے



سوال کیا گیا۔ کیا تلوار کا دستہ چاندی کا لگوانا جائز ہے؟ فرمایا ہاں جائز ہے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار کا قبضہ چاندی کا بنوایا تھا۔ اس پر راوی نے کہا آپ اسے صدیق کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہاں صدیق رضی اللہ عنہ ہے۔ صدیق ہے۔ صدیق ہے ومن لم یقل له صدیق فلا صدق اللہ قولہ۔ جو شخص آپ کو صدیق نہ کہے خدا اس کی بات سچی نہ کرے۔ (کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ ج ۲۲ رجبوالہ اہلسنت پاکٹ بک ص ۳۰۵)

گوشتید مؤلف نے ابن جوزی کے حوالے سے اسے نقل کیا ہے مگر اس پر تنقید نہیں کی۔  
غلط بتایا۔ معلوم ہوا کہ ان کے ہاں بھی صحیح روایت ہے۔ احتجاج طبرسی میں بروایت امیر المؤمنین  
یہ حدیث ہے کہ ہم (ابوبکرؓ و عمرؓ و علیؓ و عثمانؓ) حضورؐ کے ساتھ پہاڑ پر تھے۔ وہ کانپتے لگا تو حضورؐ  
نے فرمایا۔ تم جا بچو۔ صدیقؓ اور شہیدؓ موجود ہیں۔ (بحوالہ آفتاب ہدایت)

جب ان ناقابل تردید دلائل سے آپؐ کا علی الخصوص صدیق ہونا طشت از یام ہو گیا تو  
اس امت میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد آپؐ ہی افضل ہیں کیونکہ نبیوں کے بعد صدیقوں  
ہی کا رتبہ ہے۔

فَاُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ  
مِّنَ النَّبِيِّيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالشّٰهِدِ اِ  
وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولَٰئِكَ رَفِيقًا۔  
(نساء ۹۶)

وہ جو خدا اور رسول کی تابعداری کریں، وہ ان لوگوں  
کے ساتھ ٹھیکے جن پر خدا نے انعام فرمایا ہے  
(وہ بالترتیب صحابہ گروہ ہیں) انبیاء، صدیقین<sup>۲</sup>  
شہداء۔ صالحین۔ ان کی رفاقت کیا ہی خوب ہے۔

دستاوردها (۹۶)

۳۔ آپ مصدقین کے امام ہیں۔ | افضلیت صدیق پر تنزیہی دلیل یہ آیت کریمہ ہے۔

وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ  
بِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ (الح (پ ۱۶))

وہ پیغمبر بھی سچ لے کر آیا اور وہ شخص جس  
نے اس کی تصدیق کی یہی لوگ پرہیزگار ہیں۔

شبیہ تفسیر مجمع البیان طبری ۲ میں ہے۔

قبیل والذی جامع بالصدق رسول  
اللہ وصدق بہ ابوبکر۔

کہا گیا ہے کہ سچائی لانے والے سے مراد  
حضرت رسول ہیں اور تصدیق کرنے والے



سے مراد ابو بکر رضی اللہ عنہ۔

گو اہل تشیع اپنی اس تفسیر سے چپیں بچیں ہوں مگر اہل سنت کے لیے تو بہر حال قابلِ استدلال اور نور چشم ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب شانِ نزول حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے حق میں ہے تو قرآن پاک بھی اسی کی تصدیق کرتا ہے کہ مومن اول اور اسبق الاسلام خدیجہ الکبریٰ کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور اب تو یہ قدیم سنی شیعہ نزاع نو و شیعہ نے یوں ختم کر دیا کہ خاص عام کہتے ہیں "علی رضی اللہ عنہ کو پہلا مسلمان کیوں کہا جاتا ہے کیا وہ پہلے کافر تھے۔ ہم ان کو انلی پیدائشی مسلمان سمجھتے ہیں" تو اب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بلا نزاع و معارضہ مسلم اول ہیں جس کا معنی یہ ہے کہ سب سے پہلے آپ کے دعویٰ نبوت کی تصدیق کر کے آپ کی عملی اتباع کی۔ کچھ شیعہ و صدق یہ سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو مراد لیتے ہیں۔ مگر یہ ان کے اصول کے مطابق غلط ہے۔ اولاً اگلے لفظ "أُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ" جماعت مصدقین کا تقاضہ کرتے ہیں۔ علم نحو کی رو سے جمع سالم معروف باللام کا عدد کم از کم ۱۰ سے شروع ہوتا ہے۔ شیعہ کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہم خیال اور مومن مصدق تازیست نبوی بھی معاصرین ہوئے۔ چہ جائیکہ آغاز اسلام میں ان کے ہاں اس وقت صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ عمار یا سر مومن تھے۔ جمع کا مفہوم ان سے پورا نہیں ہوتا اہل سنت کے ہاں ان حضرات سمیت اور بھی دسیوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مشرف باسلام ہو چکے تھے جن میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، زبیر بن جراح، عبد الرحمن بن عوف، طلحہ، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی کوشش سے مسلمان ہوئے۔ اسی طرح حضرت ابو عبیدہ بن الجراح، ابوسلمہ عثمان بن مظعون، عامر بن فہیرہ، سعید بن زید، ارقم بن ارقم، عمار، یاسر، ام الفضل اہلیہ عباس، اسماء بنت ابی بکر، اسماء بنت عمیس، فاطمہ بنت خطاب رضی اللہ عنہم رضی اللہ عنہم۔ سابقین اولین اور درخشندہ ستارے ہیں کسی گھاٹی میں جا کر نماز پڑھتے تھے۔ دکنہ افی رحمتہ للعالمین ج ۱ ص ۵۵

ثانیاً اگلی متصل آیت لِيُكَفِّرَ اللَّهُ عَنْهُمْ أَسْوَأَ الَّذِي عَمِلُوا رَتَاكَ اللَّهُ تَعَالَى ان کی سب سے بڑی غلطی معاف کر دے، سے ان مصدقین کے گناہوں کے کفارہ کا بیان ہے۔ جو غریب اہل سنت میں درست ہے۔ لیکن شیعہ کے یہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی مصدق ہیں لہذا



اس آیت کا مصداق اصولِ شیعہ کے مطابق ہرگز نہیں بن سکتے۔

۴۔ آپؐ مہاجرین میں اعلیٰ ہیں | اَفْصَحَتْ صَدِيقٌ رَضِيٌّ عَلَيْهِ دَلِيلٌ يَدُلُّ عَلَى اِيْتِ هِيَ۔  
وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا اور جو لوگ ایمان لائے

وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ بَرَّ  
أَوْ ذَوَّاهُمْ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ  
حَقَّ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ۔  
اور انہوں نے راہِ خدا میں ہجرت کی اور جہاد  
کیے اور جنہوں نے جگہ دی اور نصرت کی برحق  
مومن وہی ہیں بختِ شش اور عزت کی روزی  
انہی کے لیے ہے۔ (ترجمہ مقبول)

(الانفال ۶-۱۰)

اس آیت کی رو سے مہاجرین و انصار قطعی مومن اور حنبی ہیں شیعہ مفسر صاحبِ مجمع  
البیان اور تفسیر صافی اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

لَا نَهْمُ حَقَّقُوا إِيْمَانَهُم بِالْهَجْرَةِ  
وَالنَّصْرَةِ وَالْإِسْلَامِ مِنَ الْأَهْلِ وَالْمَالِ۔  
کیونکہ انہوں نے اپنے ایمان کو ہجرت نصرت  
دین اور گھر بار سے علیحدگی اختیار کر کے سچ  
کر دکھایا ہے۔

اور یہ بلاشبہ یقینی بات ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے تو ہجرت مع الرسولؐ کر کے وہ  
اعلیٰ شرف پایا کہ جن و بشر اس پر رشک کرتے ہیں حضرت عمرؓ کا یہ مقولہ مشہور ہے۔ میں  
صرف ابوبکرؓ کی ایک رات اور دن کے بدلے میں سب عمر کے اعمال صالحہ دینے کو تیار ہوں۔  
ہجرت کی رات اور مرتدین سے جہاد کا دن۔ اور یہ وایت حیات القلوب ج ۲ ص ۲۲۹ حضرت عمرؓ  
نے بھی حضورؐ کے ساتھ (ہجرت) کا شرف پایا۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے براہِ راست تنہا  
حضور صلی اللہ علیہ وآلہ و آلہ و صحابہ وسلم کی نصرت فرمائی۔ اور اس نصرت کو اللہ نے اپنی نصرت  
سے تعبیر فرمایا۔ لہذا وہ سب صحابہ کرامؓ سے افضل ہیں۔

۵۔ حضرت صدیقِ الاقربؓ | پانچویں دلیل سورتِ البیل کی یہ آیت کریمہ ہے۔  
وَسَيَجْزِيَنَّهَا الْآتِقَى الْآتِقَى

يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّى وَمَا لِأَحَدٍ عِنْدَهُ  
مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزَى إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ  
وہ اس سے بڑا اور بہتر کارِ بچا لیا جائے گا۔  
جو مال اس غرض سے دیتا ہے کہ پاک ہو جائے



اَلَا تَعْلٰی وَلَسَوْفَ يَرْضٰی (پت)

اور اس پر کسی کا احسان نہیں ہے کہ اس کا

بدلہ دیا جائے بلکہ وہ اپنے عالیشان پروردگار کی رضا چاہتا ہے۔ اور آگے چل کر وہ ضرور اس سے راضی ہو جائے گا۔ (ترجمہ مقبول)

اہل سنت کی معتبر تفسیریں مثلاً ابو سعود۔ روح المعانی۔ تفسیر کبیر۔ بیضاوی۔ ابن کثیر۔ مدارک وغیرہ تو اس آیت کو حضرت صدیق اکبرؓ کی شان میں عبارت النص کے طور پر بتا رہی ہیں لیکن اہل تشیع کی معتبر و مہذب تفسیر مجمع طبرستانی میں بھی ہے۔

ان الایۃ نزلت فی ابی بکر لانہ  
استدی محالیک الذین اسلموا  
مثل بلال و عامر بن فہیرۃ و  
غیرہما واعتقہم (بحوالہ اہل سنت پاکٹ  
بک ص ۳۱)

بلاشبہ یہ آیت حضرت ابوبکرؓ کی شان میں  
انری۔ کیونکہ آپ ہی نے ان غلاموں کو  
خرید کر آزاد کیا جو مسلمان ہوئے۔ جیسے حضرت  
بلالؓ، عامر بن فہیرہ وغیرہ۔

شیعہ کے خاتم المحدثین مجلسی نے بھی لکھا ہے کہ بلالؓ کو حضرت ابوبکرؓ نے دو غلاموں  
کے بدلے خریداریات القلوب ج ۲ ص ۱۲۱  
یہاں اس تفصیل کا صیغہ الاتقی حضرت ابوبکر صدیقؓ کے حق میں استعمال فرمایا  
ہے اور سب سے بڑا پرہیزگار ہی اللہ تعالیٰ کے ہاں افضل ہے۔ اِنْ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ  
اَتْقٰکُمْ کہ اللہ کے ہاں تم میں سے سب سے زیادہ شان والا وہ ہے جو سب سے بڑا  
پرہیزگار ہوگا (حجرات ۲۶)

فیز سورت نور کی آیت کریمہ وَلَا یَاتِلْ اُولَآئِیْہِ الْفَضْلِ مِنْکُمْ وَالسَّعۃِ (کنز میں  
سے جو شان والے اور بالدار ہیں وہ ایک صدمہ کی وجہ سے) اپنے قریبی رشتہ داروں  
کو مالی امداد نہ دینے کی قسم نہ لکھائیں۔ یہ بھی بالاتفاق حضرت ابوبکر صدیقؓ کے حق  
انری ہے۔ تفسیر مجمع البیان ج ۳۷ میں اس کا شان نزول حضرت ابوبکر صدیقؓ کو  
بتایا ہے۔ تو ان آیات کریمہ کی رو سے حضرت ابوبکر صدیقؓ سب سے افضل اور  
بڑی شان والے ٹھہرے۔



۶۔ آپ حکیم نبوی امام نماز ہیں | افضلیت کی چھٹی دلیل آپ کا امام نماز برصغیر نبوی ہونا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو سب امت سے افضل تسلیم کر کے اپنے مصلیٰ پر نماز کے لیے کھڑا کیا۔ اگر حضرت علیؓ یا کوئی اور صحابی افضل ہوتے تو ان کو امام بنایا جاتا۔ اور حضرت ابوبکرؓ کو امام بنا کر آپ سب امت کو بقول شدیدہ اشتباہ و گمراہی میں نہ ڈالتے کیونکہ منجملہ اور دلائل جلی و خفی انصوص کے سب صحابہ کرامؓ نے اسی سنت کی اقتدا میں امامت کبریٰ (خلافت) کے لیے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کی تھی اور سب امت نے آپ کو افضل تسلیم کیا۔ ثبوت امامت پر دلائل ملاحظہ ہوں۔

۱۔ سنی و شیعہ کی مشترک و قدیم تاریخ طبری ج ۳ ص ۱۹۶ پر حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے.... کہ حضورؐ نے فرمایا۔ نماز کا وقت ہو چکا ہے ابوبکرؓ سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں حضرت عائشہؓ نے مشورہ دیا کہ ابوبکرؓ رضہ نرم دل ہیں۔ پھر سے آپ کہیں حضورؐ نے فرمایا۔ نہیں ابوبکرؓ سے کہو۔ حضرت عمرؓ نے بھی کہا کہ ابوبکرؓ رضہ کے ہوتے ہوئے میں آگے نہیں بڑھ سکتا۔ پھر حضرت ابوبکرؓ نماز پڑھانے لگے حضورؐ نے کچھ اضافہ محسوس کیا تو مسجد میں چلے گئے جب ابوبکرؓ نے آپؐ کی آہٹ سنی تو بھیجے بیٹے مگر حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کھینچ کر پہلی جگہ کھڑا کر دیا۔ پھر آپؐ ایک طرف بیٹھے گئے اور وہاں سے قرأت شروع کر دی جہاں ابوبکرؓ نے چھوڑی تھی۔ دوسری روایت میں حضرت ابوبکرؓ کو حکم نبوی دینے کے علاوہ یہ تصریح بھی ہے کہ انہوں نے حیات رسولؐ میں ۷ نمازیں لوگوں کو پڑھائیں۔ (طبری ج ۳ ص ۱۹۷)

شیدہ کی متعدد مخصوص تاریخ ناسخ التواریخ ج ۱ ص ۵۲ کتاب دوم پر ہے کہ حضورؐ نے فرمایا ابوبکرؓ سے کہو لوگوں کو نماز پڑھائے۔ اسی طرح پنج البلاغہ کی متبر شرع درہ بنفیعہ ۲۲۵ پر ہے۔

کان عند خفة مرضه یصلی بالناس بنفسه فلما اشتد به المرض  
معمولی بیماری میں تو آپؐ خود نماز پڑھاتے تھے جب مرض میں اضافہ ہو گیا تو حضرت



ابو بکرؓ نے اس کے بعد دو دن تک نمازیں  
پڑھائیں۔ پھر حضورؐ نے رحلت فرمائی۔

امروا بایکراں یصلی بالناس وان  
ایا بکوصلی بالناس بعد ذلک یومین  
تحریرات

اور یہ مسئلہ تو سنی و شیعہ میں مسلم ہے کہ افضل کو امام بنایا جاتا ہے۔ من لایحضرہ  
الفقہ باب الامامة میں ایسی کئی احادیث ہیں۔ مثلاً  
۱۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ قوم کا امام ان میں سے افضل ہوتا ہے۔ تو  
تم اپنے افضل کو امام بناؤ۔ ص ۱۰۳۔

۲۔ نیز فرمایا۔ اگر تمہیں یہ پسند ہو کہ اپنی نمازیں سٹھری پڑھو تو اپنے بہترین لوگوں کو  
پیش امام بناؤ۔ یہ حضورؐ نے فرمایا جس نے کسی قوم کو نماز پڑھائی اور ان میں اس سے  
زیادہ عالم بھی تھا تو ان کا معاملہ قیامت تک نقصان میں رہے گا۔ ص ۱۰۳۔

۳۔ حضرت علیؓ حضرت ابو بکرؓ کے مقلد ہی تھے | حضرت علیؓ بھی حکیم نبوی امامت ابو بکرؓ  
کو بے حشمت قبول کر کے آپ کی اقتداء میں  
نمازیں پڑھتے رہے۔ شیعہ کی معتبر کتاب تفسیر قرآن احتجاج طبری ص ۶ پر ہے۔

تھام وقہیہ للصلوٰۃ وحضر  
المسجد و صلی خلف ابی بکر  
پھر آپ اٹھے۔ نماز کی تیاری کا اور مسجد میں  
اگر حضرت ابو بکرؓ کے پیچھے نماز پڑھی۔

شیخ محمد باقر اصفہانی نے مشہور کتاب مرآۃ العقول ص ۱۲۸ پر لکھ دینہ یہ عبارت  
نقل کر کے حضرت علیؓ کے ابو بکرؓ کے پیچھے نماز پڑھنے کا اعتراف کیا ہے۔

شیخ منتزح مولوی مقبول نے بھی ضمیمہ ص ۵۴ پر لکھا ہے۔ پھر وہ (حضرت علی المرتضیٰؓ)  
اٹھے اور نماز کے قصد سے وضو فرما کر مسجد میں تشریف لائے اور ابو بکرؓ کے پیچھے نماز  
میں کھڑے ہو گئے۔

شیخ کی اردو کتاب غزوات جلد ۱ ص ۶۲ پر حضرت صدیق اکبرؓ کے متعلق لکھا ہے  
”پس بے اختیار اٹھے اور گزرنے وقت سے بہت گھبرائے۔ ناچار ان کو اقامت  
کہی اور جماعت اہل دین نے عقب ان کے صف باندھی۔ چنانچہ اس صف میں شاہ لافٹی“



بھی تھے۔ (بحوالہ رسالہ شانِ صدیق اکبر ص ۱۲) علامہ تونسوی،

حضرت ابو بکر رضی کی امامت نماز ایسی تاریخی حقیقت ہے کہ غالی سے غالی کینہ و رشیدہ  
ملا باقر علی مجلسی بھی اس کے اعتراف پر مجبور ہو گئے۔ و دران وقت ابو بکر رضی در جائے آنحضرت  
ایستاده بود۔ (حیات القلوب ج ۲ ص ۵۶) کہ نماز کے وقت ابو بکر رضی حضور کی جگہ نماز  
پڑھا رہے تھے۔ مگر یہ کہ کبھی دروغ گوئی کی حد کر دی کہ ابو بکر رضی از خود مصلیٰ پر چڑھ گئے تھے۔  
اور کئی لوگوں نے اقتداء نہیں کی تھی۔ "جہا بنیر اجازت حضرت ابو بکر رضی مصلیٰ نبوی پر کھڑے  
ہونے کی جرأت کیسے کر سکتے تھے۔ جبکہ آج بھی معمولی سے امام و خطیب کے مصلیٰ و منبر پر کوئی  
نہیں چڑھ سکتا ورنہ نمازی مانع ہوتے ہیں۔ اگر بالفرض ایسا ہوتا تو لوگوں کی مخالفت  
سے مسجد نبوی میں کھرام مچ جاتا۔ حضرت ابو بکر رضی موردِ عتاب ہوتے اور یہ تو اترنا منقول ہوتا  
مگر شیعہ کی اتنی کذب بیانی سے ہمیں ذرا تعجب نہیں کیونکہ تقیہ کی آڑ میں ۹ حصے حقائق کو مسخ  
کر کے پیش کرنا ہی ان کا عین مذہب و ایمان ہے اور بقاءِ شیعہ کا راز اسی میں مضمر ہے۔

۸۔ افضلیتِ صدیق پر تمام امت کا اتفاق ہے | ساتویں وجہ افضلیت یہ ہے کہ  
آپ پر تمام امت کا اجماع ہے۔

یہی وجہ ہے کہ رَضِیَ اللہُ عَنْہُمْ وَرَضُوا عَنْہُ (اللہ ان سے راضی اور وہ اس سے راضی)  
ہُمْ اَلْمُؤْمِنُونَ حَقًّا (یہی برحق مومن ہیں) ہُمْ اَلْمُشَاقِقُونَ (یہی سچے ہیں) ہُمْ  
اَلْاَشِدَّاءُ (یہی سیدھی راہ پر ہیں) کے منجانب اللہ متغے حاصل کرنے والے صحابہ کرامؓ  
نے بالاتفاق آپ کو خلیفہ تسلیم کیا اور بیعت برضا و رغبت کی۔

۱۔ حضرت اسامہؓ نے حضرت علیؓ سے پوچھا کیا آپ نے حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھ پر بیعت  
کی ہے۔ فرمایا ہاں۔ اور یہ بیعت خلافت تھی۔ (احتجاج طبرسی ص ۵۶)۔

۲۔ نیز احتجاج طبرسی ص ۵۶ پر بھی ہے۔

ثم قام فتناول يد ابی بکر فبايعه پھر حضرت علیؓ اٹھے اور ابو بکرؓ کا ہاتھ پکڑ  
کر اس پر بیعت کی۔

۳۔ حضرت علیؓ نے ابو بکرؓ کی بیعت کر لی اور لوگوں کو بیعت سے نہ روکنا کہ لوگ



مرتد نہ ہو جائیں۔ کافی کتاب الروضہ ص ۱۳۹

۴۔ یہی وہ تین حضرات ہیں (مقداد۔ ابوذر سلمان فارسی) جو حضرت ابو بکرؓ کی بیعت سے انکاری رہے۔ حتیٰ کہ حضرت امیر المومنین علیؓ آگئے تو انہوں نے بیعت کی اور پھر ان تینوں نے بیعت کر لی، (کافی روضہ ص ۲۴۶)

۵۔ حضرت علیؓ نے حضرت سلمان فارسیؓ کو حکم دیا کہ بیعت ابو بکرؓ کریں۔  
و بیعت کن با ابو بکر پس سلمان بیعت  
آپ ابو بکرؓ کی بیعت کریں۔ پس سلمان (فارسی)  
نے بیعت کی۔ (حیات القلوب ج ۲ ص ۶۷۶)

۶۔ شیعہ کا دعویٰ ہے کہ سب امت نے تو برضا و رغبت حضرت ابو بکرؓ کی بیعت کی مگر حضرت علیؓ اور ان تین چار حضرات نے تقیہ کر کے بادلِ نخواستہ بیعت کی۔ جیسے طبری کہتے ہیں۔

ما من الامة احد بايع مكرها  
غیر علی و اربعتنا فانه بايع مكرها  
حيث لم يجد اعداءه اذ اخرج طبري  
آپ نے مجبوراً اس لیے کی کہ اپنے مددگار کوئی نہ پائے۔  
کہ امتِ محمدیہ کا کوئی فرد ایسا نہیں جس نے  
مجبوراً حضرت ابو بکرؓ کی بیعت کی ہو۔

ان چار حضرات پر تقیہ کا بہتان غلط ہے۔ کیونکہ انہوں نے صرف حضرت علیؓ کے حکم و عمل تک توقف کیا۔ جب آپؓ نے کر لی تو انہوں نے برضا و اتباع مقرر ہوئی میں کر لی۔  
(روضہ کافی ص ۲۴۶) حضرت سلمانؓ نے بامرِ مرتضوی کی۔ اور حضرت علیؓ کا تقیہ تو شیر خدا پر اس سے بڑا بہتان اور کوئی نہیں ہو سکتا کہ وہ ظاہر میں کچھ ہوں اور باطن میں کچھ اور۔ کیونکہ یہی منافقت ہے۔ کیا شیعہ نے حضرت علیؓ کا سینہ چیر کر دیکھا تھا یا کسی بعد کی آسمانی وحی نے ان کو بتایا؟ انرض بیعت علوی اور تمام مسلمانوں کا اتفاق برصدیق ثابت ہو گیا۔ اور حضرت علیؓ و ابو بکرؓ کے مرتبہ کا موازنہ بھی معلوم ہو گیا۔ کہ ایک طرف سب امت اور تمام مہاجرین و انصار ہیں۔ دوسری طرف بقول شیعہ صرف چار حضرات ہیں۔  
۷۔ نور اللہ شوستری نے مجالس المومنین ج ۲ ص ۵۶۶ میں روضہ الصفا کے حوالے



سے تمام مہاجرین و انصار کے اتفاق کا ذکر ہے۔

۸۔ جمیع مسلمانانِ بابو کبریت کو دند و اظہارِ رضا و خوشنودی با و سکون و اطمینان لبوئے نمودند۔ گفتند کہ مخالف او بدعت کنندہ است و خارج است از اسلام۔ (بخاری الاسلام) مترجمہ شریف نقی بحوالہ اہل سنت پاکٹ بک ص ۱۲۳

تمام مسلمانوں نے حضرت ابو کبریت کی بیعت کی۔ اور آپ سے رضا و خوشنودی کا برملا اظہار کیا اور آپ کے سکون و اطمینان سے تالبار ہوئے اور فیصلہ کیا کہ آپ کا مخالف بدعتی ہے۔ اور اسلام سے خارج ہے۔

نوٹ۔ جن لوگوں نے یہ افسانہ تراشا ہے کہ آپ سے جبراً بیعت لی گئی اگر آپ کے ساتھی ہوتے تو ابو کبریت کو خلیفہ نہ ہونے دیتے۔ ان کی خدمت میں گزارش ہے کہ شیعہ خود بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوسفیانؓ والدِ معاویہؓ نے حضرت علیؓ سے فرمایا، خلافت قریش کے کمزور خاندان میں کیسے چلی گئی اگرچہ تو میں تمہارے لیے ابو کبریت کے خلاف سوار اور پیادوں کا لشکر بھردوں۔ آپ نے اسے فرمایا تم کب سے اسلام کے دوست بنے ہو کہ افتراق کی ترغیب دیتے ہو، ہم اگر حضرت ابو کبریت کو اس کام کا اہل نہ دیکھتے تو اسے کبھی خلیفہ نہ بناتے۔ بلکہ اہل بیت کے سرخیل زید بن علی بن حسینؓ اپنے آباء و اجداد سے نفرت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضرت ابو کبریت نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا۔ آیا کوئی اس بیعت کو مکروہ سمجھتا ہے والا ہو تو میں اسے واپس کر دوں۔ تین مرتبہ اسی طرح کیا اور ہر مرتبہ حضرت علیؓ کھڑے ہو کر کہتے خدا کی قسم نہ ہم اس بیعت کو واپس کریں گے نہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ آپ اس بیعت کو واپس کریں۔ وہ کون ہے جو آپ کو بیٹا سکے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو مقدم کیا ہے۔ (کنز العمال ج ۳ ص ۱۲۱ ابو نعیم و غیرہ)

۹۔ عہدِ نبوی ہی میں حضرت ابو کبریتؓ و عمرؓ سب افضل سمجھے جاتے تھے اگر سب صحابہ دلوں میں حضرت ابو کبریتؓ کا معزز ترین ہونا معلوم ہو چکا ہے مگر تمام حجت کے طور پر یہ بتلانا مقصود ہے کہ عہدِ نبوی ہی میں حضرت ابو کبریتؓ و عمرؓ کو یہ مقام حاصل تھا۔ اہل سنت و الجماعت



کی صحاح کی یہ حدیث مشہور ہی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ فرماتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں حضرت ابوبکرؓ کے برابر پھر عمرؓ کے پھر عثمانؓ کے برابر کسی صحابی کو نہ جانتے تھے (بخاری ج ۱ ص ۵۲۳)

ابوداؤد شریف کے الفاظ یہ ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اور بر وایت طبرانی آپ کے سامنے ہم کہتے ہیں کہ حضورؐ کے بعد اس امت کے سب سے افضل فرد حضرت ابوبکرؓ ہیں پھر عمرؓ ہیں اور پھر عثمانؓ ہیں اور حضورؐ سن کر رو نہیں پاتے تھے (فتح الباری) خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اسی ترتیب سے ان کا مرتبہ جانتے اور بلاتے تھے چنانچہ حضرت علیؓ وفاطمہؓ کی شادی کے موقعہ پر حضرت ابوبکرؓ - عمرؓ - عثمانؓ - علیؓ طلحہؓ - زبیر رضی اللہ عنہم کو اسی ترتیب سے بلایا۔ (کشف الغمہ و جلاء الیون کتب شیعہ قصہ نزویج)

شیعہ حضرات نے بھی اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے یوں مسخ کر کے پیش کیا ہے۔  
۱۔ حضرت ہذیفہؓ کہتے ہیں کہ یہ جماعت صحابہؓ کے نامور قبیلوں اور ان کے اشراف و بزرگوں کی تھی اور اس جماعت میں سے کوئی ایک نہ تھا مگر بہت بڑی خلقت اس (ابوبکرؓ) کے تابع تھی اور اس کی فرمانبرداری کرتی تھی اور ان کے (الحیاذ باللہ) خبیث دلوں کی گہرائیوں میں ان کی عمرؓ کی محبت جمی ہوئی تھی۔ جیسے بنی اسرائیل کے دل میں کھپڑے اور سامری کی محبت رچی ہوئی تھی۔ (حیات القلوب ج ۲ ص ۵۶۱)

۲۔ حضورؐ نے غایانہ ایک شخص کے امیر بنانے کا تذکرہ فرمایا صحابہؓ میں سے ایک نے کہا وہ ابوبکرؓ ہیں۔ فرمایا نہ۔ اس نے کہا کیا عمرؓ ہیں؟ فرمایا نہ۔ عرض کیا کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا وہ جو جو تا مرگ کر رہا ہے۔ وہ حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ۔ (حیات القلوب ج ۲ ص ۵۶۲) کشف الغمہ ص ۲۸۱ صحابہؓ کے ذہن میں حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کی سبقت واضح ہے۔

۳۔ حضرت مقدادؓ کی طرف منسوب ہے۔ مجھے اس پر غم ہے کہ قریش نے اہل بیت کی وجہ سے سب لوگوں پر عزت پائی۔ پھر سب نے اس بات پر اتفاق کر لیا کہ خلافت اس کے ہاتھ سے لے لیں۔ (حیات القلوب ج ۲ ص ۶۶۶)

۴۔ اور وہ دو شخص (ابوبکرؓ و عمرؓ) جو قریش کے بت تھے اور وہ ان کو امیر المؤمنین



اور تمام صحابہ کرامؓ پر افضلیت دیتے تھے اور ان کا نام برائی سے لینے میں تقیہ کرتے تھے۔

(حیات القلوب ج ۲ ص ۳۷۸)

۵۔ شیعہ پر اس اعتراض کے جواب میں۔ کہ اگر شیعہ مذہب حق تھا تو امام اول حضرت علیؓ اپنے عہد خلافت میں اس کو کیوں ظاہر نہ کیا۔ شیعہ کے علامہ نور اللہ شوستر جالری المؤمنین ص ۵ پر لکھتے ہیں۔

”دیگر بات یہ ہے کہ حضرت امیرؓ نے اپنے عہد خلافت میں دیکھا کہ رعایا کی اکثریت (بلکہ تمام) حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کی حسن سیرت کے معتقد ہیں اور ان کو برحق جانتے ہیں۔ تو اس پر قدرت نہ پائی کہ ایسا کام کریں جس سے ان کی خلافت میں خرابی لازم آئے۔۔۔۔۔ اور قدرت کیسے رکھتے ہیں کہ اس زمانہ کی اکثریت (بلکہ سب) کا اعتقاد یہ تھا کہ حضرت امیرؓ کی امامت خلفائے ثلاثہؓ کی امامت پر مبنی ہے اور ان کی امامت کے فساد سے حضرت علیؓ کی امامت فاسد ہوگی۔ اور مشہور ہے کہ حضرت امیرؓ نے لوگوں کو نماز تراویح سے جو بدعت عمری ہے (معاذ اللہ) منع کیا۔ سب لوگ چیخ اٹھے اور کوازیں بلند کیں کہ واہ عمراہ۔ حتیٰ کہ حضرت نے مصلحت وقت کے لیے ان کو اسی حال پر چھوڑ دیا۔ خلاصہ یہ کہ حضرت امیرؓ کی خلافت برائے نام سے زیادہ نہ تھی۔“ انتہی بقلم

”شیر خدا کے شیعہ مذہب ظاہر نہ کرنے“ کا یہی جواب۔ ولید علی نے اساس میں مولوی حامد حسین نے استفصاء میں حتیٰ کہ زمانہ حال کے مؤلف ”تجلیات خلافت“ محمد حسین ڈھکو وغیرہ نے دیا ہے اور دیتے آئے ہیں جس کی سفاقت ظاہر ہے۔

الغرض حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کی محبت کو لوگوں کے دلوں سے کجا بلکہ اپنے دل سے بھی شیر خدا جیسی طاقت نہ مٹا سکی۔ کیونکہ آپؐ سے خود علی الاعلان ان کی تبرعیں بیخ البلاء میں مسطور ہیں۔ بلکہ ازالۃ الخفاء از شاہ ولی اللہ میں ہے کہ حضرت علیؓ سے ۸۰ سندوں کے ساتھ برسر منبر یہ مقولہ مروی ہے۔

پس منبر کے بعد اس امت کے سب سے افضل حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ ہیں۔

خبیر ہذا الامۃ بعد نبیہا ابوبکر  
ثم عمر ثم عثمان



شرم و حیا جیسے انسانی جوہر سے محروم باقر علی مجلسی جیسے متعصب اس حقیقت کو بے شک قریش کے بتوں یا بنی اسرائیل کے کچھڑے اور سامری سے تعبیر کریں۔ مگر یہ تو بتائیں کہ بت کن سرور کائنات نے ان بتوں کو کیوں نگلے لگایا۔ عمر بھر دربار میں اور پھر وہ وہاں قدس و برزخ میں کیونکر رفاقت بخششی اور خسر کا اعزاز کس لیے بخشا۔ کیوں ان کی خلافت کی بشارت سنائی۔

ان ابا بکر ملی الخلافة بعدی ابو بکر رضہ میرے بعد متصل خلیفہ ہوں گے اس ثم بعد لا ابوک فقال من انباک کے بعد تیرے والد (عمرؓ) ہوں گے حضرت آپ ہذا قال نبأ فی العلیم الخبیر۔ کو کس نے بتایا۔ فرمایا مجھے علیم وخبیر نے خبر دی ہے۔ (تفسیر قمی ص ۳۵۴۔ مجمع البیان ج ۵ ص ۳۱۴۔ تفسیر صافی ص ۵۲۳۔ حیات القلوب ج ۲ ص ۶۱)

باضافہ لفظ جوہر۔ مجلسی جلسوں کے جوہر کے اضافے ہم پر حجت نہیں اگر وہ یہ پوئید نہ لگائیں تو کتب شیعہ میں یہ بشارت کیسے راہ پائے؟

سوال یہ ہے کہ حضورؐ نے ان بتوں کو کھڑا کیوں نہیں۔ اس سامری اور کچھڑے کو ریزہ ریزہ کیوں نہ کیا۔ کیا حضرت موسیٰؑ کے عہد کا سامری اور کچھڑہ ان کی وفات کے بعد بنی اسرائیل کا خلیفہ بنا رہا؟ اور کیا حضورؐ نے سنت موسیٰؑ کو ترک کر کے اپنے مشن کو نقصان نہیں پہنچایا؟ ع۔ شرم شرم۔

حالانکہ آپ کے امام پنجم حضرت باقرؑ نے فیصلہ فرمادیا ہے۔ میں نہ حضرت ابو بکرؓ کی شان کا منکر ہوں۔ نہ حضرت عمرؓ کی شان کا۔ لیکن اعتقاد یہ ہے کہ حضرت ابو بکرؓ سب افضل ہیں۔

لست بمنکر فضل ابی بکر و لست بمنکر فضل عمر و لکن ابا بکر افضل (احتجاج طبرسی ص ۳۲ بحوالہ آفتاب

ہدایت)

ازالۃ الخفاء کے حوالے سے حضرت علیؑ سے تفصیلی شیعین کا جو مشہور جملہ ہم نے نقل کیا ہے کئی سندیں راقم کی نظر سے مسند احمد مرویات علیؑ میں سے گزریں۔ مسند احمد ج ۱ ص ۶۱ پرچہ ہندو میں سے ایک کا نمونہ یہ ہے۔



آپ نے اپنے ساتھی ابو حنیفہ سے فرمایا۔ کیا میں تم کو اس امت کے سب سے افضل  
بعد از پیغمبر حضرات نہ بتاؤں؟ اس نے کہا بتائیے۔ آپ نے فرمایا۔ میرے اعتقاد میں ان  
سے افضل اور کوئی نہیں ہے۔ نبی کے بعد اس امت میں سے سب سے افضل حضرت  
ابو بکرؓ ہیں۔ ابو بکرؓ کے بعد عمرؓ ان کے بعد ایک اور تیسرے (عثمانؓ) ہیں جن کا نام نہ  
لیا۔ نیز بیچ البلاغہ کی مصدق وہ کئی روایات بھی ہیں۔ جن میں شیخینؒ کی خلافت کی تصدیق  
ہے۔ مثلاً دو ملاحظہ ہوں۔

۱۔ حضرت علیؓ نے جنگ جمل کے دن فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلافت  
کے متعلق کوئی صریح چیز نہ دی تھی۔ جسے ہم لیتے۔ ہاں یہ چیز ہمارے اپنے مشورے سے ہوئی۔  
پھر حضرت ابو بکرؓ خلیفہ بنے اللہ کی آپ پر رحمت ہو تو آپ نے دین قائم کیا اور خود بھی دین  
پر جمے رہے۔ پھر حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے۔ اللہ کی ان پر رحمت ہو تو دین قائم کیا اور مستقیم  
رہے حتیٰ کہ دین اسلام نے اپنا سب سے بڑا دیا (مضبوطی سے قائم ہو گیا) مسند احمد ج ۱ ص ۱۱۱۔  
دوسری روایت میں یہ تصریح بھی ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ خلیفہ ہو کر حضورؐ کے عمل  
اور تیسرے چلے اور حضرت عمرؓ خلیفہ ہو کر حضرت ابو بکرؓ کے عمل اور سیرت پر چلے حتیٰ کہ اللہ  
نے ان کو وفات دے دی (مسند احمد ج ۱ ص ۱۲۱)۔

صدیق اکبرؓ کی فضیلت میں قلم کو یہاں بربیک لگا کر فقہ شیعہ دوست کے اس کفر  
جلد پر کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ جو کہ حضرت علیؓ بعد از رسولؐ تمام کائنات سے افضل و اکمل ہیں۔  
ابن ابی علیہم السلام سب کائنات سے افضل ہیں | واضح رہے کہ یہ صرف غالی شیعہ  
کا اپنا کفر یہ عقیدہ ہے جو

مفوضہ کی ایجاد ہے اور ان کے خاتم المحدثین مجلسی نے تو اور ہی کمال کر دیا ہے۔ رکھتے ہیں۔  
اکثر علماء شیعہ را اعتقاد آئست کہ  
حضرت امیر و سائر ائمہ افضلند از سائر  
پیغمبران و احادیث مستفیضہ بلکہ متواترہ  
از ائمہ خود درین باب روایت کردہ اند (حیات الطوبی ۵۲۶)  
اکثر علماء شیعہ کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت امیر  
اور باقی سارے ائمہ باقی سب پیغمبروں سے  
افضل ہیں اور احادیث مشہورہ بلکہ متواترہ  
اس باب میں اپنے پیشواؤں سے نقل کی ہے۔



مگر کوئی مسلمان اس کا قائل نہیں ہو سکتا اور نہ قرآن و سنت اور احادیث اس کی اجازت دیتی ہیں۔ قرآن پاک میں ایک رکوع میں ۱۸ انبیاء علیہم السلام کا اجمالی تذکرہ کر کے اللہ پاک فرماتے ہیں۔

وَكَلَّا فَصَلَّلْنَا عَلَى الْعَالَمِينَ (الانعام)  
اور ہم نے، ہر ایک کو تمام عالموں پر فضیلت دی (ترجمہ مقبول)

اگے فرمایا۔ اُولَئِكَ الَّذِينَ اتَّخَذْتُمُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنَّبُوَّةَ... اُولَئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهِدَاهُمْ اُتَتْخَذَتْ (الانعام ۱۰۶)  
وہ وہی ہیں جن کو ہم نے کتاب اور حکومت اور نبوت عطا کی۔ وہ وہی تو ہیں جن کو اللہ نے راستہ دکھلایا ہے۔ پس اے رسول! تم ان ہی کے راستے پر چلو (ترجمہ مقبول)

جن نفوس قدسہ اللہ تعالیٰ تمام جہانوں پر فضیلت بخشیں اور کتاب، حکومت اور پیغمبری عطا فرمائیں اور بواسطہ پیغمبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو بھی ان کی پیروی کا حکم دیں۔ کتنے ظلم اور افسوس کی بات ہے کہ امت محمدیہ کے ۱۲ حضرات (شیعی آئمہ) انبیاء علیہم السلام سے افضل ہونے کا دعویٰ کریں۔ حالانکہ وہ خود انبیاء کے مقتدی اور پیروکار ہیں۔ ان کی ولایت علمی سے خوشہ چینی کرنے والے ہیں۔ ان پر نہ کتاب اتری۔ نہ ان کو شریعت اسلامیہ نافذ کرنے کی حکومت ملی۔ نہ نبوت سے سرفراز ہوئے۔ پھر فضیلت کیسی؟ یہ دعویٰ تو چوہرہ لاوار است و زدے کہ بکف چراغ دارد کامصدق ہے۔

اگر اپنی مخصوص موضوع روایت کے پیش نظر شیعہ کا یہ اعتقاد ہو کہ ان پر بھی کتاب اتری (۱۲ اصحاب آئمہ کے لیے) یہ بھی انبیاء کے مماثل و ہمسر معصوم۔ واجب الاتباع اور احکام شرع کے حلال و حرام بنانے میں خود مختار ہیں اور امت کے لیے براہ راست مقتدا اور پیشوا ہیں (جیسے کہ کافی سے تفصیل سوال ۲ کے تحت آئے گی) تو پھر کھل کر ان کو پیغمبر کہہ دیں اور ختم نبوت کا انکار کر کے ایک الگ امت کہلائیں اور مسلمانوں کا پچھا چھوٹیں۔ سنی شیعہ نزاع ختم کرنے کا یہی نسخہ اکسیر ہے (دیدہ باید)

شیعی احادیث میں بھی انبیاء افضل ہیں | آئمہ کی انبیاء علیہم السلام پر فضیلت کا



عقیدہ شیعہ احادیث کے بھی خلاف ہے۔ اصول کافی باب الفرق بین الرسول والنبی والمحدث (امام) میں رسول اور نبی کی تشریف کے بعد امام کی تشریف میں امام باقرؑ کا یہ ارشاد منقول ہے ”کہ امام وہ ہوتا ہے جو غیب میں فرشتہ کی آواز سنتا ہے مگر نبی اور رسول کی طرح فرشتہ کو دیکھ نہیں سکتا۔“

۲۔ پیغمبر نبوت اور علم امامت۔ دو چیزوں کا حامل ہوتا ہے۔ مگر امام کو صرف علم امامت ملتا ہے (کافی ج ۱ ص ۱۱۱)

۳۔ امام جعفرؑ نے فرمایا کہ سب سے زیادہ آزمائش انبیاءؑ کو آتی ہے پھر ان کے بعد والوں کو۔ پھر ان کے بعد والوں کو۔ (کافی ج ۱ ص ۲۵۱)

۴۔ سب لوگوں سے زیادہ ابتلاء انبیاء علیہم السلام کو ہوتا ہے پھر اوصیاء کو پھر ان کے بعد والوں کو درجہ بدرجہ ہوتا ہے (کافی ج ۱ ص ۲۵۱)

جب ابتلاء درجہ بندی کے تحت ہوتا ہے تو سب سے زیادہ ابتلاء والے اولاد کو اور انبیاء علیہم السلام تمام اوصیاء سے افضل ٹھہرے اور یہ بالکل واضح ہے۔

عقلاً بھی یہ عقیدہ لغو ہے کیونکہ تباہی و اساتذہ کی صف میں شمار نہیں کیا جاسکتا۔ نہ تابع متبوع سے بڑھ سکتا ہے۔ ہائی کلاسز کے درجہ اول کے طلباء خواہ وہ مانیٹر ہی کیوں نہ ہوں ادنیٰ کلاسوں کے ملحقین کے برابر علم یا رتبہ میں نہیں ہو سکتے۔ چہ جائیکہ ان سے افضل مانے جائیں۔ اس سے بعض شیعوں کے اس ڈھکوسلے کا جواب بھی ہو چکا ہو کہ ”ہیں“ کہ جب حضورؐ کی نبوت ہمہ گیر اور وسیع ہے تو آپ کے ماتحت راہبروں کا مرتبہ بھی سابقہ انبیاء سے بڑا ہونا چاہیے۔ کیونکہ کسی بڑی ترقی یافتہ مملکت کا ملازم۔ درجہ اول ہی کا کیوں نہ ہو۔ ملازم ہی ہے۔ وہ اصولاً کسی صورت میں کسی چھوٹی حکومت کے سربراہ اور صدر کا اعزاز کبھی نہیں پا سکتا۔

سوال ۵۔ اہل سنت کی حدیث کی کتابوں میں حضرت ابوہریرہؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت عائشہؓ وغیرہم سے کثرت سے احادیث پیغمبرؐ مروی ہیں کیا وجہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰؑ حضرت فاطمہؑ الزہراءؑ حضرت امام حسن مجتبیٰؑ اور حضرت امام حسین علیہم السلام دیگر بزرگوں



سے علم میں کم تھے یا انہیں آنحضرت کے پاس رہنے کا ابوہریرہ وغیرہ سے کم موقع ملا تھا۔ اس سوال کا جواب تلاش کرتے وقت حدیث نبوی۔ انا مدینۃ العلم وعلی بابہا واعلم امتی بعدی علی بن ابی طالب زیر نظر رہے۔

الجواب۔ اللہ تعالیٰ خالق کارخانہ گونا گوں نے فطری اصول کے مطابق ہر ایک صحابیؓ کو ایک دوسرے سے مختلف اور متنوع قسم کی خوبیوں سے نوازا تھا۔ خدا نیچ انگشت کیساں نکرو۔ ہر فرد اور شخصیت کو ایک ہی پیمانہ سے نہیں دیکھا جاسکتا۔ کسی کو عزم ملی کسی کو زیادہ کسی کو وعظ و بندگی مجالس زیادہ نصیب ہوئیں کسی کو کم کسی کو سیاست سے لگاؤ رہا کسی کو تعلیم و تعلم سے کسی کو ہونہار اور لائق شاگرد اور پاکیزہ ماحول میسر آیا اور ان کے علمی حلقے اور درس گاہیں مشہور ہوئیں اور کچھ اپنے حبابہ وں کے ہاتھوں ہی اذیت ناک چرکے سے سہہ کر اپنے مولا سے جاملے۔

ہر کسے راہر کار سے ساختند میل اور در دوش انداختند بلاشبہ مذکورہ بالائینوں حضرات اہل سنت کے ان مکثرین صحابہ میں سے ہیں جن کے نام صحیح روایات یہ ہیں۔

حضرت ابوہریرہؓ المتوفی ۵۸ھ۔ ۵۳۷۴۔ ۲۔ خام رسول انس بن مالکؓ المتوفی ۹۳ھ۔ ۲۲۸۶۔ ۳۔ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ المتوفی ۵۸ھ۔ ۲۲۱۰۔ ۴۔ عبداللہ بن عباسؓ المتوفی ۶۸ھ۔ ۱۶۶۰۔ ۵۔ عبداللہ بن عمرؓ المتوفی ۵۸ھ۔ ۱۶۳۰۔ ۶۔ جابر بن عبداللہؓ المتوفی ۶۸ھ۔ ۱۵۴۰۔ ۷۔ ابوسعید خدریؓ المتوفی ۶۸ھ۔ ۱۱۷۰۔

ان حضرات سے اہل بیت کے تقابل کی کیا ضرورت ہے۔ خلفاء راشدینؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ ہستیاں بھی اس جماعت میں نہیں حالانکہ وہ سب صحابہ کرامؓ سے زیادہ علم رکھتے تھے۔ طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۸۹ اردو میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اکابر اصحاب آپؐ سے حدیث بیان کرنے میں بہ نسبت اوروں کے بہت کم رہے۔ مثلاً ابو بکرؓ، عثمانؓ، طلحہؓ، زبیرؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، عبدالرحمنؓ بن عوفؓ، ابوعلیہؓ، ابن الجراحؓ، سعیدؓ بن زیدؓ، عمرؓ، ابی بن کعبؓ، سعد بن عبادہؓ (وغیرہم) ان لوگوں سے کثیر احادیث نہیں



آئیں جیسے نوجوان اصحاب مثلاً جابرؓ، ابوسحیدہؓ، ابوہریرہؓ کے ہم پلہ لوگوں سے یہ سب کے سب فقہائے اصحاب رسول اللہؐ میں شمار کیے جاتے تھے۔ رسول اللہؐ کے ایسے بہت سے (اکابر) اصحاب آپؐ کی وفات سے قبل اور بعد آپؐ کا علم لے گئے۔ ان سے کچھ (زیادہ) منقول نہیں اور بوجہ کثرت اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان کی حاجت نہ ہوئی۔“

دراصل کثرت روایت کا مدار علوم مرتب نہیں بلکہ دیگر وجوہ ہیں کہ ان حضرات نے روایت حدیث اور تعلیم و تعلم کو ہی نصب العین بنایا۔ پھر عمریں بھی زیادہ پائیں اور ہزاروں ہونہار شاگرد نصیب ہوئے۔

نیز روایت و تحدیث کی عمد نبوی میں تو خاص حاجت نہ تھی۔ بعد میں جوں جوں تمدنی و معاشرتی مسائل کثرت فتوحات سے پیدا ہوتے گئے علم حدیث و فتویٰ کی روایت روز افزوں بڑھتی گئی۔ زیادہ عمر ماننے والے صحابہ کو علم پھیلانے کا زیادہ موقع ملا۔ یہی وجہ ہے کہ خلیفہ اول سیدنا ابوبکر صدیقؓ ہمارے اعتقاد میں سب سے بڑے عالم تھے۔ بخاری شریف ج ۱ ص ۱۷ پر صحابہ کرامؓ کا بیان ہے کہ ان ابوبکرؓ علمدار۔ مگر حضورؐ کے بعد کمی عمر۔ دو سال ۳ ماہ ۱۰ دن۔ اور امور خلافت میں مشغولیت کی وجہ سے احادیث کم مروی ہیں۔ حضرت عمرؓ اور علی المرتضیٰؓ رضی اللہ عنہما بالترتیب ۵۳۹ - ۵۸۶ احادیث اور حضرت عثمانؓ سے ان سے کم مروی ہیں۔ مگر ان کی علیت کم پیش نظر یہ بہت کم ہیں۔ وجہ یہی ہے کہ دیگر کثرین کی نسبت عمرؓ کم اور اہم ملکی و سیاسی کاموں میں مصروفیت زیادہ تھی۔

حضرت سیدہ فاطمہ الزہراءؓ نے حضورؐ کے بعد صرف چھ ماہ خانہ مرضوی کو روشن کیا۔ کم گوئی اور شرمیلیں اس پر اضافہ ہے بقول شیعہ یہ چھ ماہ کا عرصہ خلافت اور باغ فدک چھین جانے کے غم میں گزرا۔ روایت کسے سنائیں۔ حضرت حنینؓ کو بڑی محترم بستیاں ہیں اور عمرؓ بھی لمبی پائیں لیکن والد ماجدؐ کے مقابلے میں علمی مزاج بہت کم رکھتے تھے۔ سیاسیات میں زیادہ مشغول رہے۔ تحدیث و افتاد کے حلقے اور مدارس قائم نہیں کیے۔ بقول شیعہ سبط اکبرؓ کی عمر کا اکثر حصہ شادیوں میں مصروف رہا۔ کل شادیوں کے متعلق مجلسی نے لکھا ہے قرباناد میں معتبر سند کے ساتھ حضرت امام محمد باقرؓ سے روایت ہے اور ابن اثوب نے روایت کی ہے



کہ امام حسنؑ نے ۱۲۵۰ اور ایک روایت کے مطابق ۳۰۰ عورتوں سے نکاح کیا حتیٰ کہ ام المومنین نے منبر پر فرمایا کہ حسنؑ بہت طلاق دیتے ہیں اپنی لڑکیاں اس کو نہ دیا کرو۔ مگر لوگ کہتے کہ اگر وہ ایک رات بھی ہماری لڑکی سے شادی کرے (پھر طلاق دے دے) تو ہمارے شرف کے لیے کافی ہے (جلال العیون ص ۲۷۷)

سبط الصغر رضی اللہ عنہ کم گوئی۔ عزالت پسندی اور خاموش تقویٰ میں اپنی والدہ ماجدہ (صلوات اللہ علیہا) کی طرح اپنی مثال آپ تھے۔ لہذا ان سے بھی شرفِ بلد اور تحدیث کا لوگوں کو کم موقع ملا۔ یہ وجہ قلت ان کی عظمت و شہرت کی وجہ سے ہے ورنہ فی نفسہ ان سے بیسیوں احادیث مروی ہیں کہ شیعہ نے اتنی روایت نہیں کیں۔ چونکہ وہ عہدِ نبوی میں بہت صغیر السن تھے صحبت کا موقع کم پایا لہذا احادیث حضورؐ کے بجائے صحابہؓ سے روایت کی ہیں۔

کثیر الروایۃ حضرات سے حدیث کی وجہ | حضرت ابوہریرہؓ مد میں مسلمان ہوئے گو صحبتِ نبوی ۵ سال سے بھی کم پائی مگر وہ عاقل بالغ اور طلبِ علم میں شب و روز مصروف اور سفر و حضر میں حضورؐ کے ملازم خاص رہتے تھے۔ خود اسی اعتراض کے جواب میں فرماتے ہیں۔

”کہ ہمارے ہماجر بھائی تجارت میں اور انصاری بھائی کھیتی باڑی میں مشغول رہتے تھے۔ اور ابوہریرہؓ حضورؐ کے ساتھ چمٹے رہتے تھے۔ صرف روٹی آپ سے مل جاتی تھی اور ان اوقات میں حاضر ہوتے تھے جن میں دوسرے نہ ہوتے اور وہ کچھ ابوہریرہؓ یاد رکھتے جو دوسرے یاد نہ کر سکتے“ (صحیحین)

دوسری روایت میں ہے کہ میں نے پوچھا یا رسول اللہ! میں بہت حدیثیں سن کر آپ سے بھول جاتا ہوں۔ آپ نے فرمایا چادر بھیلادو۔ میں نے پھیلا دی آپ نے چلو بھر کر کچھ ڈالنے کا اشارہ کیا پھر فرمایا اپنے ساتھ ملاؤ۔ میں نے وہ چادر سینے سے لگالی۔ پھر اس کے بعد میں کچھ بھی (نہ بھولا) بخاری ج ۱ ص ۲۲ کتاب العلم، ایک حدیث میں آپ نے حضرت ابوہریرہؓ کو ترہیں غسلے سوال کی حدیث بتایا ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ۹ سال ہدایت کے آفتاب عالمتاب کے پہلو میں گزارے۔ آپ کے متعلق ارشاد ہے۔



فضل عائشة علی النساء کفضل

التزید علی الطعام (بخاری ج ۱ ص ۵۳۲)

حضرت عائشہؓ کی فضیلت سب عورتوں پر  
ایسی ہے جیسے شہید گوشت اور روٹی کا آمیختہ

کی فضیلت تمام کھانوں پر۔

کثرتِ علم کی طرف اشارہ ہے۔ نیز آپ کا ارشاد ہے۔

خذوا ربع العلم من هذه الحیداء سیدہ عائشہؓ سے چوتھائی علم حاصل کرو۔

رجوالہ اہل سنت پاکٹ بک ص ۳۳۹

حضرت عائشہؓ کا ذہن۔ حافظہ ضرب المثل تھا۔ علم سے لچپی اور فراغت اس پر متنازع  
ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے متعلق حضورؐ نے دعا فرمائی تھی۔

اللهم علمہ الکذب والحکمة اے اللہ! ان کو کتاب اور حکمت کا علم عطا  
فرما۔ (بخاری ج ۱ ص ۵۳۱)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا ذہن و حافظہ رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام  
نے علمی پہیلی پوچھی۔ کوئی جواب نہ دے سکا۔ ان کو سوچا گیا تھا اس وقت ادیانہ بولے۔ بعد میں  
اظہار کیا (بخاری ج ۱ ص ۵۳۱) اور آپؐ نے ان کو مردِ صالح فرمایا ہے۔

حضرت انس بن مالکؓ مخدوم خاص اور بیت نبویؐ کے ایک فرد تھے دس سال حضورؐ کی اندر  
بابر سرفرو حضورؐ میں خدمت کی۔ ۱۰ سال کی عمر میں ماں نے حضورؐ کے سپرد کر دیا تھا۔ انتہائی ذہین  
اور علم دوست تھے۔ آپؐ نے ان کو دعادی تھی اے اللہ اس کے مال۔ اولاد زیادہ کر اور جو  
کچھ (علم وغیرہ اوصاف) اس کو دیا ہے اس میں برکت عطا فرما (مشکوٰۃ ص ۵۷) حضرت جابرؓ  
بن عبداللہؓ کے لیے آپؐ نے ۲۵ مرتبہ استغفار کی (ترمذی)

تور وایتِ علم و احادیث میں ان بزرگوں کی خصوصیت اور کثرتِ ایسی دعاؤں ہی کا نتیجہ  
ہے۔ جیسے حضرت علیؓ نے آپؐ کے من کا قاضی بنا کر بھیجا تو انہوں نے قضا نہ جانے کا عذر کیا۔  
تو آپؐ نے دعا فرمائی۔ ”فرماتے ہیں کہ اس کے بعد کبھی دو آدمیوں میں فیصلہ کے متعلق مجھے  
جھجک نہیں ہوئی۔“ (کتب احادیث)

الخرق کثیر یا تعلیل روایات کی وجوہات ہر نیک کی اپنی لچپی۔ ماحول اور مخصوص حالات



پرنہیں۔ مگر یہ خیالی کرنا قطعاً غلط ہے کہ مسلمانوں کو اہل بیت سے نفرت تھی اور دوسروں سے محبت اس لیے ان سے کم اور دوسروں سے زیادہ احادیث روایت کی ہیں۔ ہاں ایک وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ جب امت کا باغی فرقہ قاتلان حضرت عثمان حضرت علیؓ کا تقرب حاصل کر کے غلو کرنے لگا۔ جیسے وہ شیعہ علیؓ کا مکمل حضرت علیؓ کی مسلسل نافرمانی سے آپ کو تکلیف اور حکومت کو نقصان پہنچا رہا تھا حتیٰ کہ نصف دنیا کی یہ حکومت عہد مرتضوی کے آخر میں صرف حجاز و کوفہ تک محدود رہ گئی اور حضرت علیؓ ان سے جان چھڑانے کی آرزو کرتے تھے (جلال العیون) اسی طرح وہ تفتیہ کی آڑ میں آپ پر بھوٹی روایات کا طوفان عرصہ تک برپا کرتا رہا۔ حضرت علیؓ کے مخلص اور سچے ساتھی کم ہوتے گئے۔ اور اقصیٰ امت سے دین روایت کرنے میں نہایت احتیاط کی ضرورت پڑی۔ چند محدثین نے کڑی شرائط سے مرویات علوی کو جمع کیا۔ اسی سلسلے میں حافظ ابن القیم فرماتے ہیں۔

قاتل الله الشيعة قتالا عظيما  
الذي شيعه رافضه كوبر باد كرسى حضرت عليؓ  
الکذب علی علی وای علم افسد و  
پر خوب جھوٹ باندھا۔ اور کتنے بڑے علم کو  
(اعلام الموقعین ج ۱ ص ۳۰)

مہذا حضرت علیؓ سے اہل سنت نے کثرت احادیث روایت کیں۔ مسند احمد میں ان کی تعداد ۸۱۰ بتائی ہے۔ تہذیب التہذیب آپ کے ترجمہ میں سے آپ کے شیوخ اور تلامذہ کی فہرست پیش خدمت ہے۔

حضرت علیؓ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے حضرت ابو بکر۔ عمر۔ مقداد بن اسود اور فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہم سے احادیث روایت کی ہیں۔ آپ سے آپ کی اولاد میں سے حسن۔ حسین۔ محمد اکبر (ابن حنفیہ)۔ عمر۔ فاطمہ۔ محمد بن عمر اور زین العابدین نے مرسل روایت کی ہے۔ باندی ام موسیٰ۔ عبد اللہ بن جعفر۔ ابن جعدہ (بجانب) عبد اللہ بن ابی رافع نے روایت کی ہے اور صحابہ کرام میں سے حضرت عبد اللہ بن مسعود۔ براد بن عازب۔ ابو ہریرہ۔ ابو سعید خدری۔ بشر بن سہم۔ انصاری۔ زید بن ارقم۔ عمرو بن حرث۔ نزال بن سبرہ۔ بلالی۔ جابر بن سمرہ۔ جابر بن عبد اللہ۔ ابو جحیفہ۔ ابوامامہ۔ ابولیل۔ الانصاری۔ ابو موسیٰ۔ مسود بن الحکم۔ ابو الطفیل۔ عامر بن واہب رضی اللہ



عنہم نے روایت کی ہے۔

اور تابعین میں سے زربن حبیش۔ زید بن وہب۔ ابوالاسود الدؤلی۔ عمارت بن سوید  
تمیمی حارث بن عبداللہ اور جریر بن عبد اللہ۔ اسامہ بن زید۔ ربیع بن خثعم۔ شریح بن ہانی۔ شریح  
السنان۔ عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ۔ مروان بن الحکم اور بہت سی مخلوقات نے روایت کی ہے۔

سنی اصول پر تحقیقی جواب کے بعد اب میں شیعہ حضرات کو  
شیعہ نے علم کیوں نہ روایت کیا

چیلنج دے کر پوچھتا ہوں کہ آپ کی کتب اصول اربعہ میں  
براہ راست بواسطہ علیؑ یا حضرت ابوذرؓ و سلمانؓ و مقدادؓ (سید الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام  
سے کتنی احادیث مروی ہیں حضرت علی المرتضیٰؑ سے کتنی ہزار مروی ہیں اور کون کون سے لوگوں  
نے روایت کی ہے حضرت حسنؓ و حسینؓ سے کتنے حد مروی ہیں۔

ارے آپ کی امامیہ جعفریہ شریعت (نبویہ محمدیہ نہیں) کا ۹۵٪ ذخیرہ حضرت امام باقرؑ و  
جعفرؑ و تابعی بزرگوں سے مروی ہے جنہوں نے حضرت رسول خدا و علی المرتضیٰؑ کو تو کجا حضرت  
حسنؓ و حسینؓ کو بھی نہیں دیکھا۔ تابعیت کا شرف سنی اصول پر صرف ان صحابہؓ کو دیکھ کر  
پایا ہے۔ جنہیں آپ مومن و مسلمان کا بل نہیں مانتے۔ ان کی سب روایات اپنی فرمودہ  
ہیں۔ کچھ مرسل اور منقطع ہیں۔ ان سے شریعت محمدیہ کے ابطال پر تو استدلال ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ  
با اعتقاد شیعہ احکام کے حلال و حرام کرنے میں مختار تھے نیز واجب الاتباع معصوم اور صاحب  
الہام و کتاب شیعہ کے مثل نبی و نبی پیشوا ہیں۔ مگر شریعت محمدی ان سے برگزہ ثابت نہیں ہو سکتی۔  
اب میں پلٹ کر سوال کرتا ہوں۔ کیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یا حضرت علی و حسین رضی  
اللہ عنہم کا علم امام جعفر صادقؑ سے کم تھا یا اہلبیت صحابہؓ کو حضورؐ کی صحبت کم نصیب ہوئی۔  
اور حضرت باقر و جعفرؑ کو زیادہ ملی؟ حالانکہ وہ اصول شیعہ پر تابعی ہی نہیں تبع تابعی ہیں۔ کہ  
ایماندار صحابہؓ کو بھی نہیں دیکھا۔ پھر کیوں نوجوانانِ حبش اور قاضی امت سے شیعہ کی شریعت  
منقول نہیں۔ اس سے یا تو یہ ثابت ہو گیا کہ صحابہ ائمہؓ برگزہ شیعہ نہ تھے۔ شیعہ کے بانی و امام  
اول (بقول شیعہ) حضرت باقر و جعفرؑ ہیں یا یہ کہ جسمانی زندگی کے قاتل ہونے کی طرح ان کی علمی  
و روحانی زندگی کے قاتل بھی یہی شیعہ حضرات ہیں۔



## دو غلط حدیثیں

رہی حدیث انا حدیث العبد علی بابہا اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ یہ منکر ہے۔ (یعنی نامقبول اور بہت کمزور ہے) علامہ سخاوی نے بھی یہی کہہ کر لکھا ہے کہ اس کی صحت کی کوئی وجہ نہیں۔ ابن معین کہتے ہیں یہ چھوٹا ہے۔ اس کی کوئی اصل نہیں۔ ابو سعید اور یحییٰ بن سعید یہی کہتے ہیں۔ علامہ جوزی نے اس کو موضوعات میں لکھا ہے۔ (موضوعات کبیرانہ ملا علی قاریؒ منکر)

رہی اعلیٰ امتی بعدی علی بن ابی طالب یہ پہلی سے بھی ساقط الاعتبار اور موضوع ہے۔ کتب حدیث تو کجا کتب موضوعات میں بھی نظر سے نہیں گزری اور مستتر ہا جب نے حوالہ اس لیے نہیں دیا کہ مال مسروق بکڑا نہ جائے۔

الغرض یہ حضرات نے اپنا دین حضرت علیؑ سے روایت نہ کر کے ان جیسی احادیث کے موضوع ہونے پر خود ہی ہر تصدیق ثبت کر دی عباد وہ جو سر پر چڑھ کر بولے۔

## باب سوم

سوال ۶۔ ملاں لوگ بیان کرتے ہیں کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کو شیعوں ہی نے قتل شہید کیا اور اب شیعہ اپنے ان مذموم افعال پر روتے بیٹھتے ہیں تو ساتھ کر بلا کے موقعہ پر اہلسنت نے امام مظلوم کی مدد کیوں نہ کی جبکہ لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں کی تعداد میں اس وقت اہل سنت موجود تھے۔

الجواب۔ فرقہ شیعہ ہی کو خدا ر اہل بیت اور قاتل حسین بتانے والے معمولی ملاں نہیں بلکہ ان ملاؤں کے پیشوا بیان کرامؑ جن کے جائز و ناجائز ذکر سے شیعہ ملاں و ذاکرین اپنے پیٹ کا دھندا کرتے ہیں۔ حضرات اہل بیت عظامؑ ہی ہیں۔ اس مسئلہ پر چونکہ شیعہ کی گمراہی یا سچیائی کو ہر عامی پر کھ سکتا ہے۔ لہذا قدرے مفصلاً چار شقوں میں ہم اس بحث کی تیقح کرتے ہیں۔

۱۔ کیا حضرت حسینؑ عالی مقام کو بلانے والے شیعہ تھے ؟



ب۔ کیا میدان جنگ میں حضرت حسینؑ کے مقابل وہی شیعہ تھے؟

ج۔ کیا قافلہ اہل بیتؑ نے شیعہ کو اپنا قاتل کہا ہے؟

د۔ کیا وہ خود بھی اقبالِ حرم کر کے ندامت کے آنسو بہاتے ہیں؟

جب دنیا کے ہر قانون میں ثبوتِ قتل کے یہ چار طریقے قطعی طور پر قاتل کا پتہ بتا دیتے ہیں۔ قاتل مقتول یکساں ہوئے ہوں۔ سارے دیکھا گیا ہو۔ مقتول خود بیان دے دے۔ قاتل اعتراف بھی کر لے تو اب کیا شبہ رہ جاتا ہے۔

(۱۔ حضرت حسینؑ کا نظریہ اور امن پسندی)

واضح رہے کہ شیعہ کے ہاں بھی۔ عام مورخین کے مطابق۔ یہ ایک سیاسی اور برائے طلب

خلافت جنگ تھی۔ یزید کے برسرِ اقتدار آنے کے بعد گورنر مدینہ ولید اور حضرت حسینؑ کا مکالمہ ملاحظہ ہو شیعہ مورخ مجلسی رقمطراز ہیں۔

”جب ولید نے حضرت حسینؑ کو بلایا اور حضرت معاویہؓ کی وفات کی اطلاع دی حضرت نے فرمایا انا للہ وانا الیہ راجعون پھر ولید نے یزیدؓ کا خط پڑھا حضرت نے فرمایا میرا گمان نہیں ہے کہ تو مجھ سے یزید کے لیے خفیہ سبوت پر آمفی ہو جائے گا۔ تو چاہے گا کہ سب لوگوں کے سامنے میری سبوت لے تاکہ لوگوں کو بھی معلوم ہو جائے ولید نے کہا ہاں۔ حضرت نے فرمایا صبح تک انتظار کرو تاکہ میں غور کر لوں۔ اور آپ بھی غور کر لیں پھر ایک دوسرے سے مناظرہ کریں اور جو خلافت کا مستحق ثابت ہو دوسرا اس کی سبوت کرے۔ (جلد الحیون ص ۳۴۹ ومنتہی الآمال للعباس القمی ج ۱ ص ۲۹۸)

حضرت معاویہؓ کے متعلق بہتر رائے آپ کی وفات کو نقصان ملی جان کر استرجاع پڑھنا اور اپنی تمنا تو معلوم ہو گئی مگر حضرت حسینؑ اپنے دلائل ظاہر کر کے اہل مدینہ کو سمجھوانے نہیں بنا سکتے تھے اور نہ اہل عراق پر اعتماد کر کے حصولِ مقصد کی کوشش کر سکتے تھے۔ لامحالہ غیر جانبداری اور گوشہ نشینی کا فیصلہ کیا۔ صبح دوبار حاکم میں جانے کے بجائے اہل و عیال سمیت کھڑے ہو گئے۔ تاریخ شاہد ہے کہ یہاں آپ نے حکومت کے خلاف یا اپنے حق میں کوئی بیان نہیں دیا۔ شبان تا ذی الحجہ تقریباً ۵ ماہ میں نہ حکومت کی طرف سے کسی نے سبوت کا مطالبہ کیا اور نہ



۱۔ آپ کو بلائے والے شیعہ ہی ہیں | جلاء البیون میں مجلسی کے اعتراف کے مطابق کوفہ کے مومنین شیعہ سلیمان بن صرد و ذریاعی و مسیب بن

یہ خط عبداللہ بن مسیح بھدانی اور عبداللہ بن دال دے کر حضرت کی خدمت میں چلے۔ پھر دونوں کے بعد قیس بن مسهر۔ عبداللہ بن شداد۔ عمار بن عبداللہ کو کوفہ کے بڑے بڑے رؤساء نے ۱۵۰ خط دے کر کہہ روانہ کیا۔ پھر دودن کے بعد ہانی بن ہانی سبیعی۔ سعید بن عبداللہ حنفی کو اہل کوفہ نے حضرت کی خدمت میں یہ کچھ بھیجا۔ تسمیہ کے بعد یہ خط حضرت حسینؑ کی خدمت میں ہے از شیخان و فدویان و مخلصان آنحضرت۔ آپ جلدی اپنے دوستوں اور ہوا خواہوں میں پہنچیں۔ سب لوگ آپ کے منتظر ہیں۔“

پھر شہید بن رہی۔ حجار بن الہجرہ بنید بن حارث، عروہ بن قیس، عمرو بن حجاج اور محمد بن عمرو نے اسی مضمون کے خط آپ کی خدمت میں بھیجے (جلد الیون<sup>۳۵۴</sup> م<sup>۳۵۴</sup> غنتی الامال ج ۱، ۲)

حضرت حبیبؓ ان خطوط کے جواب میں مترود تھے حتیٰ کہ ایک دن میں ۶۰۰ خطوط ان

میں معلوم ہوا کہ ان کے خیال میں بھی امام کا تصور سیاسی حاکم تھا اگر مثل نبی کا تصور ہوتا تو نفی نہ کرتے۔ یہ تصور بہت بعد کی پیداوار ہے۔



غداروں کے حضرت کو پہنچے۔ جب ان کا مبالغہ حد سے گزر گیا اور بہت سے قاصد آپ کے پاس پہنچے اور ۱۲ ہزار خطوط حضرت کو پہنچ چکے تب آپ نے یہ جواب لکھا۔

اس نامہ البیت از حسین ابن علی لبوئے حسین بن علیؑ کی طرف سے یہ خط تمام مومنوں گروہ مومنوں و مسلمانوں و شیعیان مسلمانوں اور شیعوں کو بھیجا جاتا ہے کہ۔

آپ کے سب خطوط مجھے ملے۔ میں تمہاری طرف اپنے معتمد بھائی مسلم بن عقیلؑ کو بھیجتا ہوں اگر وہ میری طرف کھیں کہ قتلہ نذرگوں اور شریف و ذمہ دار لوگوں نے یہ کھوائے ہیں تو میں ان شاء اللہ جلدی تمہارے پاس آجاؤں گا اور میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں۔

کہ امام صرف وہی ہو گا جو لوگوں میں کتاب خدا کے مطابق فیصلے کرے لوگوں میں عدل قائم کرے اور شریعت کے طریقے سے باہر قدم نہ رکھے اور لوگوں کو دین حق پر چائے رکھے۔

کہ امامے نبیت مگر کسے کہ حکم کند در میان مردم بکتاب خدا و قیام نماید در میان مردم بعدالت و قدم از جادۂ شریعت مقدم نہ بیرون نگزارد و مردم را بر دین حق مستقیم دارد۔ والسلام۔ رحلہ العیون مرقوم غنتی الآمال ج ۱ ص ۳۲

ایہاں سے معلوم ہو چکا کہ حضرت حسینؑ کو دعوت خلافت امامت کے متعلق آپ کا نظریہ کاچھہ دینے والے فقط شیعیان کو فہم ہی تھے نیز مزید سے آپ کو اختلاف اموی اور ہاشمی قرابت پر نہ تھا۔ جیسے شیعہ خاندانی دشمنی کا اشتہار دیتے ہیں بلکہ شریعت اسلام کے نافذ کرنے اور قرآن و سنت کے مطابق حکومت کرنے پر مبنی تھا۔ اس باب میں راقم الحروف کا بھی یہی نظریہ اور ایمان ہے اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے متعلق اہل سنت والجماعت کو یہی نظریہ رکھنا چاہیے کہ ان کے عقیدہ عظمت و عدالت صحابہ والہدیت اور جوئی نفسانی سے پاک لامنی کا تقاضہ ہی ہے۔ یہ خیال نہ کرنا چاہیے کہ حضرت حسینؑ نے یہ اقدام اپنے والد کا تحت خلافت عاجل کرنے کے لیے مناسب موقعہ جان کر کیا جو سقیفہ کے موقعہ پر آپ کے والد سے غضب کیا گیا تھا جیسے شیعہ کا باطل نظریہ ہے اور کہتے ہیں کہ حضرت حسینؑ سقیفہ کے دن ہی شہید ہو گئے تھے اور زاس کو محض سیاسی اور دنیوی حکومت کے حصول کا ذریعہ سمجھنا چاہیے۔



جیسے محمود احمد عباسی کا غلط نظریہ ہے۔ دراصل رفض و خروج کے یہ خیال ایک ہی ہیں۔ صرف تعبیر کا فرق ہے۔

اور سنی نقطہ نظر کی مزید وضاحت یہ ہے کہ اہل کوفہ اگر اپنے غلط پروپیگنڈہ سے یہ نظریہ حضرت حسینؑ کے ذہن میں نہ بٹھاتے کہ مزید بدعمل، نافرمان اور خلافت کا بغیر اہل ہے تو آپؑ کبھی اس کے خلاف نہ اٹھتے خواہ طبعی ناگواری کی وجہ سے بیعت سے کنارہ کشی کرتے۔ لیکن جب آپؑ کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی کہ وہ احکام شرعیہ میں لاپرواہی سے مملکت کا ایک بڑا حصہ (عراق) اس کو نہیں مانتا تو اس بنا پر آپؑ نے خروج جائز جانا۔ اور شرعاً آپؑ محذور ہی نہیں مباح و مثاب بھی تھے۔ گو حقیقت اس کے خلاف تھی۔ اول سے آخر تک اہل کوفہ کا دھوکہ تھا۔ پھر واپسی بھی چاہی مگر مقدر نہ تھی۔

بہر حال اپنے نظریہ کے تحت حضرت حسینؑ نے مزید پر طعن کرتے ہوئے برحق امام کی تعریف میں بڑی وضاحت سے فرمایا۔

”کہ امام وہ مقتدر حاکم ہی ہوتا ہے جو لوگوں میں قرآن و سنت کے مطابق حکومت کرے۔ شریعت پر خود بھی عمل کرے اور لوگوں کو بھی چلائے۔“ اس تعریف نے شیعہ کی ایک خود ساختہ تاویل اور من گھڑت معنی کو باطل کر دیا کہ خلافت ظاہری اور ہے جو خلفائے ثلاثہؓ کو ملی۔ اور خلافت باطنی اور ہے جو ائمہ اہل بیتؑ کو ملی۔ نیز حضرت شیعہ خلافت سے بھی ان منافقوں کے الزام کا وضع کر دیا۔ ”کہ آپؑ خلافت ظاہری میں صحیح اسلام (بقول ان کے مذہب شیعہ) خلفائے ثلاثہؓ کے معتقدین کے دُور سے نافذ نہ کر سکے۔“ (ملاحظہ ہو مجالس المؤمنین ص ۵۶) کیونکہ معاذ اللہ اگر یہ الزام صحیح ہو تو حضرت علیؑ کی خلافت باطل ہو گئی۔

الغرض حضرت حسینؑ کی نظر میں خلیفہ پابند شریعت سیاسی حاکم ہو گا نہ کہ حکومت سے محروم اور غار میں چھپے رہنے والا۔

ب۔ امام سے برسرِ پرکار بھی شیعہ تھے | القصہ حضرت مسلم بن عقیلؓ کے ہاتھ پر علیؑ اختلاف الروایات - ۱۸ ہزار - ۳۰ ہزار اور ۸۰ ہزار شیعیان کوفہ نے برائے امام حسینؑ بیعت کی۔ انہوں نے خوشی سے (جلد بازی کرتے ہوئے)



صورتِ حال حضرت حسینؑ کو لکھ بھیجی۔ عالم الغیب صرف اللہ تعالیٰ میں شیعہ امام تہیں ہوتے۔ آپ کو فہ چلی پڑے سب دوستوں اور بہادروں نے کوفہ جانے کی مخالفت کی۔ مگر آپ نے مانے۔ وہی ہوتا ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے۔

ملا باقر علی مجلسی نے مندرجہ ذیل حضرات کی مخالفت و مخالفت تفصیل سے لکھی ہے۔  
 ۱۔ زرارہ بن صالح۔ ۲۔ محمد بن حنفیہ آپ کے بھائی۔ ۳۔ عبد اللہ بن عباس آپ کے چچا ہوئے۔ ۴۔ عبد اللہ بن زبیر۔ ۵۔ عبد اللہ بن عمر۔ ۶۔ فرزدق شاعر اہل بیت۔ ۷۔ عبد اللہ بن عمرو بن العاص۔ ۸۔ آپ کے بھائی کحی۔ ۹۔ عبد اللہ بن جعفر طیار۔ ۱۰۔ عون بن عبد اللہ۔ ۱۱۔ محمد بن عبد اللہ بن جعفر طیار۔ (جلد ۱۱ جیون)

جب آپ میدانِ کربلا میں پہنچ گئے اور حُر بن یزید کے ایک ہزار لشکر نے آپ کا گھیراؤ کیا تو اکثریت آپ کو خط لکھنے اور بلانے والوں کی تھی۔ حمد و ثناء کے بعد آپ نے ان سے فرمایا۔ ”میں تمہارے پاس از خود نہیں آیا۔ تمہارے بے درپے وعدوں اور خطوط کے بھروسے پر آیا ہوں۔ اگر آپ عہد پر قائم ہو تو لوپٹا کر دو اور اگر پھر گئے ہو تو میں واپس ہوتا ہوں وہ غدار خاموش سے کوئی جواب نہ دیا (جلد ۱۱ جیون ص ۳۷۳)“

حُر سمیت سب لشکر نے آپ کے پیچھے پناز پڑھی۔ حُر نے کہا مجھے خدا کی قسم ان خطوط اور قاصدوں کا علم نہیں۔ حضرت نے عقبہ بن سحان کے ہاتھوں بارہ ہزار خطوط کی پتیلی منگو کر رکھیر دی اور خطوط سے ایک ایک کا نام لے کر پکارا مگر سب خاموش رہے۔ (وہ افی غنتی الامال ج ۱ ص ۳۳) حُر نے کہا بجز مجھے خطوط کا علم نہیں تاہم میں آپ کو واپس نہیں جانے دیتا نہ لڑتا ہوں۔ حضرت قادسیہ کے راستے سے بائیں طرف چلی پڑے وہ بد بخت آپ کو بلانے والا لشکر بھی ساتھ ہو گیا حُر نے کہا ان سے نہ لڑنا ورنہ آپ قتل ہو جائیں حضرت نے (برائے) فرمایا۔ میں خدا کے حکم سے ان منافقوں (بلا کر غدار) کرنے والے شیعوں، سے ضرور جنگ کروں گا اور قتل ہونے سے نہیں ڈرتا۔ اس کے بعد بھی لشکر نے حضرت کے پیچھے پناز پڑھی۔ اس موقع پر حضرت حسینؑ کے مکی ساتھی بلال بن نافع بجلی لے کر آئے حسینؑ آپ کے والد ماجد نے بھی ان سبقت توڑنے والے ظالموں اور دین سے خارج ہونے والوں سے تا وفات نہ رحمت اٹھائی۔ آج آپ بھی اسی گروہ کے ساتھ مبتلا



ہو چکے ہیں جو بھی بد عہدی اور تیری بیعت توڑے گا خود نقصان اٹھائے گا (جلد ۱۱ ج ۱ ص ۳۸۱)  
مقتی الامال ج ۱ ص ۳۳۲-۳۳۳

یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت علیؑ کے ناکثین۔ قاسطین اور مارقین بھی شیخانِ کوفہ ہی ہیں۔ جو رافضی ان لفظوں کا مصداق حضرت طلحہؓ، زبیرؓ، حضرت معاویہؓ اور خوارج کو قرار دیتے ہیں وہ اپنے اسلاف کا برم چھپانے کے لیے یہ ظلم کرتے ہیں۔ ہاں مارقین خوارج بھی ہیں جو خاص شیخانِ کوفہ تھے۔

جب عمر بن سعد چار ہزار کا لشکر لایا اور حضرت حسینؑ سے آنے کا مقصد پوچھنا چاہا تو جس سپاہی یا افسر کو بھیجا

تو وہ سب اس وجہ سے انکار کر دیتے کہ ان میں اکثریت ان لوگوں کی تھی جنہوں نے حضرت کو خط لکھ کر عراق بلایا تھا۔ جب قرہ بن قیس آیا اور پوچھا تو حضرت نے فرمایا تمہارے شہر والوں نے مجھے بہت سے خط لکھے اور بڑے میلنے اور اصرار کے ساتھ بلایا (تو آیا ہوں)۔

بائیں علت ایسا کہ دند زیر کہ اکثر از آنہا بودند کہ حضرت نوشتہ بودند و حضرت را بلاق طلبیدہ بودند چوں قرہ بن قیس آمد و پرسید حضرت فرمود اہل دیار شمانا ہمارے بے شمار ہیں نوشتہ و مباذلہ بسیار مر اطلب کردند اگر نئے خواہید بر میگردد۔

اگر تم نہیں چاہتے تو میں واپس جاتا ہوں (جلد ۱۱ ج ۱ ص ۳۸۱)

جب عمر بن سعد کو یہ پیغام ملا تو خوش ہو کر اس نے کہا کہ خدا حسینؑ کے ساتھ جنگ سے بچا لے گا پھر ابنِ زیاد کو حضرت حسینؑ کی واپسی کا ارادہ لکھ دیا۔ (مقتی الامال ج ۱ ص ۳۳۲) ایک روایت کے مطابق اس نے آپ کو قید کرنے کا حکم دیا دوسری کے مطابق رہائی اور واپسی پر راضی ہو گیا مگر حضرت علیؑ کا سالا اور جبل و صفین میں حضرت علیؑ کا دست و بازو (طبری ج ۵ ص ۲۸) شمر ذی الجوشن اڑ گیا کہ حسینؑ سے یزید کی بیعت لی جائے۔ ابنِ سعد نے مخالفت کی مگر وہ ابنِ زیاد کے پاس جا کر نئے احکام جنگ بصورتِ انکار لے آیا۔ ابنِ زیاد نے اہلِ کوفہ کو لالچ دیا۔ اکثر ان بے دینوں غداروں نے اپنے دین (بیعتِ امامِ حسینؑ) کو دنیا کے بدلے بیچ دیا کیونکہ ۹ حصے دین تقیرہ پر عمل کیا۔ جیسے خلیل قرظونی نے لکھا ہے کہ حضرت کے قتل کا باعث شیعہ امامیہ کی کوتاہی ہے۔



تقیہ وغیرہ کی وجہ سے (صافی شرح کافی) اور اس بدترین کام (قتل حسینؑ) کے مرتکب ہوئے۔ سب سے پہلے شمر ذی الجوشن... کافروں کے ساتھ باہر آیا (ابھی تک توشیحہ مومن تھے اب کافروں گئے م) امام حسینؑ کو بلانے والا شیت بن ربیع بھی چار ہزار کوفیوں پر امیر تھا (جلال العیون ص ۲۸۲) مسیب بن نجہ بھی عمر بن سعد کے ساتھ کربلا میں آیا ہوا تھا (مجالس المومنین) اور سب سے پہلے امام کا سرتن سے جدا کرنے کے لیے گھوڑے سے یہی اترا تھا۔ (خلاصۃ المصابئ) عروہ بن قیس جو امام کے پاس دھوٹی خط کھنکھنے کی وجہ سے ابن سعد کا قاصد بن کر ہندامت نہ جاسکا تھا۔ مگر امام سے لڑنے کے لیے مقابل فوج کا سردار تھا (خلاصۃ المصابئ) قیس بن اشعث فوج یزید میں شامل ہو کر حسینؑ سے لڑا حتیٰ کہ یہ ظالم بعد شہادت امام مظلوم کے جسم اظہر سے چادر مبارک بھی کھینچ کر لے گیا۔ (خلاصۃ المصابئ ص ۱۹۲)

الغرض فرزند شیعہ ابن زیاد (یہ حضرت علیؑ کا پروردہ متہد شیعہ اور آپ کی جانب سے بصرہ کا گورنر تھا) نادم زلیت حضرت علیؑ اس پر خوش رہے مگر حضرت حسنؑ کے خلع خلافت کے بعد جب یہ حضرت معاویہؓ کے ساتھ مل گیا توشیحہ نے اس کو حرامی بنا دیا۔ نامعلوم کس مصلحت سے حضرت علیؑ نے بن باپ حرامیوں کے تعاون سے حکومت کی (کے حکم سے شمر حبیبیہ شیعہ کے مشورے اور نگرانی سے شیعان کوفہ نے حضرت حسینؑ سے جنگ کی ٹھان لی تو حضرت حسینؑ کے مانتھی بربر بن حصیر نے فرمایا: کیا تم راضی نہیں ہو کہ اپنی بیت اپنے وطن واپس ہو جائیں۔ اے کوفیو! تم پر افسوس کہ تمہیں اٹھا اٹھا کر تم نے جو وعدے کیے تھے اور خلوط لکھے تھے تم ان کو بھول چکے ہو۔ تمہارے بے شرموں نے اہلبیت پیغمبر کو لکھا کہ ہمارے وطن آؤ۔ ہم اپنی جانیں فدا کریں گے۔ اب جب کہ وہ آچکے تم ان کو پانی سے بھی منع کرتے ہو اور چاہتے ہو کہ زیادہ اصل کے بیٹے کو ان پر مسلط کرو۔ تم بڑے لوگ ہو۔ خدا تمہیں قیامت میں سیراب نہ کرے (جلال العیون ص ۳۹۱)

یہاں سے یہ معلوم ہوا کہ میدان جنگ میں آپ کے مقابل اور پانی بند کرنے والے کوفی شیعہ اور شیعہ ہی تھے۔ ایس فیہم شامی ولا حجازی بل کلہم من اہل الکوفۃ (خلاصۃ المصابئ) ان تمام کوفیوں میں شامی اور حجازی ایک بھی نہ تھا، نیز یہ کہ حضرت حسینؑ



تو تین باتوں میں سے ایک پر ضرور عمل کرنا چاہتے تھے۔ ۱۔ دُشمنی میں نیرید کے پاس زندہ روانگی اور مناسب تصفیہ۔ ۲۔ آزاد علاقے میں رحلت۔ ۳۔ مکہ مکرمہ کو واپسی۔ مگر اہل لشکر نے سب درخواستیں مسترد کر دیں (طبری) اور ذلت سے سمجھتے ہوئے پر زور دیا تو آپ نے فرمایا: خدا کی قسم اپنے آپ کو تمہارے ہاتھوں میں نہ دوں گا اور کعبہ ذلیل نہ بنوں گا اور غلامانہ طور پر اطاعت کا طوق گردن میں نہ ڈالوں گا۔ (جلد العیون ص ۳۹۲۔ منتقى الآمال ج ۱ ص ۳۲۴)

اب ہر منصف مزاج سے غور کی اپیل کی جاتی ہے۔ یہ جوشیہ کا بلا سند وثبوت پر و پگنڈہ ہے کہ حضرت اسلام کی خاطر بچے ذبح کرانے کو گھر سے بھی کفن باندھ کر چلے تھے اس میں کتنی صداقت ہے۔ اگر وہ لوگ آپ کو رہا کرتے اور آپ زندہ واپس آجاتے تو کیا زندہ اسلام پھر مردہ ہو جاتا؟ اور آپ کے اہل و عیال سمیت سلامت بچ جانے پر صغیر ہستی سے مٹ جانا۔ فاجعہ و یا اولی الالبصار۔

دراصل یہ لوگ اپنے اسلاف کے ذلیل ڈرامے پر پردہ ڈالنے اور حکومت کو ہی سارا الزام دینے کے لیے یہ دروغ گوئی کرتے ہیں۔ اور عملاً اہل بیت کرام کو خاک و خون میں تر پا کر اور تر پیا دکھا کر فخر کرتے اور اپنا معاشی دگر وہی مفاد حاصل کرتے ہیں۔ ورنہ جہاں سانحہ کربلا انتہائی الم ناک داستان ہے اور اپنے اندر جبر و استقامت۔ حتی گوئی۔ تقیہ شکنی۔ جرات مندی کے علاوہ بیسیوں عبرتوں کا مرقع ہے۔ وہاں اسلام کے لیے انتہائی ناقابل تلافی نقصان ہے کہ صرف تاریخ اسلام ہی بدنام نہیں ہوئی بلکہ امت مسلمہ سبیلِ پیغمبر کے نور سے محروم ہو کر خطرناک اصولی گروں میں بٹ کر رہ گئی۔

شہادتِ حسینؑ کے نقصانات کے سلسلے میں مجلسی حضرت سجادؑ سے ترجمانی کر کے لکھتے ہیں

و کشتن او عالمیاں گمراہ شدند و دین خدا  
خارج شد و سنن رسول خدا بر طرف شد و بدع  
بنی امیہ ظاہر گردید۔ بایں جہاں مگیر است۔  
(جلد العیون ص ۱۵۳)

آپ کے شہید ہو جانے سے اہل جہاں گمراہ ہو گئے۔ اور خدا کا دین ضائع ہو گیا اور رسول خدا کی سنتیں مٹ گئیں۔ اور بنی امیہ کی بدعتیں ظاہر ہو گئیں ان وجوہ سے حضرت سجادؑ روتے تھے۔



اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سنت حضرت سیادین العابدینؑ ہی ہے کہ سانچہ کر بلا سے اسلامی نقصانات یاد کر کے غم نہ کرنا چاہیے نہ کہ سلام زندہ شد کے نعرے لگا کر فخر کے جشن جلوس نکالنے چاہیے۔

ج۔ قافلہ اہل بیتؑ بھی شیعہ کوفہ کو اپنا قاتل بتاتا ہے | حضرت امامؑ نے فرمایا۔ اے کوفہ اہل بیت پر لعنت ہو اور

تمہارے ارادوں پر۔ اے بے وفاؤ، ظالمو اور غدارو، تم نے مجبوری کے وقت اپنی مدد و نصرت کے لیے ہم کو بلایا جب ہم تمہاری بات مان کر ہدایت و نصرت کے لیے آگئے تو کینہ کی تلوار تم نے ہم پر کھینچی اور اپنے دشمنوں (آلِ زیاد) کی ہمارے خلاف مدد کی (جلال الجیون ص ۳۹)

۲۔ نیز فرمایا تم پر تلواریں ہو کیسے تم نے بغیر دشمنی کینہ اور جھگڑے کے عداوت کی تلوار انتقام کے نیام سے نکالی اور بلا سبب اہل بیتؑ کے قتل پر کمر بستہ ہو گئے۔ (ایضاً)

اس سے معلوم ہوا کہ شیعہ و ائمہ مجتہدین جو یہ جھوٹ بولتے ہیں کہ حضرت علیؑ کے ہاتھوں بدر واحد و صفین وغیرہ میں بنو امیہ کے حکماء کے قتل کے انتقام میں بنو امیہ نے اہل بیتؑ کو کر بلا میں شہید کیا۔ بالکل لٹو ثابت ہوا حضرت کو قتل کرنے والے نہ شام سے آئے ہوئے بنو امیہ تھے اور نہ وہ کسی ہمسے لڑتے تھے۔ جیسے حضرت کی تقریر سے واضح ہے۔

۳۔ بالآخر آپ نے بد عادی۔ اے اللہ زمین کی برکت کو ان سے روک لے اور ان کو منتشر کر دے۔ حاکموں کو بھی ان سے خوش نہ رکھ کیونکہ انہوں نے ہم کو مدد کے لیے بلایا تھا مگر کینہ کی تلوار خود ہمارے اوپر چلائی۔ (ایضاً)

آج شیعہ فخر سے کہتے ہیں کہ ہم تاریخ اسلام کی ہر حکومت کے مظلوم رہے ہیں اس کی اصلی وجہ حضرت کی یہ بد دعا ہے۔

۴۔ نیز فرمایا تم پر ہلاکت ہو۔ حق تعالیٰ دو دنوں جہان میں میرا بدلہ تم سے لے گا۔ وہ اس طرح کہ خود اپنی تلواریں اپنی ذاتوں پر اور مومنوں پر چلا ڈگے اور اپنا خون خود گرا ڈگے۔ اور دنیا سے نفع نہ اٹھاؤ گے اور اپنی امیدوں کو نہ پہنچو گے جب مگر آخرت میں جاؤ گے ہمیشہ کا عذاب الہی تمہارے لیے مہیا ہے اور تمہیں تو بدترین کافروں والا عذاب ہو گا (جلال الجیون ص ۹)



آج زنجیروں، پھریلوں اور تلواروں سے ماتم میں خود کو لہو لہان کرنے والے عزا داروں پر حضرت امام مظلوم کی دنیوی بددعا صادق ہوئی اور یقیناً صادق ہوئی۔ آخرت والی بھی یقیناً سچی ہوگی (اللہم آمین)

حضرت سیدین کی ان تقریروں اور بددعاؤں کو سننے کے بعد جیسی سب ظالموں نے بے دردی سے آپ کو مع اہل و عیال ذبح کر کے اسلام زندہ کر دکھایا۔ تو خاتمہ جنگ کے بعد اسی قاتل لشکر نے حضرت کے خالی گھوڑے ذوالجناح کو آگے آگے چلا کر ندامت سے رونا پھینا شروع کر دیا اور اس سطح ارضی پر سب سے پہلا یہی ماتم حسین کا جلوس تھا جس کی یاد آج بھی ان کی روحانی اولاد مناتی ہے۔

۵۔ اس جلوس کو دیکھ کر حضرت زین العابدینؑ نے فرمایا تم ہم پر پھین کرتے اور روتے ہو پس بناؤ کس نے ہم کو قتل کیا ہے (الحمد للہ ماتمی جلوس کو دیکھ کر عنہ نے فرمایا کہ انہی کو قاتل بنانے کی سنت سجادؑ پر آج اصلی ہی عمل کرتے ہیں)

۶۔ پھر حضرت زینبؑ نے بددعا دی کہ اے کوئی غدارو، مکارو تم ہم پر روتے ہو حالانکہ تمہارے ظلم سے ابھی ہماری آنکھوں کا پانی ختم نہیں ہوا اور تمہارے ظلم سے آہ ختم نہیں ہوئی تمہاری مثال اس عورت کی سی ہے جو دھاگہ کاٹ کر توڑ دیتی ہے تم نے بھی ایمانی رشتہ کو توڑ دیا اور کفر کی طرف پلٹ گئے..... آیاتم ہم پر ماتم کرتے ہو جبکہ خود تم نے ہم کو قتل کیا ہے اور ہمارے غم میں روتے ہو اللہ کی قسم یہ ہو گا کہ تم بہت رو گے اور تھوڑا ہنسو گے عیب اور ذلت کو تم نے اپنے لیے خرید لیا۔ یہ ذلت کا داغ کسی پانی (آنسوؤں) سے زائل نہ ہو گا۔ (جلال العیون ص ۲۲)

جگر گوشہ فاطمہؑ سیدہ زینبؑ مظلومہ کی بددعا اور پیشینگوئی حرف بحرف پوری ہوئی

آ رہی ہے۔

۷۔ حضرت فاطمہؑ بنت حسینؑ نے فرمایا۔ تم نے ہم کو ایسے شہید کیا اور مال و متاع لٹ کر ہم کو قید کیا جیسے کل میرے دادا علیؑ کو تم نے شہید کیا۔ ہمیشہ سے تمہاری تلواروں سے ہمارا خون ٹپک رہا ہے..... جلدی تم اپنے بدلہ کو پہنچو گے۔ تم پر ہلاکت ہو۔ منتظر ہو کہ خدا کے چرپے عذاب اور سنت تم پر برسے گی۔ آسمانی عذاب تمہارا استیصال کریں گے۔ دنیا میں اپنے کرتوتوں سے تم اپنی ہی تلواریں



اپنے اوپر چلاؤ گے اور آخرت میں عذاب الیم میں گرفتار ہو گے (جلال العیون ص ۲۵) (المحمد شدید سب کچھ بوجہ ہے م) ایرانی خونی انقلاب اور اس کا خوفناک حشر آپ کے سامنے ہے۔

۸۔ حضرت ام کلثوم بنت سیدۃ النساء نے روتے ہوئے کہا وہ سے ندا دی کہ اے اہل کوفہ تمہارا برا حال ہو۔ تمہارے منہ پر سے ہوں تم نے کیوں میرے بھائی حسین کو بلایا اس کی مدد نہ کی اسے قتل کر دیا ان کے مالوں کو لوٹ لیا اور پردہ دار حرموں کو قید کر دیا۔ تمہارے اوپر لعنت ہو تمہارے چہروں پر پھینکا ہو۔ (جلال العیون ص ۲۶)

اس پر اہل کوفہ نے ہائے کر کے (مزید) رونا پٹنا شروع کر دیا۔ حسرت کی مٹی سر میں ڈالتے اور اپنا منہ فوجتے اور ٹھانچے منہ پر لاتے اور واویلا اور ہائے تباہی کہتے اتنا روتے تھے کہ کسی آنکھ نے اتنا بڑا آنسو نہ دیکھا تھا۔ اس منظر پر مشغول ہو کر حضرت زین العابدین نے لوگوں کو خاموش کرایا اور حمد و ثنا کے بعد فرمایا۔

۹۔ اے لوگو! میں تم کو قسم دیتا ہوں کہ تم نے میرے باپ کو خط لکھے اس کو دھوکہ دیا پڑے عمد و پیمان لکھے ان کے ساتھ بیعت کی اور کاروان سے جنگ کی (ایضاً ص ۲۶)

۱۰۔ ام کلثوم بنت علیؓ نے فرمایا اے کوفیو! تمہارے مرد ہم کو قتل کرتے ہیں اور عورتیں تمہاری ہم پر روتی ہیں خدا قیامت کے دن ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کرے گا (جلال العیون ص ۲۸)

تلك عشرة كاملة۔ قارئین کرام! قافلہ اہل بیت کی زبانی ہم نے قانکوں کی نشاندہی مفصل کرادی تا کہ کسی خون آشام اہلبیت کو آج نہ انکار کی گنجائش ہو۔ تاویل کا راستہ ہو اللہ الحمد

پچوتھی بات یہ ہے کہ خود ان شیخان کوفہ نے ہم شیخان کوفہ حرم قتل کا اقرار کرتے ہیں | اقبال جرم کر کے حسرت و ندامت کے وہ خونی آنسو بہائے جن کے دھبے صفحات تاریخ سے آج تک نہیں مٹینگے۔ اوپر کے حوالہ جات کے علاوہ چند اور بھی ملاحظہ ہوں۔

۱۔ کوفیوں کی ایک جماعت ایک غلیبی آواز سے چونک اٹھی اور کہنے لگے اللہ کی قسم جو کچھ ہم نے اپنے ساتھ کیا کسی اور نے نہیں کیا۔ ہم نے جنت کے جوانوں کے سردار کو قتل کیا۔ ابن زیاد و ولد الزما کے لیے پس و ماں انہوں نے ایک دوسرے کے ہاتھ پر بیعت کی کہ ابن زیاد پر خروج کریں لیکن



اس سے فائدہ کچھ نہ ہوا (جلد العیون ص ۳۴)

۲۔ نور اللہ شوستری نے مجالس المؤمنین میں لکھا ہے کہ شہادتِ حسینؑ کے بعد شیعوں کے لیڈر سلیمان بن صرد خزاعی نے اپنے شیعوں کو جمع کر کے کہا ہم نے حضرت امام حسینؑ کو عہد و پیمان سے بلایا پھر بے وفائی کر کے ان کو شہید کیا۔ آنا بڑا حیرم معاف نہ ہو گا بجز اس کے کہ ہم اپنے آپ کو قتل کریں چنانچہ بہت سے شیعہ فرات کے کنارے جمع ہوئے اور بنی اسرائیل سے متعلقہ آیت لڑا۔

فَتَوَبُّوْا اِلٰی بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ۔  
پس تم خدا کے دربار میں یوں توبہ کرو کہ اپنے آپ کو مار دو یہی تمہارے لیے خدا کے ہاں بہتر ہے۔ اپنے اوپر منطبق کی۔ پھر ایک دوسرے کی خونریزی کی۔ کتنے قتل ہوئے اور زخمی ہوئے یہ جماعت تاریخ میں نوابین کہلاتی ہے (مناہ) ۷

صد ہاں مانوں سے جس نے کھمچے ذبح کیا۔ قتل کے بعد کوئی دیکھے نہ امت اس کی  
شیعہ کا عذر لنگ بدتر از گناہ | آئیے ذرا اس بحث میں شیعہ کا جواب اور عذر لنگ بھی معلوم کرتے ہیں۔

حال ہی میں شیخانِ پنجاب کے ایک فاضل محقق نے ”تجلیاتِ صداقت“ کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جو بزرگم خورشید شہرہ آفاق کتاب ”آفتابِ ہدایت“ مصنفہ مناظر اسلام مولانا کرم الدین دبیر مگوالی کا ۵۰ سال کے بعد جواب لکھا ہے جس میں بڑے ہاتھ پاؤں مار کر یہ سوں کی محنت و تفتیش کو ترتیب دے کر قرصہ آفتاب سے سبکدوش ہونے کی سعی لا حاصل کی ہے۔ حقائق و دلائل کا جواب ان کے بس کی بات نہیں۔ ہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی انہاج مطہرات، خلفاء راشدین اور دیگر متعلقین رسالت کو جو غلیظ گالیاں سنائی ہیں وہ قابلِ بیانی ہیں ایک شیعہ سے اس کے علاوہ اور توقع ہی کیا ہو سکتی ہے؟ مسئلہ زیر بحث میں ہم اس کتاب کے کچھ افکار آپ کے سامنے رکھتے ہیں۔

جناب محمد حسین ڈھکو صاحب نے ”برعکس نام نند زنگی کا فور“ کے مصداق قاتلانِ حسینؑ کے کسی مذہب ہونے پر پانچ تاریخی شواہد بتائے ہیں۔



۱۔ حکومتی شیعہ پارٹی، نے یزید کو مسلم کی بیعت اور عثمان بن بشیر کی مُستی کی اطلاع دی تھی۔

۲۔ ابن زیاد کے ایک قاصد نے حضرت عثمانؓ کو تقی زکی مظلوم امیر المؤمنین کہا تھا۔

۳۔ عروہ بن قیس احمسی (جس نے امام حسینؓ کو دعوتی خط لکھا تھا) نے رفیق حضرت

حسینؓ زہیر بن قین سے کہا تھا۔

”ہمارے خیال میں تم اہلبیت کے جماعتی نہ تھے آپ تو عثمانی تھے۔ زہیر نے کہا کیا تم میرے

ان کے ساتھ ہونے سے معلوم نہیں کر سکتے۔“

۴۔ نافع بن بلال حلی کے جواب میں ایک شخص مزاحم بن حرث نے انا علی دین عثمان کا نعرہ لگایا۔

۵۔ ابن زیاد نے فاتحانہ خطرہ دیتے ہوئے یزید کی تعریف کے بعد کہا و قتل الحسین بن علی و شیعتہ

خدا نے حضرت حسینؓ اور ان کی جماعت کو قتل کرادیا (طبری)، اس سے بڑھ کر اس بات کا ثبوت کیا

ہو سکتا ہے کہ امام حسینؓ کے مجاہد شہید ہونے والے شیعہ تھے اور قتل کر دیا لے وہ تھے جن کے مذہب

میں یزید حق کا علمبردار اور خلیفہ وقت تھا (تجلیات صداقت ص ۴۴)

الجواب۔ اولاً یہ نام نہاد پیچ تھی اور صرف پانچ شواہد ہی دکھا سکا۔ حالانکہ ایسے عثمانی

پانچ نہیں بلکہ ۵۰ اور ۵۰۰ بھی حضرت حسینؓ کے مقابل ثابت کر دکھائے جائیں تو علامہ مجلسی اور شیخ

عباس قمی وغیرہ کی تحقیقات مذکورہ کی روشنی میں جواب نہیں بن سکتا کیونکہ جب مقابل امام

بڑی اکثریت بلانے والے شیعہ اہل بیت ہی کی تھی۔ قافلہ اہلبیت نے ان کو ہی قاتل و غدار بتایا جیسے

تصریحات پھر ملاحظہ ہوں۔ تو پھر عذر گناہ بدتر از گناہ کا کیا معنی۔ زہیر بن قین واقعی مخلص

عثمانی مسلمان تھا۔ شیعہ کی سیاست سے اسے تعلق نہ تھا لیکن جب اس نے شیعان کوفہ کی غداری

دیکھی تو حضرت عثمانؓ سے محبت کے باوجود حضرت حسینؓ مظلوم کے ساتھ مل گیا۔ جیسے خود حر بن یزید

عثمانی ہو کر شیعان کوفہ کے دعوتی خطوط سے بے خبر تھا۔ پھر جب اسے اس شیعہ دھوکہ کا علم ہوا تو

وہ حسینؓ کا ساتھی اور اپنے لشکر کا مخالف بن کر ان کے ہاتھوں شہید ہوا تو عثمانی اور حسینؓ کا جماعتی

ہونے میں تضاد نہیں ہے۔

ثانیاً۔ چونکہ شیعہ سیاسی پارٹی کو کہتے ہیں۔ جہاں سیاسی جماعت میں شیعہ علیؓ کی اصطلاح

پہلی وہاں حضرت معاویہؓ و عثمانؓ کے حامیان قصاص کو بعض دفعہ شیعہ معاویہ و عثمانؓ کہا جانے



لگا۔ جیسے پیلز پارٹی، نیشنل عوامی پارٹی کی آج کل اصطلاح ہے۔ اس معنی میں شاید ایسی حکومت کے طرفداروں کو شیعہ سے تیرید نے تعبیر کیا ہے اور اس معنی میں حضرت حسینؑ کے ساتھیوں پر شاید ۵ میں ابن زیاد نے شیعہ کا لفظ بولا ہے۔ ورنہ تو نیرید کے حامی اصطلاحی شیعہ تھے اور نہ حضرت حسینؑ کے ساتھی اصول و فروع میں مسلمانوں سے الگ مخصوص شیعہ مذہب رکھتے تھے۔ اس حقیقت کو نظر انداز کر کے ابن زیاد کی زبانی شیعہ کے لفظ سے اصحاب حسینؑ کو مخصوص شیعہ رافضی ثابت کرتا اور شیعہ اہل بیتؑ کہلانے والے لشکرِ مقابلِ امام کو صرف تین آدمیوں کے عثمانی ہونے پر سنی الخدیب ثابت کرنا خالص سنیہ زوری اور حقائق کا منہ چڑھانا ہے۔ حالانکہ آپ کا سر قلم کرنے والا شیعہ عقیدہ رکھتا تھا۔

سنان سر مبارک کشید امیکرد و میگفت  
سنان حضرت حسینؑ کا سر مبارک جدا کرتے وقت  
کہ سر ترا جدا میکنم و میدانم کہ تو فرزند رسولی  
یہ کہہ رہا تھا کہ میں تیرا سر جدا کر رہا ہوں حالانکہ  
و مادر و پدر تو بہترین خلقند (جلال العیون)  
اعتقاد رکھتا ہوں کہ تو رسولِ خدا کا فرزند ہے  
اور تیرے ماں باپ سب خلائق سے افضل ہیں۔

اب بتلائیے کیا یہ خالص شیعہ بنیادی عقیدہ نہیں ہے کہ حضرت فاطمہؑ و علیؑ تمام خلائق سے افضل ہیں۔ اہل سنت کا تو نہیں۔ ان کے ہاں سب سے افضل انبیاء علیہم السلام ہیں اور حضرت علیؑ و رجب چہارم میں سب امت سے افضل ہیں اور بنو امیہ تو بیٹی کی اولاد کو فرزند کا درجہ نہیں دیتے تھے۔ شیبہ بن رجب کی شیعیت کسے معلوم نہیں۔ صفین میں حضرت علیؑ کا سفیر خاص تھا۔ حضرت حسنؑ کے ساتھ تھا۔ اب حضرت حسینؑ کو بلانے والا تھا۔ مگر امام کے مقابل... ہم کے لشکر پر امیر بن کر آیا تھا (جلال العیون) اور سب سے پہلے امام کا سر تن سے جدا کرنے کے لیے گھوڑے سے بھی اتر اٹھا۔ (خلاصۃ المصاب ۳۲)

حضرت حسینؑ کے سالے قیس بن اشعث کا شیعہ کسے معلوم نہیں اس نے لڑائی کے بعد جب اظہر حسینؑ سے چادر بھی چھین لی۔ (خلاصۃ المصاب ۱۹۲)  
امام کے بالمقابل صرف وہی بے حیا کوفی تھے جنہوں نے نامہائے پردغا جنابِ امام حسینؑ کو لکھے تھے۔



۷ نہ تم صدمے ہمیں دیتے نہ ہم فریادیوں کرتے۔ نہ کھلتے راز سر بستہ نہ یوں روایاں تو ہیں۔  
 اہل کوفہ کا شیعہ | ”اہل کوفہ کے شیعہ پر تبصرہ“ کے عنوان میں محمد حسین صاحب لکھتے ہیں۔

”اس میں کوئی شک نہیں کہ جناب امیر علیہ السلام نے کوفہ کو دار الخلافت قرار دیا اور وہ شیعیان علیؑ کا مرکز سمجھا جاتا تھا۔ مگر یہاں دو باتوں کا لحاظ ضروری ہے۔ ایک یہ کہ اس دور میں بالعموم جو لوگ شیعیان علیؑ کہلاتے تھے۔ وہ صرف اس معنی کے اعتبار سے شیعہ تھے کہ معاویہؓ کے مقابلے میں حضرت علیؑ کے ساتھ تھے۔ ورنہ حقیقی معنوں میں وہ شیعہ نہ تھے بلکہ جناب امیر کو چوتھا خلیفہ تسلیم کرتے تھے (نہ خلیفہ بلا فصل) ایسے لوگوں کی تعداد بہت ہی قلیل تھی جو صحیح معنوں میں شیعہ علیؑ تھے وقلیل من عبادی الشکور (تجلیات صداقت ص ۵۴)

سبحان اللہ ایوں تو شیعوں کی چالاکی اور فخر سے کہتے ہیں کہ ہمارے مذہب کی ابتدا امام اول حضرت علیؑ نے وفات نبوی کے بعد خالی۔ مگر جب ”قاتل حسینؑ“ ہونے کی تلوار سر پر پڑی تو فوراً مرکز خلافت علوی کے پاس بان خاص شیعیان علیؑ کو بھی خلیفہ چہارم ماننے والے اور خلیفہ بلا فصل کے منکر تسلیم کیا۔ شتر مرغ کی مثال اس پر صادق آتی ہے۔ اگر واقعی شیعیان علیؑ سیاسی طور پر حریف معاویہؓ اور حامیان علیؑ ہو کر آپ کو خلیفہ بلا فصل نہیں بلکہ خلیفہ چہارم مانتے تھے تو اظہر من الشمس ہو گیا کہ رافضی فرقہ شیعہ جو اصول و فروع میں مسلمانوں سے الگ مذہب رکھتا ہے بہت بعد کی پیداوار ہے۔ حضرت علیؑ و حسنؑ و حسینؑ رضی اللہ عنہم کا یہ مذہب ہرگز نہ تھا۔ نہ ان کے شیعوں اور پیروکاروں کا۔ اور نہ ان ائمہ نے خلافت بلا فصل کی ان کو تعلیم دی تھی۔ ورنہ وہ آپ کو چوتھا خلیفہ ماننے کے بجائے خلیفہ بلا فصل مانتے۔ ائمہ کی شاگردی کے بعد یہ گمراہی کیوں؟ اس اعتراف حقیقت کے بعد صحیح معنوں میں شیعہ علیؑ کی بہت قلیل تعداد ہونے کا دعویٰ مضحکہ خیز ہی ہے آیت وقلیل من عبادی الشکور کو ہر گمراہ اقلیت پڑھتی ہے۔ وجہ ترجیح بونی چاہیے۔ وہ قلیل صحیح معنوں میں شیعہ وہی نہ ہوں جو حضرت علیؑ کو مشکل کشا، خات روا۔ عالم الغیب۔ مختار کل۔ پیکر انسانی میں نور خدا (یعنی اللہ) مانتے تھے۔ اور شتر۔ انہی نفر تھے۔ حضرت شیر خدا نے گڑھے کھود کر زندہ جلا دیا تھا (رجال کشی ص ۷۲)



دوسری بات کے سلسلے میں کہتے ہیں۔ دوسرے شیخان کو فہم ہے کچھ بھی تھے معاویہ کو ان سے  
اصلی بعض تھا کہ انہوں نے اس کے مقابلے میں حضرت علیؑ کا ساتھ دیا تھا۔ چنانچہ جب معاویہؓ  
کو اسلامی ممالک پر تسلط ہوا اور اس نے نامعلوم باپ کے بیٹے زیاد کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا تو اہل  
کوفہ پر مظالم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ کان انشد الناس بلاء، حیث ان اهل الكوفة۔ پھر شیعہ  
پر مظالم کی وضعی کہانی کھنے کے بعد کہتے ہیں۔ ان حالات میں بھلا کوئی عقل سلیم رکھنے والا  
شخص ایک لمحہ کے لیے بھی باور کر سکتا ہے کہ میں ہزار کا لشکر تیار رہا ہے نصرتِ امام، شیخان  
کوفہ سے تیار کیا گیا تھا۔ پھر دعوتی خطوط کھنے والوں کو بھڑچال سے تشبیہ دیتے ہوئے اور  
آل زیاد کے مظالم کا ورد کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں ”کوفہ میں ۱۸ ہزار کی تعداد میں کیا شیعہ ہو سکتے  
تھے ہرگز نہیں کسی آدمی کے اپنے تئیں شیعہ ظاہر کرنے سے وہ حقیقی شیعہ نہیں بن جاتا یہی وجہ ہے کہ  
امام کو بھی ان تمام پر اعتماد نہ تھا۔ جب ہی تو جناب مسلم کو جانچ پڑتال کے لیے روانہ کیا۔ (تجلیات)  
واہ واہ! کس چالاک اور سخن سازی سے اہل کوفہ کے تشیع کا انکار کیا جا رہا ہے۔ اسے کہتے  
ہیں ڈوبتے کو تنگے کا سہارا۔

جناب مناجیب شیعہ کہلاتا صداقت کی دلیل نہیں۔ نہ اپنے تئیں شیعہ ظاہر کرنے سے کوئی  
حقیقی شیعہ بن جاتا ہے تو پھر شیعہ کہلاتے کیوں ہو؟ شیعہ کہلا کر وہ بندی کی تاسیس و تعمیر  
کیسے؟ ظاہر و باطن میں اہل بیت کی اتباع کر کے قبیح اہل بیت کیوں نہیں کہلاتے۔ اگر حضرت علیؑ  
وحسینؑ کے اصحاب۔ ان کے مقتدی، شاگرد و طرفدار بن کر آل زیاد کے ظلم و ستم کا نشانہ  
بن کر بھی کوئی حقیقی شیعہ نہیں بن سکتا۔ تو آج کل ظاہر شریعت جعفری کے بھی تارک صرف عشرہ  
محرم میں ماتمی رسوم اور سیاہ پوشی کی وجہ سے شیعہ علیؑ کہلانے والے کیسے حقیقی شیعہ ہیں؟ ماتمی  
محافل و جلوسوں کا یہ انہوہ کثیر بقول شمار بھڑیا دھیان، اور جدھر ایک چلا ادھر سب کا مصداق  
کیوں نہیں؟ کیا ان میں اور قرن اول کے شیخان علیؑ و حسینؑ میں یہی فرق ہے کہ یہ دھند  
حاضر کے شیعہ، قرآن کی تحریف اور گہمی پیشی کے قابل۔ ائمہ اہل بیت کو حضور کے درجہ و منصب  
میں شریک بنانے والے۔ اہمات المؤمنین اور خلفائے ثلاثہ پر تبرک کرنے والے اور صحابہ کرامؓ نیز تمام  
امت محمدیہ کو اپنے سوا دائرۃ ایمان و نجات سے خارج مانتے ہیں اور وہ اصحاب ثلاثہؓ کو بالترتیب



برحق خلفاء تسلیم کرتے۔ حضرت امیر کو خلیفہ بلا فصل کے بجائے راجع تسلیم کرتے تھے اور امیر  
 مساویہ اور آپ کی آل کو خلافت کا مستحق تسلیم نہیں کرتے تھے اور حمایت اہل بیت کرتے تھے۔  
 جب یہ حقیقت ہے تو ہم بعض مسائل میں اختلاف کے باوجود حضرت علی و حسینؑ کے شیعہ اولیٰ کو  
 اپنا دینی بھائی اور مسلمان تصور کرتے ہیں۔ صدیوں بعد کی پیداوار و روافض کو نہیں مانتے۔

**عذر و نفاق کی اہم وجہ** | اہل حق کے ساتھ اس قرب کے باوجود اہل بیت کے ساتھ ان کی  
 غداری اور بے وفائی کی وجہ صرف یہ ہے کہ ان میں غالب عنصر  
 نو مسلم یہود و مجوس کا منافقانہ رنگ میں آگیا۔ جن کا مقصد وحید تشیع اور سیاسی اختلافات  
 کی آڑ میں مسلمانوں کے ملی اتحاد و اتفاق کو توہ و بالاکرنا تھا۔ شہادت عثمان ذی النورین حادثہ  
 جل و صفین و نہروان انہی کی سازشوں کا نتیجہ ہے۔ وہ جب علیؑ نہیں بعض مساویہ کے تحت مسلمانوں  
 کے خون سے ہولی کھیتے تھے۔ حادثہ کربلا کے بعد بھی وہ اسی لیے متمنی تھے۔ ظاہر ہے کہ جب اہل بیت سے  
 محبت ان کے کمالات کی وجہ سے نہیں محض حضرت عثمانؓ۔ مساویہ اور یزید کے مقابل مستحق خلافت  
 ہونے کی وجہ سے عقیدت ہو تو یہ مقادرات کے تحت سیاسی محبت ہی رنگ لاتی ہے۔ نہ ادھر نہ ادھر  
 اس میں وفاداری کیسی؟ لہذا ہم ناجی مطالعہ میں بیابان گاہ اور علیؑ وجہ البصیرت کہتے ہیں کہ شیعہ علیؑ  
 وجہ اہلبیت کے دعویٰ کے ساتھ جو تحریک بھی اٹھی اور جو گروہ بھی آگے بڑا وہ بالآخر غدار ہو کر  
 ناکام ثابت ہوا۔ قدرت نے وفاداری کا مادہ ہی سلب کر لیا۔ یہی آئمہ کی تاریخ اس پر گواہ ہے  
 آج شیعہ لاکھوں کروڑوں ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں مگر اپنے امام عصیٰ علیہ السلام و وفا کا تصدیق  
 نامہ تو لا کر دکھائیں۔ وہ تو ۱۲۰۰ سال سے نامعلوم غار میں ۳۱۳ مخلص مومنوں کی انتظار میں  
 ہیں۔ مگر افسوس تاہنوز۔ ایران حبشی مستقل شیعہ ریاست اور خمینی کے اقتدار ہونے کے باوجود۔  
 ۳۱۳ مومن کامل بھی پیدا نہ ہو سکے اور نہ امام کو یہ یقین ہے کہ میرے ظاہر ہونے سے دار الخلافہ طہران  
 مجھے بل جائے گا۔

آخر میں ”لموہ فکر یہ“ کے عنوان سے محقق صاحب کا وہ بڑا جھوٹ بھی ملاحظہ ہو جس سے  
 شیعہ اور کربلا کی ارجح مقدمہ کو بھی اذیت ہوگی۔  
 یہاں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ان خطوط نگہنے والوں میں جو بعض لوگ واقعی



شیدہ تھے۔ ان میں سے کسی ایک شخص کی موجودگی بھی واقعہ کر بلا میں امام کے مقابلہ پر ثابت نہیں ہے۔ بلکہ ان میں سے بعض (جیسے حبیب بن مظاہر، سعید بن عبداللہ، عبدالرحمن بن عبداللہ و امثالہم) امام کے ہجر کا بھوکا شہید ہوئے۔ اور دوسرے بعض بعض موانع و عوائق کی وجہ سے نصرتِ امام کا فریضہ ادا نہ کر سکے۔ اور بعد میں انتقامِ امام کے جذبہ سے سرشار ہو کر اٹھے اور توابعین کہلائے (تجلیاتِ صداقت ص ۵۴۹)

قارئین! چند ورق پچھے الٹ کر حضرت حسینؑ کے لشکر مقابل سے مکالمے اور خطوط کے حوالے نام بنام ان کو پکارنا اور شیش بن رجبی۔ حجار بن ابجر جیسے لوگوں کو شرمندہ کرنا اور بد دعائیں دینا ملاحظہ کر کے "محقق فاضل کو دروغ گوئی پر داد و تحسین دیں" چہ دلا دراست دزدے کر بکف پتراج دارو۔

محقق صاحب حقیقی تشیع کی کوئی پہچان اور علامت تو بیان کر دیتے۔ "توابعین" کا لفظ ہی ان کو مجرم ثابت کر رہا ہے۔ وہ خود قتل کا اعتراف کر رہے ہیں۔ اپنے آپ کو قتل اور خون ریزی کرنے کے باوجود مجلسی صاحب فائدہ بخشد (یعنی گناہ معاف نہ ہوا) کا فتویٰ لگا چکے ہیں۔ پھر بھی ان قاتلِ امام شیدہ کو لعنت کرنے کے بجائے لمن ملعن سے بچاتے ہوئے بعض موانع و عوائق کا عذر کرنا اور بعض اعتبار سے مجبور و محصور ماننا فرقہ بندی کی بدترین مثال ہے۔ ان مجرموں سے محض رشتہ تشیع کی وجہ سے فریضہ دفاع ادا کر کے حضرت امام عالی مقام کو سلطانِ المحققین صا نے کیا انتہائی دکھ نہیں پہنچایا؟ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

اہل سنت نے امام کی نصرت کیوں نہ کی؟ | اب سوال کا آخری جز قابلِ جواب ہے کہ اس وقت کروڑوں اہل سنت نے امام

کی نصرت کیوں نہ کی۔ یہاں مترض نے پہلی صدی میں ہی کروڑوں اہل سنت کا وجود تسلیم کر کے ان کی قدامت و صداقت اور مذہبِ شیعہ کے جدید و بدعت ہونے پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔ والفصل ما شہدت بہ الاعداء۔

رہا یہ امر کہ اہل سنت نے نصرت نہ کی۔ تو وضاحت یہ ہے کہ کوفہ شیعستان تھا۔ ملا نور اللہ شوتری رقمطراز ہیں۔



وبالجملة تشیع اہل کوفہ حاجت باقامت  
دلیل ندارد و سنی بودن کوفی الاصل محتاج  
بدلیل است اگرچہ ابو حنیفہ کوفی باشد۔  
(مجلس المؤمنین ص ۵۴) بیان کوفہ۔

خلاصہ یہ کہ تمام اہل کوفہ کاشیجہ ہونا دلیل دینے  
کا محتاج نہیں ہے اور کوفی الاصل کاشی ہونا  
دلیل کا محتاج ہے اگرچہ امام ابو حنیفہ کوفی  
ہو۔

جب آپ لوگ کوفیوں کو سنی مانتے ہی نہیں پھر نصرت کا سوال کیا؟ اگر اپنی کتب سے  
خالص الاعتقاد سنی ثابتیں تو جواب دیا جائے گا۔ بروایت مجلسی در جلاء العیون ص ۳۷۷ ایک لاکھ  
تواریخ جمہا کر کے حکومت کے لیے آپ کو بلانے والے شدید پر یہ یقین نہ تھا کہ وہ خود ہی امام مظلوم  
کو شہید کر کے اسلام زندہ کر دکھائیں گے۔ سب حضرات اہل مکہ نے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کئی صاحبزادوں  
اور دامادوں نے آپ کو کوفہ جانے سے روکا جسکی تفصیل جلاء العیون ص ۳۶۸ تا ۳۷۲ پر ہے اور  
نام ہم شروع بحث میں ذکر کر چکے ہیں۔ مگر حضرت جانے پر اصرار کرتے رہے۔ حضرت عبداللہ بن جعفر  
نے اپنے دو صاحبزادوں کے ذریعے حاکم مکہ عمر بن سعد سے امان نامہ لکھوا کر حضرت کو دیا اور حاکم  
مدینہ ولید نے از خود ابن زیاد کو لکھا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ تیری طرف آرہے ہیں وہ رسول خدا کی صاحبزادی  
کے ولید ہیں ان سے نہ الجھتا اور اسے کوئی تکلیف نہ پہنچانا۔ مگر اس خط کا اس پر اثر نہ ہوا۔  
(جلاء العیون ص ۳۷۲)

اس قدر ہمدردی اور سد باب کے باوجود بھی بطور احتیاط سنی اہل مکہ نے ۵۰-۶۰ کے  
لگ بھگ نوجوان حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ کر دیے جنہوں نے کبھی شہید ہونے کا دعویٰ نہیں کیا مگر  
آخر دم تک شرط وفاداری میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ شہید ہوئے۔ اہلسنت کے آرگن النجم  
لکھنؤ کے کر بلا ممبر میں شہداء و کربلا کی فہرست ۱۰۵ انفرادی ہے جن میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ ۲۰  
عدد ان کے اعزہ کے نام ہیں۔ مثلاً ابوبکر بن حسن۔ عمر بن حسن۔ ابوبکر۔ عمر عثمان صاحبزادگان علی  
رضی اللہ عنہم) باقی ۸۵ عدد بخیر اہل بیت ہیں۔ ان میں حبیب بن مظاہر۔ سعید و عبدالرحمن بن  
عبداللہ کوفہ کے چند حضرات ہیں باقی سب سنی الاصل مکی ہیں۔ اور انصار صحابہ و تابعین کی اولاد  
ہیں۔ مثلاً محمد بن مقداد انصاری۔ سیف بن مالک انصاری۔ محمد بن انس انصاری۔ قلیس بن  
ربیع انصاری۔ عامر بن مسلم جوہر بن مالک۔ فرغانہ بن مالک نعیم بن عجلان۔ ابو ثمامہ۔ عمار بن



ابی سلامت شیب بن حارث۔ مالک بن سرلیج۔ عمار بن حسان۔ ذبیر بن حسان۔ حماد بن النضر۔ وقاص  
بن مالک۔ خالد بن عمر۔ نوح بن عبد اللہ عابدی وغیرہم ہیں۔ (کذا فی النجم کتب و باب محرم ۱۲۵۶)  
اس کھلی حقیقت کے باوجود شیعہ کے عناد اور کتمانِ حق۔ جو ان کے ہاں بڑی عبادت ہے،

کایہ عالم ہے کہ ان بزرگوں کا نام لینا ہی شیعہ ذاکرین گناہ سمجھتے ہیں۔ کوفہ شیعستان ہونے کی وجہ  
سے اہل سنت کی نصرت کایہاں سوال نہ تھا۔ ہاں جب قافلہ اہلبیت شہر دمشق میں پہنچا تو وہاں  
صدر مد سے ہر آنکھ اشکبار تھی۔ خود یزید نے شیعہ کی بڑی عبادت ماتم۔ جس کے ایک قطرہ آنسو سے  
سب صفا کر دیا اور صاف ہو جاتے ہیں۔ (جلد ۱۱ العیون ص ۲۳) ادا کی۔ طمانچہ بربر و کئے خود زرد  
گر سیت۔ منہ پر طمانچہ مار کر رونے لگا۔ حضرت حسینؑ کا سر لانے والے قاتل کو قتل کر دیا (جلد ۱۱  
العیون ص ۲۴) ابن عباسؓ پر لعنت کی اور انعام کے لالچیوں کو پھٹکار کا تمغہ دیکر دھتکار دیا۔ پھر  
اہل بیت سے حسن سلوک کرنا۔ ان کو بکر کا غم نکالنے کی پوری اجازت دی۔ حضرت زین العابدینؑ  
کو کئی دن تک اپنے ساتھ شاہی دربار میں پر کھانا کھلاتا رہا۔ آٹھ دن گزرنے کے بعد سب اہلبیتؑ  
کو بلایا اور صافی چاہتے ہوئے شام میں ٹھہرنے کی درخواست کی۔ حضرت زینؑ خواہر حسینؑ تو وہیں  
رہ پڑیں اور وہیں وفات پائی اور شام میں آج تک ان کا مزار مرجع خلائق اور زیارت گاہ اناام ہے۔  
باقی قافلہ کی روانگی کے لیے خوبصورت کباوے تیار کرائے اور ان کو سفر خرچ دیا۔

”حضرت زین العابدینؑ کی طلب پر حضرت حسینؑ کا سر مبارک ان کو دے دیا۔ کوفی غنڈوں  
کے ہاتھوں لوٹے ہوئے سب مال کی ادائیگی کی اور وہ کپڑے بھی لوگوں سے وصول کر کے ادا کئے  
جو حضرت فاطمہؑ نے خود سوت کات کر بنوائے تھے۔ مستورات کے برقعے لباس اور ہار وغیرہ لوٹا  
واپس کرائے پھر دو صد سونے کے دینار حضرت زین العابدینؑ کو دیئے۔ حضرت نے وہ قبول کر کے  
فقرا و پر تقسیم کر دیئے۔ پھر نزدینے دمشق ٹھہرنے کا اختیار دیا۔ حضرت نے مدینہ واپسی کو ترجیح  
دی۔ (جلد ۱۱ العیون ص ۲۴)

شیخ مفید اور دیگر شیعہ مورخین کی روایات کے مطابق یزید نے حضرت نمان بن بشیرؑ  
صحابی کو بلا کر کہا کہ اہل شام کے نیک با اعتماد اور امین و دین دار آدمی کو اس قافلہ کے ساتھ  
مدینہ بھیجو۔ ایک روایت کے مطابق نمانؑ کو ہمراہ کیا۔ پھر امام زین العابدینؑ کو بلایا اور لوگوں



کی ملامت اٹھانے کے لیے کہا۔ لعنت ہو خدا کی ابن مر جانہ پر۔ اللہ کی قسم اگر میں اس کی جگہ ہوتا تو امام حسینؑ جو کچھ مجھ سے مانگتے ہیں دے دیتا اور ان کے قتل پر ہرگز راضی نہ ہوتا۔ اسے زین العابدینؑ ہمیشہ مجھ سے خط و کتابت کرتے رہنا اور اپنی ہر ضرورت مجھے بکھنا کر پوری کی جائے گی پس جس آدمی کو ہماری قافلہ کے لیے تیار کیا تھا اسے بلا کر اہل بیت کے حق میں حسن سلوک کی خوب تاکید کی۔ (جلال العیون ص ۵۵)

سنی مورخین نے بھی بالکل اسی طرح لکھا ہے۔ غالباً یہ اسی حسن سلوک کا اثر تھا کہ جب اس حادثہ کے تین سال بعد ۶۲ھ میں یزید کے فتنے کی افواہ اڑنے پر اہل مدینہ نے بغاوت کر دی تو حضرت زین العابدینؑ نے اس میں کچھ حصہ نہیں لیا بلکہ اپنے متعلقین کو حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی طرح سختی سے روکا۔ یزید کی فوجوں کو بھی یہی حکم تھا چنانچہ انہوں نے حضرت سجادؑ و خاندان اہل بیتؑ سے کچھ نہیں کیا۔

گوشیہ مولفین نے اس قصہ کو یوں مسخ کر کے پیش کیا ہے کہ حضرت نے یزید سے قتل کے ڈر سے خود کو یزید کا غلام کہا۔

فقال له علی بن الحسین قد اقردت لك ما سالت انا عبد مکزہ فان شئت فامسک وان شئت فبع (روضہ کافی ص ۲۳۵ ط ایران)

حضرت علی بن حسینؑ نے فرمایا جو چیزیں تو مانگتا ہے میں نے ان باتوں کو تسلیم کر لیا۔ میں تیرا مجبور غلام ہوں تو چاہے تو اپنے پاس رکھ اور چاہے تو بیچ دے (العیاذ باللہ)

ہمیں اس سے انکار نہیں کہ کچھ حاطب الیسیؓ مورخین کے بیان کے مطابق یزید نے سر مبارک کے ساتھ بے حرمتی کی اور مخدرات عصمت کے ساتھ نامناسب مکالمہ بھی کیا قطع نظر اس کے ثبوت و عدم ثبوت کے یہ ایک حقیقت ہے کہ یزید نے حضرت حسینؑ کے قتل کا صریح حکم ہرگز نہیں دیا۔ صرف نئے گورنر کا تقرر، اہل کوفہ کی بغاوت فرو کرنے کا حکم یا بصورت انکار بیعت حضرت حسینؑ کو زندہ اپنے پاس پہنچانے کا حکم مورخین نے لکھا ہے۔ ہر حکومت اپنی مخالفت کو روکنے کے لیے ایسے حکام دیتی ہے خواہ مقابلے میں کوئی کبھی ہو۔ اسے قتل امام حسینؑ کے متعلق منطقی نہ تھا۔ مولانا مبین الدین شاہ ندوی تاریخ اسلام ج ۱ ص ۳۶۸ پر رقم طراز ہیں۔



”یہ حادثہ عظمیٰ یزید کی لاعلمی میں اور نجس اس کے حکم کے پیش آیا تھا کیونکہ اس نے صرف بیت لینے کا حکم دیا تھا لڑنے کی اجازت نہ دی تھی۔ اس لیے جب اس کو اس حادثہ کی اطلاع دی گئی تو اس کے آنسو نکل آئے اور اس نے کہا ”اگر تم حسین کو قتل نہ کرتے تو میں تم سے زیادہ خوش ہوتا۔ ابن سمیہ (ابن زیاد) پر خدا کی لعنت ہو اگر میں موجود ہوتا تو خدا کی قسم حسین کو محافظ کر دیتا۔ خدا ان پر اپنی رحمت نازل فرمائے (بحوالہ طبری ج ۷ ص ۲۷۵ و اخبار الطوال ص ۳۷۲) انرض یزید حضرت امام حسینؑ کے قتل پر راضی نہ تھا اس نے اہل بیت کے ساتھ ہر ممکن عمدہ سلوک کیا۔ لیکن اس کے عہد میں اہل بیت کی پامالی ہوئی۔ خاندانِ رسول کے ساتھ شدید ظلم و تشدد ہوا اور ان کی ناقابلِ تلافی بے ہمتی ہوئی۔ اس حسن سلوک کے باوجود اہل بیت کی عزت کا مداوا اور بدنامی کا ازالہ کسی صورت سے نہیں ہو سکتا۔ یزید کی حرافت اور ابن زیاد کی رعوت و کشتی نے ملتِ اسلامیہ کی وحدت کو اور عزتِ اہل بیت کو پارہ پارہ کر کے رکھ دیا۔ ہم دفاع یا طعن کے بجائے معاملہ خدا کے سپرد کرتے ہیں۔ جو ہر سنی اور صالح کو بدلہ دے گا۔“

انرض قافلہ اہل بیت نے مدینہ ہی میں سکونت اختیار کی یہاں کسی کی طرف سے اہل بیت کو گزند نہ پہنچا۔ کیا اہل مکہ و مدینہ یعنی اہل سنت سے بچ کر بھی اہل بیت کے لیے کوئی محسن و خیر خواہ ہوا ہے؟ آخر حضرت حسنؑ حسینؑ زین العابدینؑ محمد باقرؑ و جعفر صادقؑ (رحمہم اللہ) نے مسکنِ مدینہ عراق و کوفہ چھوڑ کر مدینہ کی رہائش کیوں اختیار کی تھی؟ مکہ و مدینہ کے مراکزِ اہل سنت ہونے پر قاضی نور اللہ شوشتری کی شہادت ملاحظہ ہو۔

اما مکہ و مدینہ محبت ابو بکر و عمر برائتیاں  
مکہ اور مدینہ والوں میں حضرت ابو بکر و عمرؓ  
غالبست (مجالس المؤمنین ص ۵۵ حال کوفہ)  
کی محبت کا غلبہ ہے۔ (ان کو ہی افضل مانتے ہیں۔)

یہاں شیخین کی محبت غالب کیوں نہ ہو۔ امام الانبیاءؑ کا مولد، مسکن و ماویٰ ہیں۔ پانی کی جگہ نمناک، آگ جلنے کی جگہ گرم ہوتی ہے۔ سایہ میں ظلمت اور دھوپ میں نورانیت ہوتی ہے۔ صداقتِ اہل سنت پر اس سے بڑھی شہادت کیا چاہیے؟

سوال ۷۔ اگر حضرت علیؑ کا حکومتِ وقت سے اختلاف نہ تھا تو ان عینوں حکومتوں



کے دور میں کسی جنگ میں شریک کیوں نہ ہوئے جب کفار سے جنگ کرنا بہت بڑی عبادت و سعادت ہے۔ اور اگر کثرت افواج کی وجہ سے ضرورت محسوس نہ ہوئی تو جنگ جہل و صفین میں بنفس نفیس کیوں ذوالفقار کو پیام سے نکال کر میدان میں اتارے۔ کیا خالد بن ولید حضرت علیؑ سے زیادہ شجاع تھے؟ یا حکومت وقت کے ساتھ حضرت علیؑ کے تعلقات اچھے نہ تھے کہ سیف اللہ کا خطاب خالد بن ولید کو بل گیا نیز تعلقات اچھے ثابت کرتے ہوئے تاریخ طبری سے جو دو مکالمے مولانا شبلیؒ نے کتاب الفاروق ص ۲۸ پر نقل کیے ہیں پیش نظر ہیں۔ انصاف سے یہ دونوں مکالمے جو حضرت عمرؓ اور عبداللہ بن عباسؓ کے مابین ہیں پڑھ کر فیصلہ صادر فرمائیں۔

الجواب۔ یہ سوال بناتے وقت شدید متعرض اپنی عقل کو کبھی کھو بیٹھا ہے کہ متواتر حقائق کا انکار کر رہا ہے۔ خلفائے ثلاثہؓ کے ساتھ حضرت علیؑ کے بہتر تعلقات تاریخی حقیقت ہیں۔ شدید اگر منکر ہیں تو تاریخی طور پر ان کو وہ واقعات بتانے چاہیں جن میں طرحتہ حضرت علیؑ نے خلفاء پر تنقید کی ہو یا ان سے الگ ہوئے ہوں جب ایسا ثبوت ناممکن ہو تو پھر شدید کا حسن تعلقات کا مطالبہ ہم سے ایسا ہی ہے جیسے کوئی اندھا دوپہر میں سورج کے وجود پر دلیل مانگے۔ ظاہر ہے کہ جب اندھا دیکھ ہی نہیں سکتا ہم اسے سورج کا وجود کیسے باور کرائیں گے بعینہ خلافت راشدہ کی پوری تاریخ کے مطالعہ میں جب شیوہ کو اچھے تعلقات نظر نہیں آتے تو کیا ہمارے دو چار واقعات بکھوینے سے وہ مان لیں گے۔

حضرت علی المرتضیٰؑ: لَوْ قَرَأْتِي وَأَمْسَرُهُمْ شَوْرَىٰ بَيْنَهُمْ وَأَنْ مَسَاكُونَ كَ  
 معاملات باہمی مشورے سے ہوتے ہیں) کے تحت ان کی شوری کے مشیر اور نمبر تھے۔ عدلیہ کے معتبر قاضی تھے۔ ان کی غیر موجودگی میں نیابت و وزارت کے فرائض سرانجام دیتے تھے۔  
 خلفاءؓ کی کسی پالیسی اور امر و نہی سے اختلاف نہ کرتے۔ بہت سے مسائل میں مفید مشورے دیتے جو عموماً قبول کر لیے جاتے۔ خلفاءؓ سے عطایا اور تنخواہیں وصول کرتے بلکہ ذریعہ حاش بھی تھا۔ حضرت حسینؑ کے لیے ایرانی باندی شہر باتو قبول کر کے سب سادات کی ماں بنا دیا۔  
 حضرت علیؑ نے اپنی لخت جگر ان کو بیاہ کر دے دی۔ اگر تہی دختر لثمان داد ولی دختر سمیرہ  
 فرستاد و عباس المؤمنین ج ۱ ص ۲۸۱



ان امور کی تفصیل اسی کتاب الفاروق سے واضح ہو جس سے طاعن نے یہ سوال  
اختراع کیا ہے۔

۱۔ حضرت علیؓ مجلس شوریٰ کے مجبر تھے۔ علامہ شبلیؒ لکھتے ہیں مجلس شوریٰ کے تمام اراکان  
کے نام اگرچہ ہم نہیں بتا سکتے تاہم اس قدر معلوم ہے کہ حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، عبد الرحمن  
بن عوفؓ، معاذ بن جبلؓ، ابی بن کعبؓ، زبید بن ثابتؓ (رضی اللہ عنہم) اس میں شامل تھے۔  
(کنز العمال ج ۳۳ - بحوالہ طبقات ابن سعد الفاروق ص ۱۲۳)

۲۔ آپ قاضی و مفتی بھی تھے۔ مدینہ منورہ میں عہد خلافت راشدہ میں کتنے فیصلے دیئے۔  
حضرت عمرؓ نے نامور مفتیوں میں آپ کا شمار کر کے۔ فتویٰ پر مامور کیا۔ شبلیؒ نے مفتیوں کی فہرست  
یہ دی ہے۔ حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، عبد الرحمن بن عوفؓ، ابی بن کعبؓ،  
زبید بن ثابتؓ، ابو ہریرہؓ، ابو الدرداءؓ (رضی اللہ عنہم)۔ (الفاروق ص ۳۳۳ از النہد الخفایہ ص ۱۳)  
۳۔ غیر موجودگی میں نائب بھی تھے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کی رائے پر فہم  
بیت المقدس کا سفر خود کیا۔ حضرت علیؓ کو نائب مقرر کر کے خلافت کے کاروبار ان کے  
سپر رکھئے۔ (فتوح البلدان ص ۱۲)

علامہ شبلیؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ اپنے بعد خلافت کی نامزدگی کی جگہ بزرگوں میں وہ حضرت  
علیؓ کو سب سے بہتر جانتے تھے۔ لیکن بعض اسباب سے ان کی نسبت بھی قطعی فیصلہ نہیں کر سکتے  
تھے۔ (الفاروق ص ۲۶۵)

۴۔ شیخین کا اتباع | خلفاء کے کسی امر و نہی سے اختلاف نہ رکھتے تھے۔ حتیٰ کہ اپنے خلافت  
میں بھی تمام قضاۃ کو حکم دیا کہ جیسے پہلے دستور کے مطابق تم فیصلے  
کرتے تھے اسی طرح اب بھی کرو کیونکہ میں اختلاف ناپسند کرتا ہوں تا آنکہ سب لوگ ایک  
جماعت ہو جائیں یا میں وفات پا جاؤں۔ جیسے مجھ سے پہلے میرے ساتھی خلفاء وفات پا گئے۔  
(بخاری ج ۵ ص ۵۲) یہی کچھ شیعہ کے شہید ثالث شوستری نے مجالس المؤمنین ج ۱ ص ۵ پر  
حضرت امیرؓ سے نقل کیا ہے۔

۵۔ حضرت علیؓ کی شیخین سے موافقت اور ان کے ہر کام کے اسلامی ہونے پر تصدیق



ایک تاریخی حقیقت ہے۔ ”جنگ نروان کے موقع پر رسول بن شداد نے حضرت علیؑ کے ہاتھ پر سبیت کرتے ہوئے کتاب اللہ و سنت رسولؐ کے بد سنت الی بکرو و عمر کا نام لیا تو آپ نے فرمایا۔ بے وقوف اگر حضرت ابوبکر و عمرؓ نے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے برخلاف عمل کیا ہوتا تو وہ کسی بات میں حق پر نہ ہوتے (طبری ج ۵ ص ۶۸) یعنی ان کی سنت طیبہ بعینہ سنت نبوی کے مطابق اور اس میں مدغم ہے۔ علیؑ یہ تصریح کی حاجت نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ انتخاب حضرت عثمانؓ کے موقع پر طبری کی روایت سے شیوہ جو دھوکہ دیتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے شیخین کی سیرت کو قرآن و سنت کے ساتھ الگ ذکر کرنا پسند نہیں کیا تو اس کی یہی وجہ ہے کہ سیرت شیخین قرآن و سنت سے الگ نہیں۔ اسی کی عملی تفسیر ہے لہذا علیؑ یہ ذکر سے اس کی علیحدگی کا گمان ہوتا جو حقیقت کے خلاف ہو گا۔ ورنہ وہ مخیرت کے برگز قابل نہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ شیر خدا کے پروردہ و مزاج شناس حضرت حسن المجتبیؑ بھی شیخین کی سیرت کو برحق اور مخالفت کو ناجائز کہتے تھے جب آپ نے خلافت حضرت معاویہؓ کے سپرد کی تو یہ شرط لگائی۔

متضمن او نہ گردد بشرط آنکہ او عمل کند کہ حسن معاویہ کی مخالفت نہ کریں گے بشرطیکہ در میان مردم بکتاب خدا و سنت رسول خدا وہ کتاب اللہ و سنت رسولؐ اور سنت خلفاء و شیر خلفاء شائستہ (جلال العیون ص ۲۵۲) نیکو کار باشندین کے طریقے پر لوگوں میں عدل و حکومت کریں۔

زہد تقویٰ اور نظریہ میں حضرت مرتضیٰؑ کی تصویر حضرت ابوذر غفاریؓ بھی سیرت شیخین کو واجب العمل جانتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت عثمانؓ سے فرمایا۔

ابوذر گفت تو بر سیرت و سنت ابوبکر و عمر و تا فارغ باشی و کسے بر تو انکار نکند و کی سیرت پر چلتے رہیں تا کہ مطمئن ہوں کوئی آپ پر اعتراض نہ کرے اور آپ جو کچھ کہیں اور کریں اس پر انگلی نہ رکھے۔ (ج ۱ ص ۲۲)

معلوم ہوا کہ سیرت شیخین ہر قسم کے اکابر صحابہ میں بھی مقبول و مسلم تھی۔ حضرت عثمانؓ سے کسی صحابی کو اگر پالیسی میں اختلاف ہوا تو اپنی دانست میں سیرت شیخین کے خلاف جانا کیا



شینین کی صداقت اور ان سے حضرت علی رضی اللہ عنہما ابو ذر غفاری کے حسن تعلقات میں اب بھی شبہ ہے۔

۶۔ خلفاء سے عطیات و وظائف پانا | جب اصحاب بدر کے وظائف مقرر ہوئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بھی ان کے برابر ۵۰۰ درہم مقرر ہوا۔ حضرت حسن و حسین گو بدری نہ تھے مگر قرابت نبوی کی وجہ سے ان کا بھی پانچ پانچ ہزار عطیہ مقرر کیا (الفاروقی صفحہ ۶ بحوالہ کتاب الخراج ص ۲۴-۲۵)۔  
 دیہیں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اہلیت نبوی سے مودت و محبت کا اندازہ عقل سلیم لگا سکتی ہے۔

۷۔ حضرت عیسیٰ کے لیے یزدجرد شاہ ایران کی مٹی شہر بانوں کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اجازت پر قیدیوں میں سے قبول کیا۔ (ملاحظہ ہو جلاء الایون ص ۴۹)۔  
 اب اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ برحق نہ تھے اور ان کی جنگیں شرعی جہاد نہ تھیں (اس لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کسی جنگ میں شرکت نہ کی جیسے واقف کا خام خیال اس سوال میں بھی مذکور ہے) تو پھر ان فتوحات کے غنائم اور قیدی سب ناجائز نہ تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد کو یہ وظائف اور باندی ہرگز جائز نہ تھی۔ کیا یہ حضرات عمر رضی اللہ عنہ (معاذ اللہ) حرام کھاتے رہے اور سادات کا نسب بھی مخدوش ہو گیا؟

۸۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ حسن تعلقات کی حد یہ ہے کہ اپنی لخت جگر ام کلثوم بنت فاطمہ الزہراء بھی نکاح کر کے دے دی۔ مجالس المؤمنین کا ایک حوالہ گزر چکا ہے ص ۱۸۲ اور ص ۱۸۸ میں بھی باقاعدہ ذکر کیا ہے۔

مزید تصریح فروغ کافی ج ۲ ص ۱۴۱ باب تزویج ام کلثوم۔ تہذیب الاحکام ص ۳۸ اور فروغ کافی ج ۲ ص ۳۱ پر ملاحظہ کریں۔

اس برصناور عبت نکاح کو شیعہ معاذ اللہ۔ اخوار غصب فرج جبر اور اگرہ سے تعبیر کر کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بغیرت کا جنازہ نکال دیں تو یہ انہی کا ایمان یا جگر گودہ ہے ایک مسلمان اس کا تصور نہیں کر سکتا۔



صرف عملی تعلقات ہی بہتر نہ تھے بلکہ اعتقادی اور لسانی طور پر آپ ان خلفاء کی تعریف میں رطب اللسان رہتے۔

حضرت علیؑ اور مدح شیخین رضی اللہ عنہما | نبی البلاغہ میں آپ کا یہ مشہور خطبہ ہے۔

قوم الاولاد و دای العمد و اقام السنۃ  
و خلف الفتنۃ ذهب نفی الثوب  
قلیل العیب اصاب خیرھا و سبق  
نشرھا ادى الى الله طاعته و اتقاه  
بحقہ رجل و ترکہ فی طرق متشعبۃ  
لا یہتدی فیھا الفصال ولا یتیقن  
المہتدی رنج البلاغہ مع شرح ذیف  
الاسلام ج ۲ ص ۴۳

بھڑا ابو بکر (کتنی خوبیوں کا مالک تھا کئی کو  
سیدھا کیا۔ خرابی کی اصلاح کی۔ ست کو  
لوگوں میں قائم کیا اور فتنہ کو بجھا دیا۔ دنیا  
سے پاکدامن رخصت ہوا۔ کم عیب والا تھا خلافت  
کی بھلائی پائی اور اس کی برائی سے بچ نکلا  
اللہ کی اطاعت پوری کی اور کما حقہ اس سے  
ڈرتا رہا۔ دنیا سے جب رخصت ہوا تو ان کو تاریکی  
کے مختلف راستوں میں چھوڑ گیا۔ جن میں نہ گمراہ

ہدایت پاتا ہے نہ ہدایت یافتہ کو راستے کا یقین ہوتا ہے۔ (گویا آفتاب تھا غروب ہوتے ہی دنیا  
تاریکی میں ڈوب گئی۔)

شارح نقی صاحب فرماتے ہیں کہ یہ حضرت عمرؓ کی مدح ہے۔  
امر خلافت منظم ہو وہ اختلافے وال  
راہ نیافت طاعت خدا را بجا آوردہ اند  
تا فرمانی او پر سیر کردہ حقیق را ادا نمود۔  
حق (پورا) ادا کیا۔

اس کی خلافت بالکل صحیح درست تھی۔ کوئی  
خرابی اس میں داخل نہ ہو سکی۔ خدا کی اطاعت  
بجالایا اور تا فرمانی سے پرہیز کیا اور خدا کا

قدیم شاد عین یہ خطبہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے متعلق فرماتے ہیں اور متاخرین حضرت  
عمرؓ کے متعلق۔ کوئی بھی مراد ہو خلافت راشدہ کی تصدیق ہو گئی۔ اسی طرح حضرت عمرؓ کو  
دین کا قائم کرنے والا، راست رو اور دین کو مضبوط کرنے والا بتایا۔ (نبی البلاغہ ص ۴۳)

نیز شیخینؓ کے متعلق بیان تک فرمایا۔



ولعسى ان مكافئهما في الاسلام  
لعظي وان المصائب بهما لجرح في  
الاسلام شديد يوحهما الله وجزا  
با حسن ما عملتا درش ح ففهم البلا غدا  
ج ۳ ص ۳۱ مع ش ۳ ابن ميثم

مجھے اپنی جان کی قسم ان دونوں کا مرتبہ اسلام  
میں بہت بڑا ہے اور ان کی وفات کا صدمہ  
اسلام میں بہت سخت زخم ہے۔ اللہ ان پر رحم  
فرمائے اور ان کو بہترین کاموں پر جزائے خیر دے

قسم اٹھا کر اپنے عقائد اور حقائق بیان کیے جاتے ہیں۔ الزامی باتیں یا مسلمات خصم یوں بیان  
نہیں کی جاتیں۔ نیز ایک اور طویل خطبہ میں حضرت عمرؓ کو آپؐ نے مسلمانوں کا مرجع۔ جائے پناہ  
اور مشابہ المسلمین فرمایا (منج البلاغہ ج ۲ ص ۲۴)

نیز آپؐ کی خلافت کو موعودہ خداوندی۔ آپؐ کے لشکر کو خدائی لشکر۔ آپؐ کی فتوحات کو  
اللہ کے دین کا غلبہ۔ آپؐ کو قیم الامم (خلیفہ) اور ہمارے دانوں کے لیے بمنزلہ دھاگہ اور قطب  
زمان وغیرہ فرمایا (منج البلاغہ ج ۲ ص ۳۹)

ان تمام خطبات والفاظ میں شیخ کی خلافت اور صداقت کی پوری پوری بلاشبہ  
تصدیق ہے۔ اب شیعہ کے لیے دوہی راستے ہیں یا تو ان تمام تعلقات اور ارشادات کو معنی بر  
صدق جان کر شیعین کو برحق تسلیم کر لیں یا پھر ان کو دالعیاذ باللہ محض حد کی وجہ سے ظالم  
وغیرہ ماننے کی صورت میں یہ اعلان کریں کہ امیر المومنین کا یہ دور منافقانہ تھا اور آپؐ اس  
آیت کی خلاف ورزی کرتے تھے۔

وَلَا تَكُونُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا  
فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ (هود ۱۰۶)  
اور ظالموں کی طرف مائل نہ ہو ورنہ تم کو  
آگ پکڑے گی۔

جنگ میں شرکت نہ کرنے کا شبہ | رہا یہ شبہ کہ عہد راشدہ کے جنگ و جہاد میں کیوں شریک  
نہ ہوئے تو یہ ثابت اختلاف نہیں جب آپؐ وزارت

افتادہ مشاورت بھیے اہم عہدوں کی ذمہ داری لے کر خلافت راشدہ کی خدمت کر رہے تھے  
تو عام سپاہی کی حیثیت سے تلوار لے کر لڑنا کون سی فضیلت کی بات ہے۔ حضرت علیؓ کا جسم  
مصرفیات کی وجہ سے خود کسی جنگ میں شریک نہیں ہوئے تو حقانیت خلافت راشدہ پر کوئی



حرف نہیں آتا۔ کیونکہ حضرت حسن و حسینؑ نے خلافت حضرت عثمانؓ میں فتح افریقیہ میں شریک ہو کر باقاعدہ جہاد کیا اور حصہ غنیمت پایا۔ اسی طرح حضرت معاویہؓ کے دور خلافت میں فتح قسطنطنیہ میں یہ دو حضرات عبداللہ بن عباسؓ وغیرہم کے ہمراہ شریک ہوئے (طبری البیہ ج ۸ ص ۳۲ وغیرہ) شیعہ کے معتد بزرگ حضرت حسن ابصری عمداویہؒ میں شریک جہاد ہوتے تھے (ملاحظہ ہو جلاء الجیون ص ۲) اسی طرح حضرت سلمان فارسیؓ جیسی زاہد متقی اور مومن عندالتشیعہ شخصیت حضرت عثمانؓ کے دور میں مدائن کی گورنر رہی۔ ملا باقر علی مجلسی حیات القلوب ج ۲ ص ۶۵ پر لکھتے ہیں۔

زیراکہ عمر اور والی مدائن گردانیدنا ابتداً کیونکہ حضرت عمرؓ نے آپ کو مدائن کا حاکم بنا دیا خلافت امیر المومنین والی بود تھا آپ حضرت امیر المومنین کی خلافت تک والی رہے۔

حضرت مرتضیٰؑ کے رفیق خاص حضرت عمار بن یاسرؓ کو ان کی درخواست پر حضرت عمرؓ نے کوفہ کا حاکم بنایا تھا مگر کوفہ کے لوگ آپ کے قابو میں نہ آئے تو معزول ہو کر واپس آ گئے۔ (کتب تاریخ) جل و صفحہ کی جنگیں جہاد نہ تھیں بلکہ یوں ان عثمانؓ کی سازش سے آپ کو لڑنا پڑا جس کی تفصیل اپنے موقف پر آئے گی۔ ہم یہاں مولانا محمد صدیق صاحب کا کشف الاسرار سے اسی بات کے جواب کا اقتباس نقل کرتے ہیں۔

”لیکن بڑے افسوس سے لکھنا پڑتا ہے کہ ذوالفقارؑ کے پیام سے نکلنے کے باوجود ان میں سے کوئی چیز وقوع پذیر نہ ہوئی۔ داخلی محاذ پر اگرچہ باہمی جنگیں ہوتی رہیں لیکن حضرت علیؑ کے حامیوں کی تعداد کم اور حضرت معاویہؓ کے حامیوں کی تعداد بڑھتی رہی۔ حضرت علیؑ کے زیر اقتدار رقبہ کم ہوتا رہا اور حضرت معاویہؓ کے مقبوضات میں اضافہ ہوتا رہا۔ اس پورے چھ سالہ دور میں حضرت علیؑ کے ہاتھوں ایک ایسے رقبہ بھی کفار کے ہاتھوں سے نکل کر اسلامی مملکت میں شامل نہیں ہوا اور وہ سلمان جو قیصر و کسریٰ کے تخت و تہا سے تھے ایک بار پھر قیصر کی دھمکیوں کا نشانہ بن گئے۔ مذہبی طور پر مسلمانوں میں جس قدر انتشار اس دور میں ہوا اس سے قبل موجود نہ تھا۔ پہلے مسلمانوں کی جمیعت اور کلمہ واحد تھا۔ ایک ہی فرقہ تھا جسے مسلمان کہتے ہیں لیکن اب شیعہ کا وجود منظر عام پر آیا۔ خوارج مرض وجود میں آئے حضرت علیؑ کی الوہیت کے قائلین دکھائی دیئے۔



حضرت علیؓ کو خود بابتہ کا فرقرار دینے والے بیانگاہل اپنے عقاید و افکار کا پرچار کرنے لگے۔ آپ خود ہی فیصلہ فرمائیں کہ ذوالفقار کانیاہم کے اندر رکھنا امت مسلمہ کے لیے بہتر تھا جیسا کہ خلفائے ثلاثہ کے دور میں ہوا، یا اس کانیاہم سے باہر نکلتا۔ جبکہ ہم حضرت علیؓ کی وفات کے بعد دیکھتے ہیں کہ حضرت حسنؓ نے ذوالفقار نیام میں ڈالی تو حضرت امیر معاویہؓ کی قیادت میں مسلمان ایک بار پھر متحد ہو کر کفار کے مقابلے میں کھڑے ہو گئے۔ جہاد کا آغاز کیا۔ نئے علاقے فتح ہونے لگے۔ مسلمان علمی تہذیبی اور ثقافتی طور پر پھر عروج کی طرف گامزن ہو گئے اور اس پورے دور ۲۰ سال میں کہیں کوئی شورش یافتہ نظر نہیں آتا۔ بلکہ اس کے کو مسلمانوں نے عام الجماعۃ کا نام دیا۔

مزید غور کیجئے کہ حضرت حسینؓ نے جب ذوالفقار کو ایک بار پھر نیام سے نکالا تو عالم اسلام کو دوبارہ خونخیزی کا شکار ہو کر ہلاک و برباد کا سانحہ پیش آیا۔ مدینہ میں قتل و غارت ہوئی اور جب امام زین العابدینؓ نے ذوالفقار کو نیام میں ڈال دیا تو عبد الملک بن مروان، ولید بن عبد الملک وغیرہ خلفاء کی زیر قیادت مسلمان پھر نیکو کفار پر عذاب لے آئے۔ ان حقائق کی روشنی میں شیعہ حضرات سے ہی ہم فیصلہ چاہتے ہیں کہ حضرت علیؓ کا ذوالفقار کو میان سے باہر نکالنا بہتر تھا یا اسے میان کے اندر رکھنا بہتر تھا۔ (کشف الاسرار ص ۸۵، ۸۶)

حضرت خالد بن ولیدؓ کو سیف اللہ کا لقب خلفائے نہیں خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عطا فرمایا تھا۔ (بخاری ج ۱ ص ۵۳ ج ۲ ص ۶۱) جبکہ آپؐ نے غزوہ موتہ میں کمان سنبھال کر تلواریں توڑیں اور تین ہزار کے معمولی لشکر کو ایک لاکھ مسلح رومیوں سے مقابلہ کرانے اور حکمتِ علیؓ سے بحیر و عافیت واپس لے کر آئے۔

حضرت خالدؓ کو حضرت علیؓ سے شجاع نہ ہوں مگر کفار ان کے ہاتھ سے زیادہ قتل ہوئے بعد صدیقی میں۔ مرتدین۔ مسلمانوں کے پیروکار اور فتوحاتِ شام کے محروموں میں حضرت خالدؓ کا بہت بڑا نمایاں حصہ ہے۔ (ملاحظہ ہو ابن سعد ج ۲ ص ۱۳)

شیعہ دوستو! یہی تو ہماری دلیل ہے کہ مدارِ فضیلتِ اخلاص کے ساتھ جہاد میں شرکت اور ثابت قدمی ہے۔ بالفعل تکثیرِ قتل تو اتفاقی بخت ہے۔ افضلیت کی دلیل نہیں۔ ورنہ خود شیخ الناس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اور حضرت سلمانؓ۔ ابوذرؓ اور ابوالدرداءؓ (عند الشیعہ مسلمان)



کے مقتولین کی تعداد بتائی جائے۔ جیسے حضرت خالد کثرت قتل کے باوجود ان ہزرگوں سے افضل نہیں۔ اسی طرح حضرت علیؓ جنگ میں شیر خدا ہونے کے باوجود حضرات خلفاء ثلاثہ سے افضل نہیں۔ فافہم۔

**طبری کے مکالموں کی حقیقت** | رہے بجوار القاروق طبری کے دو مکالمے تو وہ اس لائق نہیں کہ ان پر بنیاد رکھ کر حضرات اہل بیتؑ اور خلفاء اسلام پر اقتدار طلبی اور حسد کا الزام کر دیا جائے۔

اولاً۔ اس لیے کہ ان کی سند مجاہدیل سے ہے۔ پہلے مکالمہ کی سند میں عمرؓ علیؓ ابو الولید مکی۔ ولد طلحہ کا ایک آدمی از ابن عباس ہے۔ (طبری ج ۲ ص ۲۲۲) ان چاروں رواد کے تراجم کتب جال تقرب تہذیب میزان الاعتدال میں نہیں ملے۔ جیسے عمر اور علی کا ولایت و نسبت نہ ہونے کی وجہ سے کوئی پتہ نہیں لگتا۔ اسی طرح اولاد طلحہ کا ایک آدمی "ابن ہمدانہ مجاہدیل است" کا مصداق ہے۔ دوسرے مکالمہ کی سند میں ابن محمد سلمہ۔ محمد بن اسحاق۔ ایک آدمی از عکرمہ از ابن عباس ہیں۔ (طبری ج ۲ ص ۲۲۲) ایک آدمی از عکرمہ بالکل مشہور ہے۔ محمد بن اسحاق صاحب المغازی پر کڑی تہرج موجود ہے لیکن اس کا راوی سلمہ بن الفضل الاثریؒ شیعہ مذہب رکھتا تھا۔ امام بخاری کہتے ہیں کہ اس کی احادیث میں کچھ مناکیر ہیں۔ نسائی ضعیف کہتے ہیں۔ ابوجاتم سے ناقابل احتجاج کہتے ہیں۔ ابوجاتم کہتے ہیں کہ اس کے شہرے کے باشندے اس کی بدعتیگی اور ظلم کی وجہ سے اس سے نفرت کرتے ہیں۔ صرف ابن معین کہتے ہیں ہم نے اس کی باتیں کبھی ہیں منازی میں اس کی کتاب خوب جامع ہے (میزان الاعتدال ج ۲ ص ۱۹۲) ابن حمید کا ترجمہ بلا ہی نہیں۔ بھلا ایسی لچر سند والی روایتوں سے اکابر صحابہؓ پر طعن کرنا شیعہ ہی کو زیب دیتا ہے۔

ثانیاً۔ شیوخ کو یہ مکالمے چنداں مفید بھی نہیں کیونکہ سب ان مکالموں کی رو سے حضرت علیؓ کی طرفداران کی قوم (بنو ہاشم) بھی نہیں ہوئی اور ان کو نبوت و خلافت کا ایک خاندان میں جمع ہونا گوارا نہیں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ شیعہ حضرات حرب بقیہ رکھنے کے باوجود ایک ہاشمی کی بھی اپنی کتب سے نشانہ ہی نہیں کر سکتے جس نے بقول شیعہ حضرت علیؓ کے حق خلافت کی تائید کی ہو۔ حوالہ جات سوال ۲ کے جواب میں گزر چکے ہیں پھر آپ کیسے دعویٰ خلافت کر کے لوگوں کی نظروں میں مطعون بنے



اور خلفاء سے کشیدہ و بیزار رہتے کیا قُلِ اللَّهُمَّ مَلِكُ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ۔  
 کہتے اے اللہ تو ہی بادشاہی کا مالک ہے جسے چاہتا ہے بادشاہی دیتا ہے۔ کی شان اور وعدہ  
 خداوندی۔ لَيْسَتْ خَلْفَتُهُمْ فِي الْأَرْضِ رَالْتَدَانِ صحابہؓ کو یقیناً زمین میں خلیفہ بنائے گا۔  
 وغیرہ جیسی آیات حضرت علیؓ و ابن عباسؓ کے پیش نظر تھیں جب اللہ نے حسب وعدہ ایک حق  
 حق دار کو پہنچا دیا اور آیت اختلاف کو حضرت عمرؓ کی خلافت پر حضرت علیؓ نے ہی منطبق کیا (شرح نہج  
 البلاغہ فیض الاسلام نفی ج ۱ ص ۳۲) تو اس حقیقت کے باوجود تمنائے خلافت یا خلفاء پر حسد کیا؟  
 افسوس کہ شیعہ حضرات اپنا باطل نظر یہ ثابت کرتے کے لیے ان بزرگوں پر حسد اور طلب جاہ کا الزام لگا  
 دیتے ہیں۔

مکالمہ میں حضرت ابن عباسؓ کی زبانی بنی ہاشم کا مثل آدم محسود ہونا بتایا گیا ہے حالانکہ یہ حقیقت  
 کے برخلاف ہے حسد ہمیشہ کم خویوں والا اعلیٰ خوبیوں والے پر کرتا ہے۔ بنو ہاشم میں سے نبوت تو صرف  
 سرور کائنات علیہ افضل السلام والصلوات کا خاصہ تھی۔ قرابت نبوی گو ظاہری فضیلت اور ضرور  
 قابل احترام ہے لیکن قرآنی تعلیم کے مطابق افضلیت کا معیار قرابت پیغمبر کے بجائے۔ ایمان تقویٰ  
 اور اعمال صالحہ میں سبقت ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ سوائے حضرت علیؓ کے صخر سنی میں اور ابو عبیدہ بن  
 الحارث، جعفر طیار، پھر حضرت حمزہؓ کے کسی ہاشمی نے سبقت الی الاسلام والہجرت نہیں کی بغیر بنو ہاشم  
 سابقوں میں ہیں تو نبوت سے فیض یافتہ ہونے میں بغیر ہاشمی یا بنو ہاشم کے ساتھ شریک ہیں یا ان  
 سے افضل ہیں۔ پھر شیعہ کے اعتقاد کے مطابق عام مسلمانوں کے دلوں میں بنو ہاشم کا وقار و اکرام ہی  
 نہ تھا کہ سب ہی حضرت علیؓ کو چھوڑ کر خلفاء ثلاثہؓ پر متفق ہو گئے۔ پھر کس بات میں ان حضرات  
 پر کوئی حسد کرتا۔ بالفرض اگر کوئی محسود تھا اور آج تک ہے تو وہ خلفاء راشدین ہی ہیں کہ سب  
 امت کے دلوں میں بس کر نیابت پیغمبر کا حق ادا کیا۔ خدا نے فتوحات کے دروازے ان پر کھول دیئے۔  
 قیصر و کسریٰ کے تاج ان کے قدموں تلے روندے گئے۔ نصف سطح ارضی پر توحید خداوندی اور  
 رسالت محمدی کے پرچم لہرائے اور آج بھی ۱۰ کروڑ مسلمان خطبات و دعاؤں میں ان کو بدیعہ عقیدت  
 پیش کرتے ہیں۔ روافض کی طرح اپنے ان بزرگوں کے نام پر گداگری کر کے کشکولِ خیرات نہیں  
 نہیں بھرتے۔ (رضی اللہ عن جمیع الصحابہؓ)



## سوال ۱۔ قصہ قرطاس

اگر حسب کتاب اللہ ایک امتحان کا جواب تھا جو حضرت عمرؓ نے درست دیا تو اسی واقعہ قرطاس میں اس بزرگ نے کس سیاست کے تحت ارشاد فرمایا کہ اس مرد کو ہدیان ہو گیا رکھو بخاری شریف الفاروقؓ

الجواب۔ یہ شیعہ کا انتہائی گندہ اور محرکہ الارادہ طعن ہے۔ پہلے پوری حدیث ملاحظہ کریں تاکہ شیعہ دھوکہ سامنے آجائے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ راوی ہیں کہ حواریوں کو مرض وفات میں احضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تکلیف سخت ہو گئی تو آپؐ نے فرمایا ایک کاغذ لاؤ میں تم کو تحریر لکھ دوں تو ہرگز میرے بعد کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ پس حاضرین آپس میں بحث کرنے لگے۔ حالانکہ بنی کے پاس جھگڑا مناسب نہ تھا۔ تو کہتے گئے کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چھوڑ کر جانے والے ہیں ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے پوچھ لیا تو آپؐ نے فرمایا میرا خیال چھوڑو جسے حالت میں ہوں وہ اس سے بہتر ہے جب ہر تم بلاتے ہو (یعنی کتابت) پھر آپؐ نے وفات سے

قال ابن عباس اشهد برسول الله صلى الله عليه وسلم وجعه يوم الخميس فقال ايتوني بكتبكم كتابا لتصلوا بعدك ابد افتنا دعوا ولا ينبغي عند بني تاذع فقالوا اجمع رسول الله رسول الله صلى الله عليه وسلم قال دعوني فالذي انا فيه خير مما تدعونني اليه وادعوني عند موته بثلاث اخرجا المشرقين من جزيرة العرب واجيزوا الوفد بنحو ما كنت اجيؤهم ونسيت الثالثة (بخاری ج ۱ ص ۲۲۹)

پہلے یہ وصیت کی کہ مشرکین کو جزیرہ عرب سے نکال دو۔ وفد کو ٹھہرایا کرو جیسے میں ٹھہرایا کرتا تھا ابن عباسؓ کہتے ہیں میں تیسری بات بھول گیا۔

یہ حدیث ج ۱ ص ۲۲۹ اور ج ۲ ص ۲۳۸ پر تو انہی الفاظ کے ساتھ ہے مگر ج ۲ ص ۲۲۹ اور ج ۲ ص ۱۰۹ پر یہ الفاظ ہیں۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا احضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت تکلیف ہے اور ہمارے پاس قرآن ہے

قال عمر ان النبي صلى الله عليه وسلم قد غلبه الوجع وعندكم القرآن



حسبنا کتاب اللہ فاختلف اهل البيت  
واختصموا فمنهم من يقول قراوا  
بکتابکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
وسلم کتابا لن تضلوا بعدہ ومنهم  
من یقول ما قال عمر فلما اکثروا  
اللفظ والاختلاف عند النبی صلی اللہ  
علیہ وسلم قال قوموا عنی فی  
روایۃ اھجرا ستفہموا

جو اصول ہدایت میں ہمیں کافی ہے پس اہلبیت  
نے اختلاف کیا اور ہجرت کرنے کے کچھ کہتے تھے کہ  
حصنوز کو قلم دوات لا کر دو تاکہ آپ نوشتہ  
لکھ دیں تو اس کے بعد گمراہ نہ ہو گئے۔ اور کچھ  
حضرت عمرؓ کی بات دہراتے تھے جب شور اور  
اختلاف زیادہ کیا حصنوز کے پاس تو آپ نے  
فرمایا مجھ سے اٹھ جاؤ اور ایک روایت میں ہے  
کیا آپ دنیا سے ہجرت کرنے والے ہیں پوچھ لو۔

روایت کا مفہوم صرف اس قدر ہے کہ حصنوز علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سخت بیماری کی حالت  
میں ایک وصیت لکھوانے کے لیے قلم دوات مانگی حضرت عمرؓ نے حصنوز کی تکلیف اور درد کے پیش نظر  
حاضرین سے بطور ادب و مشورہ کہا کہ میں تمہارے پاس کتاب اللہ قرآن کریم کافی ہے آپ کو لکھوانے  
کی تکلیف نہ دی جائے۔ حاضرین میں دو گروہ ہو گئے ایک نے لانے پر اصرار کیا۔ دوسرے نے حضرت  
عمرؓ کی تائید کی جب شور اور اختلاف بڑھ گیا۔ قلم دوات کسی نے نہ لا کر دی تو آپ نے اٹھ جانے کا  
حکم دیا پھر لکھوانے کا اتفاق کرنے والوں سے کہا مجھے اپنے حال پر بہتے دو۔ پھر آپ نے تین بانوں  
کی زبانی وصیت فرمادی کہ مشرکین کو جزیرہ عرب سے نکال دو۔ باہر سے آنے والے وفد کی میری طرح  
تنظیم اور خاطر داری کرو۔ تیسری راوی بھول گیا۔

یہ ارشاد آپ نے بطور امتحان فرمایا تھا حضرت عمرؓ نے اس کا صحیح جواب دیا چنانچہ تائید عمرؓ  
میں آپ نے لکھوانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ یا شفقت و ہمدردی کے تحت تھا مگر حاضرین کے شور  
کے پیش نظر اس پر عمل نہیں کر دیا۔ وہ وحی نہ تھا اور نہ حکم ضروری تھا۔ ورنہ عمرؓ کا رد فرما کر ضرور  
لکھواتے اور حاضرین کے شور کی جی پر واہ نہ کرتے۔

ہمارے ہاں تو خاص اشکال نہیں۔ اتفاق سے محفل میں اختلاف رائے پیدا ہو گیا۔ مگر شیعہ  
حضرات جو جان شناران نبوی پر اعتراض کرنے میں نہایت حریص و ہوشیار ہوتے ہیں اور ایسے واقع  
میں پر کا کوا اڑاتے ہیں۔ اس واقعہ میں خوب سنخ و تحریف کر کے حضرت عمرؓ کو نشانہ بنا کر



کہتے ہیں۔

۱۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمان نبویؐ کو کے گویا وحی الہی کو رد کر دیا۔

۲۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف العیاذ باللہ ہذا بیان زمیند یا بیماری میں بے ارادہ نکلنے والی بات کی نسبت کی۔

۳۔ تحریر میں روکاوٹ ڈال کر امت کو گمراہی پر ڈال دیا۔  
اب ان تینوں باتوں کی الگ الگ حقیقت ملاحظہ ہو۔

امراول۔ نہ وحی تھی نہ خاص حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھا۔  
[آئیو فی جمع حاضر کا صبیحہ ہے۔ سب حاضرین کو قلم دوات لانے

کا حکم تھا جس میں اہل بیت حضرات بھی شامل تھے بلکہ مسند احمد ج ۱ ص ۹ اور البدایہ ج ۵ ص ۲۳۸ پر یہ تصریح موجود ہے۔ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے میں مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ میں آپ کے پاس کوئی چیز لاؤں جس میں آپ وہ ارشاد بکھوائیں کہ امت ان کے بعد گمراہ نہ ہو۔ فرماتے ہیں مجھے اندیشہ ہوا کہ حضور میرے جاتے ہی فوت نہ ہو جائیں۔ تو میں نے کہا (آپ زبانی بتادیں) میرے محفوظ کر کے یاد رکھوں گا۔ پھر آپ نے نماز کو فدا اور غلاموں کے حقوق کے متعلق وصیت کی۔“  
واقعہ قرطاس کی اس میں ایک گونہ توضیح ہو گئی اور قیاس قیاس یہی ہے کہ کاغذ قلم لانے کا حکم اپنے افراد خانہ اور قرابت داروں کو ہونہ دوسروں کو۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس موقع پر موجود نہ تھے۔ تو کیا حضرات حنینؓ، حضرت عباسؓ اور کوئی بھی ہاشمی نہ تھا؟ جب تھے تو انہوں نے قلم دوات لاکر کیوں نہ دی۔

۲۔ آپ نے یہ صرف اجتہاد سے فرمایا تھا۔ وحی نہ تھی۔ اگر وحی ہوتی یا ضروری تحریر ہوتی تو آپ جہالت کے بعد پر تنگ لم دن زندہ رہے۔ اس وقت یا بعد میں ضرور بکھوادیتے۔ قبل عمر یا اہل خانہ کے شور کی پرواہ نہ کرتے کیونکہ وحی الہی کا سنا نا حاضرین کی مرضی پر موقوف نہیں۔

کہا جاتا ہے کہ وحی تو تھی لیکن پھر حکم وحی آپ نے بکھوانے کا ارادہ ترک کر دیا اس سے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تائید وحی الہی سے ہو گئی جو منقبت کی دلیل ہے۔ جیسے مسراج کے وقت ۵۰ نمازوں کا حکم پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اصرار سے بار بار کہی۔ پھر وحی الہی سے پانچ چھیل حضرت



موسیٰ علیہ السلام کے تفقہ کی دلیل ہے اور نسخ قبل الحکم کی بھی ایک مثال ہے فلکذا ما نحن فیہ سنی علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں۔

”تحریر بکھوانے کا ارادہ نبوی یا وحی سے تھا یا اجتہاد سے۔ تو اسی طرح نہ بکھوانے کا ارادہ بھی یا دوبارہ وحی سے ہو یا اجتہاد سے ہوا۔“ (فتح الباری ج ۸ ض ۱۱)۔ شبیہ علماء بھی ارادہ ترک کو وحی کے ذریعے مانتے ہیں۔ چنانچہ فلک النجات ج ۱ ص ۲۳ پر ہے۔

واما سکوته علیہ السلام بعد  
الننادۃ ما کان من عندہ بل کان بوحی  
کما بین فی مقامہ۔  
اور حضور کا حاضرین کے اختلاف کے بعد خاموش  
رہنا (یعنی تحریر نہ لکھوانا) اپنی طرف سے نہ تھا  
بلکہ وحی خداوندی کے تحت تھا۔ جب کہ اپنے مقام  
پر واضح ہے۔

یہ حضرت عمرؓ کی کرامت ہے کہ کثر شیعہ عالم نے یہ بات لکھ کر حضرت عمرؓ سے تمام الزامات  
کا صفایا کر دیا۔ بلکہ یہ رائے خدا و رسول کو پسند آکر موافقات عمرؓ میں شامل ہو گئی۔ جسے ازواج  
مطہرات کے لیے پردہ کا مشورہ۔ مقام اہل بیت پر نماز پڑھنے کا مشورہ اور اساری بدر کو قتل کرنے  
کا مشورہ خدا کو اتنا پسند آیا کہ اس کا باقاعدہ حکم قرآن میں اتارا گیا اور شان فاروقی نمایاں کی  
گئی۔

۳۔ کسی خاص داعیہ کے پیش نظر ظاہر الفاظ پر عمل نہ کرنا نافرمانی اور منافق ایمان نہیں  
ہوتا۔ حدیبیہ کے موقع پر ہر ائمہ حضرت علیؓ کو حضورؐ نے لفظ رسول اللہؐ ماننے کا حکم دیا تھا۔ مگر  
آپؐ نے قسمیہ انکار کیا۔ پھر حضورؐ نے وہ لفظ خود مٹایا۔ یہاں شخصی حکم ہے آپؐ نے زبان نبویؐ  
کی تعمیل سے قسمیہ انکار کیا۔ حضورؐ نے اسے قبول نہ کر کے۔ وہ لفظ خود مٹایا۔ اگر یہاں حضرت علیؓ  
کی شخصیت کے پیش نظر محبت رسولؐ کے جذبہ سے اس کی تعبیر کی جاتی ہے اور حضرت علیؓ کو نافرمان  
اور منافق نہیں کہا جاسکتا تو پھر واقعہ قرطاس میں قد غلبہ الوجع آپؐ کو سخت تکلیف ہے  
حضرت ابن عباسؓ بھی۔ اشتد برسول اللہؐ حضورؐ کی بیماری سخت ہو گئی سے اسی کو بیان کر رہے  
ہیں۔ سے حضرت عمرؓ کی محبت نبویؐ پر استدلال کیوں نہ کیا جائے (دلائل النبوة بہیقی) جبکہ آپؐ کو  
شخصی حکم نہیں اور نہ پھر آپؐ نے اس حکم ضروری سمجھ کر عمل کرایا۔ کہا جاتا ہے کہ اہل سنت بھی حضرت



امیر کے انکار کو ادب سے تعبیر کرتے ہیں۔ مگر ہم تو اس سے کم تر واقعہ ہذا میں بھی ادب کا لحاظ کرتے ہیں۔ شیعہ ایک بزرگ سے محبت اور دوسرے سے دشمنی کی بنا پر تفریق کریں تو اس ضد کا تو کوئی علاج نہیں۔ ہمارے یہاں دونوں بزرگوں کا ردِ عمل ایک ہی جذبہ سے ہے۔ کشف الغمہ ۵۳ پر ہے کہ جب حضرت علیؑ کی کھڑکی کے سوا اور سب صحابہؓ کی کھڑکیاں مسجد کی طرف سے حضورؐ نے بند کرنے کا حکم دیا تو حضرت حمزہؓ نے غصہ میں حضورؐ سے فرمایا اے محمدؐ! آپ ہم کو نکالتے ہیں اور بنی مطلب کے لوگوں کو ٹھہراتے ہیں؟ کیا شیعہ حضرت حمزہؓ پر بھی فتویٰ لگائیں گے۔

قومو اعنی (میر خیال چھوڑ دو) کا نزاع بھی حضرت عمرؓ پر گرایا جاتا ہے۔ حالانکہ مفصل روایت میں اسی مطلب کو حضورؐ نے یوں واضح فرمایا ہے۔ دعونی فالذی انا فیہ خیر مما تدعوننی الیہ و مجھے چھوڑ دو میں جس مراقبہ الہی کی حالت میں ہوں وہ اس سے بہتر ہے جس کی طرف تم بلاتے ہو یعنی تحریر، بظاہر یہ خطاب ان ہی لوگوں سے ہے جو قلم و دوات تو نہ لائے مگر تحریر چاہتے تھے تو آپؐ نے فرمایا اس بات کو جانے دو یہ قومو اعنی۔ ایسا ہی ہے جیسے آپؐ نے فرمایا۔ قرآن اس وقت تک تلاوت کرو جب تک دل تمہارا خوش ہو اور فاذا اختلفتم فقومو اعنہ (جب زبان و دل میں اختلاف ہو تو تلاوت چھوڑ دو۔ بخاری ج ۲ ص ۱۰۹۵) اس حقیقت کے باوجود صحابہ کرامؓ یا حضرت عمرؓ کو طریقہ رسولؐ کہنا انتہائی خباثت ہے۔

امر دوم۔ نسبت بذیان کی حقیقت۔ صحاح ستہ و بیہ حدیث کی جو اصولی کتابیں ہیں ان میں اس واقعہ کی بعض روایتوں میں حضرت عمرؓ کا قول اسی قدر ہے کہ آپؐ کو سخت تکلیف ہے۔ (اصولی طور پر) ہمیں قرآن کافی ہے۔ لفظ اصحبر۔ قالوا کہے بد آیا ہے۔ یعنی اور لوگوں نے یوں کہا جن بعض محدثین نے اسے مقولہ عمرؓ قرار دیا ہے۔ روایات صحیحہ کے مقابل ان کا قول معتبر نہیں۔ حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ کسی روایت میں یہ نہیں کہ یہ لفظ حضرت عمرؓ کا مقولہ ہے۔ شاہ عبدالعزیز صاحب نے بھی تحفہ اثنا عشریہ میں یہی لکھا ہے (حقیقات ص ۳۴)۔

نعت و استعمال میں بجز کے معنی۔ فراق وصال۔ چھوڑنا اور ترک کرنا آتا ہے کبھی فہید اور مرض میں نذر ارادہ کلام پر بھی بولا جاتا ہے۔ مصباح اللغات ص ۹۴ میں ہے۔ ہجرۃ (ن)، ہجر او ہجرانا۔ قطع تعلق کرنا۔ بھڑنا۔ ہجر الشیء ترک کرنا۔ اعراض کرنا۔ زوجۃ۔ بنیہ طلاق دیئے



ہوئے الگ ہونا اور فیرو اللغات ج ۲ ص ۵۵۳ میں ہے۔ ہجر جدائی کرنا کسی سے قطع تعلق کرنا۔ ہجر  
 کا معنی تب ہوتا ہے کہ مصدر ہجرا، ہجیرا۔ ہجیرا مصدر سے استعمال ہو (حوالہ مذکورہ) ورنہ ترک  
 و جدائی کے معنوں میں آتا ہے کبھی مفعول ذکر ہوتا ہے کبھی نہیں جیسے سحر التجرون کی قرآنی مثال آ  
 رہی ہے۔ جو لوگ کتب لغت سے صرف ہدیان والے معنی پر زور دیتے ہیں یہ ان کی بددیانتی محض  
 تعصب اور عمود شمنی پر مبنی ہے۔ ورنہ لفظ مشترک کے معنی سیاق و سباق، قائل اور مفعول فیہ کے  
 مناسب حال متعین ہوتے ہیں۔ اپنے باطل مقصد کے پیش نظر لغت سے محض مطلوبہ معانی چن لیے جائیں  
 تو شریعت اسلامیہ کا کوئی عقیدہ اور عمل ثابت نہ ہو سکے گا۔ اسی تکنیک کے پیش نظر قادیانی ختم  
 نبوت کے اور منکرین حدیث، حدیث نبوی اور نماز کی متفقہ ہئیت کے بھی منکر ہیں کیونکہ صلوٰۃ کا معنی  
 چوڑا بلانا لغت میں لکھا ہے۔

ہجر کے معنی چھوڑنا اور ترک کلام لغت کے علاوہ قرآن و حدیث میں مستعمل ہے۔ صحیح حدیث  
 میں ہے۔ لا یحل لمسلم ان یتھم اخاه فوق ثلاثہ ایاہ (کسی مسلمان کے لیے حلال نہیں  
 کہ اپنے دینی بھائی سے تین دن سے زیادہ گفتگو ترک کرے) اور حدیث سوال فاطمہؓ میں ہے فہی  
 ابابکر۔ پس حضرت فاطمہؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے اس میں گفتگو چھوڑ دی۔ حدیث عائشہؓ میں  
 ہے ما اھجر الا اسمک (بخاری) حضور! صرف آپ کا نام لینا چھوڑتی ہوں (دلی محبت بدلتی  
 ہے، نیز فرماتی ہیں ولقد ھجی فی القریب والبعید) مجھے قریب و بعید سب نے چھوڑ دیا،  
 کیا یہاں بکو اس اور ہدیان کے معنی ہوں گے کہ کسی مسلمان کو تین دن سے زیادہ گالی بکنا جائز  
 نہیں۔ اور حضرت فاطمہؓ نے حضرت ابوبکرؓ کو گالیاں دیں۔ یا حضرت عائشہؓ نے حضورؐ کے نام  
 کو گالی دی یا ان کو قریب و بعید نے گالی دی؟ تو حدیث زیر بحث میں یہ معنی کیوں درست نہیں۔  
 کیا حضورؐ نے زبانی ارشاد فرمایا چھوڑ دیا ہے کہ لکھوانے کا حکم دیتے ہیں۔ لغت و استعمال کے  
 لحاظ سے اس میں کیا تخرابی ہے؟ چھوڑنے۔ اور جدائی کے معنوں میں کئی جگہ قرآن کریم میں بھی یہ  
 صیغہ استعمال ہوا ہے۔

۱۔ مُسْتَكْبِرٌ بَيْنَ يَدَيْهِ مُدُنٌ مِّنَ الْجِبَالِ (اور تکبر کر کے اس (ہمارے رسولؐ) کو مثل کسان  
 کہنے والے کے چھوڑ بیٹھا کرتے تھے۔



میری قوم نے اس قرآن کو بالکل چھوڑ دیا تھا۔

۲۔ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هٰذَا

الْقُرْآنَ مَهْجُوًّا (پ ۱۶)

۳۔ وَاَهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا۔ (منزل) اور ان کو خوبی کے ساتھ چھوڑ بیٹھو۔

۴۔ وَالرُّجْزُ فَاهْجُرْ (مدثر) اور میل کچیل کو دھو ڈال۔

۵۔ وَاَهْجُرْهُمْ فِي الْمَضَاجِعِ (پ ۳۲) اور ان کے بستروں پر ان کو چھوڑ دو۔

۶۔ وَاَهْجُرْ بَنِي مَلِكِيَّا (پ ۶۶) اور ایک عرصہ کے لیے مجھ سے جدا ہو جا۔ (ترجمہ مقبول)

تو کیا ہجر کا معنی ہذا بیان ہو سکتا ہے عاشر و کلا۔ اسی طرح زیر بحث حدیث میں یہ مطلب ہے کہ کیا آپ جدا ہو رہے ہیں یا دنیا کو چھوڑ کر جانے والے ہیں استفہاموہ پوچھ تو لو۔ چنانچہ شارحین اس کے معنی میں لکھتے ہیں۔

یعنی آپ دنیا سے رخصت ہونے لگے ہیں۔ لفظ

هَجَرَ اى بهجر من الدنيا واطلق

ماضی کا بولنا کیونکہ آپ میں دار الفناء سے کوچ

لفظ الماضی لہذا وافیہ من علامات

کی علامات صحابہؓ نے دیکھیں۔

الھجرة عن دار الفناء (کوفی شرح بخاری)

یہ مطلب بالفرض ہمزہ استفہام کے نہ ثابت ہونے پر ہے۔ ورنہ بخاری میں یہ چھ مرتبہ حدیث آئی ہے۔ تین جگہ تو ہجر کا لفظ ہی نہیں ہے اور تین جگہ آیات سے تو ہمزہ استفہام کے ساتھ ہے۔

ج ۱ ص ۲۲۹۔ ج ۱ ص ۲۲۹۔ ج ۲ ص ۶۳۸۔ استفہام کی صورت میں ہجر کا جتنا ہی نامناسب معنی تراشا

جائے۔ بہر حال اس کی نفی ہو رہی ہے۔ علامہ نوویؒ فرماتے ہیں۔

ابن عمر یہ استفہام انکاری ہے یعنی صحابہؓ نے ان

اھجی ہو بہمنۃ الاستفہام

لوگوں پر گرفت کی جو یہ کہتے تھے کہ نہ کھواؤ یعنی

الانکاری اے انکروا علی من قال لا

محضوہ کا معاملہ ایسا نہ جانو جیسے محضوہ اکلام کا

تکتبوا ای لا تجعلوا کام من ہذی

فی کلامہ (حاشیہ بخاری ص ۲۲۹)

نیز محمد بن سہر معنی ہذا بیان مریض کا مختلط کلام بھنور علیہ السلام کے لیے جائز نہیں سمجھتے۔

وہ بے تکی باتیں جو مریض سے صادر ہوتی ہیں

الہذیان الذی یقع فی کلام المریض

اور بے ربط ہوتی ہیں مہصوم علیہ السلام سے

الذی لا ینظم وھذا مستحیل وقوعہ وھذا



ان کا وقوع صحت میں اور مرض میں محال ہے۔

حاصل یہ نکلا کہ اول ترافجر کے قابل حضرت عمرؓ نہیں۔ دوم یہ کہ ہجرہؓ معنی ہجریان  
لینا درست نہیں۔ قرآن وحدیث اس کی تائید نہیں کرتے۔ سوم یہ کہ ہجرہؓ استفہام انکاری ہے۔  
چہارم شارحین بذیان والے معنی کو اس مقولہ میں مراد نہیں لیتے۔ اب نواہ مخواہ لغت کے ایک  
معنی کو لے کر۔ علامہ شبلیؒ نے الفاروقی میں اس معنی کو لکھ کر پھر ترہ ویدکی ہے نہ تائید۔ حضرت  
عمرؓ پر برسنا اور دیگر حقائق سے مرثہ موثر لینا کیا یہی دیانت والشفاف ہے۔ اہل سنت کی ان  
تصریحات کی موجودگی میں۔ توجیہ الکلام بالایضی بہ قائلہ۔ پراصرار شیعہ ہی کا خاصہ ہے لیکن کیا  
وَعَصَىٰ آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَىٰ داور آدمؑ نے اپنے رب کی نافرمانی کی پس ناکام رہے، کی تشریح و  
تفہیم جو مسلمان کریں وہ معتبر ہوگی یا جو کافر لغت سے معین کریں وہ مراد ہوگی۔ بینوا؟

امر سوم۔ تحریر نہ ہونے سے امت کی گمراہی۔ شیعہ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ تحریر میں کاوٹ  
ڈال کر امت کی گمراہی کا سبب بنے۔ اگر کچھ دی جاتی تو امت گمراہ نہ ہوتی۔ نہ معلوم یہ لوگ اعتراض  
کرتے وقت عقل و خرد کا دامن کیوں چھوڑ دیتے ہیں۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ ایک شخص کے  
حسبنا کتاب اللہ کہنے سے حضورؐ نے امت کو گمراہی سے بچانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ خدا نے بھی  
وہ وحی واپس لے لی۔ عمرؓ کی بات ایسی غالب آئی کہ حضورؐ کی ۲۳ سالہ محنت اور قربانی بھی امت  
کو گمراہی سے نہ نکال سکی۔ اور آپؐ حسرت سے اپنے مشن میں (معاذ اللہ) ناکام ہو کر رخصت ہوئے  
غیر مسلم شیعہ کی اس بے تکی بات پر کیا مذاق اڑائیگے کہ ایک شخص کے اختلاف کرنے پر خدا و رسولؐ نے  
اصلاح امت کافر لیبنہ بھی چھوڑ دیا۔ واضح نزہات ہے کہ آپؐ کی آخری عمر میں الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ  
دِينَكُمْ (مائدہ ۱۶) آج میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے، سے تکمیل دین کا اعلان ہو چکا۔

فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِي أُذِيَّتْ رِيبًا وَخِيفًا، جو وحی آپؐ کو ہو چکی ہے اسے تھام لیں۔  
سے وحی الہی کا خاتمہ ہو گیا۔ وَدَائِيَتِ النَّاسِ يَدٌ خُلُونِ فِي دِينِ اللَّهِ أَفَلَا جَارٌ وَتَو  
دیکھے گا کہ لوگ اللہ کے دین میں فوج ورفوج کی اخل ہوں گے۔ کی پشت زبیں بھی پوری ہو گئیں۔  
حجۃ الوداع کے موقعہ پر ہل بلغت اللهم اشھد۔ فلیبلغ الشاہد الغائب بے شک  
میں نے احکام رسالت پہنچا دیئے۔ اے اللہ تو گواہ رہ۔ پس اب حاضر غائب تک یہ احکام



پہنچا دے، کے مناظر بھی آسمان و زمین نے دیکھ لیے۔ آپ نے اپنے صحابہؓ اور امت کو تہی کھیل دین کی بشارت سنادی۔

یقیناً میں نے تم کو روشن اور بیدھی راہ پر چھوڑا اور تمہارے دین کو تمہارے لیے ایسے نمایاں کیا کہ اس کی رات بھی دن کی طرح روشن ہے پس میرے بعد اختلاف نہ کرنا افسوس کہ شیعہ ہی نے امامت کا مسئلہ کمال کر سب امت سے اختلاف کیا،

بد رستیکہ شمار اگر اشم بر راہ روشن راست و چہاں واضح گردانیم برائے شما دین را کہ شیش مانند روزش روشن است پس اختلاف مکنید بعد از من (حیات القلوب ج ۲ ص ۵۶۱)

نیز ایک فرشتہ نے اہلبیت کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا۔

حضرت رسولؐ اس وقت تک دنیا سے رخصت نہ ہوئے جب تک تمہارے لیے دین کو کامل نہ کر دیا اور نجات کا راستہ تمہارے لیے بیان کر دیا اور کسی جاہل کے لیے حجت نہیں چھوڑی۔

حضرت رسولؐ دنیا رفت تا آنکہ دین را از برائے شما کامل گردانید و راہ نجات را از برائے شما بیان کرد و از برائے هیچ جاہلی حجت نگذاشت (حیات القلوب ج ۲ ص ۵۶۱)

ان آیات قرآنیہ اور ارشادات مصطفویہؐ کی روشنی میں کیا اس بات کی گنجائش ہے کہ ایک اصولی ہدایت یا بنیادی فیصلہ جس پر امت کے مومن اور خارج الایمان ہونے کا مدار ہے۔ بیان نہ کیا ہو، لہذا ہم کہتے ہیں کہ یہ محض امتحان تھا۔ حضرت عمرؓ نے درست جواب دیا یا پھر ایسی بات تھی جس کا بیان بہتر تھا اور عدم تحریر بہتر نہ تھی اور اللہ لو اس کا کھوانا منظور نہ تھا۔ چنانچہ چار دن قریب زندہ رہنے کے بعد بھی آپؐ نے نہیں کھوائی نہ عدم تحریر کی کسی صدمہ یا نقصان کا اظہار فرمایا۔

اب وہ کیا تحریر تھی۔ روایت میں جن تین باتوں کا ذکر زبانی ہے۔ وہ مقصد تحریر کیا تھا | مراد ہوں تو بہت بہتر ہے۔ زبانی امت تک پہنچ تو گئی ہیں۔ مگر سنی و شیعہ

فریقین کا خیال ہے کہ خلافت کا فیصلہ کرنا تھا تا کہ نزاع پیدا نہ ہو۔ اہل سنت کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور علیہ السلامؑ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ اپنے باپ اور بھائی کو بلواؤ تا کہ میں تحریر لکھ دوں تا کہ کوئی اور دعویٰ یا تمنا نہ کر سکے لیکن کچھ آپؐ نے ارادہ ترک کر دیا اور فرمایا۔ اللہ پاک اور مسلمانوں کو حضرت ابو بکرؓ کے بجائے دوسرا خلیفہ بنانے پر ابکار ہوگا۔ بخاری۔ مسلم۔ مسند حمیدی۔ اچانچہ اسی مضمون



کی ایک در روایت ہے کہ میں نے ارادہ ترک کر دیا کیونکہ خدا و مسلمان صرف ابو بکرؓ کو چنیں گے۔ چہ ۲  
 شیعہ کا خیال ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے خلافت رکھتی تھی۔ مگر وہ تحریر نہ ہو سکی اور  
 امت حضرت علیؓ کے بجائے ابو بکرؓ پر اتفاق کر کے گمراہ ہو گئی۔ لیکن شیعہ کا یہ خیال اگر درست مانا  
 جائے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر بڑا احرف آتا ہے کہ آپ نے بہر صورت وہ کھوا کر اتمام حجت  
 کر کے گمراہی سے امت کو بچانے کا اہتمام کیوں نہ کیا خصوصاً جب کہ سیرت - تاریخ اور شیعہ کی تحریرات  
 (ملاحظہ ہو جواب سوال ۱) کی روشنی میں حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ ہی کو مسلمان سب بہتر جانتے تھے۔  
 نہ کھوانے کا نقصان شیعہ کو ہوا۔ اہلسنت کا نہیں کیونکہ شیعیان کے متعلق آپ کے خیالات بچنے ثابت ہوئے  
 پھر آپ نے امام نماز بنا کر علی تصدیق کر دی۔ اور خواص حلقہ میں ان کی خلافت کی بشارت بھی دی  
 دی۔ شان نزول صورت محرم (تفسیر قمی مجمع البیان) کہا جاتا ہے کہ جب آپ پر ہذیان کا الزام لگایا گیا  
 تو اگر کھواتے بھی تو کوئی نہ مانتا۔ جواب یہ ہے کہ آپ اتمام حجت کا فریضہ تو ادا کر دیتے۔ کیا لوگوں کے  
 ساحر و مجنون کہنے پر آپ نے تبلیغ تو چھوڑ دی تھی یا آخر دم تک اتمام حجت کرتے رہے؟  
 اگر آپ بھی مترض کی تسلی نہ ہوتے وہ مندرجہ ذیل امور پر بخور کرے۔

**چند سوالات**  
 ۱۔ اُتیونی کا امر استجابی تھا نہ ترک امتثال حرم نہیں۔ اگر وجوبی ہے تو سب حاضرین  
 بشمول اہلبیت محرم ہیں۔

۲۔ اس پر کیا قرینہ ہے کہ حضرت علیؓ انتہائی تکلیف کے عالم میں حضورؐ کے پاس نہ ہوں۔ پھر  
 حضرت ابوذرؓ - عمارؓ - سلمانؓ - مقدادؓ جیسے بزرگوں کی غیر موجودگی کی دلیل ہے۔ اگر نہیں تو  
 تنہا عمرؓ پر طعن کیوں؟

۳۔ شیعہ ہر جگہ اہل بیت سے مزاحمہ پنج تن مراد لیتے ہیں۔ یہاں صرف دیگر حضرات مراد کیوں  
 لیے جاتے ہیں۔ حضرت فاطمہؓ و حسینؓ کا تو موجود ہونا ضروری ہے۔ پھر کیوں وہ یہ خدمت بجانہ لائے؟  
 ۴۔ یہ مطالبہ اجتہادی تھا یا بحکم وحی۔ اگر اجتہادی تھا تو استدلال بخیر تام ہے کیونکہ اس سے  
 رجوع ممکن ہے۔ اگر حکم وحی تھا تو تعمیل ضروری تھی یا نہ۔ اگر ضروری تھی تو آپؐ نے تعمیل کیوں نہ کروائی۔  
 اگر وحی سے عدم تعمیل ہوئی تو عمرؓ اعتراضات سے بری ہو گئے۔

۵۔ اگر تحریر میں رکاوٹ پیش آگئی تو زبانی ارشاد کیوں نہ فرمایا؟



۶۔ جبہ بقول شیبہ ختم غدیر میں خلافت علوی کا فیصلہ ہو چکا تھا تو تحریر کا کیا معنی؟  
 ۷۔ اگر حضرت عمرؓ نہ حسب کتاب اللہ کہتے پر مجرم ہوں حالانکہ یہ اولاً یکتا ہے انا انزلنا  
 عَلَیْكَ الْكِتَابَ (پے ۱۶) کیا ان کو سہارا کتاب نازل کر دینا کافی نہیں) کا ترجمہ اور جواب ہے۔  
 تو حضرت علیؓ نے قرآن پاک کے متعلق یہ کیوں فرمایا کہ کتاب اللہ تمہارے سامنے گویا ہے جس  
 کی زبان گوئی نہیں۔ وہ مکان ہے جس کے ستون گرتے نہیں (یعنی ہر بات میں اور دنیا و آخرت  
 کی ہر چیز میں راہ دکھاتی ہے۔ رنج البلاغہ: شرح فیض الاسلام نقدی ج ۱ ص ۱۳۴) ”قرآن کے  
 ذریعے اللہ نے اپنا نور اور دین کامل کر دیا اور حضور کو اس وقت وفات دی جب آپؐ مخلوق خدا  
 کو احکام خدا پہنچا سکے۔ رنج البلاغہ ج ۱ ص ۱۹۲ شرح فیض الاسلام)

علامہ نقی فیض الاسلام ج ۱ ص ۵۹۳ پر اس کی شرح میں فرماتے ہیں۔  
 دین اسلام را بسبب آن کامل گردانید  
 و پیغمبر خود صلی اللہ علیہ وسلم را در حالت فیض زبور  
 کو کامل کر دیا۔ اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو اس  
 حالت میں وفات دی کہ آپؐ قرآن کے احکام  
 کی تبلیغ سے فارغ ہو چکے تھے جو ہدایت اور نجات  
 است فارغ یافتہ بود۔

کاسبب ہیں۔  
 شیبہ کے ہاں اہم خطبہ مذکور میں حضرت فاطمہؓ فرماتی ہیں۔ ”خدا کی کتاب ناطق اور قرآن صادق  
 ہے۔۔۔۔۔ اسی قرآن کے ذریعے خدا کی منور حجبتیں بائی جاتی ہیں۔ بیان شدہ حاجیات معلوم ہوتے ہیں  
 اور ان محرکات کی اطلاع ہوتی ہے جن سے ڈرایا گیا ہے۔ اور اسی قرآن سے اللہ کے مقرر کردہ محتاجات  
 معلوم ہوتے ہیں (بحوالہ وہی مضمون ص ۲۸)

کیا یہ عظیم تقریحات حسب کتاب اللہ کی تائید اور تصدیق نہیں۔ اور کیا حضرت علیؓ وغیرہ بھی  
 حدیث نبوی کے منکر سمجھے جائیں گے۔ واللہ اعلم۔

ایک انور سالہ کا محاسبہ | بیان تک ہماری اس تقریر سے بجز اللہ ہر قسم کے مطاعن کا فور  
 ہو گئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دامن ترک تبلیغ وحی کے  
 الزام سے اور حضرت عمرؓ کا دامن گستاخی اور توجہ وحی کے طعن سے پاک و صاف ہو گیا۔ مزید کچھ کہنے



کی حاجت نہیں مگر چونکہ شیعہ عداوت عمر شکی اس ”قرطاس“ پر بہت کچھ فضولیات سے اپنے دل کی سیاہی کے دھبے ڈالتے ہیں اور درحقیقت وہ سینکڑوں وجوہ قرطاس سیاہ کر کے یہی نتیجہ نکالتے ہیں کہ

۱۔ ”حیاتِ پیغمبر میں بسترِ عداالت پر اقلے دو جہاں کے روبرو دین الہی کے نونہال کی بڑ بڑیلی کاری ضرب دیداروں کی ایک جھانک لگائی اور اسی صدمہ سے باغبانِ گلشنِ دین دنیائے بے مروت سے رخصت ہوئے۔“

۲۔ (قصہ قرطاس) جس نے مسلمانوں کے لیے گراسی و فداالت کا وہ دروازہ کھول دیا جسے قیامت تک بند کرنا عام بشر کے اختیار میں نہیں ہے۔

۳۔ اسی وقت سے اسلام پر مصائب و قتلوں کی گھٹائیں چھانا شروع ہو گئیں اور ملت میں تنازعہ و انتشار کا یو یا سوا یہ بیج دیکھتے ہی دیکھتے شاخوں سے بھر پور درخت بن گیا۔

۴۔ اگر یہ تحریر قلم بند ہو جاتی تو خلیفین کے منصوبے خاک میں مل جاتے .... لہذا امید برآری کے لیے .... (عمر شکی نے) اپنا مشن مکمل کر لیا۔“

یہ ایک عیارِ قلم کار کے الفاظ ہیں جس نے اس واقعہ قرطاس پر ۱۱ صفحے ایسے مہفوات سے سیاہ کر کے اپنے آقائے خمینی کی طرح محصور علیہ السلام کی ناکامی کا بار بار اعلان کیا اور حیاتِ نبوی میں اسلام کو قتل کر کے چکے سے محصور کو رخصت کر دیا ہے۔ وہ حضرت عمرؓ کو ایک طے شدہ منصوبے میں کامیاب کتنا ہے اور سب امت کی گمراہی کا ذمہ دار آپ کو ٹھہرا رہا ہے حالانکہ سنتہ اللہ یہ رہی ہے کہ منصوبہ و تدبیر میں خدا و رسول پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ مخالف و متفق ہمیشہ ناکام رہے ہیں یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سازش کرنا چاہی مگر اللہ کی سازش کامیاب رہی۔ وَ مَكْرُوا بِاللّٰهِ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ۔ حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ قوم کی تدبیر ناکام ہوئی۔ وَ ارَادُوا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمْ الْاٰخِسِرِيْنَ۔ انہوں نے ابراہیمؑ سے سازش کی ہم نے ان کو بڑے گھٹائے میں کر دیا۔ صالح علیہ السلام اپنی قوم پر غالب ہے وَ مَكْرُوا بِاللّٰهِ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ۔ انہوں نے سازش کی ہم نے بھی سازش کی کہ ان کو سچے بھی نہ چلا۔ فرعون کے بالمقابل حضرت موسیٰ علیہ السلام کامیاب رہے وَ مَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِیْ تَبَابٍ وَ مَحْنٍ



کی سازش تباہ ہو گئی۔

الخضر منکرین قرآن و رسولؐ کا یہ گروہ ایک طرف ماذ اللہ حضرت عمرؓ کو راقول مجلسی کا فر منافق اور سازشی کہتا ہے۔ مگر خدا و رسولؐ کے بالمقابل ان کو تاقیامت کا میاب بھی کہتا ہے۔ اس کا مطلب واضح ہے کہ وہ خدا و رسولؐ کا دراصل منکر ہے تبھی تو نہ کسی صحابی کو مانتا ہے نہ قرآن اور ۶۳ سالہ آپؐ کی تعلیم و تبلیغ میں کسی ہدایت کا قائل ہے۔ واقعہ قرطاس اور عمرؓ دشمنی کو تو محض ذات رسولؐ سے چھٹکارا پانے کے لیے ایک بہانہ بنا دیا گیا ہے۔

چند ناجائز باتوں پر تنبیہ۔

۱۔ شرح نہج البلاغہ لابن ابی الحدید اور مروج الذهب مسعودی کے حوالہ سے حضرت عمرؓ کی منصوبہ بندی کا ذکر کیا ہے۔ حالانکہ یہ محض اتفاق تھا کہ حضرت عمرؓ عبادت کو آئے تھے تو یہ بات ہو گئی۔ ورنہ نہ آپؐ نے چھٹی ہی تھی۔ نہ حضورؐ کے دل کی بات جانتے تھے۔ پھر بالاد و نولے کتابیں شیعہ کی ہیں۔ ابن ابی الحدید متنبی شیعہ ہیں اور شیعہ کتاب کی شرح لکھی ہے جبکہ مسعودی انا مشرعی شیعہ ہیں۔ لہذا حضرت عمرؓ کے خلاف ان کی کوئی بات حجت نہیں ہو سکتی۔

۲۔ مسند احمد ج ۲ ص ۳۲۶ کے حوالہ سے یہ عبارت من ترجمہ لکھی ہے۔

فخالف علیہا عمر بن الخطاب حتی رفضها کہ سامان کتابت لے کر جناب عمرؓ نے پھینک دیا۔ حالانکہ یہ مزبح بددیانتی ہے اس کا ترجمہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے (شفقت نبوی سے) اس تجویز سے اختلاف کیا حتی کہ حضورؐ نے چھوڑ دی۔

۳۔ صواعق محرقة باب تاسع فصل ثانی کے حوالے سے حدیث ثقلین لکھی ہے۔ اور یہ استدلال کیا ہے کہ وہ حضورؐ اس صحیفہ میں حضرت علیؓ علیہ السلام کی خلافت و امامت کا تعین فرمانا چاہتے تھے۔ حالانکہ حدیث ثقلین اگر صحیح ثابت بھی ہو تو اس کا مفہوم دوسرا ہے کہ قرآن و علیؓ دونوں سے پوچھتے رہنا کہ اسلام اور میری تعلیم کیا ہے اس پر تاہو بعد اللہ امت کا عمل ہے مگر خلافت و امامت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ علاوہ ازیں ابن حجر مکی نے اس کی سند بھی نہیں بتائی اور ایک حصے کی سند بنا کر ایک راوی کو ضعیف کہا ہے تو قابل استدلال نہ رہی۔

۴۔ حسب کتاب اللہ کا بار بار مذاق اڑایا ہے کہ حضرت عمرؓ نے مخالفت رسولؐ کی اور حجیت



حدیث کا انکار کیا حالانکہ یہ مفہوم مخالف خود شیخہ ذہن کی ایجاد ہے ورنہ حَسْبُنَا اللہُ وَنَعْمُ  
 الْوَكِيلُ کہنے والوں کو رسول اللہ کا منکر تو نہ کہا جائے گا حضرت عمرؓ ہر موقعہ پر سختی سے  
 سنت رسولؐ کے پابند تھے۔ پھر کمالِ ادب سے حضورؐ کو خطاب نہیں کیا بلکہ حاضرین سے کہا و  
 عندکم القرآن حسبنا کتاب اللہ اور اس سے اشارہ آیت الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ کی  
 طرف تھا۔ اس صفائی کے باوجود بھی اگر حضرت عمرؓ پر یہ حکم رسولؐ کا الزام ہے حالانکہ آپؐ کو قلم  
 و دات لانے کا خاص حکم نبویؐ نہ تھا تو پھر یہ الزام حضرت علیؓ پر بھی آئے گا کیونکہ آپؓ اہل خانہ تھے۔  
 تحریر و صحبت میں فائدہ بھی (بقول شیخہ) آپؐ کا تھا اور آپؐ کو لانے کا حکم خصوصی تھا۔ حضرت  
 علیؓ کی غیر موجودگی کا شیخی عذر بالکل لغو ہے بلکہ آپؓ حاضر تھے۔ فرماتے ہیں۔

عن علی بن ابی طالب رضی اللہ  
 عنه قال امر فی النبی صلی اللہ علیہ و  
 سلم ان ائیتہ بطریق یکتب فیہ ما لا تضل  
 امتہ من بعدہ فخشیت ان تفوتنی  
 ففسمہ قال قلت انی احفظ داعی قال  
 اوصی بالصلوٰۃ و ما ملکت ایمانکم۔  
 (یعنی ج ۱ ص ۶۳ مسند احمد ج ۲ ص ۸۷)

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ علیہ السلام نے  
 مجھے حکم دیا کہ میں آپؐ کی خدمت میں ایک طشت لے  
 لاؤں جس پر آپؐ ایسی تحریر لکھ دیں جس کے  
 بعد آپؐ کی امت گمراہ نہ ہو۔ حضرت علیؓ کہتے  
 ہیں کہ مجھے خوف ہوا کہ آپؐ کی ذات مجھ سے جُدا نہ  
 ہو جائے اس لیے میں نے عرض کی کہ آپؐ  
 زبانی ارشاد فرمائیں۔ میں حفظ رکھوں گا۔  
 اور یاد رکھوں گا۔ تو آپؐ نے فرمایا میں تم کو نماز کی اور اپنے ماتحت غلاموں سے حسن سلوک کی وصیت  
 کرتا ہوں۔

اس حدیث نے بخاری و مسلم کی روایات کے ابہام کو دور کر دیا کہ حکم کے اصل مخاطب حضرت  
 علیؓ تھے۔ نیز یہ کہ آپؐ بھی قلم و دات نہ لانے والے گروہ میں تھے۔ حضرت علیؓ نے نہ لاکر واصل  
 حضرت عمرؓ کی تائید کی اور دونوں کی رائے حضورؐ نے پسند فرما کر خاموشی اختیار کی۔ اس سے ظہور  
 یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قوموا یعنی کا مخاطب وہ گروہ تھا۔ جو کھولنے کے حق میں تھا مگر شور میں  
 پڑ کر نہ لاسکا۔ تو آپؐ نے فرمایا مجھے چھوڑ د میری (مراقبہ حق میں) حالت اس سے بہتر ہے جس (تو یہ)  
 کی طرف مجھے آمادہ کرتے ہو۔



۵۔ اگر شیعہ کو رد و وحی پر اب بھی اصرار ہے تو مجبوراً یہ دو قسمے ہم سناتے ہیں کہ ایسا الزام تو حضرت علیؑ پر بھی یقیناً آتا ہے۔

۱۔ "حضرت علیہ السلام ایک دوا، حضرت علیؑ کے گھر تشریف لے گئے بندہ سے اٹھ کر تہجد کی پابندی کی تاکید فرمائی اس پر حضرت علیؑ نے کہا۔  
واللہ لانصلی الا ما کتب اللہ لنا اللہ کی قسم ہم تو فرضی نماز کے سوا اور کوئی ہگز نہ پڑھیں گے۔ ہمارے دل خدا کے ہاتھ میں ہیں اگر نماز تہجد کی توفیق دیتا تو پڑھتے جب آپ نے یہ جواب سنا تو ران پر ہاتھ مارتے ہوئے مکان سے لوٹے اور فرماتے تھے۔ انسان سب سے زیادہ جھگڑا کرنے والا ہے (بخاری)

۲۔ شیعہ کی اپنی روایت بھی سنیہ جو محمد بن بابویہ نے امالی میں اور یلمی نے ارشاد القلوب میں نقل کی ہے کہ حضور علیہ السلام نے حضرت فاطمہؑ کو ۷ درہم دیئے کہ علیؑ کو دو کراہی رقم سے وہ اپنے اہل کے لیے غلام خریدے کیونکہ ان پر بھوک غالب ہے۔ حضرت فاطمہؑ نے وہ علیؑ کو دے کر حضورؐ کا حکم سنا دیا جب حضرت علیؑ نے کہا بابرنگے تو ایک شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ کون ہے جو صحیح وعدہ پر قرض دے۔ حضرت علیؑ نے وہ ۷ درہم قرض دے دیئے (بحوالہ حدیث قرطاس از علامہ محمد و احمد) اس قسم کے متعدد واقعات کتب فریقین میں موجود ہیں اگر حضرت علیؑ کی شخصیت کا خیال نہ رکھا جائے اور شیعہ کی طرح خارجی ذہن سے سوچا جائے تو حضرت علیؑ پر سنگین الزامات قائم ہو سکتے ہیں۔ مثلاً حضورؐ کے حکم کے باوجود فاطمہؑ اور حسینؑ پر خنجر مار دیا کہ آپ کو سچ پہنچایا۔ حکم عدولی کی۔ اپنے عیال کی حق تلفی کی۔ مال غیر میں تصرف کیا۔ اہل بیت کو بھوکا رکھا۔ یہاں اگر جاذبہ ایشاک کہہ کر اچھی تعبیر کریں تو حضرت عمرؓ کے لیے بھی حضورؐ کی سخت تکلیف اور بیماری کے پیش نظر حسینؑ کتاب اللہ کو جذبہ محبت نبویؐ سے تعبیر کریں۔

۶۔ امامت و خلافت بلا فصل کے خواب دیکھنے والے نبوت کی تمام تبلیغی زندگی کو اس کی کھینٹ پھڑپھڑاتے ہیں مگر کبھی کبھی کامیابی نہیں ہوتی۔

"دعوت ذوالحشرہ سے لے کر اعلان خم غدیر تک بار بار رسول اللہؐ نے حضرت علیؑ علیہ السلام کی خلافت کا اعلان فرمایا۔ لیکن اب آخری تحریر کے ذریعے حضرت امیرؑ کی خلافت کا



تین وصیت کے ذریعے کرنا چاہتے تھے۔ اگر یہ تحریر قلمبند ہو جاتی تو مخالفین کے منصوبے خاک میں مل جاتے۔ مدتوں کی اس ٹوٹ جاتی۔ خواہوں کی تعبیر لٹ جاتی اور تمام کیے کر اے پر یکمشت پانی پھر جاتا (لیکن اب عمر کے بول پڑنے پر حضورؐ کے سب کیے کر اے پر پانی پھر گیا مہم ماذا اللہ)

۷۔ چور کی وارھی میں تنکا۔ غیر مسلموں کی زبان سے اپنی نبوت دشمنی کا کیسے صاف اقرار کرتے ہیں۔ جب وہ لوگ جن کے لیے وصیت کی جارہی تھی اس کو معلوم کرنے کے روادار نہ تھے اور سنا تک نہیں جانتے تھے تو پھر وصیت کیوں کی جاتی۔ اگر کوئی بعد میں تحریر ہوئی تو غیر مفید رہتی۔ مخالفین اسلام کو ہمیشہ کے لیے ایک بہانہ مل جاتا کہ دیکھو وحی و قرآن و نبوت تو محض ایک اڑتھی محمدؐ تو محض دنیوی اقتدار کے خواہشمند تھے۔ آخر ان کا وہی انجام ہوا جو دنیا طلب لوگوں کا ہوتا ہے۔ ان کے لیڈر مرگ کے گرد ان کے پیروں میں اس حکومت دنیوی کے لیے تلوار چل گئی۔ یہی کچھ شدید آج صیہون کے متعلق کہہ رہے ہیں۔ نتیجہ کی ان بغوات کو اب بند کر کے قارئین سے معذرت چاہتا ہوں۔

سوال ۹۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء علیہم السلام میں سے کسی نبی کی مثال بھی پیش کی جاسکتی ہے کہ پیغمبر کے انتقال پر امت نے نبی کے خازن سے پر خلیفہ کے انتخاب کو فوقیت دی ہو اگر ایسی کوئی مثال ماسلف میں نہ ملے تو امت مصلحت نے ایسا کرنا کیونکر مناسب سمجھا۔

الجواب۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت سے عہد کی وجہ سے محض نے کیا ہی بے تکا اعتراض قرار شایہ۔ تدفین سے قبل ہی ہر پیغمبر کے جانشین پر سب امت کا اتفاق ہوتا تھا۔ پیغمبر کے رشتہ دار خلافت کے لیے رسد کشی یا نزاع پیدا نہ کرتے تھے۔ جانشین پیغمبر کی موجودگی میں تجنیز و تکفین کا اہتمام ہوتا تھا۔ تمام تواریخ اسی حقیقت کا پتہ دیتی ہیں۔ اگر سائل اس کا منکر ہو تو وہی بات بتائے کہ کس پیغمبر کی تدفین خلیفہ کے تقرر و تعیین کے بغیر عمل میں لائی گئی؟ عند الناس خلیفہ کے تقرر اور بیعت لینے کے وقت کا سوال اٹھانے کی حاجت نہیں۔ سوال دراصل یہ ہے کہ حضرت ابو بکرؓ آیا خدا و رسول کے ایما اور مشیت یا نص سے خلیفہ قرار پائے یا امت نے خدا و رسول کے حکم کے برعکس زبردستی ان کی بیعت کر لی۔ سو اسی مفہوم کے سوال کے تفصیلی جواب میں ہم وضاحت کریں گے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مشیت، حضورؐ کے ایما، یکمشت پانی سے خلیفہ بننے اور سب امت نے آپ کی بیعت کر کے۔ خدا کی مشیت اور وعدہ موعود اور پیشینگوئی



پیغمبر کی تصدیق کی۔ خدا و رسول کے وعدوں اور خبروں میں ہرگز تخلف نہیں ہوتا۔ سوال بالاکا تحقیقی جواب اسی قدر ہے کہ سابقہ پیغمبروں کی مثال کی ضرورت نہیں۔ وہاں ایک پیغمبر کے بعد دوسرا پیغمبر ہی اس کا جانشین بنتا تھا۔ ان کی نبوت و خلافت پر نص حلی کا ہونا ضروری تھا۔ سب امت بیعت کا فریضہ سرانجام دے دیتی تھی۔ مگر شریعت محمدیہ کئی اصول و فروع میں ان سے مختلف ہے۔ یہاں صاحب شریعت پر نبوت ختم ہو گئی۔ اس کا خلیفہ پیغمبر یا مثل پیغمبر معصوم اور خود مختار نہیں ہوگا لہذا نص حلی کی ضرورت نہیں۔ نص خفی اور پیشین گوئی کے ساتھ امت کا اتفاق کافی ہے۔ گو سابقہ امم کی طرح یہاں بھی یہی قانون ہے کہ امت قائد و امام کے بغیر نہ ہو۔ چنانچہ مزاج شناسان رسول اور فضلہ و دبستان نبوت صحابہ کرامؓ نے قبل از تدفین چند منٹوں میں بیعت صدیقی کر کے لیکے تَخْلُفَتْهُمْ فِي الْأَرْضِ کہ یَقِينًا اللہ الہی کو خلافت ارضی دے گا، کا وعدہ خدائی سچ کر دکھایا۔

تاریخ طبری میں ہے کہ عمو بن حرب نے حضرت سید بن زید (یکے از عشرہ مبشرہ) سے پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت آپ موجود تھے۔ فرمایا ہاں۔ عمرو نے کہا حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کب ہوئی فرمایا حضورؐ کی وفات کے دن۔

کوہوا ان یبقوا بعض یوم ولیسوا  
بغیر جماعت ماتحت خلیفہ کے رہیں۔

کیا کسی نے مخالفت بھی کی؟ فرمایا نہیں۔ ہاں دین سے کھڑے والے نے یا جو پھرتے کے قریب ہوتا۔ اگر اللہ تعالیٰ ان کو انصاف سے نہ بچاتا۔ پوچھا کیا مہاجرین میں سے بھی کوئی الگ رہا۔ فرمایا نہیں۔ سب مہاجرین حضرت ابوبکرؓ کی بیعت پر از خود ڈوٹ پڑے۔ اگلی متصل روایت میں ہے کہ حضرت علیؓ گھر میں تھے اور آپ کو اطلاع ملی کہ ابوبکرؓ منبر پر بیٹھے بیعت لے رہے ہیں اسی طرح ٹبے کرتے ہیں حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ بیعت کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے کیونکہ تاخیر آپ کو ناپسند تھی۔ بیعت کر کے آپ کے پاس بیٹھ گئے پھر کھڑے ہو کر پتے اور مجلس میں بیٹھے رہے (طبری ج ۳ ص ۲۷) خود شبیرہ کے یہاں یہ اصول مسلم ہے کہ نبی یا امام کا جانشین اس کے آخری لمحات میں بنایا جاتا ہے۔



متیٰ یسئھى الیہ الاصر قال فی  
اخر د قیقہ من حیاة الاول راصل کافی  
ج ۱ ص ۲۴۵

عمدہ امامت اسے کب ملتا ہے۔ تو امام جعفرؑ  
نے فرمایا پہلے امام کی زندگی کے آخری لمحات میں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ہی حضرت حسنؑ منبر پر جلوہ افروز ہوئے۔ حمد و ثنا  
کے بعد فرمایا۔

”لوگو! اسی رات قرآن نازل ہوا۔ اسی رات حضرت عیسیٰؑ آسمان پر تشریف لے گئے۔ اسی  
رات حضرت یوشع بن نون شہید ہوئے اور اسی رات میرے والد امیر المومنینؑ شہید ہوئے۔ گویا  
شہادت علیؑ مبارک دن میں ہوئی م (پھر حضرت حسنؑ منبر سے اترے تو سب حاضر لوگوں نے  
آپ کی سبیت امامت کی۔ (جلال العیون ص ۲۱۹)

جب شیعہ مذہب میں۔ ہر شیعہ امام موت کے وقت ہی بن جاتا ہے۔ اور قبل از تجزیر و تکفین  
اس کی سبیت بھی ہو جاتی ہے تو سید المرسلؐ کا جانشین قبل از تدفین بنا دیا جائے تو کیوں اعتراض  
کیا جاتا ہے۔ حالانکہ یہی سنت اسلام و سنت انبیاءؑ ہے۔

مدینہ کے اس وقت نازک حالات سے قطع نظر کہ اہل نفاق اور اسلام دشمن طاقتیں اسلام  
کو مٹانا چاہتی تھیں۔ عقلا یوں بھی خلیفہ کا تین ضروری ہے کہ امت کا ہر کام امام کی نگرانی میں  
ہو۔ اور کسی بات میں اختلاف یا پیرانہ ہو یا پھر اسے ختم کر دیا جائے۔ چنانچہ دفن پیغمبرؐ کے لیے اختلاف اُڑا  
ہوا کسی نے جنت البقیع کا نام لیا۔ کسی نے حرم کعبہ کے بوار کا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے ارشاد نبویؐ  
پیش کرنے پر آپؐ کو جائے ازسحال پر ہی دفن کیا گیا۔ (طبری ج ۳ ص ۲۱۳)

صورت نے آخری وصایا متعلقہ تجزیر و تکفین آپؐ ہی کو فرمائی تھیں اور بامبر نبویؐ آپؐ نے  
اس کام کو دوسروں پر تقسیم کیا (جلال العیون ص ۲۱۳)۔ کشف الغمہ۔ حیات الطوب ج ۲ ص ۶۹، کہا جاتا  
ہے کہ یہ روایت ثعلبی سے ہے جو کہتی ہے حالانکہ ثعلبی شیعہ تھا اور تفسیر کرتا تھا۔ اس کی تالیف ”مثالب  
صحابہؓ“ شیعہ ہونے کی گارنٹی ہے۔ اس کے علاوہ صحابہ ان کتب مذکورہ نے روایت بالاکو تو توثیق  
و تائید کے لیے نقل کیا ہے۔ نہ تردید کے لیے



سب سے پہلے امام ایک اسلامی فریضہ تھا جو بہر حال ادا کرنا تھا۔ اگر قبل دفن وجود میں آگیا تو شیعہ کو کیا دیکھ ہے۔ اصول کافی ج ۲ ص ۲۴۲۔ رجال کشی ص ۱۷۵۔ وفات کافی جیات القلوب کی روایات کی روشنی میں جب سوائے تین شخصوں کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تو خلافت نہ ملتی اور جسے بھی ملتی شیعہ تو اس کے دشمن ہی ہوتے۔ ہاں امت افتراق کا شکار ہو جاتی۔ منافق سازش کرتے۔ فتنہ ارتداد اور کفر کی بلجائز کو فرو کرنے والا کوئی نہ ہوتا۔ پیغمبر اسلام کی وفات کے ساتھ اسلام کا جنازہ بھی اٹھ جاتا تو آج شیعہ خوشی سے غلیں بجاتے۔ جیسے آج بھی ان کا قطعی متفقہ عقیدہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سوائے چار آدمیوں کے سب مرتد ہو گئے (روضہ کافی ص ۲۳۶-۲۹۶) یہ ہے ان کی اسلام اور پیغمبر اسلام کی محنت و قربانی اور تعلیم و تربیت سے محبت۔ نف ایسے عقیدہ و مذہب پر اور امامت کے تکفیر باز مسئلہ پر۔

جنازہ رسول میں سب صحابہ کرام کی شرکت | جھوٹ اور بہتان تراشی میں یہ ماہر فرقہ کتا رہتا ہے کہ صحابہ نے جنازہ نہیں پڑھا۔ اور خلافت کے جھگڑے میں لگے رہے اس لیے اس مسئلہ پر بھی کچھ روشنی ڈالتا ہوں۔

انتخاب امام میں چنناں ویر نہیں ہوئی حضرت علی رضی اللہ عنہ جگم نوئی و صدیقی ابھی غسل سے فارغ بھی نہ ہوئے تھے کہ سب سے پہلے خلافت تمام ہو گئی۔ مراۃ العقول ص ۱۲۲ احتجاج طبرسی ص ۵۲ اور کتاب الروضہ ص ۱۵۹ پر ہے۔

حضرت سلمان کہتے ہیں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا ابھی وہ غسل نبوی دے رہے تھے تو میں نے ان کو سب لوگوں کی کارروائی و سبب ابو بکر رضی اللہ عنہ بتلائی اور کہا کہ ابھی ابو بکر رضی اللہ عنہ پیغمبر رسول پر بیٹھے ہیں۔

قال سلمان فأتیت علیاً علیہ السلام  
وضوءاً یسئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ و  
سلم فاحضرته بما صتمع الناس وقلت  
ان ابابکر الساعۃ علی حنیبر رسول  
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سب مسلمانوں کے ساتھ جنازے پر جمع ہوئے۔ آگے حضرت امام جعفر

کی حدیث ملاحظہ ہو۔



حضرت عباسؓ حضرت امیر المومنینؓ کی خدمت میں آئے اور کھانام لوگوں کا اتفاق ہے کہ حضرت رسولؐ کو قبیع میں دفن کریں اور حضرت ابوبکرؓ آگے بڑھ کر حفنور پر جنازہ پڑھائے۔ پھر حضرت علیؓ پہنچ گئے تو فرمایا۔ لوگو! حفنور کی زندگی میں آپ کا امام کوئی نہ تھا۔ اب بھی کوئی امامت نہ کرے فردا فردا لوگ دعا پڑھیں (حیات القلوب ص ۶۶۔ جلاء الجیون ص ۷۷)

گو اس روایت میں غلط بیانی کر کے حضرت ابوبکرؓ پر طعن مقصود ہے۔ کیونکہ نایابی حقائق کے پیش نظر امام نہ بنانے کی رائے حضرت ابوبکرؓ نے ہی دی۔ تاہم جنازہ الرسولؐ پر حضرت ابوبکرؓ اور سب صحابہؓ کا اجتماع۔ اور صدیق پر سب کا اتفاق۔ شیعہ کے گھرتے معلوم ہو چکا۔ واللہ الحمد مزید سب صحابہؓ کی شرکت کی احادیث ملاحظہ ہوں۔

۱۔ اصول کافی باب مدفنہ و صلواتہ میں ہے۔

عن ابی جعفر علیہ السلام قال امام باقرؓ نے فرمایا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی تو آپ پر سب فرشتوں نے صلت علیہ الملائکۃ والمہاجرین و الانصار فوجاً و قسیر صافی ص ۲۶

شیعہ کی متبر کتاب مرآة العقول ص ۲۶ پر ہے کہ جس میں مہاجرین اور انصار آپ پر صلوٰۃ و سلام پڑھتے تھے اور باہر آتے تھے۔

حتی لم یبق احدا من المہاجرین والانصار الا صلی علیہ حتی کہ مہاجرین و انصار میں سے ایک بھی نہ بچا جس نے نماز نہ پڑھی ہو۔

حیات القلوب ج ۲ ص ۶۶۔ حق الیقین ص ۱۳۲ پر ان احادیث کا فارسی ترجمہ موجود ہے اور یہ تصریح بھی ہے۔

تا آنکہ خور و وزیر گ مرد و زن اہل مدینہ و اطراف مدینہ سجد بر آن حضرت جنین نماز کر دند۔ حتی کہ چھوٹے بچے۔ مرد و عورتیں مدینہ والے اور آپس کی بستیوں والے سب لوگوں نے حضرت پر اس طرح نماز پڑھی۔

بینہ حیات مقبول ترجمہ ص ۴۵ اور احتجاج طبرسی ص ۵۲ پر بھی جملہ مہاجرین و انصار کی شرکت در



جنازہ مرقوم ہے۔

ان صریح احادیث کے باوجود یہ کہنا کہ ابوبکر و عمرؓ اور دیگر صحابہؓ نے جنازہ نہیں پڑھا۔  
کتنا بڑا جھوٹ ہے۔ کیا مدینہ و اطراف مدینہ، مہاجرین و انصار، مرد و زن، خور و کلاں کے  
عموم سے یہ صحابہؓ خارج ہیں۔ پھر حضرت جعفر صادقؑ جو صحر کر کے کیوں بیان کرتے ہیں شیخینؒ  
کی استثناء کیوں نہیں کرتے آخر آپ کو ان سے کیا ڈر تھا؟

جب اپنے گھر کے جواب ہو جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ کتب اہل سنت میں ان کی شرکت جنازہ  
کی صراحت نہیں ملتی۔ حالانکہ کتاب کسی بھی مذہب کی ہزاروں صحابہ کرامؓ کی شرکت بتانے  
کے لیے سب مہاجرین و انصارؓ، کل مرد و زن اور مدینہ و اہل مدینہ، خور و کلاں جیسے عمومی الفاظ  
بیان کیے جاتے ہیں نہ کہ شخصی نام۔ کیا دس دس آدمیوں کے جنازہ خواں گروہوں میں کسی میں  
حضرت علیؓ اور دیگر چاروں صحابہؓ کی بھی شرکت کی صراحت ملے گی؟ اگر نہیں تو حضرت ابوبکر و  
عمرؓ کے لیے یہ مطالبہ کیسے کیا جاتا ہے۔ عموم سے استثناء کے لیے خصوصی اور قوی ترین دلیل درکار  
ہوتی ہے۔ یہ ایک اصولی بات عرض کی ہے کہ شیعہ حضرات دو طرفہ بے انصافی کرتے ہیں۔ صحابہ کرامؓ  
کے عمومی مناقب سے حضرات خلفاء و اکابرین امت کو بلا دلیل خصوص نکالتے اور دلیل خاص کا مظاہرہ  
کرتے ہیں۔ مگر اپنا مذہب کشید کرنے کے لیے عموم سے خصوص پر استدلال کرتے ہیں اور دلیل خاص  
کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ لیکن حضرت ابوبکر و عمرؓ اساطین امت ہیں۔ ان کا تذکرہ خصوصیت  
سے بھی یقیناً ملتا ہے۔ البدایہ والنہایہ میں ہے۔

جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کفن دیا جا  
چکا اور چار پائی پر آپؐ کو رکھا گیا تو حضرت  
ابوبکر و عمرؓ داخل ہوئے اور فرمایا "سلامتی  
ہو آپ پر اللہ کی اور اس کی رحمتیں اور برکتیں  
اے اللہ کے نبیؐ۔ ان دونوں کے ساتھ مہاجرین  
و انصار کے کچھ لوگ بھی تھے جتنے حجرہ میں آسکتے  
تھے پس انہوں نے بھی اسی طرح سلام پڑا جیسے

لما کفن رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
وسلم ووضع علی سریرہ دخل ابوبکر  
وعمر فقالا السلام علیک ایہا النبی  
ورحمة اللہ وبرکاتہ ومعہما نفر من  
المہاجرین والانصار قد دما یسع  
البیت فسلموا کما سلم ابوبکر وعمر وھا  
فی الصحف الاول حیال رسول اللہ صلی



اللہ علیہ وسلم اللہم انا نشہد انہ  
قد بلغ ما انزل الیہ .... ثم یخرجون  
وبدخل اٰخرون حتی ملوا علیہ الرجال  
ثم النساء ثم الصبیان (البیہ ج ۵ ص ۲۶۵)

حضرت ابو بکر و عمرؓ نے پڑھا حضرت ابو بکر و عمرؓ  
صف اول میں حضورؐ کے سامنے تھے اور یوں کہتے  
تھے اے اللہ! ہم گواہی دیتے ہیں کہ حضورؐ نے وہ  
وہی پوری پہنچائی جو آپؐ پر کی گئی .... پھر نکلتے  
تھے اور دوسرے داخل ہوتے تھے۔ حتیٰ کہ سب مردوں پھر عورتوں اور بچوں نے نماز و سلام کا

فریضہ ادا کیا۔

جنازہ مبارک پڑھنے کی یہی کیفیت طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۲ اور سیرت حلبیہ ج ۳ ص ۳۹۴  
پر موجود ہے اور بخاری شریف میں حضرت ابو بکرؓ کا گھر سے آتے ہی حضورؐ کا چہرہ کھولنا اور جھک کر  
بوسہ دینا اور رونا پھر مشرک و خطیبہ دینا مذکور ہے۔ سنی و شیعہ ان تصریحات کے باوجود کیا اب بھی کسی  
شخص کو یہ بھوٹ بولنے کی گنجائش ہے کہ بخاری شریف ج ۱ ص ۱۰۱ میں مذکور ہے کہ حضورؐ کی روشنی  
میں اس قسم کی ضعیف و شاذ کوئی روایت نہیں قبول ہو سکتی ہے جس میں کہا ہو کہ ابو بکرؓ و عمرؓ جنازہ  
و دفن میں موجود نہ تھے۔ جیسے کہ کنز العمال کی روایت ہشام بن عروہ سے نقل کی جاتی ہے کہ جناب  
ابو بکر و عمرؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن کے بعد لوٹے۔ حالانکہ ہشام تو عروہ کا بیٹا ہے۔ خود  
عروہ کی ولادت حضرت عمرؓ کی خلافت کے اخیر میں یا حضرت عثمانؓ کی خلافت کی ابتدا میں ہوئی۔  
تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۵۹ - تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۱۸۳، لہذا اس واقعہ میں خود عروہ کی موجودگی  
محال ہے۔ یہ جائیکہ اس کا بیٹا ہشام موجود ہو۔ بہر حال یہ روایت منقطع اور غیر معتبر ہے۔  
متناشاذ ہے تو روایات مسندہ صحیحہ کے مقابلے میں مردود ہے۔ (بحوالہ جنازہ الرسولؐ از  
علامہ تونسوی صاحب)



# باب چہارم مسئلہ بارغ فدک

سوال ۱۶۱۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء علیہم السلام میں سے کسی ایک نبی کی مثال بھی پیش کی جاسکتی ہے کہ سنیہ کے انتقال پر ملال پر پیغمبر کی اولاد کو باپ کے ترکہ سے محروم کر دیا گیا ہو۔ جیسا کہ رسول زادی کو حدیث بخن معاشر الانبیاء ثلاث و لا خودت ماترکنا صدقہ خلیفہ وقت تے سنا کہ باپ کی جائیداد سے محروم کر دیا تھا۔ دیکھو بخاری ص ۱۶۱۔

الجواب۔ اولاد کے مالی وارث ہونے کے شیعہ مدعی ہیں اہل سنت منکر ہیں۔ مدعی کے ذمے ثبوت ہوتا ہے شیعہ ایک مثال پیش کریں کہ کسی نبی کا اپنا گھریلو مال یا ترکہ ان کی سب اولاد میں بطور وراثت نہ ملے پورا پورا تقسیم ہوا ہو۔ جب ایسی کوئی مثال نہیں ملتی تو منکر کا دعویٰ از خود بلا دلیل و مثال ثابت ہوجاتا ہے۔

یہ سوال قصہ فدک کی طرف اشارہ ہے جو شیعہ کا پیدا کردہ محرمہ الارامہ ہے۔ مسئلہ فدک بلکہ اہل تشیع کا بزعم خود شک بنیاد ہے۔ انقلابات زمانہ سے جب دسویں صدی ہجری میں صفوی خاندان ایران میں برسر اقتدار آیا اور شیعہ کا اصول تقیہ باطل ہو گیا۔ اور شیعہ ائمہ کے ارشادات۔ کہ شیعہ! تم اس دین پر جو اسے چھپانے کا وقت پائے گا اور جو ظاہر کرے گا خدا اسے ذلیل کرے گا۔ نیز جوں جوں امام مہدی کے ظاہر ہونے کا زمانہ قریب آئے گا تقیہ دور۔ کتمان دین کی ضرورت اور سخت ہوتی چلی جائے گی (اصول کافی باب التقیہ)۔ خود شیعہ کے قول و فعل سے جھوٹے ثابت ہوئے۔ تو شیعہ مبلغ سب سے پہلے مسئلہ فدک سے بحث شروع کرتے تھے۔ کشف الغم کے مقدمہ میں مؤلف کے حالات میں ہے۔

”یہاں یہ بات معلوم کر لینی چاہیے کہ شیعہ مذہب صفوی زمانہ سے ایران میں شائع ہوا۔ علامہ زواری۔ شیخ بہاد الدین اور ملا فتح اللہ کاشانی جیسے لوگ دولت اصفیہ کے آغاز میں اہل بیت کا طریقہ پھیلانے میں مصروف ہوئے۔“

پھر اس اعتراض۔ کہ شیعہ مذہب فاتح ایران حضرت عمر فاروق کے بغض کی وجہ سے ایران میں پیدا



ہوا۔ کسے جواب میں کہتے ہیں۔

وما گویسیم ایں سخن غلط است وایشان  
نمی دانند کہ تشیع از زمان صفویہ با ہزاراں رنج و  
دشواری رواج گرفت و پیش از آن تا ہزار  
سال کشور عجم مانند سایر ممالک اسلامیہ سنی  
بودند۔ (مقدمہ کشف الغمہ ص ۱۸۱ از مرزا ابوالحسن  
شیرازی)

ہم کہتے ہیں یہ الزام غلط ہے۔ یہ سنی نہیں جانتے  
کہ شیعہ مذہب نو صفویہ خاندان کے زمانہ سے  
ہزار رنج اور مشکلات کے ساتھ شائع ہوا اور  
اس سے پہلے ہزار سال تک عجیبی ممالک تمام دیگر  
اسلامی ممالک کی طرح سنی مذہب تھے۔

اب ایسے مذہب کی حقیقت و صداقت کا کیا کہنا جو ہزار برس بعد ہی پردہ عدم سے ظہور میں  
آتا ہے۔ اور بنیاد و مبنی کے بعد فک جیسے چند اختلافات پر استوار کر کے اتفاق ملی کو پارہ پارہ  
کرنا اور اپنے فرقہ کے سوا سب مسلمانوں کو دائرہ ایمان سے خارج جانتا ہے۔ حالانکہ بالکل کھلی بات  
ہے جن اختلافی مسائل پر آج ملت اسلام کو کفر و اسلام میں منقسم کیا جاتا ہے۔ عمدہ صحابہؓ و اہل بیتؓ  
میں ان کا وجود ایسے تھا ہی نہیں جیسے باوجود کیا جاتا ہے۔ یہ بات کا بتنگڑ بنا کر تصویر یہی غلط پیش  
کی جاتی ہے۔ ورنہ کیا وجہ ہے کہ جس وقت یہ مسئلہ اٹھایا اٹھائے گئے۔ حضرات اہل بیتؓ سے عقیدت  
رکھنے والے بھی کروڑوں مسلمان تھے۔ ہزار برس تک ان میں سے کوئی فرقہ شیعہ اہل بیتؓ نہ بنا اور  
نہ کسی نے ان اختلافات کو ہوا دے کر نہ مذہب تیار کیا مگر ہزار برس بعد یہود و مجوس کے ملغوبہ خاندان  
صفوی نے ان اختلافات کو مذہب کی شکل میں پھیلا دیا تشیع کے اس اجمالی تعارف کے بعد اور مسئلہ  
فک کی تفصیلات میں جانے سے پہلے چند باتوں پر غور کرنا ضروری ہے۔

اس مسئلہ کی حقیقت صرف اتنی ہی ہے کہ یہود بنی نظیر۔ قریطہ اور خیبر کے بعض  
قبائل نے اہل اسلام سے مرعوب ہو کر بلا جنگ جو جاہل ادویں اہل اسلام کے  
سپر و کین قرآنی اصطلاح میں وہ مال فے کہلاتا ہے اور اس کے آٹھ مصارف سورت حشر میں مذکور  
ہیں۔ ان ہی میں فک تھا۔ یہ جاہل ادویں صرف حضورؐ کی تحویل میں تھیں کیونکہ کسی مسلمان مجاہد کا ان میں  
میں حصہ نہ تھا۔ حضورؐ صرف اپنی صوابدید سے مذکورہ بالا مصارف پر کٹا یا جزا کی عیشی کے ساتھ  
خرچ کرتے تھے۔ اپنا ذاتی خرچ۔ رشتہ داروں کا خرچ بھی اسی سے نکالتے تھے۔ اصول کافی میں



تصریح ہے کہ یہ جائیداد پیغمبر کے بعد امام جانشین کی تحویل میں سپردی جاتی ہے۔ اور وہ ایسی کے مطابق ان میں عمل و تصرف کرتا ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جب اسی حیثیت سے جانشین پیغمبر ہوئے تو حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا نے خلیفہ کی یہ حیثیت تسلیم کرتے ہوئے بذریعہ قاصد یہ مطالبہ کیا کہ فدک نامی شہر کی جائیداد۔ جس کی آمدنی ہم استعمال کرتے ہیں۔ براہ راست میری تحویل میں دے دیں۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا یہ وراثت کی سی شکل ہے۔ جناب رسول مقبول علیہ السلام کا فرمان میں ہے کہ پیغمبروں کا ترکہ عام صدقہ ہوتا ہے اس میں کوئی وارث نہیں بنتا۔ آپ کو خرچ کے لیے وہ سب آمدنی ملتی رہے گی جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد میں ملا کرتی تھی۔ حضور علیہ السلام کی رشتہ داری مجھے سب دنیا سے بڑھ کر عزیز ہے لیکن میں بطور وراثت و تملیک وہ جائیداد آپ کے حوالے نہیں کرتا کہ چونکہ حضورؐ کی روش کے خلاف کروں تو گمراہ ہوں گا۔ حضرت فاطمہ الزہراءؑ یہ محقول جواب سنا کہ فاموں ہوئیں۔ پھر اس مسئلہ پر آپ سے بات نہیں کی حتیٰ کہ ۶ ماہ بعد رحلت فرما گئیں۔

جناب رشید اختر ندوی "مسلمان حاکم" ص ۳۲، ۳۳ پر لکھتے ہیں۔

حضرت فاطمہؑ کا مطالبہ تھا انہیں باغ فدک اور خیبر کی زمینیں دی جائیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے براہ راست تابع تھیں۔ جن سے رسول اللہ اپنی بیویوں۔ اہل و عیال۔ عام مسلمانوں مسافروں اور عمال کی تنخواہیں اور دوسرے اخراجات پورے کرتے تھے۔ حضرت فاطمہؑ کی نظر منصب امامت اور اس کے فرائض پر نہ تھی وہ اپنے باپ کو نبی مانتی تھیں مگر وہ انہیں عرب کا امیر بھی سمجھتی تھیں۔ . . . .

درحقیقت اسلام ٹبرے اونچے مقاصد کے واسطے دنیا میں آیا تھا۔ رسول اللہ نے جو طریق حکومت رواج دیا تھا اس میں امیر ملت یا حاکم اعلیٰ کی وراثت کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ البتہ اگر رسول اللہ اپنے باپ یا دادا سے کوئی جائیداد پاتے اور یہ جائیداد نبی کی حیثیت سے نہیں ایک عام فرد کی حیثیت سے انہیں ملتی تو بات شاید الگ ہوتی تو شاید ابو بکرؓ رضی اللہ عنہ فاطمہؑ کے مطالبہ کو رد نہ کرتے۔ بہت ممکن تھا بلکہ یقیناً ایسا ہوتا کہ رسول اللہؐ یہ جائیداد بھیج کر مستحق مسلمانوں کو کھلا دیتے اور وصال کے وقت اپنے پیچھے کچھ چھوڑ نہ جاتے اور باغ فدک اور خیبر کی بعض زمینیں تو رسول اللہ کو مسلمانوں کے حاکم



ہونے کی حیثیت سے ملی تھی اور اگر وہ زمینیں اپنی بیٹی یا اپنے نواسوں اور دوسرے عزیزوں کے لیے مخصوص کر جاتے تو ان میں اور دوسرے حکمرانوں میں کیا فرق رہتا۔

سیدہ فاطمہؓ نور ملت اور جان ملت ہیں۔ سیدہ فاطمہؓ ہم سب کی آنکھوں کا تارا ہیں ان کی محبت جزو ایمان ہے لیکن اسلام کے عظیم مقاصد اس محبت کے باوجود مقدم ہیں اور اس لیے ابو بکرؓ نے فاطمہؓ سے کہا تھا یہ باغ فدک میرے تسلط میں اس طرح رہے گا جس طرح رسول اللہؐ کے تسلط میں تھا اور میں اسے اس طرح خرچ کروں گا جس طرح رسول اللہؐ اسے خرچ کرتے تھے (ابن کثیر جزء ۵ ص ۲۸۹)

اور تاریخ نے جو کسی کے عیوب و محاسن نہیں چھپاتی اور ہر عیب کو ظاہر کر دیتی ہے ابو بکرؓ پر یہ الزام نہیں لگایا کہ انہوں نے باغ فدک یا کسی اور زمین کی سیدہ اوار اپنے اوپر صرف کی ہو گواہوں نے باغ فدک اور دوسری زمینیں اپنے قبضے (تولیت) میں لے لی تھیں لیکن ان کی سیدہ اوار اپنے اوپر حرام کر لی تھی۔

وہ جس طرح کی زندگی گزارتے تھے اس کی تفصیل آگے آئے گی۔ یہاں صرف اتنا بتانا مقصود ہے کہ ابو بکرؓ نے رسول اللہؐ کی وراثت کے باب میں وہی مسلک اختیار کیا جو اسلام کا منشاء تھا انہوں نے وہی راہ اختیار کی جو اسلام کے پہلے حاکم اعلیٰ کو منظور و محبوب تھی۔

اور یہ راہ اختیار کرتے وقت انہوں نے رسول اللہؐ کے ارشاد سے سند بھی لی تھی انہوں نے حضورؐ کا ارشاد حضرت فاطمہؓ اور دوسرے لوگوں کو سنا دیا تھا اور ان سے صاف لفظوں میں کہہ دیا تھا "فرحیت ان اعداء علی المسلمین" (میرا خیال ہے کہ میں اسے مسلمانوں کو لوٹا دوں) انہوں نے اپنا یہ خیال پورا کیا اور فدک اور خیبر کی مخصوص آمدنی مسلمانوں کے تصرف میں لائے۔ اور یہ باغ فدک اور دوسرے اموال رسول اللہؐ کی زندگی میں حضورؐ کے ذاتی اور قومی تصرف میں آیا کرتے تھے۔ جن میں سے بنی نضیر کے اموال بھی تھے۔

مؤرخ ابو عبیدہ نے اس سلسلہ میں حضرت فاروقؓ کی روایت درج کی ہے جس کے الفاظ ہیں۔ کانت اموال بنی نضیر مما افاد اللہ علی دسولہ مما لا یوجب المسلمون علیہ یخیل ولا رکاب فکانت لرسول اللہ خاصۃ فکان ینفق منها علی اہلہ نفقۃ سنۃ



وما جعله في الكراع والسلاح عداة في سبيل الله **مسلمان حكران ۳۲-۳۳-۳۴ مؤلفہ**  
 رشید اختر ندوی مطبوعہ احسن برادرز لاہور

(ترجمہ) کہ بنو نضیر کے اموال اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی گھڑ و وڑ اور لشکر کشی کے بغیر حصنہ علیہ  
 الصلاۃ والسلام کو بطور فے دیے تھے تو یہ حصنہ کے خاص تصرف میں تھے آپ سال کا خرچہ اپنے  
 گھر والوں پر اُس سے کرتے اور بقیہ کو جہاد فی سبیل اللہ کی تیاری میں ہتھیار وغیرہ سامان پر خرچ  
 کرتے تھے۔

شعبہ حضرات حضرت فاطمہؓ کی مفروضہ ناراضگی کو بہت اچھالتے ہیں تو گزارش یہ ہے کہ حضرت  
 فاطمہؓ کی اپنی زبانی واقعہ کی تفصیل یا ناراضگی کا اظہار اہل سنت کی کسی معتبر کتاب میں نہیں ملتا۔ چونکہ  
 خوشی یا ناراضگی دل کا فعل ہے۔ عام راوی اسے بطور ظن ہی بیان کر سکتا ہے چنانچہ بعض روایۃ الثبت  
 نے خاموشی کو ناراضگی پر محمول کیا اور اسی بنا پر ناراضگی بعض روایات میں منقول ہے۔

۲۔ **دس مہینہ** اس سے قطع نظر کہ حضرت جیسے مثبت ناراضی الفاظ راوی کے مدارج الفاظ میں  
 جیسے تقریب بیان ہو گا۔ قابل توجہ بات اس قدر ہے۔ اولاً کہ قرن اول کے  
 دو بڑے بزرگوں پیغمبر کے خاص رشتہ داروں میں اتنا سادہ فکری یا نظریاتی اختلاف کیا اس بات کا  
 مجوز مہیا کر سکتا ہے کہ اس پر اصولی اختلاف کی طرح ڈال کر امت مسلمہ کو ٹکڑے ٹکڑے کیا جائے۔ خود  
 حضرات اہل بیتؑ نے توحید میراث اور عمل صدیقی کی تنبیط نہیں کی۔ قصہ فدک میں بدستور وہی طریقہ  
 جاری رکھا جو پیغمبر اعظمؐ اور صدیق اکبرؓ نے قائم کیا تھا۔ پھر بعد میں آنے والے لوگوں کو انتشار و اختلاف  
 برپا کرنے کا کیا حق ہے؟

ثانیاً حضرت فاطمہؓ جیسی عابدہ زاہدہ بتول سے عقلاً کیا ممکن ہے کہ وہ صدیق اکبرؓ سے  
 حدیث پیغمبرؐ سن کر ناراض ہو جائیں۔ یہ ادنیٰ مسلمان کی بھی شان نہیں ہو سکتی۔ بالفرض اگر وہ حدیث  
 آپ کے خیال میں درست نہیں تو بر ملا اس کا انکار کر کے اس کے برعکس قرآن و سنت سے ان کو  
 قائل کریں اور اس کا ثبوت کتب معتبرہ فریقین سے ہونا چاہیے خاموشی تو علامت رضا ہی ہے۔  
 ثالثاً۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ شہسبے سے افضل صحابی ہی نہیں بلکہ حضرت فاطمہؓ الزہراءؓ کے  
 رشتہ میں نانا بھی ہیں۔ حصنہ کے یا قدیم اور صاحب الغار بھی ہیں۔ عمر بھر جان و مال سے حصنہ کی



خدمت و نصرت کی۔ حضرت فاطمہؓ کے حضرت علیؓ سے رشتہ کے محرک اول حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ ہی ہیں۔ آپ کا جہیز خرید کر لانے والے حضرت ابوبکرؓ ہی ہیں۔ نکاح کے اہم شاہد بھی یہی حضرت ثلاثہؓ ہیں بلکہ حضرت فاطمہؓ اور علیؓ کے گھر طوینازعات کو مٹاتے وقت بھی حضورؐ شیعینؓ کو شاہد بناتے تھے (سب امور کے لیے قصہ ترویج ملاحظہ ہو کشف الغمہ و جلاء العیون)

کیا حضرت فاطمہؓ الزہراءؓ کے متعلق عقل سلیم کسی بھی درجے میں یہ باور کر سکتی ہے کہ آپ اتنے بڑے محسن و نشتہ دار پر صرف تولیت فدک نہ ملنے کی وجہ سے ناراض ہو گئی ہوں اور ناز و لیت کلام نہ کی ہو راجا۔ فرض کیجئے آپ حساس اور نازک مزاج تھیں۔ خلاف مرضی حضرت ابوبکرؓ کا عمل و ارشاد کن کر طبعاً ناراض ہوئیں۔ یا بقول شیعہ حضرت ابوبکرؓ جیسے بزرگ محسن کو اپنے حق کا غاصب سمجھ کر ناراض ہوئیں۔ تو کیا تین دن تک ناراضی کا جواز۔ پھر ناراضی اور ترک کلام کی حرمت کا متفقہ مسئلہ آپ کو معلوم نہیں۔ پھر اس کی خلاف ورزی کیسے؟ فدک کا مسئلہ مالی حقوق کے متعلق ایک دنیوی مسئلہ ہے عقیدہ اور فرائض شریعت کا مسئلہ تو نہیں جس کے خلل سے طویل ناراضی کا عذر لنگ نہ اٹھا جائے۔

خامساً سیدہ حضرت فاطمہؓ الزہراءؓ سیدۃ النساء ہیں۔ اعمال صالحہ اور پرہیزگاری میں اعلیٰ اور ماری مقام رکھتی ہیں۔ قرآن پاک میں اہل جنت کے اوصاف عالیہ میں **وَالَّذِينَ كَانُوا عَلَىٰ ذُرِّيَّتِهِم مَّتَّعِينَ** اور **الْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ** (اور اہل جنت عتقے کو اپنے مالے اور لوگوں کو معاف کرنے والے ہیں) آیا ہے۔ گو برائی کا بدلہ اس کی مثل عام لوگوں کے لیے جائز ہے۔ مگر خواص کے لیے **فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ** (پس جو معاف کر دے اور صلح کر لے پس اس کا ثواب اللہ کے دے ہے) اور **وَلَمْ يَكُنْ صَبْرًا وَلَا تَقْوًى** (نہ صبر نہ تقویٰ) اور **الْبَتَّةَ يَوْصِرُ كَرِهًا** اور **يَنْبَغِي دَعَا** تو یہ بختہ کار کی بات ہے، جیسے لوگوں کی سیرت اپنانے کی تعلیم نازل کی گئی ہے۔ رحم مجسم اور مہربان کائنات علیہ الخیرۃ والصلوات پیغمبرؐ نے بڑے بڑے مجرموں کو معاف کر دینے کا اسوہ حسنہ یادگار چھوڑا ہے اور صحابہ کرامؓ کے لیے تو خصوصی طور پر اب رحیم کا حکم اور سفارش ہے۔ **فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوْهُمْ فِي الدَّامِرِ** ان کو معاف کر دیں ان کے لیے بخشش مانگیں اور اہم کاموں میں ان سے مشورے لیں) خود حضرت سیدہ کے مثالی شوہر اور ربط پیغمبرؐ فرزندوں نے نکاح ایف سہہ کر صبر و عفو کی مثالیں قائم کیں۔ اب جو لوگ حضرت سیدہ کے ابوبکر صدیقؓ و زین العابدینؓ کا افسانہ مشہور کرتے ہی بستے ہیں۔ رضامندی یا عفو کی



کوئی روایت تسلیم ہی نہیں کرتے۔ وہی بتائیں کہ مذکورہ بالا آیات کے مصداق سے حضرت سیدہ کیوں خارج ہیں۔ آل عبا کے مثالی طرز عمل کی خلاف ورزی حضرت سیدہ کیوں کرتی ہیں۔ کیا سیدہ کی پاکیزہ سیرت پوشیدہ کی طرف سے خوارج سے بڑھ کر یہ ناپاک حملہ نہیں جس کا مقصد وحید صرف حضرت ابوبکرؓ پر طعن اور تشیع کے سنگ بنیاد ہی کو مضبوط کرنا ہے۔

سادسا۔ اگر کوئی بزرگ کسی صاحب سے بلا قصد و ارادہ طبعاً ناراض ہو جائیں تو زیادہ سے زیادہ ناراض کرنے والے کے ذمہ یہ لازم ہوتا ہے کہ وہ ان سے معذرت اور دلجوئی کر لیں۔ اعتدال اور معافی چاہنے والوں کو محاف کرنا سنتِ خدا و رسولؐ کے علاوہ اخلاقی فریضہ بھی ہے۔ اگر بقول مشیدہ یہ طبعی ناراضی تسلیم ہی کی جائے تو شیعہ روایات میں ہی یہ تفسیح ہے کہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ نے حضرت فاطمہؓ سے جا کر معافی مانگی۔ حالانکہ یہ دونوں نانا جی تھے۔ اولوالامر تھے اور حضرت فاطمہؓ سے افضل تھے مگر پھر بھی قرابتِ نبوی اور تنظیمِ فاطمیہ کے جذبہ سے آپؐ کے گھر چل کر گئے۔ ملاحظہ ہو۔

”حضرت ابوبکرؓ نے جب یہ حال دیکھی فاطمہؓ دیکھا تو خدا سے عہد کیا کہ وہ چیت کے نیچے نہ جائیں گے جب تک کہ حضرت فاطمہؓ کو راضی نہ کر لیں۔ پس ایک رات وہ آسمان کے نیچے سوئے۔ پھر حضرت امیر المومنینؓ کے پاس آئے اور کہا ابوبکرؓ بڑے آدمی اور عاقل ہیں۔ رسولِ خداؐ کے غار میں سا نخی تھے۔ اور حضورؐ سے پرانی صحبت رکھتے ہیں۔ ہم پہلے بھی کئی مرتبہ آئے ہیں اور حضرت فاطمہؓ سے ملاقات کی اجازت مانگی ہے مگر وہ نہ مانیں اگر آپؐ مقید جانتے ہیں تو ہمارے لیے رخصت مانگیں۔۔۔۔۔ پس امیر المومنین نے فاطمہؓ سے کہا میں ضامن ہوا ہوں کہ ان کے لیے اجازت چاہوں حضرت فاطمہؓ نے فرمایا۔ آپؐ کا گھر ہے اور آپؐ کو اختیار ہے۔ عورتیں مردوں کے آٹے نہیں آتیں۔ میں کسی بات میں آپؐ کی مخالفت نہیں کرتی جس کو چاہیں اجازت دیں۔۔۔۔۔ پس حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ آئے۔ ابوبکرؓ نے کہا۔ اے رسولِ خداؐ کی صاحبزادی! ہم تیرے پاس آپؐ کی رضا چاہتے اور ناراضی سے پناہ مانگتے آئے ہیں۔ اور عرض کرتے ہیں کہ جو کچھ ہم سے (بروایت شیعہ) کو تا ہی ہوئی اسے بخش دیں حضرت فاطمہؓ نے فرمایا۔ میں ایک بات تم سے نہیں کرتی حتیٰ کہ اپنے والد ماجد سے ملاقات کروں اور تمہاری شکایت کروں۔ (جلال الجیون ص ۱۵۲)

شیعہ روایت کے آخری جملے غلط ہیں۔ مگر حضرت ابوبکرؓ تو حق پر تھے۔ مطابق شرع اپنا



فرض ادا کر چکے۔ وَالْكَافِرِينَ الْغَيْظُ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ (وہ لوگوں کو معاف کر چکا ہے اور غصہ ختم کرنے والے ہیں) یہ عمل حضرت فاطمہؓ کو کرنا چاہیے تھا جب حضرت علیؓ راضی اور اجازت دے کر گویا ایک قسم کے سفارشی ہیں۔ پھر ناراضی پر اصرار کیوں؟ اگر حضورؐ زندہ ہوتے اور آپؐ سے فاطمہؓ شکایت کرتیں تو کیا آپؐ صلح صفائی نہ کروا لیتے؟ جیسے حضرت علیؓ پر فاطمہؓ کی ناراضی اور شکایت کو آپؐ ختم کر دیتے تھے۔ تو ابو بکرؓ کے ساتھ بھی (بالفرض ناراضگی ماننے میں) آخرت میں یہی امید ہے کیونکہ جن پر خدا اور رسولؐ ناراضی ہوں ان پر بعض دوستوں کی ناراضی کا دفعیہ دوسرے ذریعہ سے ہو جائے گا۔ قرآن و سنت میں یہ مسئلہ مصرح ہے وَكَذَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِنْ غِلٍّ إِخْوَانًا عَلَى سُرٍّ مَقْتًا (اور جو کچھ ان کے سینوں میں ایک دوسرے کے متعلق کدورت ہوگی ہم دور کر دیں گے اور وہ بھائی بھائی ہو کر تھنوں پر آٹنے سے بچنے لگیں گے) (پ ۱۲۱، حجر)

سابقہ یہ حقیقت ہے کہ فدک کے سوال پر حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ الزہراءؓ کا ساتھ دینے میں پس و پیش کی تو آپؐ کو اتنا سخت سخت سنا پڑا۔ ”مانند جنین در رحم پر وہ نشین شدہ و مثل خانناں در خانہ گریختہ (حق الیقین ص ۱۲۵)۔ ”ماں کے رحم میں بچے کی طرح پر وہ نشین ہو گئے ہو اور خانوں کی طرح گھر میں بھاگ آئے ہو) اور ابھی ہم واضح کریں گے کہ حضرت علیؓ نے بھی باغ فدک و زناہ فاطمہؓ کو نہ دیا اور عمل صدیقی جاری فرمایا۔ کیا نتیجہ کا مشہور اصول (حق مع علیؓ حث دار) (حق علیؓ کے ساتھ ہے۔ جد بھی جائیں) کے تحت تائید علوی کی وجہ سے حضرت علیؓ برحق ہیں۔ خاکی تنازعات فاطمہؓ و علیؓ میں اگر حق حضرت علیؓ کے ساتھ ہوتا تھا تو یہاں کیوں ساتھ نہیں۔

ثامنا۔ حضرت علیؓ پر فاطمہؓ کی ناراضی کے واقعات کئی ہیں۔ مثلاً جلاء العیون ۱۲۳-۱۲۶-۱۲۸-۱۲۹-۱۳۲ طبع ایران ملاحظہ ہو۔

اور شبہ روایات کی روشنی میں آپؐ کی خاکی مباشرت اتنی تلخ تھی کہ حضورؐ علیہ السلام کو یوں تعذیب و سفارش کرنی پڑی۔

وہربانی کن بازوہر خود بدستیکہ فاطمہؓ  
پارہ تن من است ہرچہ اورا جرد آوردمرا بدر  
اے علیؓ اپنی زوہر پر رحم کھایا کرو بلاشبہ فاطمہؓ  
میرے جگر کا ٹکڑا ہے جو بات اتنے تکلیف پہنچاتی  
ہے مجھے جتنی تکلیف پہنچاتی ہے۔

میاورد (جلاء العیون ص ۱۲۳)



اس حدیث کو اپنے شانِ نزول سے کاٹ کر حضرت ابوبکرؓ پر منطبق کرنے والے دیا تذکرہ  
فرقہ سے ہم پوچھتے ہیں کیا ان مسلسل ناراضیوں سے حضرت علیؓ کے دین پر حرف آیا یا نہ۔ اگر نہیں  
آیا۔ تو اصول کہاں گیا؟ اور اگر آیا تو فہما ہو جو ابکم فہو جو ابنا۔

تاسعاً۔ اگر یہ کہو کہ یہ وقتی ناراضی ہوتی تھی بعد میں صلح صفائی ہو جاتی تھی تو سوال یہ ہے کہ صفائی  
سے قبل دو چار گھنٹے کے وقت ناراضی میں حضرت علیؓ کے جبط اعمال پر فتویٰ دیا جاسکتا ہے؟ اگر  
نہیں دیا جاسکتا تو ابوبکرؓ پر بھی دو ڈھائی ماہ کی ناراضی سے بھی فتویٰ نہیں دیا جاسکتا۔

عاشراً۔ فقد اغضبنی دلیس اس نے مجھے ناراض کیا، کیا بنا بر حقیقت ہی ہے یا دھکی  
اور اغضابِ فاطمہؓ سے روکنا مقصود ہے۔ اول بات پر اصرار ہو تو مندرجہ ذیل آیات کا جواب  
دیں۔ سود خواروں کے متعلق ہے۔ فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِمَحْذَرٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ  
اگر تم سود خوری سے باز نہ آؤ تو خدا اور رسولؐ کے ساتھ اعلانِ جنگ کرو، کیا محاربِ خدا و رسولؐ  
سود خوار پر آپ حقیقتہً کفر کا فتویٰ نکالیں گے؟ غیبت کرنے والوں کے متعلق ہے اَيُّحِبُّ  
أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا؟ کیا کوئی تم سے پسند کرتا ہے کہ مردہ بھائی کا گوشت  
کھائے؟ کیا غیبت کرنے والا واقعی مردہ خور ہے۔ یتیم کا مال ناجائز کھانے والوں کے متعلق  
ہے۔ إِنَّكُمْ يَا كُفْرَانِي لَبَطُونَهُمْ نَادًا رَّبِّهِمْ شَكَّ وَهَآئِهِمْ فِي أَكْلِ كَهَاتِهِمْ  
کیا اب وہ حقیقتہً آگ ہی کھاتے ہیں۔

اگر یہاں حقیقت مراد نہیں بلکہ ان گناہوں کی شفاعت کے لیے تمثیلات ہیں اسی طرح  
غضبِ فاطمہؓ پر غضبِ رسولؐ بیانِ شفاعت کا ایک طریق ہے اور اغضابِ فاطمہؓ سے روکنا  
مقصود ہے۔ حقیقت مراد نہیں ہے تو حضرت ابوبکرؓ پر ناراضی رسولؐ ثابت نہیں ہو سکتی۔ یہ  
سادہ بیان مسئلہ کی حقیقت ایک خالی الذہن عامی کے ذہن نشین کرنے کے لیے قلمبند کیا گیا۔ علمی  
مؤسکافیوں کے دلدادہ اور رد و قدح کرنے والوں کے لیے تحقیقی بیان یہ ہے صحیح بخاری  
۹۹۵۲ سے حدیث میراث ملاحظہ ہو۔

امام زہری بروایت عروہ از عائشہؓ روایت کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہؓ اور عباسؓ  
حضرت ابوبکرؓ کے پاس حضورؐ کا ترکہ مانگنے آئے۔ اور وہ فدک اور خیبر کے حصے کی زمینیں مانگنے



تھے پس حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔

يقول لا نورث ما تركنا صدقة حضورؐ فرماتے تھے: ہمارا ورثہ نہیں ہوتا جو ہم چھوڑتے ہیں صدقہ ہوتا ہے۔ آل محمد بلاشبہ اس مال سے کھاتے رہیں گے۔

حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا: اللہ کی قسم میں وہ طریق کار نہیں چھوڑ سکتا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے کرتے دیکھا ہے۔ مگر میں اسے ضرور کروں گا۔ امام زہریؒ کہتے ہیں کہ حضرت فاطمہؓ نے آپ سے گفتگو چھوڑ دی۔ اور تا وفات بات نہیں کی۔

بخاری ج ۱ ص ۳۵ کی روایت میں یہ لفظ بھی ہیں کہ آپ اس ترکہ کی وراثت مانگتی تھیں جو اللہ نے آپ پر بطور وقف و طایا تھا۔۔۔ نیز یہ خیرہ فک اور مدینہ منورہ کے وقف صدقات تھے۔ حضرت ابو بکرؓ نے دینے سے انکار کیا اور فرمایا میں اس طرز عمل کو نہیں چھوڑ سکتا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے مگر میں اسے ضرور کروں گا کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ اگر میں نے حضورؐ کا طرز عمل چھوڑ دیا تو گمراہ ہو جاؤں گا۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں: کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رشتہ داری سب سے زیادہ محبوب ہے۔ بخاری ج ۲ ص ۵۷۷-۹۹۶ (مگر میں مال نے کی میراث دینے سے منذور ہوں) میرا مال آپ کے لیے حاضر ہے۔

طعن فک کا سارا دار و مدار اسی حدیث پر ہے۔ چند تنقیحات کی شکل میں مسئلہ کی علمی تنقیح اس پر بحث کی جاتی ہے۔

۱۔ مال نے اور فک کی آمد و خرچ کی کیا پوزیشن ہے اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد کس کے تصرف میں آتا ہے۔

۲۔ حضرت ابو بکرؓ اور دیگر خلفاء اسلام اہل بیت کا راشن ان اموال سے دیتے تھے۔

۳۔ حضرت فاطمہؓ کے سوال کا منشاء کیا تھا؟

۴۔ حدیث لا نورث متفق علیہ ہے تمام صحابہؓ اور امت کا اس پر اجماع ہے۔

۵۔ راوی کے الفاظ غصبت الخ بدرجہ اور اپنے ظن پر مبنی ہیں۔

۶۔ حضرت سیدہؓ ابو بکرؓ پر خوش ہو کر رخصت ہوئیں۔



۷۔ شیعہ کے دلائل وراثت پر تبصرہ

۸۔ روایات ہبہ کی حقیقت

۹۔ جنازہ فاطمہؑ میں شیخین کی شرکت

۱۔ مال فے اور فدک کی حقیقت - مسلمانوں کو کفار کے جو اموال ملتے ہیں ان کی دو قسمیں ہیں۔ ۱۔ انفال یعنی غنیمت - ۲۔ فے۔ انفال نفل کی جمع ہے جس کے معنی افضل و انعام کے ہیں۔ یہ لفظ سورت انفال کے شروع میں استعمال ہوا ہے۔ جب جنگ بدر کی غنیمت کی تقسیم میں ایک دوسرے سے بڑھ کر سختی ہونے کا سوال اٹھا تو اللہ پاک نے فرمایا قُلْ يٰۤاَنۡفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ۔ آپ فرمائیے انفال کی تقسیم اللہ اور اس کے رسول کے اختیار میں ہے۔ اس سے مراد مال غنیمت ہی ہے جو کفار سے بصورت جنگ حاصل ہوا تھا۔ فے مراد نہیں کیونکہ فے اس مال کو کہتے ہیں جو بقیہ جنگ و قتال کے کفار سے ملے خواہ وہ چھوڑ کر بھاگ جائیں یا رضامندی سے دنیا قبول کریں اور نفل انفال کا لفظ اکثر اس انعام کے لیے بولا جاتا ہے جو امیرِ جہاد کسی خاص مجاہد کو اس کی کارگزاری کے صلہ میں علاوہ جمع غنیمت کے بطور انعام عطا کرے۔ یہ معنی تفسیر ابن جریر میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کیے ہیں ابن کثیر اور کبھی مطلقاً مال غنیمت کو بھی نفل اور انفال کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس آیت میں اکثر مفسرین نے یہی عام معنی لیے ہیں۔ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے یہی عام معنی نقل کیے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ یہ لفظ عام اور خاص دونوں معنی کے لیے بولا جاتا ہے۔ اس لیے کوئی اختلاف نہیں اور اس کی بہترین تشریح و تحقیق وہ ہے جو امام ابو عبید نے اپنی کتاب الاموال میں ذکر کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اصل لخت میں نفل کہتے ہیں افضل و انعام کو اور اس امت مرحومہ پر اللہ تعالیٰ کا یہ خصوصی انعام ہے کہ جہاد و قتال کے ذریعے جو اموال کفار سے حاصل ہوں ان کو مسلمانوں کے لیے حلال کر دیا گیا ورنہ پچھلی امتوں میں یہ دستور نہ تھا۔ (تفسیر معارف القرآن ج ۱ ص ۱۷۸)

علماء لخت اور مفسرین کے ان بیانات سے معلوم ہوا کہ انفال بطور جنگ و قتال سے حاصل ہونے والے مال کو کہا جاتا ہے اور اسی کو مال غنیمت کہتے ہیں خواہ ایک ہی چیز کے دو نام ہوں یا عام خاص کا فرق ہو۔ جیسے اسی سورت میں وَأَعْلَمُوا۟ اَنۡمَا غَنِمۡتُمۡ مِّنۡهُ



انفال کا بیان ہے لیکن مال فے کی حقیقت اس سے جدا ہے کہ وہ تبرجنگ کے محض منامندی یا رعب سے حاصل ہوتا ہے اور یہ تعریف قرآن حکیم نے ہی سورت ہشر میں کی ہے۔

وَمَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْهُمْ فَمَا أَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَلَا رِكَابٍ وَلَكِنَّ اللَّهَ يُسَيِّطُ رُسُلَهُ عَلَى مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔  
 جو مال حق تعالیٰ نے اپنے رسول کو ان لوگوں سے بغیر لڑے عنایت کیا ہے تو اس پر نہ تم نے گھوڑے دوڑائے ہیں نہ اونٹ۔ لیکن اللہ اپنے رسولوں کو جس پر چاہتا ہے مسلط فرما دیتا ہے اور اللہ ہر چیز پر پوری پوری قدرت رکھنے والا ہے۔

مَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ كَيْلًا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ... وَلِلَّذِينَ تَبَوُّوا الدِّارَ

بہارت کرنے والوں میں سے ان ضرورتمندوں کا بھی حق ہے۔ اور ان کا بھی حق ہے جو ہجرت کرنے والوں کے پیچھے سے دار ہجرت میں مقیم اور ایمان پر قائم ہیں (ترجمہ مقبول ۶۵۲)

انفال و غنیمت اور مال فے کے درمیان اس مابین فرق سے معلوم ہوا کہ شیعہ حضرات جو انفال کو بلا جنگ حاصل شدہ مال سے تعبیر کرتے ہیں جیسے ”تجلیات صداقت“ ص ۲۲ پر ہے۔ ”اور اگر صرف نیاری جہاد کرنے، گھوڑے دوڑانے اور کچھ عملی تگ تاز کرنے سے (لیکن جہاد کے بغیر) ملے جیسے اموال و املاک بنی نفیر تو اسے فے کہا جاتا ہے اور اگر ہر قسم کی سعی و کوشش کے بغیر دستیاب ہو جائے تو اسے انفال کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ جیسے جائیداد فک۔“

قرآن حکیم کے بیان کے برعکس صریح دعوای مذہبی اور باطل منفسد برآری ہے۔ شاید ان کے پیش نظر اپنے پیشوا علامہ کلینی کا یہی غلط بیان ہو گا۔ ”جو خلفاء پیغمبر کو جنگ اور غلبہ سے مال واپس ملے وہ فے ہوتا ہے اور اس کا حکم و اعلا و انما غنمتم میں مذکور ہے (یعنی غنیمت



وفے ایک مال کے نام ہیں، اور جوان کے پاس بغیر گھوڑے دوڑانے اور لشکر کشی کے حاصل ہو وہ ”انفال“ کہلاتا ہے جو خدا و رسول کا خاص ہوتا ہے کسی کی شرکت نہیں ہوتی (اصول کافی ۵۳ باب الفے والانفال)

حالانکہ قرآن پاک نے جنگ بدر سے حاصل شدہ اموال و غنائم کو۔ انفال۔ اور بلا جنگ و لشکر کشی اموال بنی نصیر کو مال فے سے تعبیر کیا ہے جن میں جائیداد فدک بھی شامل ہے۔ فَاِذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلَالُ۔

اب یہ بات تحقیق طلب ہے کہ جائیداد فدک۔ انفال و غنیمت کے طور پر اہل اسلام کے قبضے میں آئی یا بطور فے بلا جنگ حاصل ہوئی۔ سو تمام سنی شیعہ علماء کا اتفاق ہے کہ فدک بدر سے چند میل کے فاصلے پر ایک بستی کا نام ہے۔ وہاں کے یہود نے از خود صلح میں نصف جائیداد دینے کی حضور کو پیش کش کی آپ نے منظور فرمائی۔ چنانچہ مولف تجلیات صداقت محمد حسین صاحب نے اپنی فتاویٰ کے موافق۔ معجم البلدان ج ۶ ص ۶۲ تا بیخ طبری ج ۳ ص ۹۵۔ کامل ابن اثیر ج ۲ ص ۱۰۸ فتح الباری کے حوالہ جات سے فدک کی طرف کے بعد یہ الفاظ نقل کیے ہیں۔

وكانت فدك خالصة لرسول الله لا نهم لم يجلبوا عليها بخيل ولا ركاب۔  
فدک خالص رسول اللہ کے قبضے میں تھا کیونکہ مسلمانوں نے اس پر گھوڑے اور سواریاں نہیں دوڑائیں۔

معلوم ہوا کہ فدک مال فے کی قسم ہے جس پر گھوڑے دوڑا اور لشکر کشی نہیں کی گئی۔ اس کا حکم بھی وہی ہے جو اموال فے کے متعلق اللہ تعالیٰ نے آیت بالا میں فرمایا ہے کہ خالصۃ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تحویل اور قبضے میں ہوگا۔ اور آپ کا کمانہ حیثیت سے مذکورہ بالا آٹھ مصارف اپنی صوابد بد سے خرچ کریں گے۔ اور عام مسلمانوں کو اس تقسیم پر چون و چرا کا حق نہ ہوگا کیونکہ ان کی جنگ اور لشکر کشی سے یہ حاصل نہیں ہوئے۔ بلکہ منصب نبوت اور حاکمانہ رعب و ادب سے سپہ سالار اسلام کے قبضے میں آئے ہیں

”فدک خالصہ رسول“ تھا۔ اس سے حضور علیہ السلام کی شخصی تملیک پر اسناد لال کرنا منصب نبوت پر منزع حملہ اور قرآن کریم کے بیان کردہ آٹھ مصارف سے استنزاد کے مترادف



ہے جیسے صاحب تجلیات اور دیگر شیعہ کرتے رہتے ہیں) کیونکہ یہ منصب نبوت سے حاکمانہ حیثیت حاصل کرنے کی وجہ سے آپ کو حاصل ہوئے۔ اس کے نثر میں آپ خود مختار ضرور ہیں۔ اگر نیا اس ملکیت کی طرح نہیں۔ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

۱۔ قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَ مَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ۔  
 آپ فرمائیے۔ میں تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا اور نہ میں تکلف کرنے والوں سے ہوں۔

۲۔ قُلْ مَا سَأَلْتُكُمْ مِنْ أَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ إِنَّ أَجْرِي إِلَّا عَلَى رَبِّي (رسا)  
 آپ فرمائیے جو کچھ میں تم سے اجر مانگوں وہ تم اپنے پاس ہی رکھو میرا ثواب میرے رب کے ذمہ ہے۔ آپ فرمائیے میں تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا۔

(انعام)  
 کسی منصب کی رو سے جو ہر ملتی ہے۔ وہ عام عطیہ ہے اسی منصب کا گویا اجر یا قدر قیمت ہے۔

سنی شیعہ کتب میں کتاب القضاء کے تحت یہ حدیث آتی ہے حضور نے فرمایا کہ ایک شخص کو ہم حاکم مقرر کرتے ہیں وہ جب بیت سے مال جمع کر لے گا تو کہنا ہے ”یہ مجھے عہد ملا اور یہ عطیہ اور یہ بیت المال کے لیے ہے۔“

ہلا جلس فی بیت امہ فیہا وہ اپنی مال کے گھر کیوں بیٹھا رہتا کہ اسے ہدایا ملنے (البوداء ج ۲ ص ۵۳)

الیہ (ادکما قال)  
 معلوم ہوا کہ منصب نبوت اور حاکمانہ حیثیت سے فک وغیرہ جو جائیدادیں اللہ نے آپ کو قبضہ میں دیں وہ محض رفاہی امور اور مصارفِ مہشت گانہ مذکورہ پر خرچ ہوں گی۔ اگر آپ اسے محض ذاتی تملیک قرار دیں تو شیعہ ہی تبائیں کہ نبی کی حیثیت سے۔ طلبِ اجر اور تکلف کی اس سے بڑی صورت کیا ہو سکتی ہے۔ کیا ہزاروں بلکہ لاکھوں مریج اچھٹکی اتنی بڑی جائیدادیں آپ نبوت و حکومت کے رعب سے حاصل کر کے ننھا اپنی صاحبزادی کو میراث بنا کر دیں یا ہبہ کر دیں تو لوگوں کے سامنے آپ یہ اعلان کر سکیں گے کہ نہ میں اجر مانگتا ہوں۔ نہ تکلف کرتا ہوں۔ اس صورت میں ہم داعی اسلام کی کفار کے سامنے کیا بے لوثی۔ للہیت اور نہ بد و فحاشی کی بات کر سکیں گے۔



تاریخ سیرت کا ایک ایک ورق گواہ ہے کہ جناب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سب لوگوں کے بڑھ کر زائد تھے۔ فتوحات اور کثرتِ غنائم کے باوجود آپ کے گھر میں بسا اوقات دود و دھواں تک آگ نہ جلتی۔ ازواجِ مطہرات بیویں بچے سہتی تھیں آپ خود اور آپ کے اہل بیت فاقوں سے رہتے اور روزہ رکھ کر پانی یا کھجور سے افطار کرتے تھے۔ خود سیدہ فاطمہؓ نے گھریلو خدمت کے لیے خادم مانگا مگر آپ نے سب لوگوں میں تقسیم کے باوجود سیدہ کو خالی ہاتھ واپس لوٹا دیا۔ اور بیچ و تمیل اور تحمید کی ۱۰۰ مرتبہ تعلیم دی۔ بروایت شیخ محمد ثابٹ ابن یابو یوسف صحیح حضرت فاطمہؓ کو آپ نے زیور پہنے دیکھا تو ناراض ہو گئے اور اتارنے کا حکم دے کر فرمایا۔

پدرش فدائے ادا و دنیا از محمد و آل محمد اس کا باپ اس پر قربان و نیا محمد و آل محمد  
نہیت رجلا العیون ۹۲-۱۱۰ کے لیے نہیں ہے۔

روضہ کافی ص ۱۳۱ پر ہے حضورؐ نے فرمایا۔ میں مکہ کے پہاڑوں کا سونا ہونا نہیں چاہتا بلکہ ایک دن بھوکا اور ایک دن پیاسا چاہتا ہوں تاکہ میری پریشکراؤں بھوک پر ذکر و دعا کروں۔ صحیح بخاری و مسلم کی روایت میں ہے کہ مالِ خمس میں سے حضرت فاطمہ الزہراءؓ نے ربا و جود حق دار ہونے کے بعد خدمت کے لیے خادم مانگا تو آپ نے یہ عذر فرمایا کہ اگر کر دیا کہ میرے سامنے تمہاری ضرورت سے زیادہ اصحابِ صفہ کی ضرورت ہے جو انتہائی فقر و افلاس میں مبتلا ہیں۔ ان کو چھوڑ کر میں تمہیں نہیں دے سکتا۔ بخاری ص ۱۳۱ پر ہے کہ حضورؐ کی وفات ہوئی میرے گھر میں ایسی چیز نہ تھی جسے کوئی جگر والا حیوان کھاتا مگر نصف صاع جو کے حضرت عمرؓ بن الخطابؓ کی روایت میں ہے کہ حضورؐ نے صرف ہتھیار، سفید ٹچر اور کچھ صدقہ کی زمین ترک کر دیں چھوڑی۔

کیا اس سیرتِ اقدس کی روشنی میں اتنے بڑے بہتان کی گنجائش ہے کہ حضورؐ نے فک و غیرہ مالِ فے کو ذاتی ملکیت بنا لیا ہو اور حضرت فاطمہؓ کو سب میراث بنادی ہو یا یہ کہ دیا ہو۔ نتیجہ کتاب علل الترائع میں امام حسنؑ سے روایت ہے کہ میں نے ایک مرتبہ مال سے کہا کہ آپ نماز کے بعد مومنین و مومنات کے لیے دعا مانگھتی ہیں اپنے لیے کیوں نہیں؟ فرمایا یا بنی الجاد ثعلبہ ادا اول ہمسایہ کا کام کرنا ہے پھر اپنا دیر ایشار آپ کو حضورؐ نے ہی سکھایا تھا تو یہ فک اس سیرت سے مطابقت نہیں رکھتا۔



شیعہ کتاب عیون الاخبار میں حضرت زین العابدینؑ از اسماؤ بنت عیسیٰ راوی ہیں کہ حضور نے حضرت فاطمہؑ کے گلے میں سونے کا گلوبند دیکھا جو حضرت علیؑ نے مال فے سے خریدا تھا تو آپؐ نے فرمایا اے فاطمہؑ! کیا لوگ نہ کہیں گے کہ فاطمہؑ محمدؐ کی بیٹی جیسا یہ (مسرور امیروں) کا ساز لیور پہنتی ہے حضرت فاطمہؑ نے اسی وقت اسے توڑ کر بیچ ڈالا۔ اور اس سے ایک غلام خریدا کر آزاد کر دیا۔ اس بات سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہایت خوش ہوئے۔ (بحوالہ باغ فدک از نواب محمد علی خان)

اس تفصیل سے معلوم ہو چکا کہ اموال فے کو جناب حضور علیہ اموال فے میں حضور کا طرز عمل | الصلوٰۃ والسلام قرآنی آٹھ مصارف دینا مہم خدا۔ رسول

رشتہ دار۔ یتامی۔ مسکین۔ مسافر۔ فقراء و مجاہدین۔ فقراء و انصار۔ میں حسبِ صواب دید خرچ کرتے تھے اپنا اور اپنے گھر والوں کا خرچ بھی اسی سے نکالتے تھے اور اہم ملی کاموں میں اسے صرف فرماتے تھے۔ حضرت صدیق اکبرؓ بھی اسی سنت نبویؐ پر عمل فرماتے۔ لہذا مطالبہ کے باوجود حضرت سیدہ کو قبضہ مالکانہ نہیں دیا۔ جیسے خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نہیں دیا تھا اور دنیا ان کے لیے پسند بھی نہ کرتے تھے۔ اس پر سنی شیعہ احادیث ملاحظہ ہوں۔

سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۵۹ پر ہے کہ حضرت سیدہ نے ارض فدک کا سوال خود آنحضرتؐ سے بھی کیا تھا مگر آپؐ نے دینے سے انکار کر دیا تھا۔ غالباً اسی واقعہ کی مؤید یہ شیعہ روایات بھی ہیں۔

انت فاطمة بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
اسے بیاری میں حضورؐ کے پاس آئیں جس میں آپؐ کی وفات ہوئی تو فرمایا یا رسول اللہ میرے دو صاحبزادے ہیں ان کو کچھ وراثت دے جائیں تو آپؐ نے فرمایا حسنؑ کی میراث میری بیعت و رعب اور حسینؑ کے لیے میری بہادری ہے۔

اللہ علیہ وسلم فی شکوہ الذی توفی فیہ فقال یا رسول اللہ ہذا ان انبای خود تھا شیعہ فقال اما الحسن قتله حیبتی و اما الحسین قتله جرمی۔

(خصال ابن بابویہ ص ۳۹ ط ایران)

نیز شیعہ کے محدث فرات بن ابراہیم بن فرات کو فی تفسیر فرات مطبوعہ نجف اشرف ص ۲ پر لکھتے ہیں جو علی بن ابراہیم قمی کے استاذ اور کلینی کے استاذ الاستاذ ہیں کہ حضرت علیؑ کو طلب وراثت کے سوال پر آپؐ نے کتاب اللہ اور سنت نبویؐ میراث بتائی۔ صحیح بخاری میں قصہ کئی دفعہ آیا ہے کہ فدک



وغیرہ بعض اموال نے پر حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کو متولیانہ قبضہ دے دیا۔ کچھ عرصہ  
تو وہ اتفاق سے رہے مگر پھر طبائع کے اختلاف سے جھگڑا پڑ گیا اور ہر ایک نے حضرت عمرؓ سے  
علیؓ تقسیم کا مطالبہ کیا تو حضرت عمرؓ نے اسے وراثت کا سامر مطالبہ سمجھتے ہوئے تقسیم سے انکار کیا  
اور فرمایا۔

حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے گھر والوں پر  
پورے سال کا خرچہ اس مال سے نکالتے تھے پھر  
بقیہ کو اللہ کے مال کی جگہ میں خرچ کر دیتے تھے۔  
حضرت نے اپنی زندگی میں یہی عمل کیا میں تم کو قسم  
دیتا ہوں کہ کیا تم اسے جانتے ہو۔ سب نے کہا ہاں۔  
پھر حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ سے کہا۔  
میں تم کو بھی قسم دیتا ہوں کیا تم یہ بات جانتے ہو۔  
کہنے لگے ہاں۔ اسی طرح اللہ نے اپنے نبی کو وفات

فکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم  
ینفق علی اہلہ من ہذا المال نفقۃ سنۃ  
ثم یراخذ ما بقی فیجعلہ محجلاً مال اللہ  
فعل بن الدک رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
حیاتہ انشدکم باللہ هل تعلمون ذالک  
قالا نعم ثم قال لعلی وعباس انشدکم  
باللہ هل تعلمان ذالک قالا نعم فتوفی  
اللہ نبیہ (بخاری ج ۲ ص ۵۴۶-۹۹۶)  
دے دی۔

فتوح البلدان بلاذری ص ۲۹ اور ۳۱ پر ہے۔

نصف فدک خالص حضرت کے قبضے میں تھا اس سے  
جو آمدنی آتی اسے مسافروں پر خرچ کرتے اور  
ایک روایت میں ہے کہ فدک حضرت کے قبضے میں  
تھا آپ اس سے خود خرچ کرتے کھاتے اور  
فقراء بنی ہاشم کو دیتے اور ان کے بے نکاحوں  
کی شادیاں کرتے وغیرہ۔

فکان نصف فدک خالصا لرسول  
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکان یصرف  
ما یرتہ منها الی ابناء السبیل وفی  
روایۃ ان فدک کانت للنبی صلی اللہ علیہ  
وسلم فکان ینفق منها ویاکل ویعود  
علی فقراء بنی ہاشم ویزوج ابیہم۔

(بحوالہ الفاروق ص ۵۶)

جب حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مال فے میں طریق کار معلوم ہو چکا اور واضح ہو گیا کہ اس  
مال کی آمد پر قبضہ نبوی سب متولیانہ تھا۔ نہ خالص مالکانہ۔ اب یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ یہ مال



حضور کے بعد کس کے قبضے اور تولیت میں جانا چاہیے۔ اصول سیاست اور طریق تمدن سے آپکل یہ سمجھنا مشکل نہیں رہا۔ کہ سربراہ مملکت کو جو اموال و جائیداد حکومت کی خلیفہ سے ملتی ہیں۔ ان میں ذاتی ملکیت نہیں چلتی۔ وفات کے ساتھ شخصی استحقاق ختم ہو جاتا ہے۔ کتب شیعہ میں بھی مسئلہ واضح ہے۔ اصول کافی ج ۲ ص ۴۳ باب الفی والانفال کے بعض اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

ان الله تبارک وتعالی جعل الدنیا کلها باسہا لخلیفته حیث یقول للملائکۃ انی جاعل فی الارض خلیفۃ فکان الدنیا باسہا لادم وصداۃ بعدہ لا یوار و لدۃ و خلفاء۔

بیشک اللہ تعالیٰ نے سب زمین خلیفہ کے لیے بنائی ہے جیسے فرمایا فرشتوں سے بے شک میں زمین میں خلیفہ بنائیوا لاہوں۔ پس روئے دنیا سب حضرت آدم کے لیے تھی اور اس کے بعد آپ کے نیک صاحبزادوں اور خلیفوں کو ملی۔

معلوم ہوا کہ وہ زمین آدم کی سب اولاد میں بطور میراث تقسیم نہ ہوئی۔ بلکہ صرف نیک جانشین صاحبزادوں کو ملی۔

امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں۔

الانفال مالہم یوجف علیہ بحیل ولا رکاب او قوم صالحوا او قوم اعطوا باید یہم وکل ارض خربۃ و بطون الاودیۃ فہو للرسول صلی اللہ علیہ وسلم و ہوللا مام من بعدہ یضعہ حیث یشاء۔

انفال وہ مال ہیں جن پر گھڑ دوڑ اور لشکر کشی نہ کی جائے یا کوئی قوم صالح میں دے دے یا اپنے لائقوں کو یا قوم مرعوب ہو کر دے دے اور ہر خراب زمین اور وادیوں کے پیٹ سب رسول اللہ کے قبضے میں ہوں گے پھر اس کے قبضے میں جو آپ کا جانشین ہو گا جہاں چاہے گا خرچ کرے گا۔

پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خدا اور رسول کا حصہ۔ اولی الامر کو بطور وراثت ملے گا اور ایک اس کو اپنا حصہ متجاتب اللہ ملے گا۔ (اصول کافی ص ۵۳۹) ابو داؤد ج ۲ ص ۵۹ پر ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے فاطمہؓ سے فرمایا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی نبی کو خوراک رکھلانے کے لیے دیتے ہیں۔ فہو للذی یقوم من بعدہ تو اس میں تصرف کا حق اس خلیفہ کو ہے جو اس کا قائم مقام ہے۔



اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ وہ مال نے یا باصطلاح شیعہ انحال بلاحتیج حاصل ہونے والا مال حضور کے بعد آپ کے خلیفہ کے قبضے میں آئے گا تو آپ کا اس پر قبضہ متولیانہ و حکمانہ ہوانہ مالکانہ۔  
 فهو المقصود۔ ورنہ رشتہ داروں کو ملنا چاہیے۔ ہمارے اعتقاد میں جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ رسول ہیں تو اس متفقہ بین الفرقین اصول کی رو سے فک وغیرہ کے متولی آپ ہوئے۔ اور یہ تولیت بطور میراث کسی کا حق نہ ہوا۔ فهو المقصود۔

ابوداؤد کتاب الخراج الفی ج ۲ ص ۵۹ (مالک بن اوس الحدثان سے) روایت ہے کہ حضرت علی و عباس رضی اللہ عنہما حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس (اموال فک کے علیحدہ علیحدہ منولی بننے کا) جھگڑالے کر آئے حضرت طلحہ، زبیر، سعد اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی پاس بیٹھے تھے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کیا تم جانتے نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

کل مال النبی صلی اللہ علیہ وسلم صدقة الا ما اطمعه اهلہ وکسبہم انا لا نودث قالوا بلی  
 نبی علیہ السلام کا ہر مال (مقبوضہ) صدقہ ہوتا ہے مگر جو کچھ اپنے گھروالوں کو کھلا پہنا دیں۔ ہم کسی کو وارث نبوی نہیں چھوڑتے سب نے کہا جی ہاں۔  
 تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس مال سے اپنے گھروالوں پر خرچ کرتے تھے اور بقیہ صدقہ کر دیتے تھے۔ اللہ نے جب اپنے نبی کو وفات دے دی تو دو سال حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ والی بنے وہ بھی وہی عمل کرتے رہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے (میں بھی الیا کرتا رہا۔ پھر تم کو تقسیم میں المسلمین کا متولی بنایا۔ اب تم علی رضی اللہ عنہ تقسیم کا مطالبہ کرتے ہو۔ خدا کی قسم میں نا قیامت ایسا کروں گا تم اگر مشترکہ تولیت سے) عاجز ہو تو مجھے یہ اموال واپس کر دو۔ (کذا فی ج ۲ ص ۵۹)

۲۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سنت نبوی کے مطابق اہل بیت کو خرچ دیتے تھے | جب فک کا مال نے

ہونا۔ آٹھ مصارف میں قابل تقسیم ہونا۔ حضور کا ذاتی ملکیت نہ ہونا۔ پھر جانشین پیغمبر کا اس پر قابض ہونا اور مالکانہ حقوق و تقسیم کسی کو نہ دینا۔ تنقیح اول سے معلوم ہو چکا۔ ثواب واضح ہو کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ۔ علی رضی اللہ عنہ ہم بھی سنت پیغمبر کے مطابق خرچ کرتے اور اہل بیت کو راشن دیتے تھے صحابہؓ سے بھرے مجمع میں قسم دے کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حاضرین سے پوچھنا



اور حضرت علی و عباسؓ سے پوچھ کر ان سب سے اس بات کی تصدیق کرانا۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک سال کا خرچ اپنے اہل بیت کو اس مال سے دیتے تھے اور یقیہ دیگر اشد کی خرچ کی جگہوں میں خرچ کرتے تھے۔ گزر چکا ہے اور اس میں یہ تصریح ہے۔

پس حضرت ابوبکرؓ نے کہا میں حضورؐ کا خلیفہ ہوں۔ میں نے ان مالوں کو لے کر وہی عمل کیا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا۔ پھر اللہ نے حضرت ابوبکرؓ کو وفات دے دی تو میں نے کہا کہ میں اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ ہوں پس دو سال تک ان مالوں پر قابض ہو کر وہی کرتا رہا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کرتے تھے۔

فقال ابوبکر انا دلی رسول الله صلی الله علیه وسلم فقبضتھا فعمل بما عمل به رسول الله صلی الله علیه وسلم ثم توفی الله ابا بکر فقلت انا دلی رسول الله صلی الله علیه وسلم فقبضتھا مستتبین اعمل فیہا بما عمل فیہا رسول الله صلی الله علیه وسلم و ابوبکر۔  
(بخاری ج ۱ ص ۹۹۶)

عام موزعین کے علاوہ شارحین بھی حضرت ابوبکرؓ کے نفقہ اہل بیت کو دینے کا ذکر کرتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ حضرت ابوبکرؓ غلہ اور دیگر آمدنی ان مالوں کی بکریل بیت کو پورا خرچ کی مقدار دے دیتے تھے اور دیگر خفایا بھی اس کے بعد عمرؓ عثمانؓ علیؓ معاویہؓ اسی طور پر کرتے رہے۔

خلاصہ ابوبکرؓ غلہ و سود آزا گرفتہ بقدر کفایت بالبیئت علیہم السلام مے داد و خلفاء بعد از وہم بران اسلوب افتاد نمودند تا زمان معاویہ ر ج ۱ ص ۹۶ فیض الاسلام از سید علی نقوی،

علامہ منہج کربانی بھی حضرت ابوبکرؓ کے اغتزار اور رضام فاطمہؓ کے متعلق لکھتے ہیں۔

اور وہ یہ کہ آپ کو وہ کچھ ملے گا جو رسول اللہ سے ملا کرتا تھا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فاک سے تمہاری خوراک لیتے تھے اور باقی تقسیم کر دیتے تھے اور جہاد میں سواریاں فراہم کرنے تھے تیرے

وذلك ان لك ما لا بیک كات رسول الله صلی الله علیه وسلم یاخذ من فداك قوتكم ویقسیم الباقي و یجمل منه فی سبیل الله ولك علی الله ان



اصنع بها كما كان يصنع فرضيت بذلك

واخذت العهد عليه به و كانت

ياخذ غلتها فيدفع اليهم منها ما

يكفيهم ثم فعلت الخلفاء بعد ذلك

كذلك (ومثله في دقة النجفة شرح منجم البلاغة)

دوسرے خلفاء بھی اسی طرح کرتے رہے۔

جیسے میں اللہ کو گواہ کر کے کتنا ہوں کہ میں فدا

میں وہی کروں گا تو رسول خدا کیا کرتے تھے۔

حضرت فاطمہؓ اس معاہدہ پر خوش ہو گئیں اور

وعدہ پختہ لے لیا۔ حضرت ابو بکرؓ فدا کا غلام

الہیت کو اتار دے دیتے جو ان کو پورا ہوتا پھر

صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۵ پر ہے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ یہ مال فے کے صدقات حضرت

علیؓ کے ہاتھ میں رہے۔ حضرت عباسؓ کو تصرف کرنے سے روکا اور ان پر غالب ہوئے پھر یہ

حضرت حسن بن علیؓ کے پاس پھر حضرت حسین بن علیؓ کے پاس بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

جانبدار متروکہ کے صدقات تھے جو عوفہ القاری شرح صحیح بخاری میں ہے کہ علامہ قرطبی کہتے ہیں کہ حضرت

علیؓ نے فے کے صدقات کو شیخان کے طرز سے بدلایا نہیں پھر اس کے بعد حضرت حسنؓ حسینؓ علی بن

حسینؓ کے ہاتھ میں آتے رہے کسی سے مروی نہیں کہ اس نے ملکیت کا دعویٰ کیا ہو۔

قارین کرام! غور فرمائیں جب حضرت ابو بکرؓ نے تفسیر حیات کی روشنی میں سنت نبوی کے

مطابق حضرات اہل بیت کو پورا خرچ دیتے تھے اور حضرت فاطمہؓ اس پر راضی بھی ہو گئی تھیں اور معاہدہ

بھی ہو گیا تھا اور تفسیر حیات کے مطابق یہ اموال حضرت اہل بیت ہی کے تصرف و ولایت میں رہے۔

نہ معلوم اب ۱۰۰ سال تک جھگڑا کس بات پر ہے۔ ”بدعی سست گواہ چیت“ کی مثال

اس پر صادق آتی ہے۔ کیا یہ سب کچھ فرقہ پرستی اور ابو بکرؓ دشمنی کا اُٹھتہ دار نہیں۔ ان حقائق سے

قاضی نور اللہ شوستری (مجالس المؤمنین ص ۵۳) جیسے لوگوں کے اس سوال کا بھی جواب ہو گیا۔ کہ ابو بکرؓ

نے بلوئے تبرع ہی دے کر حضرت فاطمہؓ کیوں خوش نہ کر دیا۔

اگر حضرت ابو بکرؓ اموال فے (فدا) خیر صدقات مدینہ حضرت فاطمہؓ کو سب دے دیتے تو

خلاف اصول ہوتا کیونکہ دیگر چھ مسارف کا بھی حصہ تھا نیز حضرت ابو بکرؓ پر جاسداری اور

نولینہ نوازی کا الزام آتا۔ کہ مسلمان خلیفہ نے اپنے پیغمبرؐ کی صاحبزادی کا لحاظ کیا۔ یا اپنی نواسی

کو اتنی بڑی جانبدار سب مسلمانوں سے کاٹ کر دے دی۔ یہاں یہ اعتراض کوئی وزن نہیں رکھتا



کہ حضرت جابر بن عبد اللہ انصاریؓ نے جب یہ دعویٰ کیا کہ مجھے حضورؐ نے کچھ مال دینے کا وعدہ فرمایا تھا تو حضرت ابو بکرؓ نے ان کو تین دفعہ مٹھی بھر کر در اہم دیئے (بخاری)، اس لیے کہ برعکس حضرت فاطمہؓ کا دعویٰ فدک خیبر اور مدینہ کے صدقات پر تھا۔ کافی بخاری۔ اور شبیہ روایات کی روشنی میں تو بہت بڑی جائیداد تھی۔ ایک روایت کے مطابق یہ بڑا شہر تھا۔ جہاں کھجوروں کے بہت باغات تھے (شرح ابن ابی الحدید ج ۷ ص ۳۲۸ مناقب فائزہ ص ۱۷۸) اصول کافی ص ۲۵۵ کی روایت کے مطابق حداول عرش مصر۔ حد دوم دومۃ الجندل۔ حد سوم تیما۔ حد چہارم جبل احد گویا سب مملکت اسلامیہ پر حضرت فاطمہؓ کا دعویٰ تھا۔ تیسری روایت کے مطابق (امام موسیٰ کاظمؑ نے ہارون الرشید کے دربار میں جوحد و فدک بیان کی تھیں) حداول عدن۔ حد دوم مرقنہ۔ حد سوم افریقیہ اور حد چہارم صیف البحر یعنی جزرہ اور ازمینیہ تمام ملک، گویا سب خلافت عباسیہ۔

ان ہذا کلمہ محالہ یوجب علی اہلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بخل و لا دکان فقال کثیر انظر فیہ داحول کافی ص ۲۵۵ باب الفیء، دیکھو امام موسیٰؑ نے فرمایا، یہ سب وہ (فدک والی) جائیداد ہے جس پر حضورؐ نے گھر دیا اور لشکر کشی نہیں کی۔ ہارون نے کہا یہ تو بہت ہے۔ اچھا میں غور کروں گا۔

حضرات اہل بیتؑ تصدیقات کی روشنی میں بنام حق فدک سب ملت اسلامیہ کے رقبہ پر دعویٰ ہے اس کو تسلیم کرنے کا معنی یہ ہے خلیفہ سیدہ کے نام حکومت کا سب رقبہ انتقال کرادے۔ اور زمام خلافت آپ کو دے دے اور سب مسلمان مصارف حکومت کے لیے دیوزہ گری کریں۔ کیا اس کا حضرت جابرؓ کے تین مٹھی در اہم پر دعویٰ سے موازنہ کرنے کا کوئی نکتہ ہے (جو تجلیات طاقت میں کیا گیا ہے)۔

یہ سوال واقعی اہم ہے ہم شبیہ دماغ سے اس کا جواب حضرت فاطمہؓ کے سوال کا منشاء کیا تھا | نہیں دے سکتے کیونکہ ان کے ہاں جب پیغمبر علیہ

الصلوۃ والسلام نے مقصد نبوت اور شاہانہ رعب سے یہ صوبے کفار سے لے کر (العیاذ باللہ) خود اپنی ملکیت خاص بنا لیے اور پھر تخت جگر فاطمہؓ ہی کو عہدہ کر دیئے تو حضرت فاطمہؓ نے ۶ ماہ یا ۷ دن کی زندگی کے لیے۔ اتنی بڑی جائیداد۔ دنیا کو بلا شرکتِ غیر اپنا ہی حق سمجھ کر مطالبہ کی



زحمت اٹھائی۔ گواہ بھی دربار خلافت میں پیش کیے۔ جب نصاب نامکمل ہونے کی وجہ سے رد ہو گئے۔ تو لوگوں کے سامنے فریاد کرتی پھریں یحنین وغیرہ معصوم بچوں کو خنجر پر بٹھا کر لوگوں سے استغاثہ اور ہمدردی چاہتیں۔ مگر کوئی سنے والا نہ تھا۔ غصہ فک کے غم میں رو رو کر جان نڈھال کر دی۔ پھر اسی صدمہ سے جان بحق ہو گئیں۔ "شہیدہ زکریٰ بالکل اسی انداز میں مظلوم فاطمہؑ کی یہ صورت و سیرت فخریہ طور پر پیش کر کے ہزاروں روپے کے نذرانے پہنچنے کے نام پر بھکاری کی طرح قوم سے وصول کرتے ہیں۔" جیسے امام ولیسے مقتدی۔ "کتاب اہل سنت میں مطالبہ کی صورت بظاہر حضرت فاطمہؑ کی زابدانہ سیرت کے منافی معلوم ہوتی ہے۔ اہل سنت والجماعت چونکہ اپنے مذہبی اصول کی رو سے بزرگان دین خصوصاً صحابہ کرامؓ و اہل بیت سے دفاع باعث سعادت جانتے ہیں لہذا بظاہر قادیان یا منافی سیرت اعمال میں مناسب توضیح و تاویل کے قائل ہیں۔

۱۔ شہیدہ اعتقاد کے علی الرغم ذاتی حق یا ذنبوی لالچ کے پیش نظر یہ مطالبہ نہیں کیا بلکہ مقصد یہ تھا کہ مال خے کی جن جائیدادوں سے ہمیں آمدنی ملا کرتی تھی وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحویل میں تھیں اب بطور وراثت و قرابت میری تحویل میں آجائیں تو میں رفاہی اور ملی کاموں میں صرف کر کے خدمت اسلام بجا لاؤں چونکہ یہ منصب جانشین پیغمبر کا تھا جیسے امام جعفر صادقؑ کے ارشاد (وہو للاحام من بعدہ) کا بیضہ حیث یشاء وہ امام کے قبضے میں رہے گا جہاں چاہے رکھیگا، اور فرمان نبوی بروایت صدیقؑ گزر چکا ہے۔ لہذا آپ نے منذرت فرمادی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عباسؑ بھی آپ کے ساتھ مطالبہ میں شریک تھے۔ اور عین جائیداد فک کا مطالبہ تھا خنجر فک۔ مدینہ مینوں مقامات کے صدقات کی تولیت کا مسئلہ تھا۔ بقول شہیدہ اگر حیات نبویؐ میں یہ ہو چکا ہوتا۔ تو نہ عباسؑ ساتھ ہوتے نہ میراث کا سوال اٹھتا اور نہ خیر و مدینہ کے صدقات کی صراحت ملتی۔ علامہ سید محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ نے عرف الشذی ص ۱۸ پر علامہ مہودیؒ سے نقل کیا ہے کہ حضرت فاطمہؑ کا سوال صرف ان اموال خے میں بطور قرابت و رشتہ داری متولی بننے کے متعلق تھا۔

۲۔ میراث فک و خے کا سوال اس وجہ سے اٹھا کہ ان اموال کی حیثیت ذوالوجہین تھی اس لحاظ سے کہ یہ حضور علیہ السلام کی تحویل اور قبضے میں تھے اور کسی مسلمان کو تصرف کا حق نہ تھا۔ ملکیت خاصہ کا شہہ ہوتا تھا اور اس لحاظ سے کہ یہ قرآن کے آٹھ مصارف اور دیگر رفاہی و ملی کاموں



میں آپ صرف فرماتے تھے۔ یہ اموال خالصہ در تصرف پیغمبر بیت المال کا حق معلوم ہوتے تھے حضرت  
فاطمہؓ کے ذہن میں یہی وجہ آئی تو آپ نے دعویٰ فرمایا۔ حافظ ابن القیم زاد المعاد ج ۲ ص ۱۶۳  
پر رقمطراز ہیں۔

مال فے ایک ایسی ملک تھی جس کا حکم دوسری املاک سے مختلف تھا۔ اموال کی یہی قسم  
ہے جس میں بعد وفات نبویؐ نزاع پڑا اور آج تک ختم نہ ہوا اور اگر صحابہ کرامؓ پر یہی اشتباہ نہ ہوتا  
تو حضرت فاطمہؓ الزہراءؓ آپ کے ترکہ سے میراث نہ مانگتیں اور یہ گمان نہ کرتیں کہ دوسرے مالکوں  
کی طرح یہ بھی ملکیت پیغمبرؐ سے جس میں وراثت چلے گی اور سیدہ رضی اللہ عنہا پر اس ملکیت  
کی یہ حقیقت مخفی رہ گئی کہ اس قسم کی ملکیت میں وراثت نہیں چلتی جیسے اصول کافی کی ایسی حدیث  
گزرا چکی ہے، یہاں یہی سوال ہوتا ہے اور شیخ ثریب سے طمہ طراق سے اچھالنے بھی ہیں۔ کیا حضرت  
فاطمہؓ جیسی عالمہ فاضلہ کو غلط فہمی ہو گئی تھی۔ یا ان کو وراثت انبیاء کا مسئلہ معلوم نہ تھا تو جواب  
یہ ہے کہ اسلام کی تعلیم کے مطابق مذہب حقہ اہل سنت والجماعت میں جملہ کلیات و جزئیات کے ظاہر  
و باطن سے واقف اور عالم الغیب والشہادۃ صرف اللہ کی ذات ہے۔ شریعت کے اصول و ارکان کا علم تو  
ضروری ہے مگر غیر محدود و فروع اور ضمنی جملہ مسائل کا ہر وقت نہ کا ملین کے لیے علم شرط ہے نہ اس کا  
استحضار ضروری ہے۔ ۳۳ سال بتدریج نزول قرآنی اسی پر مبنی ہے۔ حسب منشاء خداوندی  
ان میں اضافہ یا ذہول ہوتا رہتا ہے جیسے سَدَقَرْتُكَ فَلَا تَنسَى إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ شَاہِد  
ہے اور بسا اوقات کاملین سے اصابت فہم میں چوک ہو جاتی ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام علیہ الصلوٰۃ  
والسلام سے شجرہ منیٰ عنہ کی تعبیر میں چوک ہوئی۔ ہوا جو کچھ ہوا۔ آل کے مفہوم میں حضرت نوح علیہ  
السلام نے صلیبی بیٹے کو سمجھا۔ مگر قرآن پاک نے اس کی نفی فرمادی۔ حضرت ہارونؑ کو خلافت موسیٰؑ  
کا حق ادا کرنے میں حضرت موسیٰؑ نے غلطی سمجھا اور سختی کی مگر حضرت ہارونؑ نے بے قصور تھے۔ حضرت  
موسیٰؑ نے اپنے زعم میں تادیب کی خاطر قبطی کو مکا مارا۔ مگر فی نفسہ قتل حبیب قتل سرزد ہو گیا۔ پھر آپؑ  
نے معافی مانگی حضرت ابراہیمؑ نے کمال حلم اور ایفائے عہد کے لیے والد کے لیے دعا و منعت کی۔ مگر  
بعد میں بیزاری اختیار کرنی پڑی بخود سرکارِ دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام (ونداء ابی امی) نے اپنے  
خیال کی رو سے۔ غزوہ تبوک کے موقع پر۔ بہانہ ساز منافقین کو شرکت نہ کرنے کی چھٹی دیدی۔



نابینا صحابی کے اچانک آنے پر ناگواری ظاہر فرمائی۔ اساری بدر کو اپنے خیال میں قیدیے کر چھوڑ دیا۔ ان تمام واقعات میں قرآن حکیم نے اس کے خلاف فیصلہ دے کر آپ کی رائے کی تصویب کی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھے حق مشورہ دینے سے نہ روک سکتا تھا میں اپنے نفس میں غلطی کرنے سے بالائیں ہوں دروغ کا کافی مشورہ ۳۵ نہج البلاغہ ص ۲۳۶ (خطبہ صفین) خود سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کئی مرتبہ علما و ائمہ کی بنا پر دربار رسالت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شرکت کی۔ مگر آپ نے یک طرفہ و کالت کرنے اور معاملہ کو طول دینے کے بجائے صلح صفائی ہی کرائی۔ کیا ان تمام واقعات و شواہد کے پیش نظر ہم اس مسئلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ، صدیق اکبر اور حیدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے موقف کی تائید کریں اور نیک نیتی کے باوجود حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے خیال کو درست قرار نہ دیں۔ جس سے بصورت خاموشی آپ نے رجوع کر لیا۔ تو کیا کفر کی بات ہو جائے گی۔ سبب نبوی کے ولادہ اہل اسلام کے لیے در در کھنے والے تو ان بزرگوں کے اجتہادی اختلاف میں طرفین کے کمال ادب کے باوجود مصالحت اور قطع نزاع پر ہی صرف ہمت کریں گے۔ مگر روزِ اول سے تا ہنوز مسلمانوں میں جنگ و جدال اور اصولی اختلافات کو ہوا دیکر ملت اسلامیہ میں انتشار پھیلانے والے کج بھی ان مسائل میں تمام قوتیں صرف کر دیں گے۔

۳۔ میراث کا سوال اٹھانے کی تیسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ خدائے تعالیٰ کی حکمت نفی میراث انبیاء کے مسئلہ کو واقعہ کے ضمن میں مشہور کرنا چاہتی تھی کیونکہ انبار کی بدست واقعات ویرانہ پانقوش چھوڑتے ہیں۔ ممکن ہے سیدہ فاطمہ کا بیاطن ہی مقصود ہو۔ جیسے حدیث میں ظاہر ماہرہ مصالحت سے اسلام کو دراصل غالب اور شائع کرنا مقصود و ایزدی تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت خضر کے کی شاگردی اختیار کرنا پھر شاہ نہ ہو سکتا اس سے امور کو مینہ کے سرار کو کھولنا مقصود تھا۔ دنیائے امن کے محسن حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی مصالحت اور سبب در دست معاویہ شیبہ کے علی الرغم بیت ثبری خدمت اسلام اور مسلمانوں کے خون کا تحفظ مقصود تھا۔ جیسے علی الحکس حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا بچوں تک کو قربان کر دینا شیبہ کے خیال میں ہزار برس بعد میں پھیلنے والے شیعہ اسلام کے لیے ختم کار کا سبب تھا کیونکہ منافقین کو فہ کے ہاتھوں سانچہ کر بلا سے اہل بیت اور محمدی اسلام کی عزت و عظمت کی بنیادیں حسب اعتراف حضرت سجاد اور ملا مجلسی صاحب بیوند خاک ہو گئی تھیں۔



حدیث لا نورث متفق علیہ ہے | شیعہ حضرات بلا دلیل اس حدیث کو قول صدیق نہ کہتے ہیں۔ حالانکہ یہ فریاد نبوی ہے اور صحابہ کرام کا گویا اس پر اجماع ہے۔ کتب شیعہ میں بھی یہ قطعاً ثابت ہے۔ حافظ محب الدین طبری ریاض النقرة میں لکھتے ہیں کہ نفی ثبات کی حدیث کو جماعت صحابہؓ نے حضورؐ سے روایت کیا ہے۔ ان میں حضرت ابوہریرہؓ بھی ہیں جن کے مرفوع الفاظ یہ ہیں۔

لا یقتسم وراثتی دینار و لا  
درهما، ما توکت بعد نفقة نسائی و  
مؤنتہ عاملی فهو صدقة (ابوداؤد ج ۲)  
میر اور شہ نہ دینار تقسیم ہوں گے نہ درہم۔ میری  
بیویوں کے خرچ اور خادموں کے نفقہ سے  
جو بچے وہ صدقہ ہوگا۔

اس کی امام بخاری نے ج ۱ ص ۳۱ پر اور مسلم نے ج ۲ ص ۹ پر تخریج کی ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ، عثمانؓ، عبدالرحمن بن عوفؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، زبیر بن عوامؓ، عباس بن عبدالمطلبؓ نے روایت کیا ہے۔ تفسیر معارف القرآن ج ۲ ص ۱۰۱ پر ہے۔ اس کے علاوہ صحیح حدیث جس پر صحابہ کرامؓ کا اجماع ثابت ہے اس میں ہے۔

ان العلماء ورتلة الانبیاء وان  
الانبیاء لم یورثوا دینار و لا درهما  
وانما اودتوا العلم فمن اخذ کا اخذ  
بخط وافر ر رواہ ابوداؤد و احمد و ابن  
ماجتہ و الترمذی  
جے شک علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ بلاشبہ انبیاء  
نہ دنیا کا وارث بناتے ہیں نہ درہم کا وہ تو صرف  
علم کا وارث بناتے ہیں جو اسے لے لیتا ہے وہ  
بڑا حصہ کا لیتا ہے۔

حضرت عمرؓ رضی اللہ عنہ تو اہل بیت صدقات میں حضرت علیؓ و عباسؓ کا نزاع ختم کرتے وقت سب صحابہؓ سے فرماتے ہیں۔

انشدکم باللہ الذی باذنتہ تقوم  
السموات والارض هل تعلمون ان رسول  
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا نورث  
ما ترکنا صدقة یورث بنی ذلک نفسہ قلاوا  
میں تم کو اللہ کی قسم دیتا ہوں جس کے حکم سے  
آسمان و زمین قائم ہیں کیا تم جانتے ہو کہ رسول  
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم وارث کسی کو  
نہیں بناتے جو چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہوتا



ہے اس سے حضور کی اپنی ذات مراد تھی۔ پھر  
حضرت عمرؓ حضرت علیؓ و عباسؓ کی طرف منہ  
ہوئے اور فرمایا میں تم کو قسم دے کر پوچھتا ہوں  
تم جانتے ہو کہ رسول اللہؐ نے ایسا فرمایا ہے وہ

قد قال ذالک فاقبل عمر الى علی وعباس  
فقال انشد كما بالله هل تعلمان ان  
رسول الله صلى الله عليه وسلم قد  
قال ذالک قال نعم رجاء ج ۲ ص ۵۴۵-۵۹۶  
کہنے لگے ہاں۔

ان ہی صفحات میں دوسری سند سے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے بھی مروی ہے۔ مذکورہ  
بالا صدقین صحابہ میں حضرت عثمانؓ عبد الرحمن بن عوفؓ زبیر سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم  
بھی ہیں اور حضرت عروین حارث خزاعی سے بھی مروی ہے۔

حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں اس حدیث میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی موافقت حضرت عمر  
عثمانؓ علیؓ عباسؓ عبد الرحمن بن عوفؓ طلحہ بن عبید اللہؓ زبیر بن العوامؓ سعد بن ابی وقاصؓ ابوہریرہؓ  
اور حضرت عائشہؓ یعنی دس صحابہ رضی اللہ عنہم کے کی ہے اگر ابوبکر صدیقؓ نہ تھا بھی ہوتے تو سب  
اہل زمین پر آپ کی روایت کو ماننا لازم تھا (البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۲۸۵)

حدیث نفی میراث انبیاءؑ شیعہ میں بھی موجود ہے۔

**کتب شیعہ سے ثبوت**

۱۔ محمد بن یحییٰ سلمہ بن خطابؒ سے وہ عبد اللہ بن محمدؒ سے وہ عبد اللہ بن  
القائمؒ سے وہ زرعم بن محمدؒ سے اور وہ مفضل بن عمرؒ سے روایت کرتے ہیں امام جعفر صادقؑ علیہ السلام نے  
فرمایا "سیلمان داؤد کے وارث ہوئے اور محمد سلیمان کے وارث بنے اور ہم محمد کے وارث ہیں۔  
ہمارے پاس علم تورات، انجیل اور زبور کا ہے اور الواح موسیٰؑ کا علم بھی ہے۔

۲۔ احمد بن ادريس محمد بن عبد الجبار سے وہ صفوان بن یحییٰ سے وہ شعیب بن الحداد سے وہ فہس  
الکفانی سے روایت کرتے ہیں کہ میں ابو عبد اللہ (صادقؑ) کے پاس تھا اور ابولعبید بھی بیٹھا تھا کہ  
امام جعفرؑ نے فرمایا کہ داؤد تمام انبیاء کے وارث ہوئے سلیمان داؤد کے وارث بنے اور محمد سلیمان  
کے وارث بنے اور ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث ہیں۔ ہمارے پاس صحیفہ ابراہیمؑ اور الواح موسیٰؑ  
ہیں۔ (اصول کافی ج ۱ ص ۲۲۵ ط ایران باب ان الائمة ورثوا علم النبی وجميع الانبياء)



خود سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

۳۔ ان العلماء ورتة الانبياء

وان الانبياء لم يورثوا دينارا ولا درهما  
ولكن ورتوا العلم فمن اخذ منه اخذ  
بحظ وافر (اصول کافی ص ۳)

بے شک علماء و انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء  
علیہم السلام درہم و دینار کی میراث نہیں چھوڑتے  
لیکن وہ علم کا وارث بناتے ہیں جو وہ لیتا ہے  
وہ بڑی دولت حاصل کر لیتا ہے۔

باب ثواب العالم والمستلم من ایک لمبی حدیث کے آخر میں روایت بخاری کی طرح نفی میراث  
کی حدیث موجود ہے۔

۴۔ عن ابی عبد اللہ علیہ السلام  
قال ان العلماء ورتة الانبياء وذاك  
ان الانبياء لم يورثوا درهما ولا دينارا  
وانما اورثوا احاديث من احاديثهم  
فمن اخذ بشئ منها فقد اخذ حظا  
وافرا فانظر واعلمكم عن تاخذون  
(باب صفة العلم ص ۳۲)

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا بے شک انبیاء کے  
وارث علماء ہیں اس لیے کہ انبیاء درہم و دینار کا  
کسی کو وارث نہیں بناتے۔ بلاشبہ وہ احادیث  
ہی وراثت میں چھوڑتے ہیں جو ان میں سے کچھ  
لے لیتا ہے وہ بڑا حصہ لے لیتا ہے تم اپنے علم میں  
غور کرو کن لوگوں سے لے رہے ہو۔

۵۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے صاحبزادے محمد بن حنفیہ کو وصیت فرمائی۔

وتفقه في الدين فان الفقهاء ورثة  
الانبياء ان الانبياء لم يورثوا دينارا ولا  
درهما ولكنهم اورثوا العلم فمن  
اخذ منه اخذ بحظ وافر ومن لا  
يحصنه الفقيه ج ۲ ص ۳۲۶

اور دین میں سمجھ حاصل کر اس لیے کہ فقہاء ہی  
انبیاء کے وارث ہیں۔ انبیاء درہم و دینار کی  
وراثت نہیں چھوڑتے لیکن صرف علم کی وراثت  
چھوڑتے ہیں جو اس سے حاصل کرتا ہے وہ  
بڑا حصہ حاصل کرتا ہے

۶۔ خصال ابن بابویہ ص ۳۹ سے وہ حدیث گزر چکی ہے جس میں خود حضرت فاطمہؑ نے حضورؐ سے

حنیفین کے لیے میراث کا مالی مدی لے کر آپؐ نے فرمایا حسن کے لیے میراث عجب اور حسینؑ کیلئے  
میری شجاعت میراث ہے۔



۷۔ حضرت سلیمان کے وارث داؤد اور حضور کے وارث سلیمان اور حضرت یحییٰ کے وارث زکریا ہونے کی اصول کافی کی احادیث عنقریب آجائیں گی جن میں صراحۃً مالی وراثت کی نفی اور علم و نبوت کی میراث کا اثبات ہے۔ محدث شیعہ فرات بن ابراہیم کوفی جو علامہ کلینی کے استاذ الاستاذ ہیں اور علی بن ابراہیم قمی کے استاذ ہیں اپنی تفسیر فرات ص ۸۲ مطبوعہ نجف اشرف پر یہ حدیث لکھتے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا میں آپ سے کیا میراث پاؤں گا آپ نے فرمایا جو مجھ سے پہلے پیغمبروں نے میراث دی۔ پوچھا آپ سے پہلے انبیاء نے کیا میراث دی تو حضور نے فرمایا اپنے رب کی کتاب اور نبی کی سنت میراث ہیں دی۔

۸۔ قال علی ما ادرت منك يا رسول الله قال ما وراثت الا نبيا ومن قبلي قال وما وراثت الا نبيا ومن قبلك فقال النبي عليه الصلوة والسلام كتاب ربهم وسنة نبهم ومحاور بقات ص ۲۴ از علامہ خالد محمود) وکتف الغر ج ۱ ص ۱۴۱

۹۔ فضیل بن عیاض حضرت امام باقر سے تمام حدیث بیان کرتے ہیں۔ امام باقر فرماتے تھے اللہ کی قسم رسول اللہ کے وارث نہ عباس بنے نہ علی بن ابی طالب اور نہ دیگر وارث بنے بجز فاطمہ کے۔

يقول لا والله ما وراثت رسول الله العباس ولا علي ولا وراثته الا فاطمة عليها السلام ومن لا يحضره الفقيه ج ۲ ص ۲۱

اس حدیث سے وراثت علمی و خلقی کا ثبوت اور مالی کی نفی معلوم ہوئی کیونکہ مالی وراثت کی رو سے ازواج مطہرات بھی وارث تھیں پھر اس حدیث میں ان کی نفی درست نہیں۔ بعض شیعہ کہتے ہیں کہ فقہ جعفری میں عورتوں کو جائیداد کا ترکہ نہیں ملتا تو نفی درست ہے حالانکہ قرآنی ارشاد فَلَهُنَّ الثَّمَنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ لَكُمْ عَقَارًا کو بھی شامل ہے تو خلاف قرآن فقہ جعفری کو کون مانتا ہے اگر کسی اپنی روایت سے تخصیص کرتے ہو تو وہ ہم سبھی کہتے ہیں کہ لَوْضَعْنَاهُ اللَّهُ حدیث میراث سے مخصوص اور حضور کو شامل نہیں ہے۔ یہ تمام احادیث صریحاً مستثناء



سے ساتھ۔ انبیاء علیہم السلام کی مالی وراثت کی نفی اور علم و نبوت کی وراثت پر قطعی دال ہیں۔ لہذا صاحب تجلیات جیسے لوگوں کا یہ کہنا کہ انبیاء کے وارث دو قسم کے ہیں۔ مالی کے رشتہ دار اور علمی کے علماء یہاں علمی وراثت اور علماء کا ذکر ہے مالی وارثوں کی نفی نہیں۔ "صراحتہ جہالت اور سیمہ زدری ہے کیونکہ وانما اودثوا العلم وکنہم اودثوا العلم کا معنی ہی علم نحو کے مطابق لم یودثوا شیئاً الا العلم والاحادیث خصوصاً جبکہ ما قبل ان الانبیاء لم یودثوا دینار ولا درہماً (بے شک انبیاء دینار اور درہم کا وارث نہیں بناتے) سے مالی وراثت کی نفی کی گئی ہے۔

پیش کردہ احادیث میں سے بعض شیعہ حدیث نمبر ۲ پر طعن کرتے ہیں کہ اس کا راوی ابوالخثر می کذاب ہے۔ تو خلیل استدلال نہیں مگر یہ بوجہ باطل ہے۔ (۱) دیگر صحیح اسناد والی احادیث جب کتب شیعہ میں موجود ہیں تو ایک سند کے کذاب راوی سے اس حدیث پر فرق نہیں پڑتا۔ یہ ان کی مؤید بھی جاسکتی ہے۔

ب۔ اصول کافی کو مصدقہ امام ہدی بھی کہا جاتا ہے۔ پھر موافق مذہب حقہ اہلسنت احادیث کو غلط بھی۔ یہ ہماری سمجھ سے باہر ہے۔ یا امام کی تصدیق پر اعتماد کرو یا پھر کافی میں موضوع احادیث کا وجود تسلیم کر کے اہلسنت کی تصدیق اور امام کی تخلیط کرو۔

ج۔ اصول جرح و تعدیل اور کتب جہال شیعہ کی رو سے بھی۔ اصول کافی کا شاذ و تادر راوی تنقید سے محفوظ ہو۔ ورنہ ابوالعباس زرہ۔ ہشام جیسے ہزاروں احادیث شیعہ کے مرکزی رواۃ بھی نہایت مطعون بلکہ آمد کی زبانی کذاب ملعون اور بدعتیہ بتائے گئے ہیں۔ تو ان کو اپنی سب احادیث سے ہاتھ دھونا پڑے گا اور یہ سودا شیعہ کو ہنگام پڑے گا۔

۱۰۔ بعض نوکر کی نفی میراث کے متعلق آخر میں ایک اور اسم حدیث بھی ملاحظہ فرمائیے۔ شیعہ کتب قرب الاسناد جمیری ص ۱ پر ہے۔ امام باقرؑ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وراثت میں نہ درہم چھوڑا نہ دینار نہ باندی نہ غلام نہ بکری نہ اونٹ آپ کی روح اس حالت میں قبض ہوئی کہ آپ کی زرہ مدینہ کے یہودی کے پاس ۲۰ صاع جو کے بدلے میں گروی تھی جو آپ نے اہل و عیال کے خرچ کیلئے ادھار لیے تھے۔ ثلاث عیش کا مملۃ



**ایک شبہ کا ازالہ** | سب ناقابل انکار دلائل سے یہ واضح ہو چکا کہ حدیث لا نورث لفظاً یا  
معناً قطعی اور متفقہ الفرقین ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے اور ہر شبہ

اسے اٹھاتا ہے کہ کیا مائی صاحبہ کو اس حدیث کا علم نہ تھا حالانکہ وہ قریب ترین رشتہ دار اور  
اس حدیث سے متعلقہ تھیں ان کو تو ضرور معلوم ہونا چاہیے تھا۔ اس کا ایک جواب تو تقریباً گزرتا  
چکا ہے کہ کسی غیر اصولی مسئلے کا علم یا اس کے متعلق حدیث کا علم نہ ہونا کمال علم کے منافی نہیں  
ہزاروں باتیں ایک شخص کے علم میں ہوتی ہیں مگر دوسرا ان میں سے بعض نہیں جانتا۔ علی العکس  
دوسرے کی معلومات میں سے پہلے کو کئی باتیں معلوم نہیں ہوتیں۔ مگر کسی کو ناقص العلم نہیں کہتا  
اغلب یہ ہے کہ مردوں کے مجمع میں حضرت رسول خدا نے یہ ارشاد فرمایا ہو گا کہ حضرت علی المرتضیٰ صدیق  
اکبر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہو گیا۔ مگر سیدہ فاطمہؓ کو اطلاع نہ ہوئی اور نہ حضرت علیؓ نے بتلایا۔ بصورت  
صلی اللہ علیہ وسلم قرآن و سنت کے مطابق عالم الغیب نہ تھے کہ آپ کو بعد از وفات مطالبہ فاطمہؓ کا  
علم ہو تو ضرور ان کو بھی حدیث لا نورث سنا دیں۔ اور اُنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْاَقْرَبِينَ نفی میراث  
کی حدیث سنائی لازم نہ تھی تاکہ منصب نبوت پر وقت آئے۔ کیونکہ آیت کا مقصد فکر آخرت پیدا کر کے  
اعمال بجا لانا ہے اور رشتہ داری سے پرہیز و سہ نہ کرنا ہے۔ اور یہ چیز اور سیکیٹر وں احادیث و آیات  
سنانے سے حاصل ہو چکی تھی۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کو علم تھا مگر نفی کے عموم سے اپنے کو  
کمال تقرب کی بنا پر مستثنیٰ جانتی تھیں۔ گویا حدیث بھی عام مخصوص عن ابیہن کے درجے میں تھی۔  
مگر حضرت صدیق اکبرؓ اور حیدرہ صاحبہ کرامؓ نے اس کو عام ہی سمجھا تو یہ اختلاف حدیث کے ثبوت  
وصحت کے متعلق نہ تھا بلکہ مفہوم کی تعبیر میں اختلاف تھا۔

حافظ ابن حجر فتح الباری شرح بخاری میں فرماتے ہیں۔  
”حضرت ابو بکرؓ کے حدیث سے استدلال کے باوجود حضرت فاطمہؓ کی ناگواری کی وجہ  
یہ ہے کہ آپ کا خیال حضرت ابو بکرؓ کے استدلال کے برعکس تھا۔ گویا آپ نے حدیث لا نورث کے  
عموم سے تخصیص جائز سمجھی اور یہ خیال کیا کہ حضورؐ کے زمینی متروکہ میں وارث بننے کی نفی اس  
حدیث میں نہیں حضرت ابو بکرؓ نے عموم سے استدلال کیا اور اسی بات میں اختلاف ہوا جس میں



تاویل کی طرفین کو گنجائش تھی جب حضرت ابو بکرؓ اپنے موقف پر جمے رہے تو حضرت سیدہؓ نے اس وجہ سے میل ملاپ بند کر دیا۔ اگر اقامت شعبی کی حدیث (بروایت مہیجی) ثابت ہو (احادیث رضا ثابت ہیں کما سیاتی) تو اشکال دور ہو جاتا ہے حضرت فاطمہؓ کے اخلاق کے مناسب یہی ہے کہ آپ راضی ہو گئی ہوں کیونکہ آپکی عقل کی زیادتی اور دینداری بہر کسی کو معلوم ہے۔ آپ پر سلامتی ہو۔“ (بحوالہ حاشیہ صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۵۴)

**لفظ غضبت اوی کا مدرج ہے** | حضرت سیدہ فاطمہؓ کے مطالبہ فک کی روایت تقریباً ۱۵۰ عدد یا سند کتب حدیث و تاریخ میں پائی جاتی ہے بخاری

تشریف میں پانچ عدد اور مسلم تشریف میں دو عدد۔ ترمذی تشریف میں دو عدد۔ ابو داؤد میں چار عدد نسائی میں ایک عدد وغیرہ ان تمام مقامات میں یہ روایت تقریباً ۳۶ عدد مروی ہے اور ۲۵ عدد صرف حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے اور ۱۱ عدد حضرت عائشہؓ کے ماسوا صحا سے چھ عدد ابو ہریرہؓ سے۔ ام ہانیؓ سے دو عدد اور ابو الطفیل عامر بن واثلہؓ سے تین عدد مروی ہے حضرت عائشہؓ کے علاوہ باقی صحابہؓ سے روایت میں لفظ غضبت مذکور نہیں ہے۔ پھر حضرت عائشہؓ کی روایات بھی دو قسم ہیں۔ بعض روایات میں ناراضی کا ذکر پایا جاتا ہے اور بعض میں نہیں چن میں پایا جاتا ہے ان سب اسانید میں ابن شہاب زہری موجود ہے کوئی ایک روایت بھی تاحال دستیاب نہ ہو سکی کہ ناراضی کا ذکر ہو اور اس میں ابن شہاب زہری نہ پایا جاتا ہو۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس روایت میں مذکور کرنے سے معلوم ہوا کہ اس میں غضبت کے الفاظ کا ابن شہاب سے اور اچ پایا جاتا ہے۔ اس میں قرینہ بعض روایات سے دستیاب ہو گیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جب حضرت ابو بکر صدیقؓ کا جواب ختم ہوا لا نورث ہا ترکنا صدقہ۔ اس کے بعد رواۃ کی طرف سے قال کا لفظ روایات میں مذکور ہے۔ اور قال کے بعد غضبت فاطمہؓ بجرآن اور عدم کلام ذکر کیا گیا ہے یہ تین چیزیں اسی قال کا مقولہ ہیں حضرت ابو بکر صدیقؓ کے کلام سے یہ تین چیزیں خارج ہیں۔ خلاصہ یہ کہ حضرت فاطمہؓ حضرت ابو بکر صدیقؓ کا جواب سکر مطمئن ہو کر خاموش ہو گئیں۔ روایت کرنے والے نے اپنے گمان سے اس خاموشی کو ناراضی پر محمول کیا اور اپنے ظن کو اس طرح روایت کے ساتھ ملا کر ذکر کر دیا جو قال کے بعد مذکور ہے۔ محمد بن



کی اصطلاح میں اس کو ظنِ راوی یا وہمِ راوی سے تعبیر کیا جاتا ہے جس کا اصل روایت اور اس سے مستنبط مسئلے سے کچھ تعلق نہیں ہوتا۔ دوسرے الفاظ میں یہ روایت مدرج ہے اور ادراج کنندہ ابن شہاب زہری سے۔ علماء اصول حدیث کا اتفاق ہے کہ عمداً ادراج حرام ہے بجز اس کے کہ اس کے کسی لفظ کی لغوی تشریح کر دی جائے یا مرجع حدیث اور مسئلہ مستنبط کا ذکر کیا جائے اور مدرج الفاظ کو کبھی قبول نہیں کیا جائے گا بلکہ بعض اوقات عمداً ادراج کرنا لا ساقط الی اللہ ہوتا ہے (دیکھیے تدریب الراوی) یہاں عمداً ادراج نہ ہی مگر اپنے ظن کی بنا پر خطا۔ خاموشی کو ان الفاظ مدرجہ سے ادا کر دیا ہے۔

مندرجہ ذیل مقامات پر قال کا لفظ پایا جاتا ہے۔ ۱۔ بخاری شریف ج ۲ ص ۹۹۵۔ باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا نورث ما ترکنا کصدقة، ۲۔ مسلم شریف ج ۲ ص ۹۱۔ باب حکم الفی ۳۔ تاریخ ابن جریر طبری حدیث سفیفہ ج ۳ ص ۲۰۲۔ م سنن ابی بکر بن حبیب ج ۶ ص ۳۵۔ سنن ابی عوانہ ج ۴ ص ۱۴۵۔ ۱۴۶۔ ۶۔ مصنف عبد الرزاق ج ۵ ص ۲۴۳۔ ۲۴۴۔ ۷۔ البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۲۸۵۔ پھر یہ الفاظ مدرج ہیں۔ قال فہجر تہ فاطمة ولم تکلمہ فی ذلک حتی ماتت فدفعنا علی لیلنا ولم یؤذن بہا ابائکم الخ۔

۸۔ اہل تشیع کی کتاب شرح نہج البلاغہ لابن ابی الحدید ج ۴ ص ۱۱۲ تحت الخطبة فی کلامہ علیہ السلام لی عثمان بن حنیف الانصادی۔ اس کتاب کا مصنف معتزلی شیعہ ہے مسئلہ فدک پر تین فصلیں لکھی ہیں۔ پہلی فصل میں قال ابوبکر الجوصی کے بعد مذکورہ بالا الفاظ مدرج ہیں۔ (از افادات علامہ عبدالستار صاحب تونسوی مدظلہ العالی)

بالفرض حدیث کا جملہ ہی مانا جائے۔ تو راوی اول حضرت عائشہؓ کے اپنے گمان پر مبنی ہے۔ گمان میں خطا غلطی ممکن ہے۔ اس پر اتنے بڑے قضیے کی بنیاد نہیں رکھی جاسکتی۔ غضبت کا معنی طبعاً ناگواری بھی ممکن ہے۔ جیسے قصہ مواعظ میں حضورؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا تھا اغضبیت علی حین اخیت (کشف الغمہ ص ۹۲) ولم تکلمہ کا معنی یہ ہے کہ پھر فدک مانگنے کے متعلق بات نہیں کی۔ فتح الباری ج ۱ ص ۱۲۱ شرح مسلم نووی ج ۲ ص ۹، اور بھران سے ملاقات عمومی کا ترک مراد ہے نہ کہ احیانا سلام و کلام کا چھوڑنا کیونکہ یہ شرعاً تین دن سے زیادہ بہر صورت درست نہیں۔



چھٹی تفتیح کہ حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر خوش ہو کر رخصت ہوئیں۔  
 علامہ عظیم بخاری کی تشریح نہج البلاغہ اور تشریح درہ نجفیہ وغیرہ کے حوالہ جات سے گزر چکا  
 ہے کہ حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا ابوبکر رضی اللہ عنہ پر راضی ہو گئیں مبین راشن پر معاہدہ بھی ہو گیا۔  
 درہ نجفیہ ص ۳۳۱ مولفہ ابراہیم بن حاجی حسین بن علی بن الغفار الدبلی ۱۲۹۱ھ طبع ایران کی عبارت  
 یہ ہے۔

ذالک ان لک مالاً بیک کان رسول  
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یاخذ من  
 فداک قوتکم ویقسم الباقی ویجمل منہ  
 فی سبیل اللہ ذالک علی اللہ ان اصنع  
 بھاکما کان یصنع فی صلیت بذالک و  
 اخذت العهد بھ۔  
 یعنی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ سے کہا آپکے  
 والد محترم کے لیے جو حق تھا وہی حق آپکے لیے ثابت  
 ہے حضور علیہ السلام فدک کی آمد سے تمہارے اخراجات  
 لے لیتے تھے اور باقی کو ضرورت مند لوگوں میں تقسیم کر  
 دیتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر مجھ پر  
 آپ کا حق ہے کہ فدک کے متعلق میں وہی طریق کار

جاری رکھوں جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جاری رکھتے تھے پس اس معاملہ فدک کے متعلق فاطمہ رضی اللہ عنہا  
 اور خوش ہو گئیں اور اس پیر پر ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بچتہ وعدہ اور عہد لے لیا (بحوالہ رحمہما بینہم ج ۱ ص ۱۵۲)  
 یہ خالص شیعوں کی روایت ہے اگر سنیوں کی ہوتی ضرور سیدہ اس کی نسبت ان کی طرف کر دیتے تیر  
 اس روایت کے ذکر کرنے کے بعد سابق مصنفین اور مجتہدین نے اسے عقیدہ و تردید نہیں کی معلوم ہوا کہ  
 یہ بڑی سچی اور مقبول عام روایت ہے جو شیعوں پر حجت ہے۔

سنی کتب سے حضرت سیدہ کی رضا مندی | کتب اہل سنت میں بھی حضرت فاطمہ کا راضی  
 ہونا ثابت ہے۔

۱۔ عام شیعہ کا بیان ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ شدت مرض میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور اجازت  
 مانگی حضرت عائشہ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پر اجازت چاہئے ہیں۔ آپ چاہیں تو اجازت  
 دیدیں۔ فرمایا کیا آپ کو کبھی یہ پسند ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہاں۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ داخل ہوئے اور  
 عذر خواہی کی اور گفتگو کی۔ فرضیت عنہ۔ پس حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا راضی ہو گئیں (ریاض النضرہ ص ۱۵۶)  
 ۲۔ طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۴۲ (اردو) میں اسی قسم کی روایت میں ہے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ



حضرت فاطمہؑ کے پاس آئے اور ان کے آگے عذر پیش کیا اور ان سے پائیں کہیں اور حضرت فاطمہؑ آپ سے راضی ہو گئیں۔

۳۔ امام اوزاعی فرماتے ہیں کہ مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ حضرت فاطمہ زہراؑ نبی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکرؓ پر پناہ تو پیش ہو گئیں تو حضرت ابوبکرؓ نے گھر سے نکل پڑے اور سخت گرمی کے دن آپ کے دروازے پر کھڑے ہو گئے اور فرمایا میں اپنی اس جگہ سے نہ ہٹوں گا جب تک کہ اے دختر رسولؐ آپ راضی نہ ہو جائیں پھر حضرت علیؑ نے اندر جا کر حضرت فاطمہؑ کو قسمیہ کہا کہ آپ راضی ہو جائیں چنانچہ حضرت فاطمہؑ راضی ہو گئیں (الخزرجہ ابن اسحاق فی المواقفہ ریاض النضرہ ص ۱۵۶)

۴۔ حضرت فاطمہؑ سے مطالبہ کے وقت حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا۔

ولک علی ان افعل فیہا ما کانت  
ابو لک یفعل قالت واللہ لفعلن ذالک  
قال واللہ لافعلن ذالک قالت اللہم  
اشہد قال فکان ابوبکر یعطیہم منہا  
قوتہم ویقسم الباقی فی الفقراء والمساکین  
وابن السبیل ثم ولی ذالک عمر ففعل  
مثل ذالک ثم فعل قتیبہ علی بن ابی  
طالب فقتل لہ فی ذالک فقال انی  
لا استعجی من اللہ ان انقض شیئاً فاعلہ  
ابوبکر وعمر (رضی اللہ عنہما)  
(ریاض النضرہ ص ۱۵۶)

تیرے لیے مجھ پر لازم ہے کہ میں اموال فدک میں  
وہی کروں جو تیرے والد کرتے تھے۔ فرمانے لگیں  
خدا کی قسم آپ ایسا ہی کریں گے۔ حضرت ابوبکرؓ نے  
فرمایا بخدا میں ایسا ہی کروں گا۔ فرمانے لگیں اے اللہ  
لوگ وارہتا پس حضرت ابوبکرؓ اہلبیت کو ان کا راشن  
دینے اور باقی فقراء مساکین اور مسافروں میں  
بانٹ دیتے پھر حضرت عمرؓ خلیفہ بنے تو انہوں نے  
بھی ایسا ہی کیا۔ پھر حضرت علیؑ نے بھی ایسا ہی  
کیا۔ کسی نے اس میں ترمیم کا مشورہ دیا تو فرمایا۔  
مجھے اللہ سے جی آتی ہے کہ میں اس طریقہ کو توڑوں  
جو حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ نے رائج فرمایا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ مکالمہ اول ہی کامیاب ثابت ہوا ناراضی کا سوال پیدا ہی نہیں ہوا۔ اسی طرح  
۵۔ سنن الکبریٰ بیہقی ج ۶ ص ۳۱۰۔ تہذیب نجاری۔ شروح مشکوٰۃ۔ نیز اس شرح شرح عقائد ص ۵۵  
الہدایہ والنہایہ اور طبقات ابن سعد وغیرہ میں سیدہ کی رضا مندی ثابت ہے۔ حضورؐ کی وفات  
کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ رضہ حضرت سیدہ کی خدمت میں حضرت علیؑ کی موجودگی میں آئے اور فرمایا



والله ما تركت الدار والمال والاهل  
والعشيرة الا ابتغاء مرضاة الله و  
مرضاة رسوله ومرضاةكم اهل البيت  
ثم ترونها حتى رضيت وهذا السناد  
جيد قوى (البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۲۸۹)

۶۔ علامہ ابن کثیر اس بحث میں فرماتے ہیں۔

واحسن ما فيه قوله انت وما  
سمعت من رسول الله صلى الله عليه  
وسلم وهذا هو الصواب والمظنون  
بها والا تيق بامرها وسيادتها وعلماها  
دينها

شان ہے۔

اس باب میں سب سے بہتر حضرت فاطمہؓ کا یہ  
ارشاد ہے اے ابوبکرؓ آپ ارشاد رسول پر عمل کریں  
جو حضورؐ سے سنا ہے (میں راضی ہوں) یہی  
درست ہے آپ سے اسی کا گمان ہے اور یہی حضرت  
سیدہ کے مرتبہ مقام اور علم و دین کے شایانے

پھر مذکورہ بالا مذرت حدیثی نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ ”ظاہر یہ ہے کہ عام شیعہ نے یہ  
حضرت علیؓ سے یا ان لوگوں سے جنہوں نے حضرت علیؓ سے سنا سنا ہے اور بلاشبہ علامہ اہل بیتؓ نے حضرت  
ابوبکرؓ کے فیصلہ کو صحیح قرار دیا ہے۔ جیسے حافظ بیہقی نے اپنی سند سے حضرت زید بن علی بن حسینؓ سے نقل  
فرمایا ہے۔

حضرت زیدؓ فرماتے ہیں اگر میں حضرت ابوبکرؓ کی  
جگہ ہوتا تو فک کا وہی فیصلہ کرتا جو حضرت  
ابوبکرؓ نے کیا

اما انا فلو كنت مكان ابي بكر  
لحكمت بما حكم به ابو بكر في ذلك  
(البدایہ ج ۵ ص ۲۹)

بلکہ اس سے زیادہ واضح سیدہ سلام اللہ علیہا کی رضا مندی بلکہ ترک کوئی دلیل وہ حدیث ہے  
جو تمام ثقات راویوں سے سند احمد بن حنبلؒ پر مروی ہے اور مقصود یہی جگہ خود حضرت فاطمہؓ

۱۔ اس حدیث کے رواقہ کی توثیق یہ ہے ۱۔ عبد اللہ بن احمد بن حنبل الشیبانی ولہ الاحام ثقہ متوفی ۲۴۰ھ

۲۔ عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ الکوفی ثقہ صاحب التصانیف المتوفی ۲۳۵ھ ۳۔ محمد بن فضیل بن غزوان



سے مروی ہے۔ تو یہ روایت صحیحین کی روایت پر بھی راجح ہوگی جس میں راوی نے اپنے گمان سے حضرت سیدہ کی طرف ناراضی کی نسبت کی ہے۔

عن ابی الطفیل قال لما قبض رسول  
الله صلی الله علیہ وسلم ارسلت  
فاطمة الی ابی بکر انت وراثت رسول  
الله صلی الله علیہ وسلم امام اہلہ  
فقال لا بل اہلہ قال فایت سہم  
رسول الله صلی الله علیہ وسلم قال  
فقال ابوبکر انی سمعت رسول الله  
صلی الله علیہ وسلم یقول ان الله عن  
وجل اذا اطعم نبیا طعمۃ ثم قبضہ جعلہ  
للذی یقوم من بعدہ فتریت ان الودع  
علی المسلمین فقالت فانت وها سمعت  
من رسول الله صلی الله علیہ وسلم علم۔  
(مسانید ابی بکر)

حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہ فرماتے ہیں کہ جب  
حضور وفات پا گئے تو حضرت فاطمہؓ نے حضرت  
ابوبکرؓ کی ملاقات میں قاصد بھیجا کہ آپ حضورؐ کے  
وراثت میں یا حضورؐ کے گھر والے، فرمایا گھر والے  
ہوتے ہیں، فرمائے نگیں پھر حضورؐ کا حصہ کہاں ہے،  
تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا میں نے حضورؐ  
صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ اللہ  
پاک کسی نبی کو جب کچھ رزق دیتے ہیں پھر اسے وفات  
دے دیں تو وہ مال اس شخص کے تصرف میں آتا  
ہے جو آپ کا قائم مقام ہوتا ہے تو میرا خیال ہے کہ  
میں اسے مسلمانوں پر وقف کر دوں تو حضرت  
فاطمہؓ نے فرمایا آپ جانیں اور حضورؐ سے سیدہ فرماں  
کیونکہ آپ سے خوب جانتے ہیں۔

اسی نقطہ نظر سے مسئلہ فدک، ثبوت وقفی چیلنوں سے میرین ہو چکا اب  
شیعہ کے دلائل وراثت | ذرا ان دلائل پر بھی غور کریں جن سے شیعہ صدیق اکبرؓ پر چیلن کرنے کے  
لیے اپنی احادیث کے بھی خلاف روایت انبیاء کے قائل ہیں۔

۱۔ یُوصِیْکُمُ اللّٰهُ فِیْ اَوْلَادِکُمْ  
لِلَّذِکْرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنثٰی  
اللہ تم کو تاکید کرتا ہے اولاد کے متعلق کہ لڑکے  
کو لڑکی کا دوہرا حصہ ملے۔

۲۔ لِلنِّسَاءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا تَرَکَ الْاَوَّلٰدِ

گذشتہ سے پیوستہ، انکو فی صدوقی رحمہ بالتشیع المتوفی ۹۵ھ۔ ۴۔ ولید بن جیع الزہری الملکی نزہل کوفہ  
صدوق دیہم من النخاسة۔ ۵۔ ابوالطفیل عامر بن واثلہ فرماتے ہیں اصحابہؓ (تقریب النبیؐ)



وَالْأَقْرَبُونَ (نساء)

چھوڑ کر مرے۔

وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِي مِمَّا  
تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ (پہ)

ہر ایک (مسلمان) کے لیے ہم نے وارث بنائے  
اس ترکہ کے جو ماں باپ اور رشتہ دار چھوڑ جائیں

کہتے ہیں کہ یہ آیتیں تو ریشہ اولاد میں عام ہیں اور انبیاء کو بھی شامل ہیں جیسے دیگر احکام۔

الجواب۔ الفاظ تو عام ہیں مگر عام مخصوص عنہ البعض ہیں اور بالاتفاق سنی شیعہ علماء

اصول چار قسم کے لوگوں کو وراثت نہیں ملے گی۔ کافر و خدا و لا د کو۔ قاتل اولاد کو۔ غلام اولاد

کو۔ ولد لہان کو۔ اہلسنت کی سرحی اور شیعہ کی شرائع الاسلام میں ہے۔ املانہ من الادرث الربعة

الرق والقتل والارتداد واللعان۔ فقہ شیعہ کی کتاب جامع المسائل ۳۶۵ میں ہے۔

موانع ارث قتل کفر اور غلامی اور لہان ہیں۔ یہ موانع قرآن پاک میں صراحتہ نہیں۔ بلکہ اخبار و احاد

احادیث سے ماخوذ ہیں جب ان احادیث سے تخصیص ہو گئی تو علماء اصول فقہ کا یہ قاعدہ بھی ہے

کہ عام میں پھر وہ قطعیت باقی نہیں رہتی کیونکہ احتمال ہے کہ کسی خاص خبر واحد سے اور افراد

بھی خارج ہو جائیں (اصول الشاشی و نولانوار) نیز تیسری آیت میں کل اضافی مراد ہے جیسے ملک

بلقیس کے محمد و شاہی ساز و سامان کے متعلق آیا ہے۔ وَأَمَّا نِسَاءُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَهُنَّ مِمَّا كَسَبَتْ

بنابرین ہم کہتے ہیں کہ حدیث نفی میراث حسب تفسیر سابق سنی و شیعہ کی متفقہ اور اجلہ صحابہ کرام

کے اجماع سے مروی ہے اسے خبر واحد نہیں بلکہ خبر مشہور اور تواتر معنی و طبقہ کا درجہ حاصل ہے

لہذا اس سے تخصیص درست ہے اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اس حکم سے خارج ہیں جیسے فَاَنْكِحُوا

مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَاءِ (پس نکاح کرو جو عورتیں تم کو پسند ہوں چار تک) کے تحت آپ

م عورتوں کی پابندی سے خاسج ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ چار سے زیادہ کی اجازت کی تخصیص ایک ویر

آیت یَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ (احزاب ۴۶) سے ماخوذ ہے تو آیت کی تخصیص آیت سے

ہوئی۔ مگر یہ قلت تدبیر کا نتیجہ ہے کیونکہ سورۃ نساء مدنی زندگی کے اوائل میں نازل ہوئی۔ اور

سورت احزاب غزوہ خندق ۵ھ کے بھی بعد نازل ہوئی اور اس وقت آپ م سے زائد متعدد

شادیاں کر چکے تھے۔ آیت إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ الَّتِي أَتَيْتَ أَجْوَاسَهُنَّ

(بے شک ہم نے حلال کی ہیں آپ کے لیے وہ عورتیں جن کے مہر آپ سے چکے الحزن) نے تو ان سابقہ نکاحوں



کی صحت اور لوگوں کے شہادت کا ازالہ فرمایا۔ بلکہ مزید نکاحوں پر پابندی لگادی۔ لَا يَحِلُّ لَكَ  
النِّسَاءُ مِمَّنْ بَعْدُ وَلَا أَنْ تَبْدَلَ بِهِنَّ مِنْ أَزْوَاجٍ (اس کے بعد آپ کو اور عورتیں  
حلال نہیں اور نہ ان ازواج میں آپ کو بدل کر سکتے ہیں) چھ آپ کو اور دونوں کا حسن پسند ہو۔  
بجز باندیوں کے، الحاصل جیسے فَانْكِحُوا کے حکم سے آپ مستثنیٰ ہیں اسی طرح آیت میراث سے بھی  
آپ مستثنیٰ ہیں۔

اے اللہ میرے اپنی جانب سے بخش دے ایسا ولی جو  
میرا وارث بنے اور آل یعقوب کا بھی اور اللہ  
اس کو پسندیدہ بنا۔

م۔ رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا  
يَرِي ثَنِي وَرِثُ مِنْ اِلْ يَعْقُوبَ وَاجْعَلْهُ  
رَبِّ رَضِيًّا (مریم ۱۶)

اور حضرت سلیمان داؤد کے وارث بنے تو فرمایا  
اے لوگو یہیں پرندوں کی بولیاں سکھائی گئی  
ہیں اور ہر چیز دی گئی ہے (یہ تو اللہ کا کھلا

ہ۔ وَكَرِهْتُ الْمُكِنُّمُ دَاوُدَ وَ  
قَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ عَلَيْنَا مَطُوفُ الطَّيْرِ  
وَأَوْتَيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ إِلَّا تَذَكُّرًا (نمل ۱۱)  
(عام ہے)

شیخہ کا خیال ہے کہ دونوں آیتوں میں اور پہلی آیت میں دونوں جگہ وارثت سے مال مراد  
ہے کیونکہ حسن بصری نے یہ تفسیر کی ہے اور ابن عباس اور ضحاک کا بھی یہ قول ہے (تفسیر  
فخر الدین رازی ج ۲ ص ۱۸۴)

نیز رضیاً پسندیدہ کا لفظ چاہتا ہے کہ وہ وارث غیر نبی ہو جائے لیے اس دعا کی حاجت  
نہیں۔ خَفْتُ الْمَوَالِيَ۔ چچا زادوں سے خوف ضیاع نبوت کی وجہ سے نہیں ہو سکتا۔ مال  
کی وجہ سے ہوتا ہے۔ بعض تفاسیر میں ہے کہ حضرت سلیمان نے ایک نہر اگھوڑے باپے وارثت  
میں پلٹے۔ نیز لفظ ارث کا استعمال مال میں حقیقتہً ہے اور باقی چیزوں میں مجازاً جب تک  
حقیقت متغذرتہ ہو مجاز مراد لینا درست نہیں۔

الجواب۔ شیخہ مذہب کی رو سے آیات بالا کی یہ تفسیر اجتہاد فی مقابل النص ہونے کی وجہ  
سے مردود ہیں اس لیے کہ جب ان آیات کے مصداق کی تعبیر آئمہ معصومین سے ہو چکی ہے۔  
پھر ادھر ادھر کی باتیں نکالنا کیا معنی ہے۔



امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے۔

ان سلیمان ورت داؤد وان  
محمد ورت سلیمان وانا ورتنا محمد  
وان عندنا علم التورۃ والانجیل  
والزبور وتبیان ما فی الاوواح۔

(اصول کافی ص ۲۲۵)

بلاشبہ سلیمان ہی وارث داؤد بنے اور حضرت  
محمدؐ سلیمان کے وارث بنے اور ہم محمدؐ کے وارث  
ہوئے۔ بیشک ہمارے پاس تورات انجیل  
زبور اور الواح موسیٰ کی تفصیل کا علم ہے۔

دوسری حدیث میں ہے کہ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا حضرت داؤد انبیاء کے علم کے وارث  
ہوئے۔

وان سلیمان ورت داؤد وان  
محمد اعلیٰ اللہ علیہ وسلم ورت  
سلیمان وانا ورتنا محمد اعلیٰ اللہ  
علیہ وسلم وان عندنا صحف ایما  
والواح موسیٰ (ایضاً ص ۲۲۵) یاب ان الائمة  
ورثوا علم النبی وجميع (الانبیاء)

حضرت زکریا علیہ السلام کی وراثت کے متعلق امام باقرؑ کا اضافہ ہے۔

ثم مات زکریا فورت ابنه  
یحییٰ الکتاب والحکمة وایتنا العلم  
صبیا (اصول کافی ج ۱ ص ۳۸۲)

پھر زکریا فوت ہوئے تو ان کے صاحبزادے  
یحییٰ کتاب اور حکمت کے وارث بنے اور ہم  
نے ان کو حکم بچپن میں ہی دے دیا تھا۔

کیا پہلی دو احادیث کی روشنی میں حضرت داؤد کی وراثت کا سلیمان کو انتقال اور پھر  
حنوڑ اور امیر ال بیت تک پہنچنا۔ وراثت علمی و پیغمبری یقیناً ثابت نہیں ہوئی۔ ان کے مقابل  
حسن بصری کا قول کیا حقیقت رکھتا ہے۔ ہزار گھوڑے پانا شاہی ترکہ بطور حکومت مراد ہے  
نہ کہ ذاتی وراثت۔ حضرت داؤد تو خانگی نفقہ کے لیے نہ رہنا کر بیچتے تھے کیا اس معمولی مزدوری  
سے وہ ایک ہزار اعلیٰ النسل کے گھوڑے خریدتے یا پال سکتے تھے؟ پھر کل ۸ بیٹے تھے تو اٹھارہ ہزار



گھوڑے ہوں تب فی بیٹا ایک ہزار گھوڑے تقسیم میں ملے۔

قرآن پاک میں وَدَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ دَاوُدَ کے بعد فَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ عَلِمْنَا مِنْطِقَ الطَّيْرِ الایۃ کیا یہ وراثت علمی پر قطعی دلیل نہیں ہے؟ اگر وراثت مالی ہو تو یقیناً ۱۸ بیٹے بھی بدستور عالم منطق الطیر ہوں۔ اور ہر بیٹے چنیر کے مالک اور تذکرہ قرآنی سے مشرف ہوں۔ یہ کہنا کہ حضرت سلیمان کا ذکر خاص بلند رتبی کی وجہ سے ہے لغو ہے۔ کیونکہ یہ بلند رتبی۔ نبوت اور سیاست میں والد ماجد کی جانشینی سے ملی ہے تو وراثت نبوت و سیاست ثابت ہو گئی۔ فہو المقصود علامہ رازی نے تفسیر میں پانچ قول کہے ہیں مفید مطلب ایک قول کو شیخ لے اڑاتے ہیں۔ حالانکہ اس کا مطلب یہی ہے کہ نبوت اور شاہی خزانوں اور اموال کے جانشین و وارث حضرت سلیمان ہی ہوئے تو ذاتی مال کی وراثت باطل ہوئی اور پھر اس کے شخص واحد میں انحصار نے نبوت و حکومت کے لیے مخصوص کر دیا۔

یہ کہنا کہ "نبوت تو حضرت سلیمان کی اس سے پہلے بھیڑوں کا قفسہ چکاتے وقت ملی ہوئی تھی تو وراثت مالی مراد ہے۔" درست نہیں کیونکہ اس وقت آپ نابالغ بچے تھے۔ احکام شرعیہ کے مکلف نہ تھے چہ جائیکہ نبوت کے منصب عظیم کے بالفعل حامل ہوں یا نبوت کے تحمل کے لیے فطری استعداد اور عقل و فراست کا اعلیٰ درجہ حاصل تھا پھر تعظیم خداوندی نے سونے پر سہاگہ کر کے وہ بہتر فیصلہ آپ سے کروا دیا۔ اس وقت حکمت اور علم سے یہی مراد ہے۔ علاوہ ازیں منصب نبوت کیلئے نامزد ہونا یا موصوف ہونا اور بات ہے اور بالفعل فرائض نبوت کو تعلیم لینے بجا و سیاست امت وغیرہ میں ادا کرنا اور بات ہے۔ حضرت داؤد کے جانشین اور وارث بننے میں فرائض نبوت اور ادائیگی سیاست امت مراد ہے جو پہلی بات کے منافی نہیں۔

حضرت زکریا علیہ السلام کی وراثت نبوت تو اور واضح تر ہے امام باقر کے الفاظ "کہ حضرت زکریا کی وفات کے بعد آپ کے بیٹے یحییٰ کتاب و حکمت کے وارث ہوئے اور ہم نے ان کو حکم بچپن میں عطا کر دیا تھا۔" کا آیت کریمہ کے ان الفاظ سے موازنہ تو کریں۔ یٰحٰیجِی اخِذِ الْکِتٰبَ بِقُوَّةٍ وَاَتَيْنَاكَ الْحُكْمَ صَبِيًّا۔ اے یحییٰ! مضبوطی سے کتاب پکڑ لو اور ہم نے ان کو بچپن میں ہی حکم دے دیا۔ کیا بارشاد امام وراثت علمی و پیغمبری متین ہونے میں اب بھی کوئی شک و شبہ باقی ہے؟



تفسیر فخر الدین رازی میں حضرت ابن عباسؓ حسن بصری اور ضحاک کا یہ قول بھی مروی ہے کہ یثربی سے مال اور یرث من ال یعقوب سے نبوت کی وراثت مراد ہے۔ سدی، مجاہد اور شعبی کا بھی یہی قول ہے۔ تو وراثت مالی کی تخصیص باطل ہو گئی۔ دونوں کے مٹا وراثت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ نبی امت کے لیے ایک قسم کا حاکم و منظم بھی ہوتا ہے۔ امت کے نظم و نسق کے سلسلے میں خرارج ہونے والا جو مال بطور فنڈ آپ کے پاس تھا۔ وہ بھی نبوت کے ساتھ حضرت یحییٰ کو منتقل ہوا۔ بعینہ جیسے حسب تفصیل سابق حصہ کے بعد امام ان چیزوں کا وارث و متولی ہوگا۔ امام رازی نے باقی اقوال میں۔ وراثت یحییٰ سے مراد۔ سرکاری۔ علم۔ نبوت اور اخلاق حسنہ مراد لیے ہیں۔ یہ چاروں چیزیں غیر مالی ہیں اور یہاں مراد ہو سکتی ہیں۔ لفظ ارث ہر ایک میں (بطور حقیقتہ) مستعمل ہے جیسے مال کے لیے وَادْرَا تَكْمَلُ اَزْوَاجَهُمْ وَاَوْْدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ اور تم کو وارث بنادیا ان کی زمینوں مکانوں اور مالوں کا، علم کے لیے وَادْرَتْ نَابِيْ اِسْرَ اَيْلَ الْكِتَابِ (ہم نے نبی اسرائیل کو کتاب کا وارث بنایا)، العلماء و رثة الانبياء (علماء ہی انبیاء کے وارث ہیں) و ان الانبياء لهم يورثوا درهما ولا دينارا (انبیاء و انبیاء کی وراثت نہیں چھوڑتے) حکومت اور نبوت کے لیے وَلَقَدْ اَنْتَبَا دَاوُدَ وَ سُلَيْمٰنَ عَلِمَا لَآ اُوْدِيَا شَيْءٍ مِّنْهُمَا لِيُحْكُمَا فِيْ اَرْضِنَا (اس چیز نے میرے اندر غم اور فکری چھوڑ دیا ہے) پھر امام رازی فرماتے ہیں کہ نچتہ بات یہ ہے کہ یہ لفظ ان تمام معانی کا احتمال کھتا ہے۔۔۔۔۔ اور سب سے بہتر یہ ہے کہ اس وراثت سے مراد ہر وہ چیز ہو جس میں دین کی بہتری اور نفع ہو اور یہ نبوت۔ علم۔ سیرت حسنہ حکومت برائے نفع دینی اور دین کے لیے کام آنے والا مال۔ سب کو شامل ہے۔ (تفسیر رازی پ ۶۱۸) پھر اس سے زیادہ وضاحت اور مالی وراثت کا ابطال وَدِرَتْ سُلَيْمٰنَ دَاوُدَ کے تحت پ ۱۸۶ پر علامہ رازی نے کر دیا ہے۔

قارئین کرام! اس تفصیل سے شبہ کی خیانت اور سینہ زوری کا پتہ چل گیا کہ صرف ایک قول کو لے کر اپنا الوسیدھا کرتے اور مفسر علیہ الرحمتہ کا اپنا فیصلہ چھوڑ دیتے ہیں۔ یہاں سے یہ بھی واضح ہو چکا کہ ان تمام معانی میں یہ لفظ بطور حقیقت لٹح ہے تو وراثت غیر مالی کو مجازی کہنا باطل ثابت ہوا۔ ہاں فقہاء کی اصطلاح میں زیادہ تر اس کا استعمال منقولات عرفہ کی طرح وراثت مالا مالا مالا مالا



ہے۔ بالفرض اسے مجاز تسلیم کیا جائے تو محسوس مجاز ہے جو حقیقت کی مانند شائع و ذائع ہوتا ہے  
 مثلاً ۱۶۲۔ اَدْرَتْنا الْکِثْبَ ۱۶۳۔ فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِ هُمْ خَلْفٌ وَرَثُوا الْکِثْبَ  
 ۱۶۴۔ اِنَّ الَّذِیْنَ اَدْرَتْنا الْکِثْبَ ۱۶۵۔ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ یُورِثُهَا ۱۶۶۔ وَ  
 لِلّٰهِ مِیْوَاتُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۱۶۷۔

رہا یہ شبہ کہ مجاز میں استعمال کے لیے داعیہ چاہیے تو داعیہ یہ ہے کہ محسوس کے قول کو تصحیص  
 اور نامناسب بات سے بچانا ہے۔ اگر حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا کا منشاء یہ ہو کہ میرے مال کے  
 وارث چچا زاد بھائی ہیں ان سے مجھے مال ضائع کرنے کا اندیشہ ہے۔ مجھے ایسا فرزند عطا فرما جو میرے  
 مال کا وارث بنے تو ایک پیغمبر کی طرف اس کی نسبت بھی محیوب ہے۔ انبیاء کا ذہن دنیا کے لیے حریص  
 یا متفکر نہیں ہوتا۔ بالفرض اگر وہ موالی برے ہوں اور برائی میں مال خرچ کرنے کا اندیشہ ہو تو یہ  
 بھی عقید نہیں۔ کیونکہ جب اللہ تک وراثت پہنچے گی وہ خود مالک ہوں گے اور بھلائی برائی کے ذمہ دار  
 ہوں گے۔ حضرت زکریا کی ملکیت میں مال نہ رہے گا۔ پھر تفکر کا کیا فائدہ؟ ہاں نبوت و تبلیغ کے  
 متعلق اندیشہ درست ہے۔ ممکن ہے وہ مال ثابت ہوں اور پیغمبری کے لائق نہ ہوں تو یہ میری او  
 آل یعقوب کی نعمت نبوت ضائع ہو جائے گی۔ تو اللہ مجھے وارث عطا فرما۔ آج گئے گزرے دور  
 میں بھی جو اولوالعزم قسم کے خاندانی شریف ہوں اور مخصوص فن یا کمالات میں شہرت رکھتے ہوں وہ  
 اولاد اس لیے نہیں مانگتے کہ ہمارے کاٹے ہوئے مال و جائیداد یا مکانات کے مالک نہیں بلکہ وہ اپنے  
 ہنر اور فن کے بقا۔ خاندان کی عظمت و شہرت اور باپ دادا کے کی افادہ و زندہ رکھنے کے لیے اولاد  
 مانگتے ہیں۔ عالم کی اولاد عالم ہو۔ مرشد روحانی کی اولاد متقی و پرہیزگار ہو۔ معلم و پروفیسر کی اولاد  
 علم دوست اور استاذ بنے۔ تاجر کی اولاد تاجر بنے۔ زمیندار کی اولاد زمیندار اور کھیتی باڑی میں  
 دلچسپی لینے والی بنے۔ ہر ایک کو یہی تمنا اور آرزو ہوتی ہے۔ اور اسی فن و ہنر میں جانشینی کے لیے اولاد  
 مانگتا یا اس کی تربیت کرتا ہے۔ اگر کسی کی اولاد اس کے ہنر و کمال میں وارث نہ بنے۔ خواہ مال و  
 دولت یا دیگر امور میں بڑھ ہی کیوں نہ جائے باپ کی نظر میں وہ ناخلف ہی ہوتے ہیں۔ اسی حقیقت  
 کے پیش نظر حضرت زکریا جیسے بڑھئی پشیم غریب پیغمبر نبوت کا وارث بننے کے لیے دعا مانگیں تو  
 زیادہ بہتر ہے یا قیشہ آری جیسے آلات بخاری کو سنبھالنے کے لیے بیٹا مانگیں تو وہ ان کی شان کے



لائق ہے۔ اور وہ بھی محض اس خدشہ سے کہ حجاز اولاد یہ بہتصار نہ لے لیں شیعہ کو اللہ تعالیٰ عقیق و  
 فہم نصیب کرے۔ ان کو حضرت ابو بکرؓ سے دشمنی میں اگر انبیاء کرامؑ کے لیے کتنی گھٹیا سوتح کرنی پڑی  
 ہے۔ اسخر ایک مزدور پیشہ پیغمبر کے پاس ضروریات زندگی سے زائد بچت اکہاں سے گئی اور زائد ان ضرورت  
 کمانے سے ان کو فرصت کیسے ملتی تھی پھر وہ سیرت انبیاءؑ کے برعکس پس انداز کر کر کے اتنا خرچہ جمع کیسے  
 کر چکے تھے جس کے ضیاع کا بنی احمام کے ہاتھوں اندیشہ پیدا ہو گیا تھا۔ رہا یہ شبہ کہ انبیاء تو خدائی پسندیدہ  
 ہوتے ہیں۔ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا کی دعا تحصیل حاصل ہوئی۔ تو وضاحت یہ ہے کہ یہ صفت کشف  
 حال اور وضاحت مقصد کے لیے ہے۔ صفت احترازی نہیں ہے۔ اسی سورت میں حضرت اسماعیل  
 علیہ السلام کے متعلق ہے۔ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهِ مَرْضِيًّا کہ وہ اپنے رب کے ہاں پسندیدہ تھے۔ سورۃ ص  
 میں انبیاء علیہم السلام کی ایک جماعت کے متعلق ارشاد ہے وَاتَّخَذُوا عِنْدَ نَاوِلِينَ الْمُصْطَفِينَ  
 الْأَحْيَادِ بے شک وہ ہمارے ہاں بہترین چنے ہوئے بندوں سے ہیں۔ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا کی  
 دعا ایسے ہی ہے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ رَاے اللہ  
 ان میں سے ایک رسول بنا، کے لَبَدُ نَبَلُوا عَلَيْهِمْ اٰتٰتِكَ وَكَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (جو  
 تیری آیتیں ان پر پڑھے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دے) سے وضاحت فرمائی۔ کیا لفظ رسول  
 کافی نہیں تھا؟ کوئی ایسا رسول بھی ہوتا ہے جس کا فرض تلامذات آیات اور کتاب و حکمت کی تعلیم و  
 تذکرہ نہ ہو؟ یا جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وَاجْعَلْ لِّيْ وَرَدًا مِّنْ اَهْلِ هٰرُونَ اَخِي  
 اَشَدُّ دُبِّهِ اَزْهَرِيْ دَارُوْنَ میرے بھائی کو میرا وزیر بنا اور میری مجلس سے مضبوط کر کے لَبَد  
 وَاشْرِكْهُ فِيْ اَمْرِیْ (اور اس کو میرے کام میں شریک کر) سے اپنے مدعا کی وضاحت فرمائی۔  
 جیسے یہاں تحصیل حاصل لازم نہیں آتی اسی طرح رَبِّ رَضِيًّا سے بھی نہیں آتی۔ یہ بھی ممکن ہے  
 کہ ان الفاظ سے مقبول و مقرر عند الناس ہونے کی دعا کی ہو۔ چنانچہ وہ مقبول بھی ہوئی جیسے اَل  
 عَمْرٰنِیْ مِّنْ اٰرْشَادِہٖ۔ وَصَدِّقًا بِكَلِمَةِ مِّنْ اللّٰهِ وَنَبِيًّا مِّنْ الصّٰلِحِیْنَ  
 (آپ کو بھی ان کی بشارت ہو جو خدا کے کلمہ (علیسی) کے مصدق، لوگوں میں سردار، پاکدامن اور  
 نیک پیغمبروں سے ہوں گے)

راقم کے علم میں ان آیات سے متعلق شیعہ کی جو کٹ جتیاں تھیں ان کا جواب ہو چکا۔ واللہ الحمد



اور اظہار الشمس ہو گیا کہ انبیاء علیہم السلام کی وراثت مالی نہیں ہوتی بلکہ علمی اور منصبی پیغمبری اور اسکے متعلقات کی ہوتی ہے اور یہاں بھی مراد ہے۔

شبیہ جب دعویٰ وراثت میں ناکام ہو جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ حضور نے روایاتِ ہبہ کی حقیقت | آپ کو زندگی میں ہبہ کر دیا تھا۔ پھر سیدہ نے ہبہ کا دعویٰ فرمایا اس پر گواہ بھی پیش کیے مگر خلیفہ نے رد کر دیئے۔ اس کا بطلان کئی وجوہ سے ہے۔

اولاً۔ ہبہ اور میراث دو متضاد باتیں ہیں مناجع ہو ہی نہیں سکتیں۔ ہبہ کا معنی یہ ہے کہ حضور نے اپنی ملکیت سے خارج کر کے سیدہ کی ملکیت اور قبضے میں دے دیا۔ اگر واقعی ہبہ تھا تو وراثت کا سوال کیسے؟ یہ تو اس مال میں ہوتا ہے جو موروث عنہ کی تاوفات ملکیت میں ہو اور اگر حضور کی ملکیت میں یا اور سوال وراثت درست تھا تو ہبہ کی کہانی خود بخود لغو ہو جاتی۔ کیونکہ ایک چیز میں دو ملکیتوں میں تضاد اسباب سے جمع نہیں ہو سکتی۔ خلافاً للنشر کتا فانھا بسبب واحد بعض شیخ اے حصول مقصد کی خاطر عنوان بدلنے سے تعبیر کرتے ہیں علیہ حضرت ابراہیمؑ نے غرود کے ساتھ منظرہ میں ایک دلیل ”میرا رب مازنا جلتا ہے“ چھوڑ کر دوسری دلیل ”میرا رب سوچ مشرق سے لاتا ہے تو منرب سے لا“ پیش کی۔ مگر یہ نری جہالت ہے۔ یہاں دونوں دلیلیں خدا کی صفت ہیں ان میں تضاد نہیں۔

دلیلِ ہبہ اور دلیلِ میراث میں ذاتی تضاد ہے۔ فافترقا۔

ثانیاً۔ اگر حضرت ابو بکر صدیقؓ نے خاوندہ بیٹے اور اپنی باندی کی گواہی نصابِ نامکمل ہونے کی وجہ سے مسترد کر دی تو یہ قرآنی اصولِ شہادت فَاَسْتَشْهِدُ وَاشْهَيْدَیْنِ مِنْ رِجَالِکُمْ فَإِنْ لَمْ یُکُونَا رَجُلَیْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ اِذَا دِیْنُکُمْ مَرَدُو

سے دو گواہ بناؤ اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں گواہ ہونی چاہئیں۔ جن گواہوں کو تم دعا دل پسند کرو۔ پر عمل کیا۔ سیدہ اور اس کے گواہ سچے سچے تھے مگر قاضی طاہر قانون پر فیصلہ دیا کرتا ہے

قاضی کے ذاتی علم پر فیصلہ بعض مخصوص حالات میں ہوتا ہے۔ قاضی شریح نے ایک یہودی سے نزاع میں حضرت علیؓ نے جیسے سچے کا نہ دعویٰ تسلیم کیا نہ حسنینؓ کی گواہی مافی۔ حضرت علیؓ نے بادلِ نحو اسنے

نہ صرف فیصلہ تسلیم کیا بلکہ قاضی کو اپنے منصب پر برقرار رکھا (کشف الغمہ) چنانچہ یہ اصول پسندی دیکھ کر یہودی مسلمان ہو گیا۔ آج مسئلہ فدک کی مثال سے مسلمان اپنے قانون کی عظمتِ تاریخی سے



سر بلند کر سکتے ہیں۔

ثالثاً۔ ہبہ اور عطا کے متعلق روایات ہماری مستند اہمات کتب میں نہیں بلکہ بعض کتب تاریخ میں چچان بلین کے بعد بلا سند یا منقطع و مرود سندوں کے ساتھ ان کا پتہ چلتا ہے۔ مگر اس اہم مسئلہ پر ان سے استشہاد ذالقصافی ہی ہے۔ اس سلسلہ کی اصل سب سے زیادہ مشہور روایت وہ ہے جو تفسیر درمنثور۔ کنز العمال۔ مسند ابو یعلیٰ اور مجمع الزوائد میں سورت اسراء کی آیت وَاٰتِذَا الْقُرْبٰی حقہ کے تحت تفسیر روایت کی گئی ہے۔

عن ابی سعید الخدری قال لما نزلت هذه الآية وَاٰتِذَا الْقُرْبٰی حقہ دعا رسول اللہ فاطمة فاعطاها فدک عن ابن عباس قال لما نزلت وَاٰتِذَا الْقُرْبٰی حقہ اقطع رسول اللہ فاطمة فدک کا تفسیر درمنثور ج ۴ میں شکل میں چائے کہ مسکین اور ابن السبیل کو بھی مخصوص جائداد دی جائے جب یہ نہیں ہوا تو پہلا بھی نہیں ہوا۔

یاد رہے کہ یہ روایت ابو سعید خدری سے نقل کی جاتی ہے جبکہ درمنثور۔ کنز العمال اور مجمع الزوائد میں ہے۔ اور ابو سعید سے راوی عطیہ عوفی ہے۔ یہ مشہور ہے۔ یہ محمد بن سائب کلبی کا شاگرد خاص تھا۔ (اور وہ مشہور کذاب تھا) یہ اس کی کفیت ابو سعید رکھتا تھا۔ پھر جب کلبی کی صراحت کیے بغیر عن ابی سعید کہتا تو لوگ ابو سعید خدری ہی سمجھتے اور صحابی سے روایت کرتے حالانکہ یہ رجل ولبیس عطیہ عوفی کا کرشمہ ہے۔ میزان الاعتدال ج ۲ عطیہ عوفی کے ترجمہ میں ہے۔ قال سالم المداوی کان عطیة يتشیع قال احمد ضعیف الحدیث وقال احمد بلغنی ان عطیة کان یاتی الکلبی فیاخذ عنہ التفسیر وکان یکذبه بانی

سالم مرادی کہتے ہیں عطیہ شیعہ تھا امام احمد سے ضعیف الحدیث کہتے ہیں۔ نیز کہتے ہیں مجھے پتہ چلا ہے کہ عطیہ کلبی کے پاس آتا تھا اس سے تفسیر لیتا اور اس کی کفیت ابو سعید مشہور کرتا



سعيد فيقول قال ابو سعيد فيوم انه الخدرى -  
 تھا جب کتنا ابو سعيد نے فرمایا تو یہ وہم ہوتا  
 کہ ابو سعید خدری صحابی مراد ہیں۔

امام نسائی اور ناقدین آئمہ کی جماعت اسے ضعیف کہتی ہے فریقین کے ہاں عطیہ عوفی  
 شیعہ مسلم ہے۔

شیعہ علامہ مامقانی کی تصحیح المقال فی احوال الرجال ج ۲ ص ۲۵۳ پر ہے۔  
 عطیہ عوفی کو فی من اصحاب  
 عطیہ عوفی کو فی تھا۔ امام باقر کے شاگردوں  
 سے تھا۔

باقی

تو قنارہ فی مسئلہ میں ایسے راوی کی روایت بالکل مردود ہے جب یہ امام باقر کا  
 شاگرد ہے تو حضرت ابو سعید خدری کے زمانے میں شاید اس کا والد بھی نہ ہو۔  
 فتوح البلدان بلاذری بحث فک میں جو عطیہ فک کے متعلق مذکور ہے (اور صواعق  
 محرقة شرح مواقف معجم البلدان کے متاخر مؤلفین تو محض ان کتب قدیمہ سے بلا سند نقل  
 کر دیتے ہیں۔ اس سے روایت کی صحت تو ثابت نہیں ہوتی) وہ واقعہ کے اعتبار سے  
 مجروح ہیں صحیح السنہ نہیں۔ کنز العمال میں جو روایت ہے اس کا ایک راوی محمد بن مہیون  
 ہے جس کو حافظ ذہبی نے مندرجہ ذیل الفاظ میں ذکر کیا ہے۔

ابراہیم من اجلہ الشیعۃ روى  
 عن علی بن عابس خیرا عجیبا  
 (میزان الاعتدال ج ۱ ص ۱۳)

علامہ عینی اس مفہوم کی روایات ذکر کر کے کہتے ہیں۔

قلت هذا الاصل له ولا  
 یثبت به روایت انها ادعت ذلك  
 وانما هو امر مفتعل لا یثبت  
 (عمدة القاری شرح بخاری باب فرض  
 الخمس تحت حدیث دوم)  
 میں کتنا ہوں یہ باطل ہے اور ایسی کوئی  
 روایت ثابت نہیں ہے کہ حضرت فاطمہؓ نے  
 ایسا دعویٰ کیا ہو۔ یہ تو ایک من گھڑت بات  
 ہے جو کبھی ثابت نہیں ہو سکتی۔



علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں عطیہ اور بہہ کی روایات کو ان نقطوں میں رد کیا ہے۔

قلت هذا باطل ولو كان وقع ذلك لما جاءت فاطمة تطلب شيئا وهو في حوزها وملكها ج ۲ ص ۲۲۸

میں کہتا ہوں یہ باطل ہے اگر بہہ بوجھا ہوتا تو سیہ فاطمہ کچھ مانگنے نہ آتیں جیکہ وہ آپ کی تحویل و ملکیت میں تھا۔

تحت علی بن عباس،

کتاب اہل سنت کی طرف نسبت کر کے بہہ فکر کے باسے میں جو روایات شیعہ علماء نے اپنی کتاب مناظرہ میں نقل کی ہیں ان کی تفصیل علامہ نواب مہدی علی خان (سابق شیعہ مجتہد) نے آیات بنیات میں بحث فکر میں پیش کی ہے۔ و شدورہ۔ وہ پوری سند اور روایت کی تفصیل والی ۴ روایات بتاتے ہیں۔ اور بعض سند کے ساتھ یا صرف منقول عنہ کا ذکر کرنے والی ۵ روایات بتاتے ہیں۔ پھر ہر راوی کا کتاب رجال سے شیعہ کمزور یا کذاب ہونا بتاتے ہیں ان سب کا سر اور ماخذ عطیہ از ابو سعید ہے۔ وہ ابو سعید خدری کا وہم دلانا ہے اور بعض کھیلے راویوں نے غلطی سے اسے خدری سے لیا۔ حالانکہ یہ کلبی کذاب شیعہ ہے جس کے متعلق میزان الاعتدال میں ہے۔ محمد بن السائب کلبی ابو النصر اخباری نساب مفسر مشہور ہے۔ ثوری کہتے ہیں کلبی سے بچو۔ بخاری کہتے ہیں اسے بچی اور ابن ہمدی نے چھوڑ دیا ہے۔ یزید بن ندیع کہتے ہیں کلبی سبائی تھا جو علی کی وفات کے قائل نہیں دوبارہ رحبت کے قائل ہیں۔ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ہشام بن کلبی کے ذکر میں اس کے باپ کو رافضی لکھا ہے۔ یاقوت حموی نے معجم الادباء میں محمد بن جریر طبری کی کتابوں کے حال میں لکھا ہے کہ طبری نے غیر متبرک تفسیروں سے تعرض نہیں کیا کہ اس نے محمد بن سائب کلبی مقال بن سلیمان اور محمد بن عمر واقدی کی کتابوں سے تفسیر نہیں لی۔ کیونکہ یہ لوگ اس کے نزدیک مشکوکین سے ہیں۔ محمد طاہر گبرائی نے تذکرۃ الموضوعات میں کلبی کی نسبت لکھا ہے کہ امام احمد نے کہا کلبی کی تفسیر از اول تا آخر جھوٹی ہے دیکھنا بھی جائز نہیں۔ ایک روایت ابن عباس سے نقل کی جاتی ہے مگر وہ بھی بلا سند ہے اور درغشور تو طبقہ چہارم کی کتاب ہے جس میں صحیح ضعیف موضوع ہر قسم کی روایات ہیں۔ بہر حال ایسی ہر روایت معیار صحت پر جانچے بغیر حجت



نہیں ہے۔

اس کے برعکس سبہ کی نفی پر اہل بیت کی یہ مشہور روایت شاید ہے۔

کہ فدک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قبضے میں آیا تھا۔ آپ اس میں سے خرچ کرتے۔ بنی ہاشم کے چھوٹے ناداروں پر لوٹاتے اور ان کے بیواؤں کی شادیاں کراتے تھے۔ حضرت فاطمہؓ نے آپ سے مطالبہ کیا تھا کہ وہ ان کو دے دیں تو آپ نے انکار کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اسی دستور پر (بنو ہاشم اور فقراء و مساکین میں) تقسیم ہوتا رہا یہاں تک کہ آپ مسافر آخرت ہو گئے پھر حب حضرت ابوبکر (صدیق) خلیفہ ہوئے تو انہوں نے اپنی زندگی میں وہی عمل جاری رکھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا یہاں تک کہ آپ فوت ہو گئے۔ پھر حب حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے بھی وہی عمل جاری رکھا جو حضورؐ اور صدیقؓ نے کیا تھا۔ یہاں تک کہ وہ بھی چلے گئے۔ (پھر عثمانؓ و علیؓ و معاویہؓ نے بھی یہی دستور جاری رکھا) پھر مروانؓ اپنے دور میں اسے اپنا قلعہ بنالیا۔ پھر یہ عمر بن عبد العزیزؒ کے قبضے میں آ گیا تو میں نے فیصلہ کیا کہ جو چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ سے روکی تھی میرا بھی اس پر کوئی حق نہیں۔ میں تم کو گواہ بنا کر اسے اسی طرز پر لوٹاتا ہوں جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے اور حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے زمانے میں تھا۔ (البواد و ج ۲ ص ۵۹ مشکوٰۃ ص ۲۵۶)

یہ روایت گو مرسل ہے اور مرسل حدیث جمہور علماء کے نزدیک حجت ہوتی ہے۔ چونکہ یہ مجمع عام میں حضرت عمر بن عبد العزیزؒ جیسے فاضل خلیفہ راشد نے بیان کی کسی نے اختلاف بھی نہیں کیا۔ تو یہ حکم متصل اور مرفوع کے قائم مقام ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ

۱۔ فدک حضورؐ نے حضرت فاطمہؓ کو سبہ نہیں کیا تھا بلکہ طلب کے باوجود نہ دیا جیسے خصال بن بابویہ ص ۳۹ کی شیعہ حدیث بھی گزری۔

۲۔ شیخینؒ وغیرہ خلفاء اسلام نے طریقہ نبوی سے نہیں بدلایا نہ اہلبیتؑ و بنو ہاشم کے مالی حقوق بند کیے بلکہ بدستوران کو دیتے رہے۔

بجاء اللہ و عونہ ہم نے مسئلہ فدک پر سیر حاصل بحث کر کے ہر سچے کورشن ایک لغو رسالہ کا جائزہ کر دیا۔ شیعہ مؤلفین کے اعتراضات کا منبع بند کر دیا۔ ایک صاحب



نے "مقدمہ باغ فدک" پر افسانوی رنگ میں قلم کاری کی ہے بقول اس کے "اس کتاب میں انتہائی رواداری و شائستگی کے ساتھ حضرات شیخین پر تنقیدی قلم کاری کی گئی ہے۔" یہی نہیں بلکہ بے اصولی، تقلید کی خلاف ورزی، بد تہذیبی، دروغ گوئی اور بے فائدہ لالچینی باتوں کے تکرار میں اپنی مثال آپ ہے کہ "وہی مجرم وہی مُصنّف" کا آئینہ ہے۔ اس کی اکثر باتوں کا جواب آگیا۔ کچھ ہفوات لائق توجہ ہی نہیں۔ آخر میں بطور خلاصہ کتاب جو دعویٰ اس نے بزعم خویش ثابت کیے ان سے اور چند اہم باتوں سے ہم آپ کو متعارف کرا دیتے ہیں۔

۱۔ قولہ "الغرض ثابت ہوا کہ حضرت ابو بکرؓ کا مقدمہ فدک میں صادر کردہ فیصلہ نہ ہی اخلاقی لحاظ سے درست تھا نہ ہی قانونی مراتب سے۔"

سبحان اللہ! گامیوں اور جن طعن کو مذہب بنانے والے اور کتاب و سنت چھوڑ کر اپنے دین کے منبع ائمہ سے جن طعن کی ہی تعلیم پانے والے لوگ اہل سنت اور ان کے اکابر کو اخلاقی لحاظ سے نا درست بتاتے ہیں۔ درج ذیل کلام سے آپ خود فیصلہ کر لیں کہ کس کا اخلاق درست ہے۔

"فاطمہؓ نے فرمایا قسم بخدا میں ہرگز تجھ سے کلام نہ کروں گی۔ ابو بکرؓ نے کہا واللہ میں ہرگز تجھ سے دوری اختیار نہ کروں گا۔ فاطمہؓ نے کہا واللہ میں خدا کے حضور تجھ پر نضرین کروں گی۔ ابو بکرؓ نے کہا واللہ میں تمہارے لیے دعا کروں گا۔" (حق الیقین از شیخ علامہ مجلسی ج ۲ ص ۵۶) بظن قطع رحمی کا کتنا بڑا بہتان حضرت فاطمہؓ پر شیخ نے گایا مگر حضرت ابو بکرؓ کا تو مقرر فاطمہؓ اور دعا گو ہونا خود روایت کیا۔ قانون کتاب و سنت کا نام ہے اسی کے مطابق آپ نے فیصلہ کیا۔

۲۔ قولہ "یہ فیصلہ فطرت کے فیصلوں کے بھی خلاف ہوا اور عقل و دانش کی کسوٹی پر بھی پورا نہیں اترتا۔"

جواب۔ یہ ہوائی گپ ہے اور پورا رسالہ اسی ہوا سے بھرا ہوا غبارہ ہے جو احمقوں کی نگاہ میں اڑ تو سکتا ہے مگر کتاب اللہ سنت نبوتی، عمل اہل بیتؑ اور عقل سلیم کے سامنے یہ گاہ کا وزن نہیں رکھتا۔ فطرۃ اللہ کا فیصلہ مال فحے کی ذوقی القرعے، غرابو، مساکین اور مسافروں میں تقسیم کا ہے۔ عقل و دانش کی کسوٹی۔ انبیاء اور اہل بیتؑ کو زائد بتاتی ہے۔ نہ کہ



جاگیر دار ہونا کہ اگر وہ نہ ملے۔ فقراء و مساکین کا حق بنا دیا جائے تو پوری امت سے دشمنی رکھ لی جائے۔

۳۔ قول: ”اس فیصلہ کو نہ ہی کتابِ خدا سے کوئی تائید حاصل ہے نہ ہی سنتِ رسولؐ سے توثیق میسر آتی ہے۔ یہ وہ فیصلہ ہے جس کے خلاف خود منصف نے عمل کیا۔ اس فیصلہ کو اکابر صحابہؓ نے مسترد کر دیا۔“

جواب۔ تینوں دعوے بالکل جھوٹ اور بہتان ہیں۔ سورتِ حشرؑ کی آیات پھر دیکھ لیں کہ مال غنیمت (فدک وغیرہ) قسم کے لوگوں کا حق ہے کسی فردِ واحد کی میراث و ملکیت نہیں۔ کئی لَا یَكُونُ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ (تاکہ وہ اموال و جاگیریں تمہارے غنیوں کے درمیان نہ پھرتی رہیں) اِنَّ ذَٰلِ الْقُرْبٰی حَقُّهُ وَالْمُسْكِیْنَ ذَا بِنِ السَّبِیْلِ (آپ رشتہ داروں کو حقِ خدمت دیں اور مساکین و مسافروں کو بھی دیں) بھی یہی بتاتی ہے کہ مال غنیمت صرف ذوی القربی کا حق نہیں کہ ان کو ہی سہہ کر دو بلکہ وہ مسکینوں و مسافروں کا بھی حق ہے جب وہ لاتعداد اور غیر محین ہیں تو یہ ذوی القربی کو سہہ کے بجائے تینوں اقسام پر وقف عام قرار پائے گا۔ اور یہی فیصلہ خود حضورؐ نے اور صحابہؓ نے کیا۔ اب مؤلف اپنی ہی تحریر اور روایت سے یہ فیصلہ پڑھیں جسے سچا کہتے ہیں۔

”اے فاطمہؑ! تم نہ اپنے حق سے روکی جاؤ گی اور نہ بیچ بولنے سے باز رکھی جاؤ گی خدا کی قسم میں نے نہ تو رسولِ خدا کی رائے سے تجاوز کیا ہے اور نہ ان کے حکم کے بغیر کوئی کام کیا ہے۔ اب وہ ان کی تلاش میں آگے جانے والا اپنے اہل و عیال سے جھوٹ نہیں بولتا۔ میں خدا کو گواہ قرار دیتا ہوں اور وہ گواہی کے لیے کافی ہے کہ میں نے رسولِ خدا کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ہم گمراہ انبیاء نہ تو سونے چاندی کو میراث میں چھوڑتے ہیں اور نہ مکان جاؤاد، ہم نبی لوگ تو کتابِ حکمت علمِ نبوت کو وراثت میں چھوڑ جاتے ہیں اور جو کچھ ہمارا مال ہوتا ہے وہ ہمارے بعد ولی امر (حاکم) کا ہوتا ہے۔ جیسے کافی کی حدیث بھی گزر چکی۔ اسے اختیار ہے کہ وہ اس میں اپنا حکم جاری کرے اور جو تم مانگ رہی ہو یعنی فدک اس کو ہم نے جنگی گھوڑوں اور سامانِ جنگ کے لیے مخصوص کر دیا جس کے ذریعے سے مسلمان کافروں سے



جہاد کریں گے اور سرکش فاسقوں کا مقابلہ کریں گے اور یہ چیزیں نے تنہا اپنی رائے سے نہیں کی بلکہ مسلمانوں کے اجماع کی مدد سے کی ہے اور میرا مال آپ کا مال ہے اور آپ کے سامنے حاضر ہے۔ آپ کی فضیلت کا انکار نہیں ہو سکتا۔ آپ کے فرع و اصل کو پسند نہیں سمجھا جاسکتا۔ آپ کا حکم اس مال میں نافذ ہے جو میری ملکیت ہے پس کیا آپ یہ سمجھتی ہیں کہ میں نے ان باتوں میں آپ کے والد محترم کی مخالفت کی ہے۔“ (مسند ۳۷۷ و حق الیقین ج ۲ ص ۵۲ اردو)

یہ شیعہ روایت صدیق رضی اللہ عنہ کی صداقت کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ آپ نے مجمع عام میں واضح کیا کہ میں نے حضور کے قول و فعل کے ذریعہ کبھی خلاف نہیں کیا اور سب مسلمان اسی کی تائید کر رہے تھے تب بھی بروایت شیعہ حضرت فاطمہؓ نے (معاذ اللہ) فرمایا ”کیا تم لوگوں نے اللہ کے رسول پر چھوٹا ہاتھ کر اس کے ذریعہ دنیا بازی کا اجماع کر لیا ہے۔“ پھر جب اس کے جواب میں ”سراپا رافت و رحمت صدیقؐ نے فرمایا۔ خدا بھی سچا اللہ کا رسول بھی سچا اور رسولؐ کی مٹی بھی سچی۔ تم حکمت کا معدن، ہدایت و رحمت کا مسکن اور دین کا کارکن ہو۔ تمہاری دست باتوں کو حق سے دور نہیں سمجھنا اور تمہارے کلام کا انکار نہیں ہے لیکن میرے اور تمہارے درمیان یہ مسلمان ہیں جنہوں نے مجھے حاکم بنایا ہے اور میں نے جبکہ... اپنے قبضے میں لیا ہے وہ ان ہی مسلمانوں کے اتفاق سے ہوا ہے۔ اس میں نہ میں نے ہٹ دھرمی کی ہے اور نہ تنہا اپنی رائے سے کام لیا ہے اور یہ لوگ اس کے گواہ ہیں۔“ (ایضاً ص ۳۸ و حق الیقین ج ۲ ص ۵۳) پھر اس کے جواب میں جو جلی کٹی اور سخت کسمت صلاتیں حضرت فاطمہؓ نے (معاذ اللہ) بروایت شیعہ مسلمانوں کو سنائیں ہمارے قلم میں ان کے نقل کرنے کی تاب نہیں۔ پھر ان مسلمانوں میں آپ کے بزرگوار خاندانہ اسد اللہ حضرت علیؓ بھی تھے۔ وہ خیر سے آج تو باعقاد شیعہ ہر فاسق و فاجر شیعہ کے مددگار و مشکل کشا ہیں جو ان کو اپنے گناہوں کی پاداش میں پھنس کر کسی بھی معصیت میں پکڑے۔ مگر انہوں نے محذره مظلومہ بنت جگر رسولؐ کی نہ وجہ ہونے کے باوجود کوئی مدد و اعانت نہ کی حتیٰ کہ تنہا ان محبوبوں سے خطاب کر کے جب سیدہ گھر پہنچیں تو گر جتنی ہوئی شیرنی کی طرح حضرت علیؓ کو جو کچھ برا بھلا کہا وہ بھی شیعہ روایات و حق الیقین ج ۲ ص ۵۴ سے ہم نقل کرنے کی جرأت نہیں رکھتے۔



ہمارا مقصد یہ شیعہ اقتباسات نقل کرنے سے صرف یہ ہے کہ حضرت فاطمہؑ کے دعویٰ کی تائید کسی مسلمان نے نہیں کی اور شیعہ کے تعینوں و دعویٰ سے غلط ثابت ہوئے کیونکہ کتاب مسیت کے بعد سب اکابر و اصداغ صحابہؓ نے حضرت ابوبکرؓ کی تائید و حمایت کی۔ یہ تو سب کچھ شیعہ روایات نے بتایا۔ جبکہ ہمارا موقف یہ ہے کہ سیدہ فرمان رسولؐ سن کر فیصلہ پر مطمئن ابوبکرؓ سے رضی مسلمانوں سے خوش اور فخر سے معین حصہ کے ملنے پر راضی و شاکر تھیں۔ یہ خطبہ بالالا اور یہ غیر اخلاقی نہ شایان شان گفتگو آپ پر بہتان محض ہے جو دشمن اسلام و اہلبیت شیعوں نے تمام صحابہؓ کو گالیاں دینے ہیہ کو بے وقار اور طالب دنیا بنانے کے لیے خود بنا کر اپنی کتب میں مشہور کیا ہے۔ (محاذ اللہ منہ)

۴۔ قولہ۔ اس فیصلہ سے اہل بیت کو اذیت پہنچی۔ عم رسولؐ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اس فیصلہ کو ایک کاذب اٹھنا اور خائن منصف کا فیصلہ قرار دیا۔ واما رسولؐ حضرت علیؑ علیہ السلام نے اسے ہرگز قبول نہ کیا۔

جواب۔ اتفاقاً بلا ارادہ کسی بزرگ کے قول و فعل سے کسی بزرگ کو صدمہ پہنچا قابل طعن نہیں ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کے بھڑا پوجنے اور حضرت ہارونؑ کے فہاش کے سوا کوئی سخت اقدام نہ کرنے سے حضرت موسیٰؑ کو صدمہ ہوا اور بھائی پر گرفت فرمائی (القرآن) حضرت فاطمہؑ کو شادی کے بعد بروایت جلاء العیون شکایات پیدا ہوئیں۔ حضرت حسینؑ، قیس بن سعد اور دیگر شیعیان حسینؑ کو حضرت حسنؑ کے فیصلہ سے و بعت سے ناگواری اور اذیت ہوئی۔ مگر کسی پر کوئی طعن نہیں کیا جاتا۔ یہاں بھی طعن کا موقع نہیں۔ بقول مجلسی ”بزرگوں اور مقربان الہی کے معاملات میں دخل نہ دینا چاہیے۔“ (جلاء العیون) دوسری بات بالکل بہتان محض ہے۔ مسلم کی روایت کے مطابق یہ الفاظ حضرت عباسؑ نے حضرت علیؑ کے حق میں فرمائے جبکہ دونوں حضرت عمرؓ کی طرف سے صدقاتِ فدر تقسیم کرنے میں متولی تھے۔ مگر مزاج کے اختلاف سے نزاع اور مخالفت کی نوبت آجاتی تو حضرت عباسؑ نے حضرت عمرؓ سے مطالبہ کیا کہ مجھے اس..... شخص سے چسکا را دلایئے۔ یعنی میرا حصہ تولیت الگ کر دیجئے۔ حضرت عمرؓ نے اسے منظور نہ کیا۔ حضرت عباسؑ مستغنی



ہو گئے۔ حضرت علیؑ تنہا صدقات کے متولی اور قاسم قرار پائے۔ "حضرت عمرؓ نے چچا بھتیجے کی جب یہ تلخی دیکھی تھی تو اس مطالبہ کو شخصی میراث اور تملیک کے مشابہ سمجھا اور مطالبہ رد کر کے استفہامیہ انداز میں یہ کہا کہ (کیا) تم ابوبکرؓ کو ایسا ایسا سمجھتے تھے کہ اس نے بطور وراثت و ملک تقسیم نہ کیا تھا۔ حالانکہ اللہ جانتا ہے کہ وہ بارہ راشد تابع الحق تھے (کیا) تم مجھ کو ایسا جانتے ہو حالانکہ میں بھی رسول اللہؐ اور ابوبکرؓ کا ولی اور تابع ہوں۔ خدا کی قسم میں تاقیامت ان کے فیصلے کو ہرگز نہیں بدل سکتا۔ اگر تم مشترکہ متولی نہیں رہ سکتے تو میرے لیے واپس کر دو (میں کسی اور کو متولی بنا دوں گا) ابوداؤد و مسلم

یہاں منہا حرف استفہام مقدر ہے۔ جیسے سورت انعام پ میں قوم کے ساتھ گفتگو میں حضرت ابراہیمؑ کے کلام میں حرف استفہام مقدر مانا جاتا ہے۔ "یہ سورج میرا رب ہے" یہ چاند میرا رب ہے۔ "یہ ستارے میرے رب ہیں" یعنی کیا یہ چیزیں میرے خدا ہیں ہرگز نہیں۔ تو اسی طرح مقولہ عمرؓ کا مطلب ہے۔ کیا تم ابوبکرؓ کو یا مجھ کو ایسا سمجھتے ہو کہ اس فیصلہ کے خلاف کروانا چاہتے ہو۔ ہرگز ایسا نہ ہوگا۔ زوج بتولی حضرت علیؑ نے یہ فیصلہ یقیناً قبول کیا تبھی تو حضرت عمرؓ کے نائب ہو کر صدقات فیک کے متولی اور قاسم بنے۔ اگر نہ مانتے تو یہ عمدہ کیوں قبول کرتے۔ منکر کو منعفی ہو جاتے۔

۵۔ قولہ: مسلمانوں کی مملکت کے سربراہ کی حیثیت سے حضرت ابوبکرؓ کو یہ چاہیے تھا کہ وہ دیگر مقدمات کی طرح اس مقدمہ کو بھی دیگر صحابہؓ کے مشورہ سے کسی فرد عادل صحابی کو فاضی مقرر کر دیتے جو اس تنازعہ پر اپنا فیصلہ صادر کرتا۔

جواب۔ حضرت ابوبکرؓ نے جب تمام صحابہؓ کے مشورہ اور اتفاق سے یہ کام کیا۔ جیسے ابھی گزرا تو اس بے فائدہ لفاظی کا کوئی فائدہ نہیں۔ ہاں یہ دعویٰ اور مطالبہ ابوبکر صدیقؓ کی خلافت بلا فصل اور حقانیت پر مہر فاطمی ثبت کر رہا ہے کیونکہ جب وہ مدعا علیہ تھے تو حضرت فاطمہؓ کو دعویٰ امام حق علیؑ کی عدالت میں یا مسلمانوں کے کسی عدالتی بیچ میں کرنا چاہیے تھا۔ مدعی مقدمہ کا فیصلہ مدعی علیہ کے دربار سے کرانے عقل و دانش کے خلاف ہے۔ جب حضرت فاطمہؓ نے یہ عمل کیا حالانکہ ظالموں سے فیصلہ کرانے کی کتب شیعہ میں ممانعت ہے اور حضرت فاطمہؓ ان



کے ہاں محصور ہیں۔ تو حضرت ابوبکرؓ کا خلیفہ راشد عادل برحق ہونا ثابت ہوا۔

۶۔ قولہ۔ ”ہم کہتے ہیں۔ نصاب شہادت کی ضرورت وہاں ہوتی ہے جب دعویٰ کی تردید کرنے والا کوئی دوسرا موجود ہو۔ اگر حضرت ابوبکرؓ بضرع محال مدعا علیہ نہ تھے بلکہ محض قاضی تھے تو اب شہادت کے نصاب کی قطعاً ضرورت باقی نہیں رہی۔ صرف عادل منصف کو اپنی تسلی درکار ہے۔“

جواب۔ دراصل مدعی علیہ سب فقراء مساکین اور مسافر مسلمان تھے۔ ان کا حق اس دعویٰ سے متاثر ہوتا تھا۔ بحیثیت ولی و سربراہ حضرت ابوبکرؓ ان کے نمائندے و فریق تھے۔ اب نصاب شہادت کی باقاعدہ ضرورت تھی اور وہ پوری نہ ہوئی اور ”عادل منصف کو درکار تسلی“ حاصل نہ ہوئی۔ طبعات ابن سعد ۲/۴۵۱ اردو طبع انیس اکیڑھ بی کراچی“ سے ملاحظہ ہو۔

”ابوبکرؓ نے کہا کہ بجز آپ سے والد مجھ سے بہتر تھے۔ آپ واللہ میری بیٹیوں سے بہتر ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہم کسی کو وارث نہیں بناتے۔ ہم جو کچھ چھوڑیں وہ صدقہ ہے۔ یعنی اموال موجودہ۔ آپ جانتی ہیں کہ آپ کے والد نے وہ آپ کو دے دیا ہے؟ واللہ اگر آپ ہاں کہہ دیں تو میں ضرور ضرور آپ کا قول قبول کروں گا اور ضرور ضرور آپ کی تصدیق کروں گا۔ انہوں نے کہا میرے پاس ام امین آئیں اور انہوں نے مجھے اطلاع دی کہ رسول اللہ نے فدک مجھے دیا ہے۔ ابوبکرؓ نے کہا کہ پھر آپ نے بھی آنحضرتؐ کو فرماتے سنا کہ فدک آپ کے لیے ہے؟ اگر آپ کہہ دیں گی کہ میں آنحضرتؐ سے سنا ہے کہ فدک آپ کے لیے ہے تو میں آپ کی تصدیق کروں گا۔ فاطمہؓ نے کہا جو دلیل میرے پاس تھی اس سے میں آپ کو آگاہ کر چکی ہوں۔“

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ام امینؓ کے کہنے پر ہی حضرت فاطمہؓ نے مطالبہ کیا تھا۔ اپنا ذاتی سماع از پیغمبرؐ، وثیقہ یا کوئی شہادت نہ تھی۔ ظاہر ہے کہ نصاب شہادت نہ تھا۔ پھر آپ کے پاس نفی میراث پر حدیث ذاتی سماع سے تھی حضرت فاطمہؓ کے پاس نہ تھی۔ تو منصف عادل ثبوت اور تسلی کے بغیر اپنے سماع و علم کے خلاف کیسے فیصلہ دے سکتا تھا۔



۷۔ مؤلف کا دعویٰ ہے۔ ”کہ حدیث خلاف عقل ہے کیونکہ سب لوگ اپنے آباء کی میراث پائیں مگر اولاد انبیاء محروم رہے اور امت کے رحم و کرم پر چھوڑ دی جائے۔“  
 تو جواب یہ ہے کہ انبیاء کی عالی رتبی کا تقاضہ یہ ہے کہ ان کی وراثت وقف عام ہو تاکہ کوئی وارث ان کی موت کی تمنا نہ کر سکے۔ پھر ایسے اموال جو نبوت اور حکومت کے زور سے حاصل ہوں وہ بیت المال کا حصہ ہوں اگر وہ بھی ورثاء میں تقسیم ہوں تو عقل کا فیصلہ ان کے زہد و تہیّت کے خلاف ہوگا۔ ہاں وہ امت کے رحم و کرم کے محتاج نہیں ہوں گے کہ بیت المال سے بصورتِ خمس یا فے سے ان کو حصہ باقاعدہ ملے گا اور وہ خلفاء ان کو دینے نہیں گے پھر عام نظمی تبرع اور ہمس میں ان کو مقدم رکھا گیا ہے۔ کیونکہ نہ کوثر و صدقات واجبہ ان پر حرام ہیں تو شریعت کا فیصلہ ان کے متعلق معتدل ہے۔

۸۔ مؤلف کا دعویٰ ہے کہ ابو بکر صدیق ذاتی تصرف میں لائے۔ کسی روایت سے معلوم نہیں ہوتا کہ فدک کی آمدنی کو مسلمانوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔“  
 جواب۔ یہ ڈھٹائی سے دروغ محض ہے۔ سیرت قتیبہ کا ایک ایک ورق بتاتا ہے کہ آپ حضور کے بعد زاحد ترین تھے۔ بصورتِ خلافت جو رقم بیت المال سے مسلمانوں کے غبور کرنے پر ملی تھی وہ بھی وفات پر زمین بیچ کر واپس کرادی۔ بیت المال بھی سب تقسیم کر دیا تھا۔ کوئی چیز باقی نہ تھی۔ جب حضرت عمرؓ نے حضور و حضرت ابو بکرؓ کی تقسیم کا حوالہ دے کر صدقات فدک کا ناظم و خازن حضرت عباسؓ و علیؓ کو بنا دیا اور وہ خود بنو ہاشم کے علاوہ تمام فقراء و مساکین پر صرف کرتے تھے تو اس کا انکار دوپہر کے سورج کا انکار ہے۔ طبقاً ابن سعد ج ۳ ص ۳۲۷ اردو میں ہے کہ (وفات کے وقت) ان کے پاس نہ کوئی دنیا رہا نہ درہم صرف ایک خادم ایک دودھ والی اونٹنی اور ایک دودھ دہنے کا برتن تھا۔ عمرؓ نے اسے اپنے پاس لاتے دیکھا تو کہا۔ اللہ ابو بکرؓ پر رحمت کرے۔ انہوں نے اپنے بعد والے کو مشقت میں ڈال دیا۔

۹۔ کہا جاتا ہے کہ ”یہ حدیث واقعہ کے خلاف ہے۔ کیونکہ خود حضورؐ نے اپنے باپ کی



میراث پائی تھی۔ ” مگر یہ استدلال تمام نہیں ہے۔ کیونکہ آپ اس وقت گو فی علم اللہ نبی مقرر تھے مگر بزعم تخلیص اور بالفعل نہ تھے۔ تمام سنی و شیعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ بعثت نبوی ۱۲ سال کے بعد ہوئی پھر قرآن اترنا شروع ہوا اس سے قبل نبی کی حیثیت سے آپ نہ مامور تھے نہ نبوت سے متعلقہ خصوصی احکام آپ پر جاری تھے۔ بجز اس کے کہ مروجہ برائیوں سے آپ پاکدامن اور معصوم تھے۔

۱۰۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے خود اس حدیث کے خلاف کیا کہ عمرؓ کو خلیفہ بنایا تو انہوں نے حضرت عباسؓ و علیؓ کو اس کا متولی بنا دیا۔ حالانکہ بطور وارث مالک بنانا اور ہے اور بحیثیت متولی و خازن تقسیم کا ذمہ دار بنانا اور ہے۔

۱۱۔ مؤلف کا دعویٰ ہے ”کہ حدیث نفی میراث لا وراثت ہے۔ اپنی نوعیت کی واحد حدیث صرف ابو بکر رضی اللہ عنہ اور عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ اس کا شان نزول بھی معلوم نہیں۔“ حالانکہ اس کی کئی و شیعہ کتب سے بالحدیث صحیح مسلم کریم کے ہیں۔ طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۱۳۱ اردو میں ہے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا، عمر بن الخطابؓ، عثمان بن عفانؓ، علی بن ابی طالبؓ، زبیر بن العوامؓ، سعد بن ابی وقاصؓ اور عباسؓ بن عبدالمطلبؓ سے مروی ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہم کسی کو وارث نہیں بناتے ہم جو چھوڑیں وہ صدقہ ہے۔ اس سے رسول اللہ کی مروانی ذات تھی پھر ابو بکرؓ کی حدیث ”لا یقسم وراثتی“ بنا دیا و لا دھما، پیش کی ہے۔ اصولاً ایک صحابی سے روایت بھی حجت ہے۔ چہ جائیکہ وہ ایک اکابر جماعت صحابہؓ سے مروی ہے، ہر آیت یا حدیث کا شان نزول پایا جانا نہ ایمان و عمل کے لیے ضروری ہے نہ معلوم کرنا ممکن ہے۔ اصول و کلیات بغیر شان نزول کے بیان ہوتے رہتے ہیں کسی خاص سبب و واقعہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ برخلاف اس کے کہ حدیث غدیر و ولایت حضرت علیؓ سے نہ نکالت کے ازالہ کے لیے ارشاد فرمائی گئی تھی۔ حدیث منزلت ان کی تسلی کے لیے اور حدیث تھلین (قرآن و سنت) بطور وصیت ارشاد فرمائی تھی۔

۱۲۔ مؤلف کا دعویٰ ہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اہل بیت کا خمس بند کر کے عمل رسولؐ کے خلاف کیا۔ جواب۔ یہ منالطہ ہے ورنہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، عثمان رضی اللہ عنہ سب ہم ذوی القربیٰ (خمس) ہیں۔



کو حضورؐ کے اقرباء اور بنی ہاشم میں تقسیم کرتے تھے اور تقسیم خمس کے متولی حضرت علیؑ مقرر تھے ہوتے تھے چند حوالہ جات ملاحظہ ہوں۔

”حضرت علیؑ فرماتے ہیں۔ میں نے حضورؐ سے درخواست کی۔ آپ ہمارے حق خمس پر مجھے والی بنا دیں تو میں آپ کی زندگی میں تقسیم کروں تاکہ آپ کے بعد ہم سے کوئی جھگڑا نہ کرے تو حضورؐ نے مجھے والی بنا دیا تو میں نے آپ کی زندگی میں اسے تقسیم کیا۔ فقسمتہ فی حیاتہ فقسمتہ فی حیاتہ۔ پھر مجھے ابو بکرؓ نے والی بنایا تو میں نے ان کی زندگی میں تقسیم کیا۔ پھر عمرؓ نے مجھے والی بنایا تو میں نے ان کی زندگی میں بھی تقسیم کیا۔ حتیٰ کہ حضرت عمرؓ کے آخری سال تھے آپ کے پاس بہت مال آیا انہوں نے ہمارا حق حیا کیا امیر بصریؓ طرف قاصد بھیجا کہ لے لو اور تقسیم کرو میں نے کہا اے امیر المومنینؓ ہم مال دار ہیں اور مسلمان حاضرین میں یہ ان کو واپس کر دیجئے۔ (کتاب الخراج للابی یوسف ص ۲ باب فی قسمة الغنائم ط مصر)

بکھل بیر وایت سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۱۱۱ باب مواضع قسم الخمس میں ہے اور امام احمدؒ نے اپنی سند کے ساتھ مسند ات علیؑ مسند احمد ج ۱ ص ۱۱۱ میں ذکر کی ہے۔ فاضل سبقتیؒ نے سنن ابی بکر ج ۱ ص ۳۲۳ باب سهم ذوی القربی من الخمس میں اپنی سند سے اور مسند ابی نعیم ج ۲ ص ۲۲۳ میں با سند حضرت علیؑ سے مروی ہے۔ نیز امام بخاریؒ نے تاریخ کبیر ج ۲ ص ۳۸۱ میں بالفاظ ذیل بیر وایت درج کی ہے۔

عن ابن ابی لیلیٰ قال سمعت علیا قال سألت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یولیننی الخمس فاعطانی ثم ابوبکر فاعطانی ثم عمر فاعطانی۔ ابن ابی لیلیٰ نے کہا میں نے حضرت علیؑ سے سنا۔ فرمایا میں نے حضورؐ سے سوال کیا تھا کہ خمس پر مجھے نگران بنا دیں تو مجھے بنا دیا پھر ابو بکرؓ نے بھی بنایا۔ عمرؓ نے بھی بنایا۔

(حوالہ رجاء بیہم حصہ دوم)

اور شیوخ بھی اسے تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ حق الیقین ج ۲ ص ۵۹ پر ہے۔ ابو بکرؓ نے کہا میں اس آیت سے یہ نہیں سمجھتا کہ وہ تمام مہتیں کو دوں مگر جس قدر تم کو کافی ہو میں دیتا ہوں



اور عمر رضی اللہ عنہ بھی اس باب میں اس کی تصدیق کی۔

اور یہ حوالہ پہلے گزر چکا ہے۔ کان ابو بکر یاخذ غلنتھا فیدفع الیہم منها ما یکفیہم ویقسم الباقی وکان عمر کذا اللک ثم کان عثمان کذا اللک ثم کان علی کذا اللک کہ حضرت ابو بکر فذک وغیرہ کی جائیدادوں کا غلہ لے کر نقد رکفا بیت و ضرورت اہل بیت کو دیتے باقی تقسیم کر دیتے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ، عثمان رضی اللہ عنہ، علی رضی اللہ عنہ اسی طرح عمل جاری رکھا (۱)۔ جدیدی شرح نہج البلاغہ ج ۲ ص ۲۹۶-۲۹۷۔ شرح نہج البلاغہ لابن میثم بحارنی ج ۵ ص ۱۰۴ ط جدید طہرانی (۳)۔ درہ نجفیہ ص ۳۳۲، فیض الاسلام تقویٰ ص ۹۶ شرح نہج البلاغہ

۱۳۔ کہا جاتا ہے۔ کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مدعیہ سے قسم لے کر نصاب شہادت کیوں مکمل نہ کر لیا۔ ایک گواہ کو صداقت جان کر ڈگری کیوں نہ دی۔ از خود تبرع سے حضرت فاطمہؓ کو دے کر خوش کیوں نہ کیا۔ یا مسلمانوں سے اجازت لے کر کیوں نہ دیا۔ جیسے حضورؐ نے ابو العاصؓ کو حضرت زینبؓ کا فدیہ میں بھیجا ہوا، مسلمانوں سے اجازت لے کر واپس کر دیا۔

جوانی گزاریش یہ ہے کہ یہ سب خصوصاً اہل عیسیٰ حالات ہیں۔ ان سے نہ کوئی قاعدہ کلیہ اخذ ہو سکتا ہے نہ ان کی پابندی سنت یا واجب ہے جیسے روزہ توڑ کر دوسرے کا دیا ہوا کفار سے کا مال حکیم نبویؐ خود کھانے والے غریب صحابیؓ کے واقعہ سے کوئی عام قانون نہیں نکلتا۔ اگر ابو بکرؓ ایسا کر دیتے تو ان کی صوابد یہ ہوتی جب قاضی و حاکم کی حیثیت سے شرعی قانون پر عمل کیا اور حکیم قرآن و سنت مالِ فے کو ۸ قسم کے مسلمانوں کا حق وقف قرار دیا تو آپ پر طعن کیوں کیا جائے۔

بجاء اللہ مسئلہ فذک پر ہر قسم کے قدیم و جدید مطاعن کا تصفیہ ہو چکا۔ اب حضرت سیدہؓ کے جنازہ کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

جنازہ سیدہ فاطمہ الزہراءؓ اور شیخین رضی اللہ عنہما و عمرہ کو اپنے جنازے پر نہ آنے کی وصیت کی تھی اور جنازہ رات کو اٹھانے میں یہی مقصود تھا کہ صبح بارش نہ آنے پائیں۔ حالانکہ جب رضا مندی کی احادیث اور سیدہ کے کریمانہ اخلاق کا جب مطالعہ کیا جاتا ہے۔ یہ بات دل کو نہیں



لگتی کہ سیدہ باغ فدک کے چند ٹکے نہ ملنے کی وجہ سے سب صحابہؓ سے ناراض ہو کر رخصت  
 ہوں۔ رات کو دفن کی وصیت پر وہ پوشی اور پرسکون وقت میں ملائکہ کے استقبال کرنے  
 کی خاطر ہے یا یہ تاثر دینا ہے کہ رسول خدا کی صاحبزادی دنیا سے رخصت ہو کر گویا اہل  
 و عیال اور مسلمانوں کو اپنے نور سے محروم کر کے جا رہی ہیں۔ صحیحین کی روایات سے پتہ چلتا  
 ہے کہ رات کو حضرت علیؓ نے دفن کیا اور ابو بکرؓ کو اطلاع نہ کی اور حضرت علیؓ نے جنازہ  
 پڑھا۔ اس سے یہ تاثر تراشنا کہ شیخینؒ سے ناراض تھیں۔ اور گویا جنازہ میں شرکت سے  
 منع فرما گئیں غنیمہ کا غلط استدلال ہے۔ کیونکہ وفات و جنازہ کی اطلاع خود خاوند گھر گھر  
 جا کر نہیں دینا بلکہ ایسی خبر جنگل میں آگ کی طرح از خود پھیل جاتی ہے۔ جہاں تک تاریخی حقیقت  
 ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کو اطلاع نہ دی اور مسلمان جنازہ میں شریک تھے۔ ”بھنہ رسول“ کا جنازہ ہو  
 اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام پر جان و مال قربان کرنے والے اور خدا سے رضا و جنت کی  
 سندیں پانے والے صحابہ کرامؓ میں بھی حاضر و محروم رہیں۔ یہ کوئی دشمن اسلام تو کہہ سکتا ہے  
 جو سیدہ کو مسلمانوں کے دلوں میں اتنا ہے وقت ثابت کرنا چاہتا ہے۔ صحیح العقیدہ  
 مسلمان اس کا فائل نہیں ہو سکتا۔ یہ کہنا کہ حضرت ابو بکرؓ کو نہ وفات کی اطلاع ملی نہ  
 وہ شریک جنازہ ہوئے درایت بھی غلط ہے۔ کیونکہ حضرت صدیق اکبرؓ کی اہلیہ محترمہ اسماءؓ نبی  
 عظیم سب بیماری میں سیدہ کی تیماردار اور واحد خدمتگار تھیں اور تجہیز و تکفین اور غسل  
 سیدہ کا کام بھی صدیق اکبرؓ کی بیوی نے سرانجام دیا اور ان کے جنازہ کے پردہ کا گوارہ  
 بھی صدیقؓ کی زوجہ محترمہ نے بنایا۔ آل صدیقؓ رضائے شرف کے لیے یہ معمولی بات نہیں۔  
 اب یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ زوجہ محترمہ اس حد تک تیماردار حاضر اور خادمہ ہوں اور خاوند  
 کو ان کی وفات و جنازہ کا بھی علم نہ ہو سکے۔ مسلم کی روایت کے مطابق حضرت علیؓ نے  
 جنازہ پڑھایا اور حضرت ابو بکرؓ وغیرہ مقتدی بنے ہوں تو کیا اعتراض کی بات ہے۔  
 حضرت علیؓ والی تھے اور اگر اس کے برعکس حضرت ابو بکرؓ نے مات کرانی۔  
 خلیفہ وقت کو اس وقت امام بنایا جاتا تھا تو انکا کی بات سیدہؓ کی بات۔ ام مہاجر  
 نے حضرت حسنؓ کے جنازہ پر حاکم مدینہ سعید بن عاص اموی کو امام بنانے وقت فرمایا ولا انا



سنة ما قدمته (اگر حاکم سے نماز پڑھانے کی سنت نہ ہوتی تو میں ان کو آگے نہ کرتا) بہر حال اصولی طور پر روایات نفی پر روایات اثبات کو ترجیح ہوتی ہے۔ تو جن روایات میں حضرت علی رضی اللہ عنہ یا حضرت عباس کے متعلق صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ وارد ہیں ان سے جنازہ پڑھنا مراد ہے۔ امامت مراد نہیں۔

اب امامت صدیقی کے متعلق صریح احادیث ملاحظہ ہوں۔

عن جعفر بن محمد عن ابیہ قال ماتت فاطمة بنت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فجاء ابو بکر وعمر لیصلوا فقال ابو بکر لعلی بن ابی طالب تقدّم فقال ما كنت لا تقدّم وانت خلیفتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقد مر ابو بکر فصری علیہا اربعاً کذا العمال ج ۶ کتاب الفضائل من قسم الافعال ص ۳۱۸

حضرت امام باقرؑ اپنے والد سے راوی ہیں کہ جب فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئیں تو حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما نماز جنازہ پڑھنے آئے تو حضرت ابو بکر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔ آگے ہوں اور جنازہ پڑھائیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں آگے نہیں ہو سکتا۔ جب آپ رسول اللہ کے خلیفہ ہو چکے ہیں۔ پس حضرت ابو بکر آگے بڑھے اور چار کبیروں سے نماز جنازہ پڑھائی۔

طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۲۴ اردو پر ہے۔

بانیار محمد بن عمر بن عبد بن قیس بن ریح از محمد بن ابراہیم "فاطمہ بنت رسول اللہ نے نماز

پڑھی تھی۔

۲۔ طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۲۹ پر ہے۔

عن حماد عن ابراہیم قال صلی ابو بکر الصدیق علی فاطمة بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فکبر علیہا اربعاً۔ حماد ابراہیم سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ پر نماز جنازہ پڑھائی اور تم بحیریں کہیں۔

اسی طرح یہ روایت ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۳۹ پر بھی ہے۔ (جو ماثل الی التشیع



بھی ہیں۔ (وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ)

**آخری گزارش** قارئین کرام! یہ ہے مسئلہ فدک کی حقیقت جس سے شیعوں کا مقصود صرف  
صحابہؓ کے متعلق اپنی دشمنی کو پختہ کرنا ہے اور بس۔ ورنہ فی نفسہ حضرت  
فاطمہؓ اور ان کی اولاد سے ہمدردی ان کو مقصود نہیں۔ اگر ہمدردی ہو تو وہ اس مسئلہ میں ایسے  
کیوں نہیں سوچتے اور بحث کرتے جس سے سیدہ خاتونِ جنت کی شان و بالا معلوم ہو۔ چن دن  
کی خاطر دنیا کے چند لوگوں کے لیے حضرت سیدہ کو ناخروہوں کی عدالت میں پڑھایا جائے حضرت  
ابوبکرؓ و عمرؓ جیسے نالوں سے مناظرہ کرایا جائے۔ پھر راضی اور دشمنی پیدا کر کے سب مسلمانوں کو  
جنازہ کی شرکت سے بھی روک دیا جائے۔ صلہ رحمی۔ استغناء۔ جبر اور قناعت جیسی صفات کی  
نفی پر زور دیا جائے۔ اہل اسلام کی نظر میں ان کو بے قدر اور بے وقعت ثابت کیا جائے پھر  
۱۰۰ سال تک مسلمانوں میں غیر مستقیم جدال و مناظرہ کا بازار گرم رکھا جائے۔ بقول شیعہ یہ مذکورہ  
بالاکارروانی درست ہے۔ یا اس واقعہ کو نیک نیتی سے صرف ایک غلط فہمی پر حمل کر کے طبعی سکرینجی  
کو رضا و صلہ رحمی سے دور کر دیا جائے۔ حضرت علیؓ اور جملہ اہل بیت کے طرزِ عمل کی تصدیق  
کی جائے اور ان کی اتباع کی جائے۔ ان کو ظاہر و باطن میں یکساں جان کر نفاق و تفریق کی تہمت  
سے بچایا جائے۔ ان کو رحما و ینیم کا مصداق جان کر ان میں جھگڑے اور اختلافات ثابت نہ کیے  
جائیں۔ طبعی یا اجتہادی اختلافی امور میں دیانت و انصاف کا مصالحانہ فیصلہ دے کر انہما  
الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلَحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ دے شک مومن بھائی بھائی ہیں تو اپنے بھائیوں  
کے درمیان صلح کرو یا کروا کر صلح کر لیا جائے۔ ہم تو مسلمان ہیں اور وَالصَّلٰوةُ خَيْرٌ (صلح ہی  
بہتر ہے) ہی پسند کرتے ہیں۔ تعلیم قرآنی کے مطابق اگلے پچھلے سب مسلمانوں کے لیے یہ دعانا گتے ہیں  
”اے اللہ! ہمیں بخش دے اور ہمارے پہلے مومن بھائیوں کو بھی۔ اور ایمان والوں کے حق میں  
ہمارے دل میں کینہ نہ رکھ۔ رَبَّنَا اِنَّكَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ (حشر: ۲۱)“





## حادثہ حمل و صفین

سوال: القرآن پاک میں قدرت کا ارشاد ہے - وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَبِدًا  
فَجَزَاءُ مَا جَهِتُمْ خَالِدًا فِيهَا وَكَغَيْبِ اللَّهِ عَلَيْهِ وَلَعْنُهُ وَاعَدَ لَهُ عَذَابًا  
عَظِيمًا۔ (نساء ۹۶)

جو کوئی مار ڈالے مسلمان کو جان کر پس سزا اس کی دوزخ ہے ہمیشہ رہنے والا ایچ  
اس کے اور غصہ ہوا اللہ اوپر اس کے اور لعنت کی اس کو اور تیار رکھا ہے واسطے اس کے  
عذاب بڑا۔ (ترجمہ شاہ رفیع الدین)

ارشاد فرمائیں کہ اگر مومن کو عداقت کرنے والا لعنتی ہے اور ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہے  
گا تو حمل و صفین اور تہران کے کل مقتول ستاون ہزار آٹھ سو سات کے قاتل کہاں  
جائیں گے۔ کیا کلام مجید کے قوانین سے صحابہ کرام مستثنیٰ ہیں۔ فیصلہ دو۔

خلاف تفسوئی پر خانہ جنگیوں کا حکم | الجواب۔ اہل سنت کا مندرجہ فیصلہ اور محققہ

آیت صحابہ کرام کے وقائع کو شامل نہیں۔ اولاً اگر شامل مانا جائے تو قرآن پاک کی ان آیتوں  
آیات سے تارض اور مخالفت لازم آتی ہے جن میں صحابہ کرام کو مقبول الایمان قطعی جنتی  
اور رضی اللہ عنہم ورضو عنہ کی بشارات دی گئی ہیں۔ پھر تاویل و توجہ یہ ایک آیت کی آسان ہے  
لیکن اور سینکڑوں حکم آیات سے اعراض خالص بے دینی ہے۔ لہذا اس آیت سے ان آیات



کثیرہ کے معارض اسناد لال باطل ہوا۔ ثانیاً آیت ہذا کی شرطیں و قائل صحابہؓ پر صادق نہیں آسکتیں۔ کیونکہ اہل نہروان میں بالاتفاق ایمان کی شرط نہیں تھی۔ اہل جبل کے ساتھ جو کہ میں قصد و ارادہ نہ تھا جیسے عنقریب بیان ہوگا۔ اہل صفین میں گواہانِ کامل اور فی الجملہ قصد و تعہد یا گیا مگر وہ تاویل پر مبنی تھا۔ سورتِ حجرت کی آیت میں تاویلِ قتال کا جواز ہے۔ مع ہذا حضرت علیؓ کا نہج البلاء میں اہل صفین کے متعلق فیصلہ تو ان کو قطعی مومن و مسلمان بتاتا ہے۔ بالاتفاق مومن آخر کار جنتی اور جہنم سے آزاد ہوگا۔ تو حضرت علیؓ کے اعتقاد میں بھی یہ آیت اہل صفین کو شامل نہ رہی۔ ثالثاً صحابہ کرامؓ میں نیک نیتی سے قتال ہو گیا۔ آیت میں قتل پر وعید ہے قتل و قتال میں فرق نہ کرنا بے انصافی ہے۔ لیکن افسوس کہ شیعہ حضرات اس مقول فیصلہ کو ساتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے، کامصدق درخور اعتناء نہیں سمجھتے مجبوراً انہی کے گھڑے تحقیقی و الزامی جواب سپرد قلم کیا جاتا ہے۔

صحابہ کرامؓ کے بعض میں مسرت اور مدعی حب علیؓ سوال میں تو حضرت علیؓ المرفعیؓ پر ہی راجع و باشد، اپنا بالافتویٰ لگا رہا ہے۔ لیکن حضرت علیؓ بہت بہادر اور شیر جنگ تھے۔ شیعہ کے ہاں افضلیت علیؓ کی اہم وجہ یہی ہے۔ ان جنگوں میں سفک دما و سیدنا حضرت علیؓ کے لشکر کی طرف سے ہوا۔ بلکہ یہ روایت شیعہ خود حضرت علیؓ المرفعیؓ نے تمام ذمہ داری اپنے اوپر لینے کا اعتراف فرمایا ہے۔

عن ذر انہ سمع علیا علیہ السلام قال انا فقات عین القنہ ولولا انا ما قتل اهل النهس دان و اهل الجبل (کشف الغمہ ص ۳۳۱)	ذریں جہش کہتے ہیں میں نے حضرت علیؓ کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے ہی قنہ کی آنکھ چھوئی ہے۔ اگر میں نہ ہوتا تو اہل نہروان قتل ہوتے نہ جبل والے۔
--	--

اہل نہروان کے قاتل | اہل نہروان بھی کوئی کافروں کی قوم نہ تھی نہ حضرت معاویہؓ کے ساتھ تھی۔ وہ حضرت علیؓ کے خاص الخاص شیعہ اور اصحاب تھے جو امامت کو منصوص من اللہ عہدہ کہتے تھے اور اس کے متعلق کسی ثالثی پنچایت یا شوریٰ کے فیصلوں کو باطل جانتے تھے۔ علی بن عیسیٰ اردبیلی کشف الغمہ میں رقمطراز ہیں۔



اِذْ اتَّخَذَ لَطَائِفَةً مِنْ خَاصَّةِ  
اصحابہ فی اربعۃ الاف وہم العباد  
والنسال فخر جوامن الکوفۃ وخالفوا  
علیہ السلام وقالوا لا حکم الا  
للہ ولا طاعت لمن عصى اللہ وانما  
الیہم رقیف عن ثمانیۃ الاف من  
یری رأیہم فصاروا اثنی عشر الفا  
(کشف الغمہ ص ۳۶۲)

ہو گئی۔

جب حضرت علیؑ کے خاص اصحاب میں سے  
... ہم کی جماعت الگ ہو گئی جو بڑے نیک  
اور عبادت گزار تھے تو کوفہ سے نکل کر حضرت  
علیؑ کی کھلی مخالفت شروع کر دی اور کہتے تھے  
قیصر تو صرف اللہ کا مانا جاتا ہے جو بندے  
اللہ کی نافرمانی کریں ان کی اطاعت کیسی۔  
ان کے ساتھ آٹھ ہزار ان کے ہم خیال اور بھی  
(شکر علوی سے مل گئے تو ان کی تعداد بارہ ہزار)

ان ہی شیعہ غداروں سے حضرت علیؑ کو وہ جنگ لڑنی پڑی جس کے متعلق صحیح احادیث  
میں پیشین گوئی موجود ہے کہ ان کو وہ جماعت قتل کرے گی جو حق کے قریب ہوگی۔ چنانچہ حضرت  
علیؑ نے ان کو قتل کر کے اللہ کا شکر ادا کیا۔

عن ابی الدرداء قال کان علی لما  
فرغ من اهل النهس وان حمد الله  
واثنی علیہ (تاریخ طبری ج ۵ ص ۸۹)

حضرت ابو الدرداء فرماتے ہیں کہ جب حضرت  
علیؑ اہل نہروان (خارجیوں) کی جنگ سے  
فارغ ہو گئے تو شکر میں بندہ کی حمد و ثناء کی

انہی خاصان علیؑ اور شیعہ غداروں سے عبدالرحمن  
بن ملجم مرادی جیسا بد بخت تھا جو کوفہ کا باشندہ تھا  
حضرت عثمانؓ کے مخالف گروہ کے ہاتھوں مصر میں محب علیؑ ہونے کی ٹریننگ حاصل کی۔ پھر  
خاص شیعہ علیؑ میں بھرتی ہو کر مدینہ اور کوفہ میں کئی سال حضرت علیؑ کی خدمت اور پرورداری  
کی خدمت ادا کرتا رہا۔ پھر مذکورہ بالا سبب کی وجہ سے خارجی ہوا۔ پھر علیؑ کو شہید کیا۔  
بعض عثمانیوں و معاویہ میں اس قدر پکا تھا کہ قتل علیؑ کے بعد حضرت معاویہؓ کو قتل کرنے  
کی اجازت چاہتا ہے۔ لیکن حسن المجتبیٰؑ نے یہ کار خیر نہ دینیہ ادا نہ کرنے دیا۔ اس محب  
علیؑ نے قتل مرتضیٰؑ کے بعد ”شہادت علیؑ“ پڑھنے اور ماتم کرنے کی طرح ڈالی۔



جلاء الحیون کے اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

۱۔ در بصائر الدرجات بسند ہائے معتبر روایت کردہ است چوں محمد بن ابی بکر گروہ ہے از اشرف مصر را بخدمت امیر المومنین فرستاد عبد الرحمن بن ملجم در میان ایشان بود و مر ۱۸۳۔

کئی معتبر سندوں کے ساتھ بصائر الدرجات میں روایت ہے کہ جب محمد بن ابی بکر نے مصر کے معززین کی ایک جماعت حضرت امیر المومنینؑ کی خدمت میں بھیجی ان میں عبد الرحمن بن ملجم بھی تھا۔

۲۔ حضرت علیؑ کی اس نفرین کے باوجود اس نے تین مرتبہ حضرت علیؑ کے دوستدار ہونے کی قسم کھائی۔

بتا آنکہ سہ مرتبہ بخدمت آنجناب آمد در مرتبہ سوم با حضرت بعیت کرد چوں پشت کرد حضرت بار و گیر اور ابطلیید و سقند با داد کہ بعیت نشکند۔ ۱۸۵

تین مرتبہ وہ حضرت امیر کی خدمت میں آیا تیسری مرتبہ حضرت کے ہاتھ پر بیعت کی جس وقت واپس ہوا تو حضرت نے پھر ملا کر میں دلوائیں کہ بیعت نہ توڑتا۔

۳۔ (بعد از قتل) آن ملعون گریست و گفت یا امیر المومنین آیا تو نجات میتوانی داد کہے را کہ در جہنم است۔ پس امیر المومنین برائے آن ملعون بہ امام حسن سفارش کرد و ۲۱۳ اس ملعون کے لیے امام حسنؑ سے سفارش کی۔

حضرت علیؑ پر حملہ کے بعد وہ روئے لگا اور کہتا تھا اے امیر المومنین کیا آپ جہنم میں جانے والے کو نجات دے سکتے ہیں رشیعہ کا آج بھی یہی عقیدہ ہے م امیر المومنینؑ نے

اسی سلسلہ میں ہے کہ ابن ملجم نے کہا میں نے تمہارے باپ کو قتل کرنے کا خدا سے عہد کر رکھا تھا وہ پورا کر دیا۔ آپ (اے حسنؑ) مجھے چاہیں تو قتل کریں۔ اگر معاف کریں تو میں معاویہؓ کے پاس جاتا ہوں اور اس کو قتل کر کے اس کے شر سے تجھے راحت دیتا ہوں۔ ۲۱۸۔

کوفی۔ مصری اور بصری بلوایوں کو ”اصحاب رسول“ سے جھوٹی تعبیر کر کے حضرت عثمانؓ پر طعن کرنے والو! اپنے اس بڑے قسم خور محب علیؑ و دشمن معاویہؓ اور عزا دار علیؑ کے مذہب پر بھی غور و فکر کر کے حسرت و ندامت کے آنسو بہایا کرو۔



یہاں تک اہل نہروان کا بیان ہوا جن کے قاتل حضرت علیؑ پر مختص صاحب .... کا فتویٰ صادر کرتے ہیں۔ شاید اس وجہ سے ان سے عقیدت و ہمدردی ہوگی کہ وہ شیعہ کے پیشوایان اول اور عقیدہ امامت کو بجانب اللہ خدائی عمدہ مانتے تھے اور شوریٰ و رائے فی کے قاتل نہ تھے جو آج بھی شیعہ کا عقیدہ ہے۔ یہ قیاس کن زگلستان من بہار مرا۔ اور شاید یہی وجہ کہ ہذا نہ بچکانہ کے بعد حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ۔ عائشہؓ و حفصہؓ وغیرہم بزرگان دین پر شیعہ لعنت بھیجتے ہیں۔ لیکن اس فہرست میں ابن ملجم کا نام نہیں ہے (فروع کافی ص ۲۲۶) شہداء حبل کی داستان بڑی دردناک ہے جب شہادت ذوالنورینؑ کے بعد بلوایان عثمانؓ مدینہ منورہ پر قابض ہو گئے اور حضرت عثمانؓ کے حامیوں اور جمہور ملاحوں پر سختی ہونے لگی اور لوگ مدینہ سے بھاگنے پر مجبور ہو گئے۔ جیسے ایک فراری عبید بن ابی سلمہؓ نے ام المومنین عائشہؓ کے استفسار پر فرمایا۔

اخذوا اهل المدينة بالاجتماع  
على على والقوم الغالبون على المدينة  
(طبری ج ۵ حوادث ۳۶۵)

بلوایوں نے پکڑ دھکڑ سے اہل مدینہ سے  
حضرت علیؑ کی سبوت کروائی ہے اور وہ مدینہ  
پر پوری طرح قابض ہیں۔

اور اس حالت کے عینی شاہد حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ جیسے بزرگ صحابہؓ نے بھی ام المومنینؓ سے آکر عرض کی۔

فقالوا رانا انا تحملنا بقلتنا  
هرا ابا من المدينة من غوغاء و  
اعراب وفارقنا قوما جباري لا يعرفون  
حقا ولا ينكرون باطلا ولا يمنعون  
انفسهم (طبری ج ۵ ایضاً)

کہنے لگے ہمارے چچے مدینہ کی حالت یہ ہے کہ  
ہم اپنی قلت کی وجہ سے مدینہ سے بھاگنے پر  
مجبور ہو گئے ہیں۔ وہاں اچھ گنواروں کا زور  
ہے ہم ایسی قوم سے جدا ہو کر آئے ہیں۔ جو  
حیران ہیں۔ حق نہیں پہچانتے باطل کا انکار  
نہیں کرتے۔ نہ فساد سے اپنے نفسوں کو روکتے ہیں۔

ان تاریخی شہادتوں کے علاوہ بیچ البلاغہ میں بھی یہ حقیقت مسطور ہے کہ جب  
حضرت علیؑ سے اہل مدینہ نے قصاص عثمانؓ کا مطالبہ کیا تو فرمانے لگے ابھی یہ کیسے ممکن ہے



ہم یلکوننا ولا فیلکھم۔ ہمارے وہ مالک بنے ہوئے ہیں (گویا حکومت ان کی کھڑپتی ہے) اور ہم ان پر قابو یافتہ نہیں ہیں۔

ان حالات میں حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے مدینہ کے سفر سے واپسی کا رخ کیا۔ خلافت اسلامیہ کے وقار حضرت عثمان مظلومؓ کے قصاص میں حضرت علیؓ کی اعانت اور بوائیوں سے ان کی رہائی جیسے مقاصد حسنہ کے پیش نظر۔ مگر یہ میں لشکر کی فراہمی شروع کی۔ لیکن فتنہ بازوں نے حضرت علیؓ کو غلط پورٹ پہنچائی۔ آپ نے بھی عجلت سے کام لیتے ہوئے اہل مدینہ کو اطلاع دے کر زیریں اور ام المومنین کے ساتھ جنگ کے لیے ابھارا۔ مگر اہل مدینہ نے نئے چند کے سوا سنا نہ دیا۔ البدایہ و ابن اثیر ج ۵ ص ۱۶۲ مجبوراً آپ نے کوفہ سے بوائیوں کے رشتہ داروں کا لشکر فراہم کر کے بصرہ پہنچے۔ حنائی شروع کر دی۔ بزرگ صحابہؓ کے روکنے سے بھی نہ رکے۔ طبری سے کچھ تفصیلات ملاحظہ ہوں۔

”محمد اور طلحہ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ مدینہ میں تھے آپ کو خبر ملی کہ طلحہ وزبیر وغیرہ قصاص عثمانؓ کی تیاری میں بصرہ جانا چاہتے ہیں۔ ام مقصد آپ کو معلوم ہوا جس پر حضرت طلحہؓ وزبیرؓ عائشہؓ اور ان کے سردار اور تابعدار منہن تھے (یعنی قصاص عثمانؓ) تو حضرت علیؓ نے جو تیاری شام پہنچے حنائی کے لیے کر رکھی تھی اسی تیاری میں بصرہ پہنچے حنائی کے لیے نکل کھڑے ہوئے آپ کے ساتھ کوفیوں۔ بصریوں کے۔ فوجی تھے۔ آپ کا خیال تھا کہ طلحہؓ وزبیرؓ کا محاصرہ کر کے ان کو اس اقدام سے باز رکھیں گے۔“ (طبری ج ۴ ص ۲۵۵)

اسی دوران حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے حضرت علیؓ کے گھوڑے کی لگام پکڑ کر فرمایا۔  
یا امیر المومنین لا تخرج منها  
فواللہ ان خرجت منها لا ترجع الیہا  
ابد اولایعود الیہا سلطان المسلمین  
ابد افسبوا فقال دعوا الرجل فنعم  
الرجل من اصحاب محمد۔

اے امیر المومنین آپ مدینہ سے نہ نکلیں اللہ کی قسم اگر آپ یہاں سے نکل پڑے تو کبھی پلٹ کر نہ آئیں گے اور مسلمانوں کی خلافت کبھی مدینہ نہ آئے گی۔ لوگ حضرت عبداللہؓ کو گالیاں دینے لگے تب علیؓ نے فرمایا اس

آدمی کو کہنے دو حضورؐ کے صحابہؓ میں سے یہ بہت اچھا آدمی ہے۔



اسی روایت میں ہے کہ (اور تو اور) آپ کے فرزند اکبر حضرت حسنؑ بھی اس خروج کے مخالف تھے اور روکتے ہوئے فرمایا۔ اباجان! آپ میری ہر بات میں مخالفت کرتے ہیں۔ میں نے محاصرہ عثمانؓ کے وقت آپ کو باہر چلے جانے کا کہا تا کہ لوگ قتل کا الزام آپ پر نہ لگائیں۔ میں نے کہا اس وقت تک لوگوں سے بیعت نہ لیں جب تک باہر کے لوگ بیعت نہ کر لیں۔ میں نے کہا طلحہؓ وزیرؓ کے آپ کے ہاتھوں سے بھل جانے پر آپ خاموشی سے گھر بیٹھ رہیں تا آنکہ وہ صلح کر لیں۔ تو حضرت علیؑ نے فرمایا۔

واللہ ما ذلت مقہوراً مذولیت  
منقوصاً لا اصل الی شیء مما ینبغی و  
اما قولک واجلس فی بیتک فکیف  
بما قد لزمنی اذ من تری فی الخ  
(طبری ج ۲ ص ۲۵۶ ابن ابی والنہای ج ۲ ص ۳۳۳)  
اللہ کی قسم جب میں حاکم بنا ہوں مجبور کیا جا یا  
ہوں اپنے مرتبے سے کم ہو رہا ہوں۔ کرنے کے  
کام تک میری رسائی نہیں رہی تیری یہ بات  
کہ میں گھر میں بیٹھ رہوں تو خلافت کی ذمہ داری  
سر پر پڑنے کے بعد یہ کیسے ہو سکتا ہے کیا تو چاہتا  
ہے کہ مجھ کو توں کی طرح دیکھ بیٹھوں۔

الغرض ان ملحد خفائق کی روشنی میں بلوچیوں کے اصرار اور دباؤ سے آپ بصرہ کی طرف  
جلدی میں چل تو پڑے لیکن جب فریقین کے بزرگ آپس میں ملے تو پتہ چلا کہ اختلاف فی نفسہ  
کچھ بھی نہیں۔ حضرت علیؑ قصاص لینے کے منکر نہیں۔ نہ حضرت طلحہؓ وزیرؓ وام المؤمنینؓ  
حضرت علیؑ کے باغی اور مخالف ہیں بلکہ وہ تو فراہمی لشکر سے حضرت علیؑ کی حکومت سے  
قصاص کے مسئلہ پر تعاون کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ مسالحت کی بات چیت مکمل ہو گئی۔  
حضرت عائشہؓ نے حضرت علیؑ کی طرف قاصد بھیج کر بتلایا کہ وہ بلاشبہ صلح و اتفاق  
کے لیے آئی ہیں۔ پس یہ لوگ بھی خوش ہو گئے اور وہ لوگ بھی (طبری ج ۲ ص ۲۵۹) پھر حضرت  
علیؑ نے لوگوں میں خطبہ دیا۔ حمد و ثنا کے بعد زمانہ جاہلیت کی بدبختی اور بد اعمالی کا ذکر کیا۔  
پھر اسلام کا ذکر کرتے ہوئے اس کی وجہ سے مسلمانوں کی آپس میں محبت اور ایک جماعت  
ہونے کا ذکر کیا۔

وان اللہ جمعہم بعد نبیہم اور بے شک اللہ نے اپنے نبی کے بعد مسلمانوں



على الخليفة ابى بكر الصديق ثم بعد  
 عمر بن الخطاب ثم على عثمان ثم حدث  
 هذا الحدث الذى جرى على الامّة  
 اقوام طلبوا الله وحيداً واعلى الفضيلة التى من  
 الله بها وارادوا رد الاسلام والاشياء على  
 ادبارها والله بالغ امره ثم قال الا انى  
 من نحل عند افادته ولو لا يد نحل معى احد  
 اعان على قتل عثمان بنشى ومن امور  
 الناس رطبرى يوم السبت الابدائى ج ٤ ص ٣٣٩ -  
 ابن خلدون ج ٢ ص ١٤٩ ابن اثير ج ٢ ص ٣٧

کو خلیفہ ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر  
 پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر جمع کر دیا۔ پھر امت پر  
 یہ اختلاف کا حادثہ پیش آیا۔ یہ فتنہ باز دنیا  
 کے طالب ہیں اس امت پر اللہ کی نعمت اتفاق  
 پر حسد کرتے ہیں۔ اسلام اور اس کی اصلاحات  
 کو پس پشت ڈال کر جاہلیت کا دور لانا چاہتے  
 ہیں۔ پھر فرمایا۔ سنو! میں کل واپس ہونی والا  
 ہوں تم بھی واپس چلو اور میرے ساتھ ان  
 میں سے کوئی بھی نہ چلے جنہوں نے کسی قسم کی  
 قتل عثمان میں مدد کی ہے۔

یہی تمام مؤرخین لکھتے ہیں کہ اس خطبہ کے بعد ہی بلوایوں نے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کی  
 تھے، کے لیڈر اکٹھے ہوئے جیسے اشتر نخعی، شریح بن ابی اوفی، عبداللہ بن سبا المعروف بابن  
 سواد، سالم بن ثعلبہ، علیاء بن الہیثم وغیرہ۔ وہابی نزار نفوس کے لگ بھگ۔ ان میں صحابی  
 کوئی نہ تھا۔ الحمد للہ۔ تو کہنے لگے یہ کیا بات ہے۔ علی رضی اللہ عنہ کی قسم کتاب اللہ کو قصاص عثمان کے  
 طلبوں سے زیادہ جانتے ہیں اور اس بات پر عمل کرنے کے زیادہ فریب ہیں اور تم اکافر یا من  
 چکے ہو۔ بالآخر اس فیصلہ پر متفق ہوئے کہ دونوں لشکروں میں گھل کر سو جاؤ۔ رات کو کسی  
 وقت اٹھ کر تلوار چلا کر شروع کر دو۔ علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کی کہیں طلحہ وزیر نے غداری کی۔ اور وہ  
 کہیں علی رضی اللہ عنہ نے غداری کی۔ تم اس تندہیر سے قصاص سے بچ جاؤ گے۔ وہ مسلمان اس فتنہ میں  
 مبتلا ہو جائیں گے جو تمہارا مقصود ہے۔ چنانچہ یہی کچھ ہوا۔ ہر ایک نے فریق مخالف سے غدر  
 سمجھ کر دفاعاً تلوار چلائی (جملہ تواریخ تاریخ اسلام از شاہ معین الدین احمد ندوی سے چند  
 اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

قتضاع بن عمرو کی کوشش سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، طلحہ وزیر نے اپنے ”اصلاحی اقدام“  
 کو مصالحت کی شکل دی اور ہر شرانگیز مشورہ کو رد کر دیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی جماعت کو



پر امن رکھنے کے لیے ایک دن اس کے سامنے تقریر کی کہ ”ان لوگوں (طلحہ و زبیر) کے بارہ  
 میں اپنے ہاتھ اور زبان کو قابو میں رکھو۔ پیش آنے والے واقعات کا صبر کے ساتھ انتظار  
 کرو اور پیش دستی سے بچو آج جو شخص جنگ کی ابتداء کرے گا۔ کل خدا کے نزدیک وہ دشمن  
 سمجھا جائے گا۔ فرض فریقین ہر ممکن طریقہ سے جنگ کی روک تھام اور صلح کی کوشش کرتے  
 رہے۔ اس درمیان میں بہت سے محتاط مسلمان اس جنگ سے کنارہ کش ہو گئے۔ چنانچہ حنف  
 بن قیس چھ سو آدمیوں کی جماعت لے کر علیؑ ہو گئے۔ اب حضرت علیؑ ذی قار سے بصرہ پہنچ چکے  
 تھے۔ آپ اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ میں صلح کی آخری گفتگو ہوئی۔ اور مختلف فیہ مسائل پر بحث  
 و مباحثہ ہونے کے بعد بالاتفاق طے پایا کہ امت کی فلاح صلح ہی میں ہے۔ مصالحت کی تکمیل  
 کے بعد فریقین اپنے اپنے لشکر گاہوں پر سرور و مطمئن واپس گئے اور اطمینان و سکون کے  
 ساتھ سوئے (مگر) سبائیوں کے لیے یہ صلح بڑی شاق تھی۔۔۔۔۔ اس لیے انہوں نے طے کیا کہ  
 صبح ہونے سے پہلے ہی اندھیرے میں دونوں فوجوں پر حملہ کر دیا جائے۔۔۔۔۔ چنانچہ ان لوگوں نے  
 راتوں رات اندھیرے میں دونوں فوجوں پر حملہ کر دیا اور صبح ہوتے ہوتے ہنگامہ بپا ہو گیا اس  
 غیر متوقع حملہ نے دونوں کو گھبرا دیا۔ کسی کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ واقعہ کیا ہے۔ حضرت علیؑ اور  
 عائشہؓ نے اس وقت بھی روکنے کی کوشش کی۔ حضرت علیؑ پکار پکار کر کہتے تھے کہ لوگو  
 رک جاؤ۔ حضرت عائشہؓ فوراً اونٹ پر بیٹھ کر روکنے کے لیے چلیں لیکن اس ہنگامہ میں  
 کون کسی کی سنتا۔ اصل حقیقت کی کسی کو خبر نہ تھی۔ اس لیے ہر فریق نے یہی گمان کیا کہ دوسرے  
 نے بد عہدی کی۔

(حضرت عائشہؓ رضی اللہ عنہا کی

ام المؤمنین کے جہان نثاروں کی جانبازی اور جنگ کا خاتمہ | اونٹ پر سواری پال کا

جہان نثاروں کی حوصلہ افزائی میں تبدیل ہو گئی، اور ہر طرف سے محمل پر تیروں کی بارش ہو رہی  
 تھی۔ تیروں کی کثرت سے محمل سا ہی بن گیا تھا۔ جہان نثاروں نے جانبازی کا حق ادا کر دیا۔  
 قبیلہ بنی ضبہ اور ازبنے اونٹ کو اپنے حصار (بچاؤ) میں لے لیا۔ اس کی حفاظت میں دو ہزار  
 سات سو ازد اور دو ہزار بنی ضبہ کے جاہل فدا کیے۔ اونٹ کی ہمارے پڑتا گویا موت کے منہ



میں جانا تھا۔ لیکن جاں نثاروں نے تائنہ ٹوٹنے دیا۔ جیسے ہی ایک گز تا تھا فوراً دوسرا اس کی جگہ لیتا تھا۔ اس طریقہ سے چالیس آدمیوں نے یہ سعادت حاصل کی۔ حضرت علیؑ نے دیکھا کہ جب تک اونٹ اپنی جگہ پر قائم رہے گا اس وقت تک یہ خونریزی بند نہیں ہو سکتی۔ اس لیے انہوں نے حکم دیا کہ اونٹ کے پاؤں زخمی کر کے اسے گرا دیا جائے اس حکم پر چند آدمی آگے بڑھے اور ایک شخص ابن عباس بن ضبہ نے اونٹ کے پاؤں زخمی کر دیے وہ بلبلا کر بیٹھ گیا۔ اس کے بیٹھتے ہی لڑائی کا رنگ بدل گیا اور حضرت عائشہؓ کی فوج کی بہت چھوٹ گئی۔

(تاریخ اسلام نندوی)

القصة۔ قاتلان عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے فوجیوں کی سازش سے یہ خونی معرکہ پیش آیا جس میں دس ہزار مسلمان شہید ہوئے۔ کشف الغمہ کے شیعہ مؤرخ نے بڑے فخر سے اس خونریزی کے متعلق لکھا ہے۔

”در جنگ خوب گرم ہوئی حتیٰ کہ (ام المومنین عائشہ کے) اونٹ کی ٹانگیں کاٹ دی گئیں اور وہ گر پڑا۔ سب میدان خون سے سرخ ہو گیا۔ جبل والے (بصری) شکست کھا گئے۔ جبل کے مقتول لشکر کی تعداد ۶۷۹۰ تھی اور وہ کل ۳۰ ہزار تھے۔ حضرت علیؓ کے ساتھیوں میں سے ۱۰۷۰ قتل ہوئے جبکہ ۲۰ ہزار تھے۔ (کشف الغمہ ص ۳۳۰)

فریقین کے مقتولوں کے متعلق اس میں جانبداری اور کذب و مبالغہ ضرور کار فرما ہے لیکن وجہ ظاہر ہے کہ جبل والوں پر اچانک صلح کے بعد یہ سوتے ہوئے حملہ ہوا اور حضرت علیؓ کا مقتول لشکر بیدار اور فتنہ بھڑکانے میں تھا۔ اس نے نیند میں غافل مسلمانوں کو ذبح کر کے بہادری کا بڑا ڈپلوما حاصل کیا۔

تاریخ کے ان حقائق کی روشنی میں یہ خونی معرکہ قاتلان عثمانؓ کی سازش کا مریخ منت تھا۔ اہل سنت والجماعت کے اعتقاد کے مطابق ذمہ دار اور گنہگار وہی بلوائی ہیں جو حضرت علیؓ کے فوجی تھے۔ نہ حضرت علیؓ پر یہ ہم کوئی طعن کرنے ہیں نہ بلوائیوں کے ہاتھوں جام شہادت نوش کرنے والے حضرت طلحہؓ و زبیرؓ پر کوئی ذمہ داری یا الزام ہے۔ شیعہ کو اگر زیادہ اصرار ہی ہے تو ان تفصیلات میں۔ حضرت علیؓ کا محانت صحابہؓ کے باوجود مدینہ سے لشکر لانا پھر



اپنے لشکریوں کے مکر سے بقول شیعہ عالم الغیب اور مشکل کشا ہونے کے باوجود۔ بے خبر رہنا اور سازش کو ختم نہ کرنا۔ حتیٰ کہ ۸ ہزار یا ۱۰ ہزار مسلمانوں کا گاجوہولی کی کٹ جانا۔ آج بھی ان خونیں مکر کو مزے سے بیان کرنا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس بہادری پر فخر کرنا۔ مجاہدین کے انصاف سے شیعہ ہی تبلیغ میں کہ اس خونریزی کا ذمہ دار کون ہوا۔ قیامت کے دن یہ ۸ ہزار کا خون کس کے سر ہوگا۔ اور ان کا منقولہ فتویٰ قرآنی کس پر چسپاں ہوا۔

**پس منظر جنگ صفین** صفین کی نوعیت بھی یہی ہے کہ قاتلان عثمان کی سازش سے رونما ہوا۔ آپ غور کریں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے برسرِ اقتدار آنے کے بعد ہی جنگ جمل سے پہلے اہل شام پر لشکر کشی کی مدینہ سے تیاریاں کیوں ہو رہی تھیں۔ حضرت معاویہؓ نے تو خونریزی سے پہلے جمل کی بھی اگر مدد نہیں کی۔ پھر بھی ایک عظیم لشکر ہمیں سے شام کو چل قدمی کرتا ہے۔ اور صفین کے مقام پر اس کو جنگ پر ابھارا جاتا ہے۔

ان علیا حر ض الناس یومہ  
صفین فقال ان الله قد دکم علی  
تجارة تنجیکم من عذاب الیم۔  
(طبری ج ۵ ص ۱۶)

بے شک حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو صفین کے دن جنگ پر ابھارا اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایسی تجارت بتائی ہے جو تمہیں دوزخ سے نجات دے گی۔

طبری ج ۴ ص ۵۶۳ پر ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے (جمل سے فراغت کے بعد ہی) حضرت عبد بن عباسؓ کو ابصرہ پر غلیفہ بنایا اور وہاں سے ہی کوفہ چلے وہاں جنگ صفین کیلئے تیاری کی اور لوگوں سے مشورہ لیا۔ ایک جماعت نے مشورہ دیا کہ خود نہ جائیں لشکروں کو بھیج دیں۔ دوسروں نے جانے کا مشورہ دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جانے پر ہی اصرار کیا۔ پھر لوگوں کا لشکر تیار کر کے چلی پڑے۔ جب حضرت معاویہؓ کو یہ خبر ملی تو اس نے حضرت عمرو بن العاصؓ کو بلا کر مشورہ کیا۔ تو اس نے کہا جب آپ کو خبر ملی ہے کہ وہ خود آ رہے ہیں تو آپ بھی خود چلیں اور اپنی عقل اور تدبیر کو ہاتھ سے نہ جانے دیں (طبری ج ۴ ص ۵۶۳)

شانِ صحابیت کا تقاضہ تھا کہ مصالحت کی گفت و شنید ہو۔ چنانچہ بہت سے حضرات نے مصالحت کی کوشش کی مگر سبائی جماعت نے اپنی تمام تر قوتیں اس میں صرف کر دیں کہ



طرفین میں محبت اور رعایت کے بجائے دشمن اور نفرت کا جذبہ تیز ہو جائے چنانچہ یہ غدار اور مفسدہ پرداز گروہ اپنی مکروہ کوششوں میں کامیاب ہو گیا اور مصالحت کی ساری جدوجہد نقشِ بر آب ثابت ہوئی۔ (تاریخ اسلام اردو از نشر ج ۲ صفحہ ۲۳۶)

چند تاریخی حقائق ملاحظہ ہوں۔

۱۔ شام کے ایک عابد و زاہد بزرگ ابو مسلم خولانیؒ چند آدمیوں کو ساتھ لے کر امیر معاویہؓ کے پاس گئے اور حضرت علیؓ کی مخالفت سے باز رہتے کا اصرار کیا تو امیر معاویہؓ نے جواب دیا کہ میں فضیلت میں ان کی برابر ہی کا مدعی نہیں ہوں۔ آپ کو معلوم ہے کہ عثمانؓ مظلوم شہید کیے گئے۔ ان لوگوں نے کہا ہاں۔ امیر معاویہؓ نے کہا۔ بس ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ قاتلوں کو ہمارے حوالے کیا جائے ہم ان کی خلافت تسلیم کریں گے ابو مسلم خولانیؒ نے کہا تم اسے کچھ کر دے دو۔ میں علیؓ کے پاس لے کر جاؤں گا۔ چنانچہ امیر معاویہؓ نے یہ خط لکھا۔ "اما بعد اخیلیفہ عثمانؓ تمہارے یہاں تمہاری موجودگی میں قتل کیے گئے۔ تم ان کے گھر کا شور و غل سنتے رہے اور اپنے قول و عمل سے نہ روکا۔ میں سچی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر تم سچائی اور اخلاص سے ان کی مدافعت کیے ہوتے تو ہم میں کوئی تمہاری مخالفت نہ کرتا۔ دوسرا الزام تم پر یہ ہے کہ تم نے قاتلین عثمانؓ کو پناہ دی اور وہ اس وقت تمہارے قوت و بازو تمہارے اعوان و انصار اور تمہارے شیر کا ہیں۔ ہم کو یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ تم عثمانؓ کے خون سے برأت کرتے ہو اگر تم اس میں سچے ہو تو قاتلوں کو قصاص کے لیے ہمارے حوالے کر دو ہم سب سے پہلے تمہاری بیعت کے لیے تیار ہیں۔ اگر ایسا نہیں کرتے تو ہمارے پاس تمہارا جواب صرف تلوار ہے۔ خدائے واحد کی قسم ہم لوگ بحر و بر سے عثمانؓ کے قاتلوں کو تلاش کر کے قتل کریں گے یا خود جان دے دیں گے۔

ابو مسلم یہ خط لے کر کوفہ گئے اور حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کر کے عرض کیا کہ آپ خلیفہ ہیں اگر آپ اس کے حقوق پورے کریں تو اللہ کی قسم یہ منصب ہم کسی دوسرے کے لیے پسند نہیں کرتے۔ عثمانؓ مظلوم شہید کیے گئے ان کے قاتلوں کو آپ ہمارے حوالے کیجئے۔ آپ ہمارے امیر ہیں۔ اس کے بعد اگر کوئی شخص آپ کی مخالفت کرے گا تو ہم آپ کے مددگار ہیں اور آپ کے لیے بھی دلیل اور مقول عذر ہو جائے گا۔



یہ مطالبہ سن کر حضرت علیؑ نے ابو مسلم کو ٹھہرا لیا اور فرمایا کل اس کا جواب دوں گا دوسرے دن ابو مسلم جامع کوفہ میں آپ سے ملے یہاں دیکھا کہ دس ہزار مسلح آدمی نصرہ لگائے ہیں کہ ہم عثمانؓ کے قاتل ہیں۔ یہ رنگ دیکھ کر ابو مسلم نے کہا معلوم ہوتا ہے انہیں میرے آنے کا سبب معلوم ہو گیا ہے اور انہوں نے اپنے بچاؤ کی نیت دیکھ لی ہے۔ حضرت علیؑ نے فرمایا میں نے ہر چند اس معاملہ کو سلجھانے کی کوشش کی لیکن قاتلوں کا حوالہ کرنا میرے امکان ہی میں نہ تھا اور میرا معاویہؓ کے خط کا یہ جواب دیا کہ

”عثمانؓ کے قتل سے میرا کوئی تعلق نہیں۔ میں نے کسی کو ان کے خلاف نہیں بھڑکایا۔ البتہ جب زیادہ ہنگامہ برپا ہوا تو میں خانہ نشین ہو گیا۔ مجھ کو خوب معلوم ہے کہ قاتلین عثمانؓ کے حوالہ کرنے کے مطالبہ کو ہم اپنے حصول مقصد کا ذریعہ بنانا چاہتے ہو۔ اگر ہم اس فتنہ انگیزی سے بے راہ روی سے باز نہ آؤ گے تو جو سبک باغیوں سے کیا جانا ہے وہ تمہارے ساتھ کیا جائے گا۔“  
(تاریخ اسلام ندوی بحوالہ اخبار الطوال ص ۴۱۴)

۲۔ البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۲۹۹ تاریخ طبری وغیرہ میں ہے کہ حضرت ابوذرؓ اور حضرت ابوامامہؓ باہمی رضیے بزرگ حضرت علیؓ کی طرف سے مہمندانہ بن کر حضرت معاویہؓ کے پاس گئے اور کہا کہ معاویہؓ آپ اس شخص سے کیوں لڑتے ہیں جو بھلا آپ سے اور آپ کے باپ سے اسلام لانے میں مقدم ہیں۔ آپ سے بڑھ کر حضورؐ کے قریبی رشتہ دار میں اور اس امر کے نتیجے سے زیادہ مستحق ہیں۔ شاید ان بزرگوں کا خیال ہو گا کہ اس طرز سے حضرت معاویہؓ کو شوق خلافت ہے۔ مگر حضرت معاویہؓ نے اپنی زبان سے اس خدشہ کی تردید کر دی۔ آج بھی کچھ لوگ یہی سمجھتے ہیں۔ مگر انسان کا قول و عمل جب اس کے خلاف ہو تو دلوں پر بدگمانی جائز نہیں۔ اسے علیم بذات الصدور ہی خوب جانتا ہے۔ تو حضرت معاویہؓ نے فرمایا میں خلافت کے لیے نہیں لڑتا، میں تو صرف حضرت عثمانؓ کے خون پر آپ سے لڑ رہا ہوں کیونکہ آپ نے حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کو پناہ دے رکھی ہے۔ تم دونوں حضرت علیؓ کے پاس جاؤ اور کہو کہ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں سے ہمیں قصاص دلا دو پھر اہل شام میں سے سب سے پہلا شخص میں ہوں گا جو حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کرے گا۔ چنانچہ یہ دونوں حضرت علیؓ کے پاس گئے اور یہ پیغام پہنچا یا تو حضرت علیؓ



نے فرمایا۔ وہ یہ ہیں جن کو تم دیکھ رہے ہو پس ایک انبوہ کثیر اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگے ہم سب حضرت عثمانؓ کے قاتل ہیں جو کوئی چاہے ہم سے قصاص لے لے حضرت ابوالدرداءؓ اور ابوامامہؓ وغیرہ ماجرا دیکھ کر واپس ہو گئے۔ اور کسی طرف سے جنگ میں شرکت نہ کی۔ (البدا یہ وغیرہ) مزید تفصیل ہماری کتاب عدالت صحابہ کرامؓ میں دیکھیں۔

۳۔ حضرت امیر المومنین معاویہؓ و حضرت عمرو بن العاصؓ کے اپنے گمان میں دیندار اور نیک نیت ہونے کا حضرت علیؓ نے اعتراف کیا ہے چنانچہ شیخ کتاب کشف الغمہؒ پر ہے۔

الا ان العجب العجبان معاویۃ بن سفیان و عمرو بن العاص السہمی یحییٰ ضمان الناس علی طلب الدین بوعمرہما وافی واللہ لما خالف رسول اللہ قط ولم اعصہ فی امر قط۔

کیا ہی عجیب تر بات ہے کہ معاویہ بن سفیان اور عمرو بن عاصؓ اپنے گمان کے مطابق لوگوں کو دین کے مطالبہ پر ہی ابھارتے ہیں حالانکہ میں نے بھی کبھی حضورؐ کی مخالفت و کسی حکم میں آپؐ کی نافرمانی نہیں کی۔

۴۔ اسی طرح حضرت علیؓ کی طرف سے جو سفراء حضرت معاویہؓ کے پاس آتے تھے وہ ایسے تلخ اور تنہد یاد آمیز گفتگو کرتے تھے جس سے بچانے صلیح اور سکون کے خواہ مخواہ جنگ اور اشتعال انگیزی کی فضا پیدا ہو جاتی۔ ان میں ثابت بن ربیعؓ کی تلخ کلامی اور فساد انگیزی سب مؤرخین نے لکھی ہے۔ حالانکہ حضرت علیؓ کے یہ محتد سفیر وہی صاحب ہیں جو حکیم کے موقف پر خارجی بن گئے پھر حضرت حسنؓ کے ساتھ مل کر بھی مخالف ہو گئے۔ پھر شعیان حسینؓ میں سے ہو کر کوفہ میں حضرت حسینؓ کو بلایا تھا۔ پھر بروقت آپؐ سے غداری اور بے وفائی کر کے نصرت سے باز رہے اور آپؐ نے اسے اس کا دعوتی نوشتہ دکھا کر شرمندہ کیا تھا (جلال الجیون) افسوس کہ بدقسمتی سے یہ قاتلان عثمانؓ اور بلوائی نام نہاد ایسے شیعیان اہل بیتؑ بنے جن کی سازشوں اور غدائیوں بلکہ تلواروں سے اہل بیتؑ اور دیگر مسلمانوں کے خون سے تاریخ کا ایک ایک ورق رنگین ہے۔ مگر غضب یہ ہے کہ شیخ آج بھی انہی لوگوں کی عقیدت کا دم بھرتے اندویناک حادثات کو اچھالتے اور اپنے تخریب کار وجود پر فخر کرتے ہیں۔

جب صلح کی کوشش ناکام ہو گئی تو جنگ کا آغاز بھی سنئے۔



فاخذ علي يامر الرجل الشرف  
فيخرج معه جماعة ويخرج اليه من  
اصحاب معاوية آخر معه جماعة  
فيقتتلان في خيليهما ودجالهما  
(طبری ج ۴ ص ۵۷)

پس حضرت علیؑ ایک ایک بہادر مرد کو حکم  
دیتے تھے اس کے ساتھ ایک جماعت نکلتی  
تھی۔ پھر حضرت معاویہؓ کی طرف سے بھی ایک  
ایک آدمی باجماعت نکلتا تھا تو یہ سوار اور  
پا پیادہ جنگ کرتے تھے۔

ماہ ناز شہید علیؑ اور آپ کا باڈی گارڈ شمر ذی الجوشن (قاتل حسینؑ) بھی حضرت علیؑ  
کی طرف سے لڑتا اور عربی کے اشعار پڑھتا تھا رطبری ج ۴ ص ۵۷، جن کا ترجمہ اردو شاعر نے  
یہ کیا ہے۔

علی میرا امام ہے اور میں علی کا غلام  
ان متفرق جھڑپوں میں مسلمان ایک دوسرے کے احترام میں تیزی نہ دکھاتے۔ پھر  
ایک دوسرے کے مقتولوں کی تجہیز و تکفین میں بھی رات کو شریک ہوتے تھے۔ سات ماہ اسی  
حالت میں گزر گئے تا آنکہ ایک رات حضرت علیؑ نے فیصد کن جنگ کی ٹھانی اور لیلۃ الجیر  
میں مشہور حملہ کیا۔ اور اتنی خوفناک جنگ ہوئی کہ بہت سے اراکین فوس کام آئے فانالہ وانا الیہ راجعون  
اس کے باوجود حضرت علیؑ کو حسب منشاء فتح نہ ہوئی۔ فاضل نور اللہ مجالس المؤمنین ص ۲۴ میں  
لکھتے ہیں۔

گر در صفین غفر نیافت او و حنین  
اگر حضرت علیؑ نے صفین میں فتح نہ پائی تو  
حنین پر بھی حنین میں فتح نہ پائی۔

واہنج رہے کہ جنگ جمل و صفین میں حضرت علیؑ کے بالمقابل حضرات نو صرف خون  
عثمانؓ کا بدلہ چاہتے تھے۔ اہل جمل کا نظریہ گزر چکا ہے حضرت معاویہؓ کا خط بھی آپ نے  
پڑھا۔ ایک اور آلہ ملاحظہ ہو۔

تمہارے صاحب (حضرت علیؑ) کی اطاعت  
ہم جائز نہیں سمجھتے کیونکہ اس نے ہمارے  
خلیفہ کا قتل کیا۔ ہماری جماعت کو تتر بتر

واما الطاعت لصاحبکم فانالا  
فواھا ان صاحبکم قتل خلیفتنا و فرقی  
جماعتنا و اودی ثلاثا و قتلتنا و صاحبکم



يَزْعَمُ أَنَّهُ لَمْ يَقْتُلْهُ فَتَحْنُ لَا نَرُدُّ  
ذَلِكَ عَلَيْهِ أَرَأَيْتُمْ قَتْلَةَ صَاحِبِنَا  
السُّتَمِّ تَعْلَمُونَ أَنَّهُمْ أَصْحَابُكُمْ  
فَيَدْفَعُوا إِلَيْنَا فَنَقْتُلُهُمْ بِهِ ثُمَّ نَحْنُ  
نَجِيبُكُمْ إِلَى الطَّاعَةِ وَالْجَمَاعَةِ -

(طبرسی ج ۵/۶۷)

کر دیا ہمارے قاتلوں اور حملہ آوروں کو  
پناہ دی۔ تمہارے بزرگ کا خیال ہے کہ اس نے  
حضرت عثمانؓ کو قتل نہیں کیا تو ہم اس کے  
منکر نہیں ہیں لیکن تباہ و توفیق نے حضرت  
عثمانؓ کے قاتلوں کو دیکھا کیا تم جانتے نہیں  
ہو کہ وہ تمہارے صاحب کے فوجی ہیں۔ وہ  
ہمارے سپرد کر دیئے جائیں تاکہ ہم ان کو قصاص  
اور جماعت میں شرکت کریں گے۔

صحابہ کرامؓ فرید الدیوبالہ، لغتی اور جہنمی کا فتویٰ لگانے والے شیعہ مترفع انکھیں  
کھول کر دیکھیں اور انصاف سے کہیں کیا حضرت معاویہؓ نے حضرت علیؓ کی اطاعت مشروط  
بالقصاص نہ کر دی۔ پھر بھی قصاص نہیں لیا گیا جبکہ نہج البلاغہ کی تصریح کے مطابق آپ  
قصاص لینا واجب جانتے تھے۔

قارئین کرام! کتب شیعہ و تاریخ کے حوالوں سے تمام حقائق آپ کے سامنے ہیں آپ  
خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ حضرات طالبین قصاص اپنے موقف میں کس قدر محذور اور درست  
تھے اور کس قدر غلطی پر تھے۔

یہی وہ تلخ حقائق ہیں جن کی بنا پر مشاہیر اصحاب کی بحث میں پڑنے سے علماء اہلسنت  
نے منع فرمایا ہے کیونکہ فریقین سے بدظنی پیدا ہوتی ہے۔ اگر ایک فریق مشکلات کی بنا پر محذور  
ہے تو دوسرے گروہ کو بھی ختم صحابیت اور حد شرعی کے تباہ کامطالبہ اور "اصلاحی اقدام"  
کرنے میں محذور جاننا چاہیے اور زبان طعن نہ کھولنی چاہیے۔ اہلسنت نے ان جنگوں کے  
اس اندرونی پس منظر کو جانتے ہوئے حضرت علی المرتضیٰؓ اور آپ کے مخلص ساتھیوں اور  
طالبین قصاص کے حق میں یہ منفقہ فیصلہ دیا کہ یہ غارتہ جنگیاں اجتہادی غلطی کا نتیجہ ہیں طرفین  
سے طلب صواب ہی میں یہ کام ہوا۔ نیت ہر ایک کی نیک تھی دونوں کے مقتول بھی جلتی ہیں۔  
اور طعن و تشنیع بھی کسی پر روا نہیں (کتب عقائد اہلسنت) کیونکہ خدائے علام الغیوب ان کا یہ



حال جاننے کے باوجود ان کو رضا و جنت کی سند قرآن میں دے چکا تھا تو آیت  
 تہم قتل کی زد میں صحابہؓ آتے ہی نہیں تفصیلی مواد کے لیے ملاحظہ ہو راقم کی کتاب عدالت  
 حضرات صحابہ کرامؓ باب پنجم، اگر اہل سنت کا یہ فیصلہ نہ ہوتا تو مسلمانوں کی عظیم اکثریت حضرت  
 علیؓ سے اسی طرح الگ بایں ہوتی جیسے خود ان کے عہد حکومت کے آخر میں سوائے صوبہ حجاز  
 اور کچھ عراق کے سبک حضرت معاویہؓ کی طرف دار ہو گئی تھی۔ (ازالۃ الخفاء)۔ کیونکہ شاذ و نادر  
 ہی کوئی گھریلو فیصلہ ایسا ہو گا جس کا کوئی آدمی ان جنگوں میں نہ مارا گیا ہو، طبری میں تصریح  
 ہے کہ حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ نے معاویہؓ کی درخواست پر مصالحت کر کے ان کی حیثیت مستقل طور پر تسلیم کر  
 لی تھی (گویا آخری عمل نے اول کو منسوخ کر دیا،

عن ابی اسحاق لما لم یعط احد  
 الفریقین صاحبہ الطباختہ کتب معاویۃ  
 الی علی اما اذا شئت فقلک العراق  
 ولی الشام وتکف السیف عن هذه  
 الامۃ ولا تنہرق دماء المسلمین  
 ففعل ذالک وتراضیا علی ذالک فاقام  
 معاویۃ بالشام مجنودہ یحببہا و ما حولہا  
 و علی بالعراق یحببہا ویقسمہا بین  
 جنودہ (طبری ج ۵ ص ۱۲۸)

محدث ابواسحاق کہتے ہیں جب فریقین میں سے  
 کوئی بھی دوسرے کا مطیع نہ ہوا تو معاویہؓ نے  
 حضرت علیؓ کو دکھا آپ چاہیں تو عراق پر  
 آپ حکومت کرتے رہیں۔ اور میں شام پر  
 حاکم ہوں۔ آپ اس امت پر تلوار چلانا چھوڑ  
 دیں اور مسلمانوں کا خون نہ بہائیں حضرت علیؓ  
 نے اسے مان لیا اور دونوں اس فیصلہ پر رضامند  
 ہو گئے حضرت معاویہؓ اپنے لشکر سمیت شام  
 میں حاکم رہے۔ وہاں کے محاصل جمع کرتے

اور حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ عراق میں محاصل جمع کرتے اور لشکر میں تقسیم کرتے تھے۔

بڑے درد سے یہ لفظ کہنے پڑتے ہیں کہ جب سیدنا حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ سربراہ  
 خلافت ہوئے تو صوبہ شام کے سوا سب متحکم و پائیدار مملکت اسلامیہ آپ کے زیرِ نگین آئی لیکن  
 آخری ایام میں مورخین کی تصریح کے مطابق کچھ عراق و حجاز کے علاوہ سب مملکت آپ کے  
 تصرف سے نکل کر حضرت معاویہؓ کے زیرِ نگین آ گئی۔ جیسے طبری کے حوالہ بالا سے بھی معلوم ہو  
 ہو چکا۔



## شیعہ پر حضرت علیؑ کی ناراضی

قدرت کی یہ نیزنگی بھی دیکھیے۔ آغاز خلافت میں جو لوگ آپ کے معتمد خاص اور شیعوہ علیؑ کے کلمائے اوران کی موجودگی میں طلحہ و زبر پر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حضرت علیؑ کے قدیم رفقاء کو بھی دربار علوی میں جگہ نہ مل سکی۔ اور جملہ وصفین کے خوئی محسروں میں انہوں نے ہیر و کا پارٹ ادا کیا۔ آج وہ حضرت علیؑ کے معنوب بد اعتماد اور عدا ر ثابت ہوئے اور آپ ان سے جان چھڑانے کے لیے موت کی آرزو کرتے تھے۔ شیعہ کے خاتم المحدثین سمجھتے ہیں۔

در احادیث معتبرہ وارد شدہ است کہ چوں علی از نافرمانی و نفاق و کفر و شقاق اصحاب خود دل تنگ شد و شکر معاویہ بر طرف و نواحی ملک آنحضرت عارت میاورد و تدواصی آنحضرت یاری اوئے نمودند بر منبر فرمودند خدا سو کند مے دارم کہ حق تبارائی مرا از میان شما بیرون برد و در ریاض رضوان جہاد حد پس فرمود خداوند امن از ایشان تنگ آمدہ ام و ایشان از من تنگ آمدہ اند۔ و من از ایشان ملال یافته ام و ایشان از من ملال یافته اند۔ خداوند مرا از ایشان راحت بخش و ایشان را مبتلا کن بجے کہ مرا بیاورند (جلال العیون ص ۱۸۲)

معتبر حدیثوں میں وارد ہے کہ جب حضرت علیؑ اپنے ساتھیوں کی نافرمانی، منافقت، کفر اور مخالفت سے تنگ دل ہو گئے اور معاویہؓ کا لشکر حضرت کے ملک پر یلغار کر رہا تھا اور حضرت کے ساتھی آپ کی مدد نہیں کر رہے تھے (خود مشکل کشا ہو کر غیروں سے طلب مدد؟ شیعہ کے لیے معجزہ ہے) تو آپ نے منبر پر فرمایا اللہ کی قسم کھا کر دے گا کرتا ہوں کہ خدا مجھے تم سے اٹھالے اور جنت کے باغوں میں جگہ دے... پھر فرمایا اے اللہ میں ان سے تنگ آگیا ہوں اور یہ مجھ سے تنگ آگئے ہیں۔ میں ان سے دل برداشتہ ہو گیا ہوں اور یہ مجھ سے دل برداشتہ ہیں۔ اے اللہ مجھے ان سے وفات دے کر

آرام بخش اور ان کو ایسے شخص سے مبتلا کر کہ مجھے یاد کریں (قبول شیعہ عمدہ معاویہؓ میں شیعہ پر سختی کی وجہ دعائے مرتضوی ہی ہے م)

نبی البلاغہ۔ فروع کافی روضہ کافی وغیرہ کے جو خطبات ان شیعہ علیؑ کی مذمت اور غداری و نفاق پر آپ نے دیئے ہیں یہاں ان کی تفصیل کا موقعہ نہیں۔ صرف اتنا اشارہ کافی



ہے کہ اور تو اور اشتراک تھی جیسے خاص مصاحب علومی کے متعلق بھی خود علماء شیعہ نے اتفاق و  
 تردد کا اظہار کیا ہے حالانکہ بروایت صاحب مجالس المومنین حضرت علیؑ نے فرمایا۔ اشتراک کو مجھ  
 سے وہی نسبت ہے جو مجھے حضورؐ سے تھی۔ شومتری صاحب کہتے ہیں۔ "اشتراک کے ان اوصاف و  
 کمالات کے باوجود سید عارف میر خستوم قدس سرہ نے اشتراک کے متعلق تردد (اتفاق) اور تردد لزل  
 کی نسبت کی ہے..... وہ شخص بڑا کمینہ ہے جو امتحان و آزمائش کے وقت ثابت قدم نہ رہے۔  
 حضرت شاہ اولیا سے ان کی زندگی میں اس قدر خوارق باتیں اور ظاہری زندگی کے کاموں  
 میں کمزوری ظاہر ہوئی کہ آپ کے تمام دوستوں کے قدم ڈگمگائے حتیٰ کہ مالک اشتراک بھی بجز حضرت  
 سلمان فارسیؑ کے جو آپ کے فرزند روحانی اور یکے از اسماء جستی تھے اور جو لوگ ولایت خاصہ  
 کا دودھ نہیں پیتے وہ اتفاق (ارتداد سے) محفوظ نہیں رہتے۔ (مجالس المومنین ص ۲۸۹) بیچ الہدایہ  
 کے ایک خطبہ کے موافق آپ چاہتے تھے کہ اپنے دس دس فوجی دے کر معاویہؓ سے ایک ایک فوجی  
 کا سودا کر لیں کیونکہ اس کے فوجی اور عمال وفادار و منظم تھے۔ اور حضرت کے بے وفاء و نالائق  
 تھے۔ (و خود فی البدایہ)

کہا جاتا ہے کہ معاویہؓ نے ان پر عطایا کی بارش کی ہوئی تھی۔ لہذا وہ دولت کے لیے اتنے  
 وفادار تھے۔ مگر دولت کی عطامیں حضرت علیؑ نے معاویہؓ سے کم فیاض تو نہ تھے۔ پانچ پانچ صد  
 درہم انعام پر صفین کے شرکاء بھرتی ہوئے تھے۔ نصر بن مزاحم نے وقفہ صفین میں ایک لطیفہ لکھا  
 ہے کہ حضرت علیؑ کی فوج میں سے ایک شخص بھاگ گیا تو اس کی لڑکی نے چپا یا بابت ابن  
 الخمسمائۃ۔ ابا! ۵۰۰ روپیہ کہاں ہے؟ کہنے لگا میں تو بھاگ آیا ہوں وہ ثابت قدموں کے  
 لیے ہے۔

تعجب ہے کہ شیعہ کے خیال میں معاویہؓ کے پاس صرف دنیا تھی۔ مگر وہ وفاداری اور  
 اطاعت میں ضرب المثل تھے۔ حضرت علیؑ کے پاس دنیا و آخرت دونوں تھیں مگر وہ غدار  
 کرتے تھے۔ شاید اس کی وجہ یہی نہ ہو کہ صحابہ رسولؐ پر طعن و بدگمانی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان  
 بلوائیوں سے وفا۔ اطاعت اور ایمان و اخلاص کی دولت چھین لی تھی۔  
 ایک شاعر کا ازالہ | ممکن ہے شاید آپ کہیں کہ پھر حضرت علیؑ کی خلافت راشدہ کیسی تھی۔



یا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ میں خلافت و حکومت کی صلاحیت کم تھی؟ مگر یہ رائے سطحی اور قلت تدبیر کا نتیجہ ہے۔ گو حضرت شاہ ولی اللہ جیسے محققین کی نظر میں خلافت کے دو درجے ہیں۔ خلافت خاصہ اور خلافت عامہ۔ خلافت خاصہ تو حضرت عثمانؓ پر ختم ہو گئی جس میں خلفاء کے مثالی اوصاف کے ساتھ مملکت میں نہایت امن و استحکام تھا۔ مگر خلافت عامہ حضرت علیؓ پر ختم ہوئی جس میں خلیفہ کے مثالی اوصاف کے باوجود ملک کا نظم و نسق خلل پذیر ہو گیا تھا لیکن درحقیقت حضرت علیؓ بہت معذور تھے۔ ان منافقین کے جھرمٹ میں پھنسے رہنے کے باوجود جس طرح حضرت علیؓ نے خلافت کے وقار کو سنبھالا اور کانٹوں کے درمیان اس گل تر کی حفاظت کی وہ آپ کی کمال لیاقت اور تدبیر کی دلیل ہے۔ اگر ان کی جگہ کوئی ایسا شخص خلیفہ ہوتا جو اہلیت میں ان سے کم ہوتا تو یقیناً مدینہ کی طرح مملکت اسلامیہ سے بھی خلافت کا خاتمہ ہو جاتا اور اس کی جگہ سبائیوں کی فاسق اور گمراہ حکومت قائم ہو جاتی۔ سبائیوں کے پیدا کردہ حالات میں جتنا کام آپ نے کیا اور جس حد تک انہوں نے مفسد گروہ کے شر سے امت کو محفوظ رکھا اس سے زائد کا تصور نہیں ہو سکتا۔ بلاشبہ آپ کا یہ بڑا کارنامہ ہے۔ باقی یہ بات صحیح ہے کہ جس طرح فضیلت عند اللہ کے اعتبار سے ان کے پیش رو خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کا مرتبہ ان سے بلند ہے۔ اس طرح تدبیر مملکت کی حیثیت سے بھی وہ حضرات حضرت علیؓ سے بلند و برتر نظر آتے ہیں۔ (از افادات مولانا سندیلوی شیخ الحدیث بکھنڈ)

**عہد مرتضوی پر ایک نظر** | مولانا شاہ عین الدین ندوی تاریخ اسلام میں لکھتے ہیں: "تجیری کاموں کے لحاظ سے آپ کا عہد آپ کے پیشروں کے مقابلہ میں کام رہا اور یہ ان حالات کا لازمی نتیجہ تھا جن میں آپ کو منصب خلافت ملا تھا اور جو بعد میں پیش آتے رہے۔ ایسے مخالف حالات میں بڑے سے بڑا مدبر فریادہ و ابھی مشکل سے عہدہ برآ ہو سکتا تھا اور جس حد تک بھی آپ نے ان کا مقابلہ کیا وہ بھی کسی دوسرے فریادہ و اسے ممکن نہ تھا۔ پھر علل و اسباب کے تجزیہ میں مشکلات کا حضرت ابو بکرؓ کے دور سے موازنہ کرتے ہوئے موصوف لکھتے ہیں۔

"عہد رسالت کے بعد سے اسلامی روح مضاعف ہو چکی تھی۔ بہت سے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم



خلافت کے رکن اعظم تھے۔ اٹھ چکے تھے اور ان کی جگہ نئی پودے رہی تھی جس میں اپنے اسلاف کا سا اخلاص اور سچی جوش و ولولہ تھا۔ ان کے اغراض بالکل مختلف تھے۔ متعذر اکابر صحابہؓ کو حالات نے حضرت علیؓ سے جدا کر دیا تھا۔ حضرت طلحہؓ و زبیرؓ جو عشرہ مبشرہ میں تھے آپ سے الگ ہو گئے۔ حضرت علیؓ کے ساتھ جو بزرگوار تھے ان کا دین و تقویٰ مسلم لیکن ان میں بہت کم صاحبِ تدبیر و سیاست تھے۔ پھر اپنے ضمیر کی آواز کے مقابلہ میں حضرت علیؓ صاحبِ تدبیر و سیاست بزرگوں کا مشورہ نیک نہ قبول کرتے تھے۔ منیر بن شعبہؓ اور حضرت عبداللہ عباسؓ نے آپ کو آغاز خلافت میں مشورہ دیا کہ بغیر سبقت لیے امیر معاویہؓ کو معزول نہ کیجئے ورنہ وہ آپ کے خلاف ایک فتنہ کھڑا کر دیں گے لیکن آپ نے قبول نہ فرمایا جس کا نتیجہ جنگِ صفین کی صورت میں ظاہر ہوا۔ قیس بن سعدؓ جسے مدبر کو محض نوجوانوں کے ورغلانے سے مہر سے ہٹا دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مصر ہاتھوں سے نکل گیا۔ تمام عثمانی عمال کو معزول کر کے اپنے خلاف بنا لیا۔ آپ کے حاشیہ نشینوں اور مشیروں میں صحابہؓ کے ساتھ نوجوان مسلح جدید الاسلام عرب اور نو مسلم بھی بھی تھے۔ جن کے دلوں میں اسلام کے لیے کوئی تڑپ نہ تھی بلکہ وہ صرف اپنی غرض کے لیے ساتھ تھے۔

آپ میں نہ حضرت ابوبکرؓ جیسا تحمل اور تواضع تھا جو مخالفین کو بھی اپنا بنالینا تھا اور نہ حضرت عمرؓ جیسا دبدبہ و شکوہ تھا جس سے بڑے بڑے لوگ ٹھراتے تھے۔ حضرت عمرؓ جب امیر معاویہؓ کو طلب کرتے تھے تو ان پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا لیکن وہی امیر معاویہؓ آپ کے خلاف اٹھ کر ایک انقلابِ عظیم برپا کر دیتے ہیں۔ آپ میں خود اعتمادی بہت تھی جو رائے قائم کر لیتے تھے پھر اس میں کسی کا مشورہ نہ قبول فرماتے تھے جس سے بعض اوقات نقصان اٹھانا پڑتا تھا۔ ان سب سے زیادہ آپ کو ناکام رکھنے والے وہ نو مسلم عجمی تھے جو محبتِ اہل بیت کی آڑ میں مسلمانوں سے اپنی قومی تباہی کا انتقام لینا چاہتے تھے جنہیں حضرت علیؓ کیا اسلام سے بھی کوئی بھدردی نہ تھی۔ بہت سے جدید الاسلام عرب بھی اپنی غرض کے لیے آپ کے ساتھ ہو گئے تھے۔ انہی لوگوں نے اہل بیت اور غیر اہل بیت کا سوال پیدا کر کے مسلمانوں کے اتحاد و یکجہتی کا خاتمہ کیا۔ حضرت عثمانؓ کو شہید کر کے خانہ جنگی کا دروازہ کھولا۔ پھر حضرت علیؓ کی لاعلمی میں آپ کے ساتھ ہو کر اختلاف کی آگ بھڑکائی اگر بہ عنصر نہ ہوتا تو جمل و صفین کے واقعات پیش



..... نہ آتے

ضمیر کے فیصلہ کے مقابلہ میں آپ مصلحت اندیشی کو بالکل راہ نہ دیتے تھے گو یہ صداقت کا اثر اور جہ ہے اور اگر ان دونوں میں تصادم نہ ہو تو ایک فرمانروا کے لیے مصلحت وقت کا لحاظ ضروری ہے لیکن آپ پر دل کے جذبات کی سچائی کا اتنا غلبہ تھا کہ اس کے مقابلہ میں مصلحت وقت کو نظر انداز فرما دیتے تھے۔ مثلاً عمالان عثمانی کی معزولی خصوصاً حضرت امیر معاویہ رضی کی برطرفی مصلحت کے بالکل خلاف تھی لیکن آپ نے سخت تشین ہونے کے ساتھ یک قلم تمام عثمانی عمال کو معزول کر دیا جو کل آپ کے خلاف ہو گئے۔ آپ جس تقویٰ و بنداری اور عدل کی تھ حکومت کرنا چاہتے تھے حالات کے تغیر سے لوگوں میں اس کے قبول کرنے کی صلاحیت باقی نہ رہ گئی تھی۔

ایران کے شدید حقوقی مجاہد و منہیہ نے فی ظلالِ نبیج البلاغۃؐ براہِ راست اپر علی و الخلفۃؑ کے عنوان سے لکھا ہے۔ امام کی سبیت خلافتِ نبویؐ الحزبِ ۱۳ھ میں ہوئی اور رمضان ۱۳ھ میں شہادتِ یاسیٰ خلافتِ پانچ سالہ ہی۔ چار ماہ بعد اصحابِ محل سے جنگ کی پھر صفین میں معاویہؓ اور اہلِ شام سے جنگ کی پھر نہروان میں خوارج سے لڑے تو کیا فضا و جہت گئی؟ حضرت علیؑ کے مسائل سلجھ سکے اور ان (عظیم) جنگوں کے بعد ہر مشکل ختم ہو گئی؟ ہر گز نہیں۔ بلکہ اس کے بعد خونخوار درکڑ و امرِ حملہ پیش آیا کہ خوارج و غیرہ حق سے خوفین لوگوں کے اندر رونی حملے علیؑ لاء اعلان تھے جو یہ دوسے امن کو تہ و بالا کرتے تھے معاویہؓ باہر سے حملہ آور تھا۔ ہلاکتِ موت۔ گھبراہٹ اور بزدلی لگانا بھی حضرت کا، لشکرِ سست کم بہت اور ناکام ہو چکا تھا آپ کے ساتھی کہتے تھے ہم نے سنا اور نافرمانی کی۔ علیؑ بنی اسرائیل کہتے تھے۔ خوبیاں صرف اللہ اور اس کے کلام کی ہیں (یہ اہلِ طبع بیروت

شبکہ حضرات اپنے ممدوح اعظم کے متعلق جیسا کچھ کہیں یہیں اس سے بحث نہیں بہم البتہ  
کو بہر حال حضرت علیؓ کی عظیم و تعظیم میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کرنا چاہیے۔ کیونکہ وہ چہارم  
خلیفہ راشد عادل تھے۔ شبکہ رافضی اگر ان کو خدا و رسولؐ کی صفات میں شریک کر کے غالی محب  
و گمراہ ہیں۔ خارجی ان کے ایمان و اعمال صالحہ کی نفی کر کے مورد لعن ہیں۔ تو میں کل الوجوہ  
آپ کی ناکامی اور خلیفہ راشد نہ ہونے پر یہ ویسٹنڈہ کرنے والے سنی نما نا صبی مؤلفین بھی راہ  
راست پر نہیں ہیں جبکہ آپ کی خلافت کی درستی پر اجماع امت ہے اور مندرجہ ذیل علما نے



اس پر شافی بحثیں کی ہیں۔ علامہ نووی۔ ابن ہمام امام غزالی حضرت عبدالقادر جیلانی۔ ابن تیمیہ۔ علامہ سیوطی۔ حضرت شاہ ولی اللہ ازالۃ الخفاء ص ۳۳ پر لکھتے ہیں اثبات خلافت عامہ برائے خلفاء اربعہ از اجل بدیہا است۔

مقام کی مناسبت سے خلافت مرقضوی کا ذکر خیر سوا مگر حضرت امیر معاویہؓ کو شرعی باغی اور مطعون قرار دینا درست نہیں۔ گوشہ گوگ حضرت معاویہؓ اور اہل جبل و صفین کو نشانہ طعن بناتے رہتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ ان کو بدستور اختیار قصاص عثمانؓ میں حسن نیت کی بدولت کامیابی دے رہے ہیں اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا یہ اندیشہ صحیح ثابت ہو کر رہا کہ حضرت معاویہؓ پوری ملت اسلامیہ کے ایک دن حلیفہ بن جائیں گے کیونکہ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لَوْلِيَّتِهِ سُلْطٰنًا فَلَا يُمْسِكُ فِي الْقَتْلِ اِنَّهٗ كَانَ مَنصُورًا رَہا ہوا  
جو ظلماً قتل کیا جائے اس کے وارث کو ہم قوت بخشے ہیں۔ پس وہ قتل میں حد سے نہ گزرے بلاشبہ منجانب اللہ اس کی مدد ہوگی۔

حضرت علیؓ کا قطعی فیصلہ  
شہداء اور شہداء اہل و صفین کے متعلق مختصر کو قاضی امت حضرت علیؓ کے اس قطعی فیصلہ پر ایمان لا کر اپنے کفر سے توبہ کر لینی چاہیے جسے آپؓ نے گشتی مرسلہ کے طور پر پوری مملکت میں پھیلا دیا۔

ومن کتاب له عليه السلام كتبه الى الامصار يقص فيه ما جرى بينه وبين اهل صفين وكان بدوا من اهل التقيت والقوم من اهل الشام والظاهرين ان ربنا واحد ونبينا واحد ودعوتنا في الاسلام واحدة ولا نستزيد هم في الايمان بالله والتصديق برسوله ولا يستزيد وتنا الامر واحد الاما ختلفنا فيه من دم عثمان ونحن نبوا  
آپ کا ایک خط یہ بھی ہے جو آپؓ نے گشتی مرسلہ کے طور پر پوری مملکت میں پھیلا دیا اور اس میں جنگ صفین کی روایت بیان کی ہے کہ ہماری اور شامیوں کی جنگ ہو گئی اور ظاہر ہے کہ ہمارا رب ایک ہے اور ہمارا پیغمبر ایک ہے۔ ہماری اسلام میں دعوت ایک ہے ہم ان سے خدا و رسول پر ایمان میں اضافہ نہیں چاہتے اور نہ ہم سے یہ اضافہ چاہتے ہیں۔ مذہب و عقیدہ میں سب اتفاق ہے بجز اس کے کہ دم عثمانؓ میں ہمارا اختلاف ہو گیا۔ اور ہم اس الزام سے

سے خلافت اربعہ (رشدین) کے لیے خلافت عامہ کا ثبوت بالکل واضح ترین بات ہے۔



پاک ہیں

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس فرمان نے حضرت معاویہؓ اور اہل شام کو برحق اور کامل مومن بنا دیا اور اختلاف کی وجہ بھی تباہی کہ وہ قصاص عثمانؓ ہے کہ خلافت علوی کا انکار اور اپنے لیے دعویٰ خلافت۔ اس فیصلہ کا منکر منکر علیؓ ہے اور منکر علیؓ شیعہ کے ہاں جہنمی ہے۔ اب بتلایئے جب اہل شام مومن کامل ہوئے تو ان کے قاتل پر کیا فتویٰ ہوگا۔ مختصر صاحب فتویٰ تو صلی بکرامؐ پر لگانا چاہتے ہیں مگر اپنے ممدوح سمیت خود اس کی زد میں آگئے۔ لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا۔

ہمارے نزدیک قرآنی آیت اور اس کا فتویٰ جماعت صحابہ کرامؓ پر نہیں لگ سکتا۔ جیسے عنقریب سوال کے تحت مفصل آئے گا۔

سوال ۱۲۔ کلام مجید شریف ہے وَمَنْ حَوَّلَكُمْ مِنَ الْأَعْرَابِ مُنْفِقُونَ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مَرَدُّوَاعِلَى الْفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ تَحْنُ نَعْلَمُهُمْ سَنُعَذِّبُهُمْ مَذْنِيبٍ نَجْزِيهِمْ وَإِلَىٰ عَذَابٍ عَظِيمٍ (نور ۱۲)

اور ان لوگوں سے کہ گرد تمہارے ہیں بلادِ مشرقوں سے منافق ہیں اور بعض لوگ مدینہ کے بھی سرکشی کرتے ہیں اور پرفاق کے۔ تو نہیں جانتا ان کو ہم جانتے ہیں ان کو تشبیب عذاب کریں گے ہم ان کو۔ پھر پھر یہ جاویں گے طرف عذاب بڑے کے۔ (ترجمہ شاہ رفیع الدین صاحب) اس آیت کریمہ سے ثابت ہے کہ مدینہ منورہ میں بھی رسول خدا کے زمانے میں منافق رہا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ تاریخ سے بھی ثابت ہے کہ مدینہ الرسولؐ میں کثرت سے منافق رہا کرتے تھے۔ انتقالِ مصطفیٰؐ کے بعد مسلمانوں کی دو پارٹیاں معرضِ وجود میں آئیں ایک حکومت کی اور دوسری بنی ہاشم کی پارٹی۔ ارشاد فرمائیں کہ منافقین کس پارٹی میں شامل ہو گئے تھے۔ جو لوگ رسول اللہؐ کے زمانے میں منافق تھے انتقالِ رسولؐ کے بعد ان منافقین کو کیا آسمان نے اٹھالیا یا انہیں زمین بکھل گئی۔ یا تمام منافقین حکومت سے تعاون کرتے ہی فرشتے اور مومن بن گئے۔ ان منافقین کی نشان دہی تو کر کہ وہ کہاں غائب ہو گئے جبکہ تاریخ شاہد ہے ان دو پارٹیوں کے علاوہ کوئی تیسری پارٹی ہی ذمہ داری تحقیق ضروری ہے۔



الجواب۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ عہد نبوی میں بالعموم یہودیوں سے منافق ضرور تھے۔ مگر مسلمانوں کی مجموعی تعداد کے مقابلے میں وہ ایک فیصد بھی نہ تھے۔ غزوہ بدر کے وقت ۳۱۳۔ احد ۳۷ کے وقت ۷۰۰۔ غزوہ خندق کے موقع پر تقریباً ۳۰۰ صحابہ کرامؓ تھے۔ صلح حدیبیہ کے سفر میں ۱۵۰۰ یا ۱۸۰۰ کا نہایت ہی پاکیزہ لشکر تھا۔ جن کو سبیت رضوان کا شرف حاصل ہوا اور بالاتفاق سنی شیعہ روایات یہ حضرات قطعی و زرخ سے نجات یافتہ اور جنتی ہیں فتح مکہ کے موقع پر دس ہزار کا لشکر مدینہ سے آیا تھا۔ پھر اہل مکہ اور دیگر اہل عرب یٰۤاٰ خَلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَقْوَا جَا کَا مَصْدَاق۔ فوجوں کی فوجیں مسلمان ہوتے گئے۔ غزوہ تبوک میں ۳۰،۰۰۰ یا ستر ہزار صحابہؓ تھے اور حجتہ الوداع میں ایک لاکھ سے بھی نہ اُٹھتے۔ قاضی نور اللہ مجالس المؤمنین میں لکھتے ہیں۔

صاحب روضۃ الصفا اور صاحب روضۃ المحقق (شیعہ محقق) صاحب روضۃ الصفا لکھتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ کی معین تعداد معلوم نہیں لیکن بعض غزوات اور سفروں میں ان کی تعداد کا ذکر ملتا ہے۔ جیسے تبوک اور حجتہ الوداع۔ تبوک میں علیؓ اختلاف الروایات ۳۰ ہزار یا ۳۵ ہزار یا ۴۰ ہزار تھے اور حجتہ الوداع میں ایک لاکھ سے زیادہ حضورؐ کے متبع صحابہؓ تھے۔ روضۃ الصفا علیہ وسلم بودند (مجالس المؤمنین ص ۱۵۳) آلہ و اصحابہ وسلم

اس کے برعکس مشہور منافقین میں عبداللہ بن ابی۔ جہد بن قیس۔ و لیہ بن ثابت۔ خدام بن خالد۔ ثلبہ بن حاطب مدنی (غیر بدری و مہاجر) مجمع وزید حارثہ کے بیٹے۔ مقب بن قیس۔ عباد بن ازہر۔ قنبل بن حارث۔ یحییٰ بن عثمان (تفسیر خازن پ ۲۶۵) وغیرہم کے نام ملتے ہیں۔ یہ سب ضرر کے بانی تھے۔ عدد کے لحاظ سے بعض روایات میں ۳۰۰ بعض میں کم و بیش بہر صورت چند صد سے متجا وز نہ تھے۔ گو یا وہ مسلمانوں کی بہ نسبت ایک دو فیصد بھی نہ نکلے۔ وہ باوجود دشمنی ذہن رکھنے کے مسلمانوں کو نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے۔ سازشوں کا وبال خود انہی پر پڑتا تھا۔



منافقوں کے متعلق ارشاد ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَاصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَشَاقُّوا الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَىٰ لَنْ يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا وَسَيُجِطُّ أَعْمَالُهُمْ (محمدؐ ۲۱)

اور وہ ان کے اعمال بہت جلد اکارت کرے گا۔

بے شک جو لوگ کافر ہو گئے اور انہوں نے لوگوں کو راہِ خدا سے باز رکھا اور بعد اس کے کہ ہدایت ان پر کھل چکی تھی۔ انہوں نے رسولؐ کی نافرمانی کی۔ وہ اللہ کا ہرگز کچھ نہ بگاڑیں گے

شیعہ خیال کے برعکس منافقوں کے عزائم کو کامیاب بنانے کے بجائے اللہ تعالیٰ نے جگہ جگہ ان کی تحقیق و تمہیل کی۔

۱۔ حالانکہ حقیقی عزت (علیہ) اللہ کی ہے۔ اور اس کے رسولؐ کی اور مومنین کی لیکن منافق

۱۔ وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِكُلِّ شَيْءٍ قُدْرَةٌ وَلِلَّهِ الْغَنِيُّ وَلِلَّهِ الْمُنْفِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ (آنا بھی نہیں جانتے۔

۲۔ خدا ان کو غارت کرے کہ ہر یکے جاتے ہیں۔

۲۔ قَتَلَهُمُ اللَّهُ أَلَمْ يَكُنْ يَوْمَهُمْ

۳۔ اب اس کا ان کے دلوں پر چھاپ لگا دیا گیا

۳۔ فَطَبَعَ عَلَى قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا

تو وہ کچھ بھی نہیں سمجھتے۔

يَفْقَهُونَ۔

منافقوں کی تحقیق اور ناکامی کے متعلق مثنیٰ نمونہ از نور ولسیہ یہ اس لیے پیش کی ہیں تاکہ شیعہ کے اس خیال کا بطلان واضح ہو جائے کہ ”صحابہ کرامؓ رہا سوائے چند، الیاذ باللہ منافق اور دشمن علیؓ تھے۔ وہ دن بدن اس پالیسی اور مخالفتِ رسولؐ میں بڑھتے اور کامیاب ہوتے گئے جتنی کہ حضورؐ ان کی سازشوں کی وجہ سے استخلافِ علوی میں کامیاب نہ ہو سکے اور بے پروا رخصت ہوئے (ملاحظہ ہو جلاء العیون ص ۳۹) بعد وفات تو حضرت علیؓ مقہور اور صحابہؓ غالب اور خلافتِ راشدہ کے بانی تھے۔“ کیونکہ خدا اور رسولؐ کے بالمقابل کسی کا مکر نہیں چلتا۔ گویا یہ آیات آج شیعہ پر منطبق ہوتی ہیں۔

مستترض صحابہؓ دشمنی کی وجہ سے قرآن پاک میں غور و فکر کی نعمت سے محروم ہے۔ ورنہ خود اس کی پیش کردہ آیت میں اس اعتراض کا جواب موجود ہے۔



وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مَرَدُّوا  
عَلَى النِّفَاقِ لَا يَعْلَمُهُمْ عَنَّا نَعْلَمُهُمْ  
سَنُعَذِّبُهُمْ مَرَّةً تَبَيَّنَ لَكُمْ يَوْمَ تَكُونُ إِلَى  
عَذَابٍ عَظِيمٍ - رپ ۲۶  
لوٹائے جائیں گے۔

اور بعض اہل مدینہ میں سے (بھی) نفاق پر اڑے  
ہوئے ہیں۔ اسے رسولؐ تم ان کو نہیں جانتے ہم  
ان کو خوب جانتے ہیں۔ عمنقریب ہم ان کو دہرا  
عذاب دیں گے پھر وہ بڑے عذاب کی طرف

بڑے عذاب سے مراد بعد از موت قبرا و حشر کا عذاب مراد ہے۔ اس سے قبل ان کو جلد ہی  
زندگی میں جو دہرا عذاب خدا ان کو دے گا۔ کیا وہ آسمان پر اٹھا لینے یا زمین میں دھنسا دینے  
کے لیے کافی نہیں؟

منافقین حضورؐ کے زمانہ میں ہی اپنے عزائم میں ناکام اور مقتول و مردود ہوئے اور کچھ  
بعد وفات نیست و نابود کر دیئے گئے۔ اس پر ارشادات ربانی ملاحظہ ہوں۔ (اس بحث میں تمام  
آیات کا ترجمہ مقبول دہلوی کا ہے)

۱۔ قُلْ لَنْ يَنْفَعَكُمْ الْفَدَاءُ إِن فَدَّكُمْ  
مِنَ الْمَوْتِ أَوِ الْقَتْلِ وَإِذْ لَا تُنْتَعُونَ  
إِلَّا قَلِيلًا راحزب

تم یہ کہہ دو کہ اگر تم موت یا قتل سے بھاگتے ہو  
تو بھاگنا تم کو ہرگز نفع نہ پہنچائے گا اور اس  
صورت میں تم کو فائدہ حیات بھی کم دیا جائیگا۔

۲۔ لَنُغَيِّرَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُونَكَ  
فِيهَا إِلَّا قَلِيلًا مَلْعُونِينَ أَيْمَاتُ تَقْفُوا  
أَخَذُوا وَقَتْلُوا تَقْتِيلًا راحزب ۸۶

تو ہم ضرور تم کو ان کے درپے کر دیں گے پھر  
اس شہر میں تمہارے پڑوس میں نہ رہیں گے۔  
مگر بہت ہی کم اور ہر طرف سے ان پر لعنت

ہوتی رہے گی۔ وہ جہاں کہیں پائے جائیں گے پکڑے جائیں گے اور ایسے قتل کیے جائیں گے جیسے  
قتل کیے جانے کا حق ہے۔

اور منافق مردوں اور منافق عورتوں کو  
اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو  
جو اللہ کی نسبت برے (برے) گمان کیا کرتے  
ہیں خوب سزا دے ان کی بدیوں کا پھر ان ہی

۳۔ وَيُعَذِّبُ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتِ  
وَالْمُشْرِكِينَ وَالْمُشْرِكَاتِ الظَّالِمِينَ  
بِاللَّهِ ظَنَّ السَّوْءَ عَلَيْهِمْ ذَاتُ السَّوْءِ  
وَعَصَبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَأَعَدَّ لَهُمْ



جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا (فقہ ۱۶) پر پڑے گا اور اللہ ان پر غضبناک ہوگا اور ان پر لعنت کرے گا اور ان کے لیے جہنم تیار کر رکھا ہے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔

جہنم کا برا ٹھکانا تو آخری سزا ہے۔ لیکن غضب خداوندی اور لعنت توحیات دنیا میں سے ہی ان پر شروع ہو گئی۔ حضور نے حکم قرآنی **وَاعْلَظْ عَلَيْهِمْ** کی تعمیل میں ان پر سختی کی مخلوقوں سے نکالاجہ کے اجتماع میں ایک مرتبہ ۳۶ آدمیوں کو نام بنام الگ کیا۔ وہ مسلم منافقہ میں علانیہ رسوا اور ذلیل ہوئے اور ذلت کی موت سے بلا جنازہ زیر زمین ہوتے گئے۔ حتیٰ کہ بقایا عہد صدیقی میں کھلے ارتداد۔ انکار زکوٰۃ اور جھوٹے مقبیلوں کی اتباع کی وجہ سے مقتول و ملعون ہوئے۔

”گلے از گلزارے“ کے تحت ان آیات کریمہ سے معلوم ہوا **منافق مخدول و مردود ہوئے** کہ منافقوں کو اللہ نے دنیا میں شتاب دوسرا عذاب دیا۔ ان کا رشتہ جیات ختم کر دیا گیا۔ وہ جبرہ مولیٰ عرصہ کے مسلمانوں کے آس پاس رہ ہی نہ سکے۔ بایں صورت بھی ان پر لعنت و پھٹکار پڑتی رہی۔ وہ جہاں پائے گئے پکڑے گئے۔ کما حقہ قتل و غارت سے برباد ہوئے۔ مشرکین کی طرح اللہ نے منافقوں کو دنیا میں عذاب دیا۔ سازشوں کا وبال خود ان پر ہی پڑا اور وہ خدا کے غضب و لعنت کے شکنجے میں گرفتار ہوئے جہنم کا آخری عذاب اس پر مستزاد ہوگا۔

بعض صحابہؓ کی وجہ سے بھارت قرآنی سے محروم معترض بصیرت قلبی سے غور کریں کہ قرآن پاک نے منافقوں کی نشاندہی میں کوئی دقیقہ باقی چھوڑا؟ اور کیا ان کو آسمان کا اٹھانا اور زمین کا نکلنا قرآن نے بیان نہ کر دیا؟

معلوم ہوا کہ بموجب قرآن حکیم منافق حضورؐ کے زمانہ میں ہی ختم ہو گئے اور کچھ وفات نبوی کے بعد کھلے مرتد ہو کر مقتول و مردود ہوئے۔ منظم جماعت کی شکل میں ان کا وجود باقی ہی نہ رہا کہ وہ علی الاعلان اسلام کی مخالفت کرتے یا بقول شیوہ مرتضیٰ و دشمنی ان کے قول و عمل سے ٹپکتی یا وہ منافقانہ اسلامی حکومت میں ملکر اپنا اثر پھیلاتے کیونکہ ایسا ناممکن تھا۔ قرآن حکیم کی حکم کھلا نکذیب لازم آتی۔ لہذا گنتی کے چند افراد نامعلوم طور پر ۹ حصے دین تقیہ پر عمل کر کے



رہتے ہوں گے۔ مرنے پر صاحب السر حضرت حذیفہ بن الیمان ان کی نشاندہی کر دیتے تو ان کا جنازہ بھی نہ پڑھا جاتا۔ حضرت عمر فاروقؓ مزید سختی کرتے (البدایہ والنہایہ زاد المعاد وغیرہ) رہا یہ کہ یہ کیا تمام منافقین حکومت سے تعاون کرتے ہی فرشتے اور مومن بن گئے، تو گزارش یہ ہے کہ مندرجہ ذیل آیت کی روشنی میں امکان ضرور ہے کہ بکے کچھے منافقین میں سے کچھ افراد غلط تائب و مومن ہو گئے ہوں۔

وَلْيَعَذِّبِ الْمُنَافِقِينَ إِنَّ شَأْنَهُمْ  
أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا  
ذَرِجًا (احزاب ۶۷)

اور منافقوں کو اگر چاہے تو عذاب دے یا  
ان کی توبہ قبول کر لے بے شک اللہ بڑا بخشنے  
والا اور رحم کرنے والا ہے۔

اگر شبیہ بھال کو یہ سمجھ لے کہ قرآنی الفاظ میں ہی رسی آسمان کی طرف لٹکا کر گلے میں پھندا ڈال لے، شاید اس کا غیظ و غضب اس تدبیر سے ختم ہو جائے (حجج ۲)۔  
بنو ہاشم کو وفات نبویؐ کے بعد حکومت کے مقابل ایک پارٹی کہنا صریح جھوٹ ہے۔  
طبری کی مسودہ روایت کے پیش نظر جب بنو ہاشم کے سردار حضرت علی المرتضیٰؑ نے بھی بیعت کر لی  
تو سب بنو ہاشم نے بھی کر لی۔ بنو ہاشم سمیت سب امت کا حضرت ابوبکرؓ پر اتفاق اور ان کی  
بیعت۔ سوال ۲ کے جواب میں یا تو الگ گزر چکی ہے۔ ہاں شبیہ کا یہ خیال ہے کہ سب امت میں سے  
حضرت علیؑ، ابوذرؓ، مقدادؓ، اور سلمان و عمار رضی اللہ عنہم نے تقیہ کر کے بغیر رضا حضرت  
ابوبکرؓ کی بیعت کر لی تھی (ملاحظہ ہو رد و حذہ کافی ص ۱۱۵)۔ احتجاج طبری ص ۲۸۷۔ اصول کافی ص ۲۲۶  
رجال کشی، مگر بیعت تو سب نے کر لی۔ بنو ہاشم بھی سستی اور الگ نہ رہے اور سوائے مشتر  
معارض کے کسی نتیجہ کی یہ تصریح (کہ بنو ہاشم حکومت سے الگ پارٹی تھی) میرے ناقص مطالعہ سے  
نہیں گزری۔ بلکہ متعصب مجتہد فاضل نور اللہ شوستری نے کئی جگہ لکھا ہے۔

حضرت امیر و سائر بنی ہاشم از روئے  
اکراہ با بنی بکر و بظاہر بیعت کردند  
کہ حضرت علیؑ اور سب بنو ہاشم نے مجبوراً  
حضرت ابوبکرؓ کی بظاہر بیعت کر لی۔  
(مجلس المؤمنین ص ۲۲۲)

بغیر ثبوت و دلیل کے ان بزرگوں کی ظاہری بیعت کو با بکر و اکراہ اور دل کے مخالف



نکمنہ گویا مسلمانوں کے ساتھ صرف ظاہری موافقت کا اتفاق حضرت علیؓ اور آپ کے دوستوں کے لیے ثابت کرنا صرف شیعہ کو زیبا ہے کسی مسلمان کی حرأت نہیں

**قرآن میں منافقوں کی علامات** منافقوں کی تحقیق و تبیین دو طرح ہی ہو سکتی ہے۔ ۱۔ قرآن میں مذکور ان کے اوصاف و کردار کی روشنی میں۔ ۲۔ قرآن میں مذکور ان کے انجام کی روشنی میں۔ پہلی بات میں قرآن نے ان کے یہ اوصاف بیان کیے ہیں۔

۱۔ وہ بقول خود بڑے مومن و پاکباز بنتے ہیں۔ وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ آمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْآخِرِ (بقرہ) اور آل عمران میں ہے کہ ”وہ یہودی منافق مومن کہلا کر صحابہ رسولؐ سے دشمنی اور عین رکھتے تھے۔“ وَإِذَا الْقُكُوفُ قَامُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا عَصَوْا عَلَىٰكُمْ إِلَّا نَامِلًا مِّنَ الْغَيْظِ قُلْ مُوتُوا يَعِظُكُمْ

۲۔ اپنے کفر پر عفا نہ کرتے و کتمان کا غلاف چڑھا کر مسلمانوں کو اپنے متعلق دھوکہ میں رکھتے ہیں۔

يُخِذُ عُونََ اللَّهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا بَقِيَّةَ مَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ۚ

۳۔ وہ اصحاب رسول اللہ سے دشمنی رکھتے ان کی حمایت و مدد سے مسلمانوں کو روکتے ہیں تاکہ صحابہؓ کی جمعیت منتشر ہو جائے۔

هُمُ الَّذِينَ يَقُولُونَ لَا تُفِقُوا

عَلَىٰ مَنْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ حَتَّىٰ

يُنْفِضُوا (مُنافقون ۲)

یہ وہی تو ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ رسول خدا کے پاس جو لوگ ہیں ان پر اپنا پیسہ خرچ نہ کرو تاکہ وہ بھاگ جائیں۔

۴۔ وہ خود کو معزز نہ شریف قوم کہتے اور صحابہ کو ذلیل و بڑا کہہ کر مدینہ الرسول سے بے دخل کرنا چاہتے ہیں۔

یَقُولُونَ لِمَنْ رَجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ  
لِيُخْرِجَنَا أَلَا نَحْكُمُ بَيْنَنَا أَلَا نَحْكُمُ  
فَإِنْ كُنْتُمْ كَاذِبِينَ

وہ یہ کہتے ہیں کہ اگر ہم مدینہ پلٹ کر گئے تو جو  
زیادہ عزت دار ہے وہ مدینہ سے زیادہ



۵۔ وہ عہد نبوی کے عام لوگ (صحابہ کرامؓ) کی طرح ایمان نہیں لاتے نہ ان کی علمیت و بزرگی کے قابل ہیں۔ بلکہ ان کو نادان و بے وقوف کہتے ہیں۔

قَالُوا اَنْتُمْ مِّنْ كَمَا اَمِنَ السُّفَهَاءُ  
تو انہوں نے یہ کہہ دیا کیا ہم اسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح یہ بے وقوف ایمان لے آئے۔

۶۔ وہ سنت رسولؐ کی پیروی سے روکتے جماعت رسولؐ کے خلاف پروپیگنڈہ کرتے اور فساد پھیلاتے ہیں۔

اَلَا اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ  
وَلٰكِنْ لَا يَشْعُرُونَ  
خبردار رہو یہ لوگ بلا شک مفسد ہیں لیکن سمجھتے نہیں۔

۷۔ وہ توحید و رسالت کے کلمہ اسلام کو پڑھ کر بے اعتبار و بے نجات مانتے اور دعوے ایمان میں جھوٹ بولتے ہیں۔

اِذَا جَاءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا  
نَشْهَدُ اَنَّكَ لِرَسُوْلٍ اِلٰهِ لٰكِنْ لَّا  
رسول ہو۔۔۔۔۔ یہ منافق ضرور جھوٹے ہیں۔  
جب منافق تمہارے پاس آتے ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ تم ضرور اللہ کے

۸۔ وہ سابقین اولون مہاجرین و انصار اور ان کے سبکی میں پیروکاروں (اہل سنت و الجماعت) کو خدا کے پسندیدہ اور جنتی بالکل نہیں مانتے بلکہ ان سے دشمنی رکھتے ہیں۔ تبھی تو اللہ نے پ ۲ میں آیت و السابقون کے بعد ان کو منافقوں کا ذکر کیا ہے جو مترض نے لکھا،  
۹۔ وہ اہل بیت نبویؐ ازواج الرسولؐ امہات المؤمنین کی عصمت و کردار پر طعن و شبہ کرتے۔ حضرت عائشہؓ و حفصہؓ کو برا بھلا کہہ کر خدا و رسولؐ کو ایذا پہنچاتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ  
رَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَ  
الْاٰخِرَةِ رَاٰہُمْ  
بالتحقیق جو لوگ اللہ اور اس کے رسولؐ کو ایذا پہنچاتے ہیں۔ اللہ نے ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت فرمائی ہے۔

۱۰۔ وہ ایک زرع محمدی سے اگ کر فصل بہاری کے طرح تمام روئے زمین پر چھا جانے والے صحابہ رسولؐ کو انقلاب نبوت کی تعمیر و ترقی سے جل سڑ کر لیغیظ بہم انگفار



زنا کہ ان کے ذریعہ سے کفار کو غصہ دلائے، کا طوق گلے میں لٹکاتے ہیں۔ منافقین ان دس خصوصیات کے حامل تھے وہ تو انجام قرآنی قتلِ ذلت اور دوسرے عذاب سے مرصرا گئے۔ اب اگر شیعہ اسے نہ مانیں تو وہ خدا را بنظر انصاف دیکھیں کہ یہ اوصاف عشرہ خود ان میں پائے جاتے ہیں یا نہیں۔ اور وہ منافقین کے سچے چالشین بنے یا نہیں؟ خصوصاً جب کہ حضرت جعفر صادقؑ کا ارشاد ہے ”کہ اللہ نے منافقوں کے متعلق کوئی آیت نہیں اناری مگر وہ ان لوگوں کے حق میں ہے جو شیعہ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں“ (رجال کشی ص ۱۹۳) رہی دوسری بات کہ منافقوں کا انجام قرآنی کیا ہوا تو

**شیعوں پر علامات نفاق منطبق ہیں** | منافقوں کی نشان دہی چاہنے والے شیعہ دوست اپنے اس عقیدہ پر غور کریں کہ بعد وفات نبوی اہل بیت اور ان کے شیعوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ ڈھائے گئے چن چن کر قتل کر دیئے گئے۔ ان پر عرصہ حیات تنگ کیا گیا محمد مصباح بنی میں وہ پنبہ ہی نہ سکے۔ پھر ان مظالم پر آج شیعہ کا ہزاروں صفحات کا لٹریچر گواہ ہے۔ اور شیعہ کی گریاں و نالاں ماحی شکلیں شاہد عدل ہیں شیعہ کے خاتم المحدثین بھی روتے ہوئے ایک شیعہ امام سے ناقل ہیں۔ حضرت امیر علیؑ کی سبیت، پھر قتل و غدر حضرت حسنؑ کی سبیت۔ پھر اہل کوفہ کا ان پر قاتلانہ حملہ حضرت حسینؑ کی سبیت، پھر مریدوں کے ہاتھوں ان کی شہادت جیسے

و آنا کہ با و سبیت کردہ بودند شمشیر  
بر روئے او کشیدند منہوز بچتہائے  
آنحضرت در گردن ایشان بود کہ اورا  
شہید کردند بعد از اس پیوستہ بایل بیت  
ستم کردند و مارا ذلیل گردانیدند و از  
اموال خود محروم ساختند و سعی در کشتن  
ما کردند و مارا خائف و ترساں داشتند  
و ایمن بنودیم بر خونہائے خود و خونہائے  
اور جن لوگوں نے بواسطہ مسلم بن عقیل،  
حضرت حسینؑ کی سبیت کی تھی خود انہی نے  
حضرت حسینؑ پر تلوار اٹھائی اور شہید کر ڈالا  
حالانکہ حضرت کی سبیت ابھی ان کی گردن میں  
تھی۔ اس کے بعد مسلسل ان لوگوں نے اہل بیت  
پر ظلم کیے اور ہم کو ذلیل کیا اور اپنے مالوں سے  
ہمیں محروم کیا۔ ہمارے قتل کی کوششیں کریں  
ہم کو خائف اور ڈرتے والا بنا رکھا ہم نے



دوستان خود الخ (جلد العیون ص ۲۶) اور مخلص دوستوں کے خون سے مطمئن نہ رہے۔  
سوال یہ ہے کہ منافقوں کے متعلق قرآنی پیشینگوئیاں۔ بدترین سزائیں اور خوفناک  
انجام بقول شیعہ ان لوگوں پر تو صادق نہیں آگئے۔؟ انصاف مطلوب ہے۔ فاعتر و ایادلی  
الابصار۔

اگر ان پر صادق نہیں مانتے تو ان لوگوں پر بھی صادق نہیں آ سکتے جن کو اللہ تعالیٰ  
نے اپنے وعدہ کے مطابق تاج خلافت پہنایا۔ اپنے مرتضیٰ و پسندیدہ دین کو ان کے ہاتھوں  
سے مضبوط کیا۔ ان کے خوف کو امن سے بدلا۔ ان کو صرف اپنا عابد اور شرک سے بیزار بنایا۔  
(نورع)، نصف دنیا میں اسلام کا جھنڈا ان کے ہاتھوں سے لہرایا۔ قیصر و کسریٰ کے تاج  
ان کے قدموں میں ڈال دیئے۔ سوائے رافضی شیعہ کے سب لوگوں کے دلوں میں ان کی عزت  
و عظمت ڈال دی اور تادم زبست اللہ کا فضل و احسان ان کے شامل حال رہا۔  
تو معلوم ہوا کہ منافقوں کا معمولی ٹولہ عہد نبوی اور اس کے متصل ہی خدائی اطلاعات  
کے مطابق نیست و نابود ہو گیا۔ اس کا مصداق نہ خلافت راشدہ کے بانی اور فاتح عرب و عجم  
اور عالمی مبلغین اسلام صحابہ کرامؓ ہیں۔ نہ حضرات اہل بیت کرامؓ۔ شیعوں کا جھوٹا شیعہ کو  
مبارک ہو۔

سوال ۱۳۔ مذہب اہل سنت و الجماعت کی بنیاد چار اصولوں پر ہے۔ ۱۔ قرآن مجید  
۲۔ حدیث المصطفیٰ ۳۔ اجماع۔ ۴۔ قیاس۔ سقیفہ کی کارروائی کو پیش نظر رکھ کر ارشاد  
فرمائیں۔ کیا خلافت ثلاثہ قرآن مجید سے اور حدیث سے ثابت ہے یا کہ اجماع کی مرہون منت  
ہے۔ ہاں اگر اجماعی خلافت ہے تو قرآن مجید لا رطب ولا یابس الا فی کتب مبین  
دیکھئے، پر غور فرما کر ارشاد فرمائیں۔ ان بزرگوں نے قرآن پاک سے اپنی خلافت کو کیوں  
ثابت نہ کیا جبکہ قرآن مجید میں ہر خشک و تر کا ذکر موجود ہے اگر سقیفہ کی کارروائی میں حضرت  
ابوبکرؓ نے اپنی خلافت کی تصدیق میں کوئی آیت و حدیث پیش نہیں کی تو آج کا مسلمان  
کیا حق رکھتا ہے کہ وہ ان بزرگوں کی خلافت قرآن و حدیث سے ثابت کرے۔  
الجواب۔ شیعہ دوست کے اعتراف کے مطابق الحمد للہ اہل سنت کے مذہب برحق



بنیاد چار چیزیں ہیں۔ جیسے مکان کی چار دیواریں بنیاد ہوتی ہیں۔ قرآن حکیم اور حدیث مصطفیٰ کا بنیاد مذہب حقہ ہونا تو واضح ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَهَذَا كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ ۖ

فَاتَّبِعُوهُ (دپ ۷۶)

مَا أَنْتُمْ إِلَّا رُسُلٌ فَخُذُوا وَ

نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا (حشر ۱۶)

اجماع امت بھی تیسرے نمبر پر بنیاد ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن و سنت

کے کسی ذومعانی یا مشکل مسئلہ کا فیصلہ کرنا ہو تو سب امت کے اتفاق سے یا اہل علم حضرات

کی اکثریت سے جو فیصلہ ہو گا وہی برحق اور مراد خدا و رسولؐ سمجھا جائے گا۔ یا کوئی نیا مسئلہ

درپیش ہو اور قرآن و سنت سے اس کا واضح حکم نہ مل سکے تو امت کے متخذ علماء اس کا جو

فیصلہ بالاتفاق کریں گے وہ حجت سمجھا جائے گا۔

اجماع کا جواز عقلاً بھی ہے اور عملاً بھی عقلی دو دلیلیں ہیں۔ ۱۔ قرآن حکیم اور

جملہ دین خداوندی ہم کچھ پلوں تک چند وسائط سے پہنچا۔ اور ان وسائط کا قطعی تعینی

اور محفوظ عن الخطاء والحصیان ہونا ضروری ہے۔ پہلا واسطہ جبریل علیہ السلام کا ہے۔

جو قطعی امین ہیں۔ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ذِي قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ بے شک وہ روایت ہے ایک بزرگ فرشتے جو صاحب

طاقت۔ خدا کے ہاں معزز اپنے حلقہ میں متبوع و رئیس ہے اور پھر امانت دار ہے۔

دوسرا واسطہ خود سرورِ دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہے جن کا جملہ گناہوں سے

اور تبلیغ رسالت میں ہر قسم کی بھول چوک سے معصوم و محفوظ ہونا متفقہ مسئلہ ہے۔ وَمَا

يَنْطَلِقُ عَنِ الْهَوٰی اِنْ هُوَ اِلَّا وَحٰیٓ یُوْحٰی۔ دین کے بارے میں پیغمبرؐ اپنی

خواہش سے نہیں بولتے بلکہ وہ تو وحی ہوتی ہے جو ان کو بھیجی جاتی ہے۔

تیسرا واسطہ صحابہ کرامؓ کا ہے جو نزول قرآن و شریعت کے عینی شاہد ہیں براہِ راست

زبان رسالت مآب سے تحصیل۔ سماع اور تلقی بالقبول کر کے دین و دنیا کی تمام کامرانیوں



سچٹنے والے ہیں۔ حجۃ الوداع کے موقع پر ان کو مبلغ امت ہونے کی سزا اور اجازت بھی مل گئی۔ **فَلْيُسَلِّحُوا الشَّاهِدُ الْغَائِبُ** حاضرین غائبین تک میرے یہ احکام پہنچا دیں (حیات القلوب ج ۲ ص ۵۳۶ خطبہ حجۃ الوداع)

اس طبقہ والی کی طرح بدستور ہمارے زمانہ تک اور تا قیام ساعت اُمدہ تسلیں اس بات کی مکلف ہیں کہ وہ پہلوں سے دین و شریعت سیکھ کر بچپوں تک پہنچائیں۔ ہر زمانہ میں کروڑوں نفوس کا ایک پیڑہ سیکھنا۔ اعتقاد رکھنا اور پھر عمل کر کے دوسروں تک پہنچا دینا۔ یہی اجماع امت کی حقانیت و صداقت پر دلیل ہے۔ اگر تیرا بل و مصطفیٰ کی طرح یہ واسطہ قطعی نہ ہو اور امت مجموعی طور پر تبلیغ دین میں غلطی اور سہو سے پاک نہ ہو تو ہم لوگ ایمان لانے کے مکلف نہ ہوں۔ اس لیے کہ کس یقین سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ قرآنِ خدائی کلام ہے۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور یہ وہی بعینہ دینی و شریعت ہے۔ جو چودہ سو سال قبل حضور پر نازل ہوا لہذا اجماع امت اور نواتز کا یقینی حجت ہونا ضروری ہے۔

۲۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی موت ختم ہو گئی۔ اب آپ کے بعد نہ کوئی نبی ہو گا نہ کتاب آنے لے گی جس میں زمانے کے نئے مسائل و فضیلتی جزئیات کی شکل میں بیان کیے جائیں گے۔ اسلام قیامت تک رہے گا۔ کروڑوں مسلمان بھی قیامت تک رہیں گے۔ زمانہ کے انقلابات مختلف قوموں کے ساتھ میل جول۔ بین الاقوامی مذہب و تمدن۔ سائنس کی روز افزوں ترقی۔ برقی ایجادات۔ دشمن اسلام طاقتوں کے باقاعدہ تحفظ اسلام کیلئے عصر حاضر کے سائنٹفک طریقے۔ وغیرہ ہزاروں مسائل ہیں جو رفتار زمانہ کے ساتھ عہد صحابہ رضی اللہ عنہم سے لے کر تاسنوں نہ پیدا ہوتے آ رہے ہیں اور ہوتے رہیں گے۔ ان مسائل کے حل کے لیے بنیادی ماخذ گو قرآن و سنت ہی ہیں اور سینکڑوں دفعات ان میں مل سکتی ہیں۔ لیکن ان کی نشاندہی۔ جزئیات کی تفصیل و تشریح اور ان کا تعین۔ ان پر عمل کے طریقے سب امت کے متمدن علماء کے اتفاق و اجماع سے مندرجہ شہود پر آئیں گے۔ مسائل جدیدہ کے حل کے لیے اگر اجماع امت اور قیاس کا لچک آمیز اصول موجود نہ ہو تو اسلام ایک جامد مذہب ہی۔ قرن اول کے لیے بن کر رہ جائے گا۔ اور زمانہ کی ترقی و رفتار کا چیلنج قبول نہ کر سکیگا۔



ہاں بشرط یہ ہے کہ اجماع و قیاس قرآن و سنت کے تابع ہی ہوں گے۔ گویا ان کی نسبت یہ دو فرعیں ہیں۔ قرآن و سنت کی کسی واضح تعبیر اور حقیقت کے برعکس نہ اجماع ہو سکتا ہے اور نہ معتبر ہے۔ اور نہ قیاس واجتہاد کی گنجائش ہے۔

سمعی اور نقلی دلائل۔ اجماع امت کی حقانیت پر دلائل تو بے شمار ہیں۔ یہاں چند پر اکتفا کی جاتی ہے۔ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ تُولِهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ ۚ ذَٰلِكَ أَلْحَقَ اللَّهُ الْفَاسِقِينَ (سورہ النساء ۱۸۶)

اور جو شخص وضوح ہدایت کے بعد رسول اللہ کی مخالفت کرے اور مومنوں کے راستے سے الگ چلے ہم اسے ادھر بھیجیں گے جہاں چاہے اور جہنم میں داخل کریں گے۔

دخول جہنم کے لیے مخالفت رسول کافی ہے لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ نے مومنین کے راستہ کی مخالفت اور غیر اتباع کو ساتھ ذکر کیا ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ سبیل المؤمنین اتباع نبوی سے جدا نہیں بلکہ اسی طرح واجب الاتباع راستہ ہے۔ بلکہ اتباع نبوی کی یہ واضح اور عملی تفسیر ہے۔ فرض کر و ایک شخص خواجہ کی طرح پیغمبر کے کسی قول یا فعل سے رکامتنا حق ارید بھا الباطل کا مصداق، ناجائز استدلال کرتا ہے اور کوئی مسلمان اس کی تائید نہیں کرتا۔ تو وہ کھلا گمراہ ہے۔ کیونکہ اپنے دعویٰ میں گوا اتباع رسول کرتا ہے۔ مگر جب اتباع سبیل المؤمنین کی اسے سند حاصل نہیں یا وہ سبیل المؤمنین کا کھلا منکر و مخالف ہے۔ تو آیت بالا کی رو سے وہ گمراہ اور جہنمی ہے۔ نتیجہ کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ دخول جہنم کا یہ حکم۔ مخالفت رسول اور مخالفت جماعت مومنین کے مجموعہ پر لگایا گیا ہے جیسے تنہا اتباع رسول کا حکم قرآن پاک میں آیا ہے۔ اسی طرح تنہا جماعت مومنین کی اتباع کا حکم دکھایا جائے۔ تب اہل سنت کا استدلال تام ہوگا (ملاحظہ ہو تفسیر مجمع البیان طبرسی زیر آیت ہذا)

لیکن اس اعتراض میں کوئی جان نہیں کیونکہ اتباع سبیل المؤمنین کو قرآن پاک نے یہ درجہ تو دے دیا کہ وہ اتباع نبوی کے ساتھ مذکور ہے۔ تو دونوں واجب الاتباع



کھڑے قبول المقصود۔ اگر مسلمانوں کے طریقہ کی مخالفت مضر نہ ہو اور اس مخالفت سے اتباع نبوی پر حرف نہ آئے تو یہاں اس کے ذکر کا کوئی معنی ہی نہیں۔ قرآن پاک ثوبیانی سے پاک ہے۔ علاوہ انہیں اتباع مومنین کا صراحۃً اور کما بھی امر موجود ہے اور ان کی مخالفت حرام ہے۔ ارشاد:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَ

اٰمَنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ۔

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچ بولنے والوں کے ساتھ ہو جاؤ۔

شان نزول اور سیاق و سباق کی روشنی میں یہاں صادقین سے مراد وہ تمام (۳۰ - ۴۰) ہزار علی اختلاف روایات، صحابہ کرام، شہداء میں جنہوں نے غزوہ تبوک میں حضور کا ساتھ دے کر اپنے قول و فعل کو سچ کر دکھایا۔

۲۔ نیز سابقوں و اولوں۔ مہاجرین و انصار کی اتباع کرنے والے بعد کے مومنین کو جنت کی بشارت دی گئی ہے۔

وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ  
وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ  
رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ  
جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ  
فِيهَا أَبَدًا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ۔

(اسلام قبول کرنے میں) سب سے پہلے اور آگے  
جانے والے تمام مہاجرین اور تمام انصار سے  
خدا ان لوگوں سے جنہوں نے نیکیوں میں ان  
کی پیروی کی۔ خدا ان سے راضی ہے اور وہ  
اس سے راضی ہیں۔ ان کے واسطے ایسے باغات  
تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں

(توبہ ۱۲۶)

اور وہ اس میں ہمیشہ رہا کریں گے۔ یہی تو بڑی کامیابی ہے۔

معلوم ہوا کہ بعد والوں کے لیے خدا کی رضا جنت میں داخلہ اور بڑی کامیابی۔ مہاجرین و انصار کی اتباع پر ہی منحصر ہے اور اتباع اس وقت تک نہیں ہو سکتی تاؤ فقیہ ان کو قابل اعتماد سپاہ اور گھڑی سے محفوظ نہ مانا جائے۔ مہاجرین و انصار اور عام امت کے اجماع کے خلافیت پر اس سے واضح دلیل کیا ہو سکتی ہے۔

چند احادیث بھی کتب شیعہ سے ملاحظہ ہوں۔

۱۔ حضرت علیؓ مہاجرین و انصار کے متعلق ہی فرماتے ہیں۔



ماكنت الا رجلا من المهاجرين  
اوردت كما وردوا و اصددت كما  
اصدروا و ما كان الله ليجمعهم  
على الضلال (شرح تہج البلاغ بحوالہ  
تحفہ اشاعش یہ فارسی ص ۱۹۵)

میں بھی مہاجرین کا ایک فرد تھا جہاں وہ گئے  
میں بھی گیا۔ جہاں سے وہ پلٹے میں بھی پلٹا یعنی  
بالاتفاق ہم مہاجرین نے خلافت ثلاثہ کی بیعت  
کی، الشداک نے ان کو گمراہی پر متفق نہیں  
کرویا تھا۔

۲۔ تیز اہل شام کی مذمت میں کہتے ہیں۔ لیسا من المهاجرين والا نصار (شرح ابن  
ابی الحدید ج ۳ ص ۲۸۶) وہ مہاجرین نہ انصار۔ تاکہ ان کی بات حجت سمجھی جائے۔ (معلوم  
ہو مہاجرین و انصار کا اجماع حجت ہے۔ نیز حضرت امیر کا ارشاد ہے۔

۳۔ الزموا السواد الاعظم فان  
يد الله على الجماعة و اياكم و الفترت  
فان الشاذ من الناس للشيطان  
(تہج البلاغ ص ۲۶۱)

بڑی اکثریت کا دامن پکڑ لو۔ کیونکہ الشداک کا ماتھ  
جماعت پر ہوتا ہے۔ علیحدگی اور تفرقہ بازی سے  
بچو۔ کیونکہ جماعت سے الگ شیطان کا شکار ہے  
جیسے ریوڑ سے الگ بکری بھڑے کا شکار بن

جاتی ہے۔

کیا ان ارشادات مرقومہ سے خلافت ثلاثہ مہاجرین و انصار اور اجماع امت اور  
غریب اہل سنت و الجماعت کی صداقت و حقانیت اظہر من الشمس نہیں ہے؟ ایک مجزہ میں  
حدیث قدسی کے طور پر من جانب اللہ حضور کو فرمایا گیا کہ تیری آل کی طرح  
۴۔ صحابہ تو بہتر انداز صحابہ ایشاں  
وامت تو بہتر انداز امتہائے ایشاں (حیات  
القلوب ج ۲ ص ۱۶۴)

تیرے صحابہ بھی اور پیغمبروں کے صحابہ سے اور  
تیری امت بھی دوسروں کی امتوں سے افضل  
اور بہتر ہیں۔

مناج کی رات آپ نے شراب اور دودھ میں سے دودھ کو اختیار کیا تو حضرت جبریلؑ  
نے بشارت دی۔

آپ نے بھی ہدایت پائی اور آپ کی امت نے  
ہدایت پائی۔

ہدایت یافتہ امت تو ہدایت یافتہ  
(حیات القلوب ج ۲ ص ۲۶۱)



حضور نے فرمایا حق تعالیٰ کی طرف سے میری امت کو تیسرا عطیہ یہ ملا کہ پہلی امتوں پر ان کے رسول گواہ نہ تھے مگر

۶۔ امت مرا گواہ بر جمع خلق گردانید  
چنانچہ میفرماید لَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ  
(حیات القلوب ج ۲ ص ۶۷)  
۷۔ وایں نشان را برگراہی جمع نمی کند  
(حیات القلوب ص ۱۳۸)  
۸۔ ولت تو بہترین امتی است۔  
(حیات القلوب ص ۱۴۱)

میری امت کو تمام مخلوق پر گواہ بنایا چنانچہ  
ارشاد ہے تاکہ ہو جاؤ تم (اے امت محمدیہ)  
سب لوگوں پر قیامت کے دن گواہ۔  
آپ کی امت اور صحابہ کو اللہ گمراہی پر جمع  
نہ کرے گا۔  
آپ کی امت سب امتوں سے بہتر ہے۔

حق تعالیٰ نے سابقہ تمام امتوں پر امت محمدیہ کو (حسب روایت مجلسی از حضرت علیؑ در  
حیات القلوب ص ۱۳۹ تا ۱۴۱) جن باتوں میں فضیلت بخشی ہے ان میں سے بعض یہ ہیں۔  
۹۔ کُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ  
لِلنَّاسِ وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا  
لَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ  
گواہی دو۔

تم سب امتوں سے بہتر ہو کہ لوگوں کی ہدایت  
کے لیے بنائے گئے ہو اسی لیے ہم نے تم کو  
اعلیٰ امت بنایا کہ تم لوگوں پر روز قیامت

۱۰۔ وایں نشان را برگراہی جمع نمی کند  
ز تلک عشرۃ کاملہ کیا ان واضح ارشادات خداوندی۔ فرامین نبوی اور فرمودات مرقنوی  
کی موجودگی میں اس امت کی صداقت اور اجماع کی حقانیت میں کسی کو شک و شبہ ہو سکتا ہے کیا  
اجماع امت کو حجت نہ ماننے والے اب بھی مسلمان اور امت محمدیہ کہلائیں گے؟  
قیاس کی ضرورت اور مشروعیت اجماع کے بیان میں قدرے گزر چکی ہے۔

نقلًا صرف ایک آیت پیش کی جاتی ہے۔  
وَلَوْ دُرُّ دُرٍّ إِلَى الدُّسُولِ وَإِلَى  
أُولَى الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعِلِمَهُ الذِّيْنِ

اگر وہ اس بات کو رسول کی طرف اور ان  
لوگوں کی طرف جو صاحبان علم ہیں۔ بڑھاتے



نکالتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ اولوالامر صاحبان اجتہاد و قیاس، صحابہ کرامؓ ہی سے ہوں گے اور وہ قرآن و سنت سے مشکل مسائل کا استنباط اور حل پیش کریں گے۔ عام امت کو ان کی طرف رجوع اور پھر اتباع کرنی ہوگی۔ شیعہ حضرات اس اصول کو عقل سے تعبیر کرتے ہیں۔ گویا وہ عقل کو قرآن و سنت کے تابع کرنے کے بجائے نصوص کو عقل کے تابع بنا دیتے ہیں اور ان کے تاویلات کرتے ہیں۔ جبکہ اہل سنت نئے مسئلے اور نصوص میں ایک مشترک علت تلاش کر کے عقل کے مطابق علت و حرمت کا حکم اس پر لگاتے ہیں۔

قارئین! آپ کو تعجب تو ہو گا کہ چاروں اصول جب شیعہ حضرات چاروں اصول کے منکر ہیں | قرآن و سنت سے قطعاً ثابت ہیں تو شیعہ ان سے

کیوں اعراض کرتے ہیں۔ درحقیقت وہ ان چاروں اصولوں کے منکر ہیں۔ تبھی تو وہ اہل سنت مسلمانوں پر غیظ و غضب کے دانت پٹتے رہتے ہیں۔ کچھ تفصیل ملاحظہ ہو۔

۱۔ یہ قرآن حکیم ان کے مذہب کی بنیاد نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس کی صحت مسئلہ تحریف قرآن و صداقت پر ان کو اعتماد ہی نہیں۔ وہ اپنی دو ہزار متواتر احادیث

کی رو سے اسے محرف۔ بدلا ہوا۔ اور خدائی تنزیل سے کم و بیش مانتے ہیں۔

۱۔ اصول کافی ج ۱ میں یہ باب مستقل بنا دھا گیا ہے۔ باب قبہ نکت و نفق من التنزیل

فی الولاية (اس بات کا بیان کہ قرآن کریم میں سے عقیدہ امامت کے متعلق آیات میں خلاص

الفاظ نکال دیے گئے ہیں) یہ باب اصول کافی طبع جدید تہران ج ۱ ص ۱۲۲ سے ص ۱۳۶ تک پھیلا

ہوا ہے اس میں سے ۹۱ آیات محرفہ کی فہرست راقم نے تیار کی ہوئی ہے۔ تفصیل کا موقدہ نہیں۔ اسی

کتاب میں اور مقامات پر بیسیوں آیات محرفہ کا ذکر اس کے علاوہ ہے۔

۲۔ شیعہ کے نہایت مستند ترجمہ و حواشی از مقبول و بلوی میں مستند کتب شیعہ کے حوالہ جہا

سے جگہ جگہ ان آیات محرفہ کو نمایاں کیا گیا ہے۔ تقریباً ۴۲ عدد آیات راقم نے اپنی بیاض میں

قلندر کی ہوئی ہیں۔ بطور نمونہ ملاحظہ ہو۔ آیت وَإِنْ كُنْتُمْ فِي دَيْبٍ فَهَاتُوا بُرْهَانَكُمْ وَكُونُوا



اَتَهُمْ فَعَلُوا مَا يُوعَظُونَ بِهِ ۚ - اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا ۚ

۳۔ اصول کافی باب النوادر میں ہے۔

امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں کہ جو قرآن  
حضرت جبریلؑ حضورؐ پر لائے تھے وہ  
سترہ ہزار آیتیں تھیں۔

عن ابی عبد اللہ علیہ السلام  
قال ان القرآن الذی جاء به جبریل  
علیہ السلام سبعة عشر الف  
آیت۔

حالانکہ موجودہ قرآن پاک میں ۶۶۶۶ آیات ہیں۔ شبیہ کے خیال میں دونوں قرآن  
لوگوں نے نکال دیا۔

محدث جزائری کے قول کا حاصل یہ ہے کہ  
سب شیعہ علماء کا اتفاق ہے کہ قرآن کی تحریف  
پر صراحت و دلالت کرنے والی احادیث صحیح  
مشہور اور متواتر ہیں۔

۴۔ قال السیّد المحدث  
الجنائری ما معناه ان الاصحاح قد  
اطبقوا علی صحة الاخبار المستفیضة  
المتواترة الدالة بصريحها علی وقوع  
التحریف فی القرآن (فصل الخطاب ص ۳)  
.... وان الاخبار ذالک تزيد علی  
الفی حدیث۔

اور بلاشبہ یہ احادیث دو ہزار سے  
زائد ہیں۔

اور جامین اصحابؑ نے کتاب میں وہ  
باتیں جمادی ہیں جو اللہ نے نہیں کہیں تاکہ  
وہ مخلوقات کو دھوکہ دیں۔

۵۔ انهم اثبتوا فی الكتاب ما  
لم یقله الله لیلبسوا علی الخلیفة -  
(احتجاج طبرسی ص ۱۲۵)

پس اصحابؑ کے، صاحبان اختیار نے اس  
قرآن کو جمع کیا ہے اور اس میں وہ باتیں  
زیادہ کر دی ہیں جن کا صداقت اور فصاحت  
وبلاغت کے برخلاف ہونا ظاہر ہے حضورؐ  
کی جو خدمت قرآن میں ظاہر ہے وہ محدود

۶۔ فالله ذو اختیارهم وذادوا  
فیہ ما ظہر تناکرة و تنافرة والذی  
بدأ فی الكتاب من الازراء علی النبی  
من فریة الملحدین (احتجاج طبرسی ص ۱۳)  
بحوالہ اہلسنت یا کتبک،



کے افتراء کا نتیجہ ہے۔

معلوم ہوا کہ قرآن پاک میں صرف کمی اور تحریف نہیں ہوئی بلکہ لوگوں نے اپنے کلام کا اضافہ بھی کر دیا ہے (توبہ توبہ)

ایک سوال | جب یہ قرآن شیعہ مانتے ہی نہیں تو ماننے کا دعویٰ کیوں کرتے ہیں۔ پھر سب شیعہ کی تاریخ میں صرف چار عالم ایسے کیوں ہوئے جنہوں نے تحریف کا انکار کیا۔ اور صاحب من لایحضرہ الفقیہ نے اپنے رسالہ اعتقاد یہ میں عقیدہ تحریف کا انکار اور مذمت کیوں کی ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ شیعہ کے بقول خود ہزاروں علماء و مجتہدین میں سے صرف ہم کا تحریف کا انکار کرنا اس عقیدے کو اور پختہ کرتا ہے ان چاروں کا انکار بھی محض تفتیہ کے طور پر ہے۔ ورنہ قائلین تحریف پر انہوں نے کفر یا کفر سی کا فتویٰ کیوں نہیں لگایا۔ موجودہ شیعہ علماء کا انکار تحریف بھی محض تفتیہ اور تبلیغ پر مبنی ہے۔ کیونکہ حالیہ علماء میں سے مزا احمد علی جلیسی مجتہدین کے قرآن پر اعتراضات مشہور اور شائع شدہ ہیں۔ مولوی مقبول کانتزجہ وحاشیہ آیات مخرفہ کی نشان دہی کے ساتھ بار بار چھپ رہا ہے اور اس پر دیوبند شیعہ کے متعدد علماء کے دستخط اور تصدیقات موجود ہیں۔ (طبع قدیم دہلی) اور آیات مخرفہ کی انہوں نے تردید نہیں کی۔ کیا یہ سب کاروائی اس حقیقت کے جملانے کے لیے کافی نہیں کہ شیعہ کا اعتقاد تحریف یقینی ہے اور انکار محض تفتیہ اور مسلمانوں کے الزام سے بچنے کے لیے بمنزلہ ڈھال کے ہے۔ اور شیعہ اس قرآن پاک کو کیسے مکمل اور کمی بیشی سے محفوظ مانیں جبکہ ان کے اعتقاد میں پورا قرآن صرف حضرت علیؑ نے جمع کیا اور آج امام مہدی کے پاس موجود ہے۔ وہ قریب قیامت ظہور فرما کر وہ اصلی قرآن لوگوں کو ٹپے بٹپے گئے اصول کافی حصہ ۲ پر یہ باب موجود ہے۔

اس بات کا بیان کہ سوائے آئمہ علیہم السلام کے کسی نے سب قرآن جمع نہیں کیا۔ اس باب میں امام باقرؑ کی یہ حدیث ہے۔ فرماتے

باب انه لم یجمع القرآن کله الا الائمۃ علیہم السلام وفیه عن ابی جعفر یقول ما ادعی احد من



الناس انه جمع القرآن كله كما انزل  
الا كذاب وما جمعه وحفظه كما  
انزل الاعلى بن ابى طالب والائمة  
من بعده - وفيه عن ابى جعفر  
انه قال ما يستطیع احد ان يدعی  
ان عنده جميع القرآن كله ظاهراً  
وباطنه غير الاوصیاء

ہیں کہ لوگوں میں سے سوائے کذاب کے کوئی  
بھی یہ دعویٰ نہ کرے گا کہ اس نے منزل شدہ  
پورا قرآن جمع کیا۔ تنزیل کے مطابق اس کی  
جمع اور حفاظت سوائے علی بن ابی طالب  
اور ان کے بعد والے ائمہ کے کسی نے نہیں  
کی اور ایک دوسری روایت میں امام باقرؑ  
نے فرمایا سوائے ائمہ شیعہ کے کوئی یہ دعویٰ  
نہیں کر سکتا کہ اس کے پاس ظاہر و باطن پورا قرآن موجود ہے۔

بلکہ قاضی زکریا شہید ثالث نے شیعہ احادیث کے توارض کے سلسلہ میں یہ اعتراف  
کیا ہے کہ آج سنی شیعہ سب کا دین محرف اور غیر منزل من اللہ ہے۔

امام باقرؑ نے فرمایا: بحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد لوگ پہلی امتوں  
کے نقش قدم پر چلے۔ پس خدا کے دین میں تغیر و تبدل کر دیا اور کمی بیشی کر دی اور اللہ کے  
دین میں کچھ اضافہ کیا اور کچھ کمی کر دی۔ آج کوئی مسئلہ ایسا نہیں جس پر سب لوگ قائم ہیں۔  
مگر وہ منجانب اللہ اتری ہوئی وحی کے خلاف ہے۔ زیادہ اجوبات تمہیں کمی جائے مانتے  
جاؤ۔ خدا تم پر رحم کرے تا آنکہ وہ مہدی آجائے تو تم کو ان سے نوا اللہ کا صحیح دین پڑ جائے  
گا۔ (مجالس المؤمنین ج ۱ ص ۳۴ ترجمہ زرارہ)

ایک شیعہ کا ازالہ  
کما جاتا ہے کہ کتب اہل سنت میں بھی تحریف کی روایات پائی جاتی  
ہیں لیکن یہ محض جھوٹ اور مغالطہ ہے۔ کتب اہل سنت کی ضعیف  
ترین روایت بھی اس مضمون کی نہیں ملے گی کہ قرآن کی فلاں آیت ان الفاظ سے  
نازل ہوئی تھی اور لوگوں نے اس کو یوں بدل دیا۔ ”در حقیقت ہماری روایات میں  
دو قسم کی باتیں ہیں۔

۱۔ نسخ۔ یعنی اللہ تعالیٰ بعض آیات اتار کر کچھ عرصہ کے لیے اس پر عمل کروائے۔  
پھر اس کے خلاف آیت نازل فرما کر سابق کی مدت عمل ختم کر دے یا اسے بالکل بھلا دے



جیسے ایک پیغمبر کی شریعت دوسری کے لیے نسخ کا سامل کرتی ہے۔ یہ حقیقت قرآن پاک سے ثابت ہے۔

۱۔ مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِنْهَا أَوْ مِثْلَهَا  
یا ویسی ہی نازل نہ کرویں۔

۲۔ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسَى إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ  
اے رسول! ہم عنقریب تم کو پڑھائیں گے۔ پھر تم نہ بھولو گے مگر جو خدا چاہے

ترجمہ مفید

۳۔ اور روضہ کافی ص ۲ پر ہے کہ قرآن میں ناسخ و منسوخ کا سلسلہ پایا جاتا ہے۔ لہذا آیات نسخ کی بحث تحریف میں پیش کر کے جدال کرنا نہایت نا انصافی ہے۔  
۲۔ اختلاف قراءۃ۔ قرآن پاک عربی زبان میں اترا۔ ہر زبان میں۔ لغت۔ گرامر اور ادائیگی کے لحاظ سے معمولی سا فرق ہوتا ہے۔ قرآن پاک میں بھی۔ بعض قبائل کے محاورات و لہجے۔ لغت اور صرفی نحو و جوہ کے پیش نظر یہ نیز۔ پیش کا سامل اختلاف بعض روایات میں ملتا ہے۔ یہ سب اختلاف قراءت کے قبیلہ سے ہے کیونکہ اس میں مخنوی فرق خاص نہیں پڑتا۔ برخلاف شیعہ کی لفظی تحریف کے کہ اس کی وجہ سے ان کے اعتراض کے مطابق ”عقیدہ امامت“ و لا یت اہل بیت کو قرآن سے خارج کر دیا گیا اور کفر کے ستون اس میں کھڑے کر دیئے گئے (روضہ کافی)

علاوہ ازیں۔ قرآن پاک عہد نبوی سے تا ہنوز قطعی الثبوت اور قطعی التواتر ہے اور ہم اسے ہی قرآن کہتے ہیں۔ نور الانوار وغیرہ میں ہے۔

هو القدان المتذل على الرسول  
المنكوب في المصاحف المنقول عنه  
نقل متواتر بلا شبهة  
کتاب اللہ قرآن پاک ہے جو رسول اللہ پر  
انرا اور مصاحف میں لکھا گیا ہے اور آپ  
سے منقول ہو کر آ رہا ہے اور بلا شبہ متواتر ہے۔

روایتیں اختلاف قراءت کی ہوں یا نسخ کی۔ بہر حال وہ خبا آحاد ہیں۔ متواتر اور قطعی قرآن نہیں۔ لہذا ان سے معارضہ شیعہ حضرات کے عقیدہ تحریف سے نہیں ہو سکتا۔ جو ان چہ قرار دے



کے ساتھ مبینہ حقیقت ہے۔ ۱۔ روایات تخریف دو ہزار سے زائد ہیں۔ ۲۔ روایات تخریف قرآن شیعہ کی مستند سے مستند کتاب اصول کافی تک ہیں جو امام مہدی کی مصدقہ ہے۔ ۳۔ تخریف قرآن پر ہی صاف دال ہیں۔ ۴۔ قرآن کی طرح متواتر ہیں۔ ۵۔ شیعہ ان کے مطابق تخریف قرآن کا عقیدہ بھی رکھتے ہیں۔ ۶۔ قرآن کا حرف ہونا نقل کے علاوہ عقل کے بھی موافق ہے کیونکہ دشمنان شیعہ (صحابہ کرامؓ) کے ہاتھوں جمع شدہ اور منقول ہے۔ اس مسئلہ کی مزید تشریح "ہم سنی کیوں ہیں؟" ص ۱۶۵ تا ۱۷۱ میں ملاحظہ کریں۔

۲۔ احادیث مصطفیٰ بھی شیعہ مذہب کی بنیاد نہیں ہو سکتی۔ اولاً

**احادیث نبویہ کا انکار** | گو شیعہ زبانی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو رسول من اللہ مانتے ہیں لیکن تبلیغ رسالت میں کوتاہی کا الزام ضرور لگاتے ہیں۔ جب منصب نبوت سے مقصود تبلیغ احکام کا سلسلہ پورا کامیاب نہ ہوا۔ تو رسول کو ماننا غیر مفید ہی رہا۔ تقیہ کا گھناؤنا الزام حضور پر بھی لگاتے ہیں۔ چنانچہ روایات ملاحظہ ہوں۔

۱۔ حضرت صادقؑ سے پوچھا گیا کہ یا رسول پاک! لوگوں کے خوف سے تقیہ بھی کرتے تھے۔ فرمایا۔ آیت وَاللّٰهُ يَعْصِيْكَ مِنَ النَّاسِ یا رسول پاک! آپ کو لوگوں کے شر سے بچائے گا۔ نازل ہونے کے بعد تقیہ نہیں کیا۔ پہلے ہی کہہ سکتے تھے (حیات القلوب ج ۲ ص ۱۱۸)

۲۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حج کے متعلق جو احادیث آئی ہیں ممکن ہے

بعض تقیہ پر محمول ہوں (البیضا ج ۲ ص ۵۳۷)

۳۔ حضور کو بار بار ولایت علیؑ کی تبلیغ کا حکم ملا اور یہ کہ اس کا منکر کا فرار اور بیعت میں شریک کرنے والا مشرک ہے۔

پس حضرت رسولؐ نے سید از قوم خود  
مبادا اہل شقاق و نفاق پر آگندہ شوند و  
بجائیت و کفر خود برگردند (البیضا ص ۵۴۲)

۴۔ رسول خداؐ از ترس قوم خود بنجار  
رفت و قبیکہ ایشان را بسوئے خدا دعوت

پس حضرت رسولؐ اپنی قوم سے ڈر گئے۔  
مبادا مخالف و منافق بگڑ جائیں اور بیعت  
و کفر کی طرف پلٹ جائیں۔

رسول خداؐ اپنی قوم سے ڈر کی وجہ سے غار  
میں چھپ گئے۔ جب ان کو خدا کی طرف دعوت



۵۔ لشکرِ سامہ کی تیاری اور لوگوں کو جہاد پر آمادہ کرنا۔ اور فضائلِ قتال و شہادت بیان کرنا محض اس وجہ سے ہے۔

مدینہ از لیشاں خالی شود واحدے تاکہ مدینہ ان سے خالی ہو جائے اور کوئی از منافقان در مدینہ نماند (حیات القلوب ص ۵۵۹) منافق مدینہ میں نہ رہے (اور حضرت علیؑ سے نزاع خلافت کوئی نہ کر سکے)

عزیز کیجئے۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی لوگوں کے ڈر سے تقیہ کریں۔ ارکانِ حج بھی غلط ادا کریں۔ حضرت علیؑ کی ولایت کی تبلیغ میں سستی کریں۔ دعوتِ توحید دیتے ہوئے قوم سے ڈر کر غار میں چھپ جائیں۔ تو دین کے کس مسئلہ پر اعتماد رہے گا۔ اور کوئی حدیثِ مصطفیٰ قابلِ عمل ہوگی۔ جبکہ (الحیاء باللہ) آپؐ کی نیت جلیشِ سامہ کے جہاد سے مدینہ کو منافقوں سے خالی کرانا اور حضرت علیؑ کے لیے خلافت کی راہ ہموار کرنا ہے۔ مگر صد فتنوں آپؐ کی آخری تدبیر بھی ناکام ہو گئی اور وہ منافق خلافت پر قابض ہو گئے۔

کیا حضورؐ کی حسن نیت اور کامیابی مقصدِ اس سے بدترین حملہ بھی ہو سکتا ہے؟ کیا شیعہ نے بقیۂ رسالت کی ناکامی پر صریح شہادت نہ دی؟

ثانیاً۔ جب شیعہ حضرات۔ حضورؐ کی عمر بھر تبلیغی جدوجہد کے بعد بھی صرف۔ نین چار ڈیو کے آپؐ سے ایمان و ہدایت پانے کے قائل ہیں۔ حالانکہ یہ بھی منافیہ ہے۔ کیونکہ کشف الغمہ ج ۱ ص ۱۷۹ کے بیان کے مطابق۔ حضرت ابوذرؓ رضی اللہ عنہ۔ ابو الدرداءؓ رضی اللہ عنہ۔ حضرت عیسیٰؑ کی شاگردی اور اتباع سے مومن و فیض یافتہ ہیں اور سوائے حضرت مقدادؓ رضی اللہ عنہ کے سلمان۔ ابوذرؓ اور عمارؓ کو بھی ایمان میں شک تھا۔ (حیات القلوب ج ۲ ص ۶۷) از شیخ کشتی لبند حسن از امام

باقی۔۔۔ باقی سب صحابہ کرامؓ کو تو وہ کھلا مرتد کہتے ہیں (اصول کافی ج ۲ ص ۲۲۶ وغیرہ) تو وہ حدیثِ مصطفیٰؐ (کسی صحابیؓ سے حاصل نہیں کر سکتے۔ اور نہ رسالت پر دعویٰ ایمان کوئی عقلمند تسلیم کرے گا۔ یہ انکارِ الیہی ہے کہ۔ ایک شخص کے میں اس ڈاکٹر کو نہیں مانتا کیونکہ یہ جعلی سند رکھتا ہے۔ دوسرے کے میں بھی علاج نہیں کرے واسکنا۔ کیونکہ مستند تو ہے مگر سوائے



گھر کے چند آدمیوں کے۔ جو بیمار ہی کبھی نہ ہوئے۔ جن ہزاروں مریضوں کا اس نے علاج کیا سب مر گئے ایک بھی صحت یاب نہ ہوا۔ ظاہر ہے کہ یہ دونوں اس ڈاکٹر کے منصب کے منکر ہیں۔ ایک ظاہر دوسرا باطن۔ مگر دوسرا نہ زیادہ خطرناک ہے۔

مثلاً۔ رہا بواسطہ حضرت علیؑ حدیث مصطفیٰؐ کا بنیاد مذہب ہونا۔ یہ بھی ناممکن ہے۔ کیونکہ شیعہ کے اعتقاد میں حضرت علیؑ کا علم حضورؐ کی تعلیم اور واسطہ سے ہے ہی نہیں۔ بلکہ وہ پیدائشی منجانب اللہ لدنی اور عطائی ہے۔ حضرت علیؑ پیدائشی جاہل اور کافر نہ تھے۔ کہ حضورؐ سے علم اور اسلام سیکھتے۔ باقر علیؑ مجلسی کہتے ہیں۔

حضرت علیؑ رضی اللہ عنہ پدائوتے ہی حضرت نوحؑ و ابراہیمؑ کے صحیفے۔ حضرت موسیٰؑ کی تورات اور حضرت عیسیٰؑ کی انجیل ایسے سنادی کہ ان انبیاء سے بھی افضل یا دتھی جن پر یہ نازل ہوئی اور اگر وہ ہوتے اعتراض بھی کر لیتے۔

پس قرآن کے بر من نازل شد کلامات پس جو قرآن مجید پر البد میں، نازل ہوا وہ بھی نمود ہے آنکہ از من بشنود (عبارت الیون) مجھ سے سننے بغیر قرآن فرستاد الا۔

جب حضرت علیؑ رضی اللہ عنہ آپ سے سنے بغیر قرآن پڑھا ہوا تھا حالانکہ ۸ سال قبل از نبوت نزول قرآن کا بھی تصور نہ تھا، تو قرآن کی تعلیم اور تشریح میں بدرجہ اولیٰ آپ محتاج پیغمبر نہ تھے۔ چنانچہ آپ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (وہ فی ان مومنوں کو کتاب و حکمت سکھاتا ہے) کے عموم سے خارج ہیں۔ لہذا شیعہ کی منزل پر پیغمبر قرآن اور اس کی تعلیم و حکمت سے محرومی بالکل واضح ہے۔ یہی نبوت کا کھلا انکار اور حدیث مصطفیٰؐ سے حرمان کی دلیل ہے۔ اور ان کو حدیث مصطفیٰؐ کی ضرورت کیسے ہو۔ وہ تو نبوت کے برعکس امامت کو مانتے ہیں۔ اور یہ بھی مثل نبوت منجانب اللہ خدائی عہدہ ہے جو اتباع نبویؐ کے بجائے انتخاب خداوندی سے ملتا ہے۔ امامت رسالت سے بھی افضل ہے۔ عصمت نزول وحی۔ حلال و حرام میں خود مختاری۔ نئی امت زبنا پیغمبرؐ کی تاسیس اس کے انکار پر فتویٰ کھڑے نبوت کے ساتھ شریک ہے۔ لفظ اصطلاحی فرق کے علاوہ کوئی شبہ نبوت و امامت میں واقعی اندیاز نہیں بنلا سکتا۔



**تشبیہ اور اہل سنت میں فرق** | شرع نبویہ کے بجائے شرع امامیہ تشبیہ کا معمول ہے۔ کیونکہ  
 مسلمان تو مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا  
 نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا (جو تم کو رسول دیں وہ لو اور جس سے وہ روکیں رک جاؤ۔)  
 پر عمل پیرا ہیں۔ مگر تشبیہ مذہب کے امام جعفرؑ فرماتے ہیں۔

ما جاء به على اخذها وما نهى  
 عنه انتهي عنه  
 جو تشریعت علیؑ لائے ہیں میں وہ لیتا ہوں  
 اور جس سے وہ روکیں رکنا ہوں۔

مسلمان تو صرف حضورؐ کو افضل المخلوق۔ اور آپؐ کے برابر سب پیغمبروں کو بھی نہیں ملتے  
 مگر تشبیہ امام فرماتے ہیں۔

جاء له من الفضل ما جرى  
 لمحمد ولمحمد الفضل على جميع من خلق  
 حضرت علیؑ کی وہی فضیلت ہے جو محمدؐ کی  
 ہے۔ محمدؐ خدا کی تمام مخلوق پر (سوائے علیؑ کے)  
 فضیلت رکھتے ہیں۔ یہی مساویانہ مرتبہ اور  
 شان یکے بعد دیگرے ائمہ ہدیی کی ہے۔  
 واحد بعد واحد۔

مسلمان تو حدیث مصطفیٰ ام کو ہی حرز جان اور واجب العمل جانتے ہیں مگر تشبیہ حضرات  
 احادیث ائمہ کے قائل اور ساری شریعت ان سے لیتے ہیں۔  
 مسلمان تو مصدر اتباع فاتبعونی کے تحت صرف حضورؐ کو مانتے ہیں۔ مگر تشبیہ امام حضرت  
 علیؑ کی دعوت دیتے ہیں۔

كان امير المؤمنين الباب الذي  
 لا يعقني الامنه وسبيله الذي الامن  
 امير المؤمنين ہی صرف وہ دروازہ ہیں جس  
 میں داخل ہونا پڑتا ہے اور وہ راستہ ہیں۔  
 جس پر چلنا ضروری ہے۔ سنو! جو اس راستے  
 کے بغیر چلائے، ہلاک ہوا۔

مسلمان تو انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کو اپنانے میں فخر جانتے ہیں۔ مگر تشبیہ امام کا فتویٰ ہے  
 لبس شئی من الحق فی بین الناس الا ما  
 خرج من عند الائمة وان کل شئی لم  
 لوگوں کے ہاتھ میں کوئی بھی سچی بات نہیں  
 بجز اس کے جو آئمہ اہل بیتؑ سے نکلے اور ہر



وہ چیز جو ان سے نکلتے وہ باطل ہے۔

یخرج من عندہم فہو باطل

دکھانہ اصول کافی ص ۳۹۲

شیعہ آئمہ کے پاس یہ حق بحسب بیان سابق تعلیمات نبوی سے تو ہو ہی نہیں سکتا اس سے جدا کوئی چیز ہے جو ان آئمہ پر نازل شدہ صحائف سے ماخوذ ہے۔ چنانچہ شیعہ کا یہ قطعی عقیدہ ہے کہ ہر امام پر ایک مستقل صحیفہ نازل کیا گیا اور وہ اسی پر عمل کرتے تھے۔

کلینی نے سند متبرک کے ساتھ روایت کی ہے کہ حریر نے حضرت صادق سے پوچھا آپ لوگ جلدی وفات کیوں پا جاتے ہیں حالانکہ لوگوں کو آپ کی احتیاج زیادہ ہے۔ حضرت فرمود ہر ایک ازما صحیفہ وار د کہ آئندہ باید در مدت حیات خود لعل آورد و در آل صحیفہ است چوں آل صحیفہ تمام مے شود میداند کہ وقت ارتحال اوست (جلد العیون فصل سوم)

حضرت نے فرمایا ہم میں سے ہر ایک کے پاس ایک آسمانی کتاب ہے کہ جو کچھ امام کو اپنی زندگی میں کرنا ہوتا ہے۔ وہ سب اس میں لکھا ہوتا ہے۔ جب وہ صحیفہ تمام ہو جاتا ہے تو امام کو پتہ چل جاتا ہے کہ اس کے مرنے کا وقت قریب ہے۔

نیز جلد العیون ص ۱۹ حضرت حسینؑ کے حالات میں ہے۔ "دوسری معتبر روایت میں ہے کہ رسول جلیلؐ کی وفات کے وقت حضرت جبریلؑ ایک وصیت نامہ لائے (اس کے بارہ اجزا پر) بہشت کی بارہ طلائی مہریں لگائیں۔ کہ ہر امام اپنی مہر کو اٹھائے گا اور جو کچھ اس کے نیچے لکھا ہوگا اسی پر اپنی زندگی میں عمل کرے گا۔

معلوم ہوا کہ شیعہ آئمہ کے پاس حق وہ صحائف اور مہر زدہ وصیت نامے ہیں وہ ان پر ہی عمل کرتے اور شیعہ سے کرواتے ہیں۔ منزل بر سغیر قرآن اور تعلیمات نبویہ سے ان کو کیا تعلق؟ کیا مرزا غلام احمد قادیانی یہ انکار ختم نبوت۔ ادعا نبوت مسلمانوں سے الگ اسلام کی تاسیس کرتے اور مسلمانوں کی تکفیر کرنے میں۔ فرقہ شیعہ کی گرد کو بھی پہنچ سکا ہے؟۔ نہیں وہ تو ان کے سامنے طفل مکتب ہے۔

ایمان تک قرآن و حدیث مصطفیٰ کے شیعہ مذہب کی بنیاد نہ بن  
اجماع و قیاس کا انکار | سنے کا بیان تھا۔ اب اجماع و قیاس کا بیان سنی مسلمان امت



کے اجماع کے شیعہ حضرات کھلے منکر ہیں۔ وہ تقریباً ہر مسئلے میں اصول و فروع میں حتیٰ کہ کلمہ تک میں امت محمدیہ سے الگ ہیں۔ اجماع امت ان کا دشمن ہے اور وہ اس کے دشمن ہیں۔ ہاں متعہ ربلا ولی اور گواہوں کے غیر خاوند والی عورت کا کسی مرد سے مقررہ اجرت پر مقررہ وقت میں رضا مندی سے جنسی تعلق، بدآرخدا کا مستقبل سے بے خبر ہونا، تقیہ، سچائی چھپا کر جھوٹ ظاہر کرنا، کفیر صحابہ جیسے مسائل میں وہ اجمعت الامامیۃ - اتفق اهل الامامة - اجمع اهل التشیع فرما کر اجماع شیعہ کے قائل ہو جاتے ہیں۔ ملاحظہ ہو کتب فقہ و اصول شیعہ۔

اہل سنت کے سامنے تو قیاس کی مذمت کرتے ہیں۔ مگر قرآن کریم اور حدیث مصطفیٰ کے برخلاف اپنے ہر مسئلہ کو ڈھکوسلوں سے ثابت کرتے ہیں۔ قالی اللہ المشتکی ورنہ تقریر ہو یا تحریر کسی بھی شرعی مسئلہ میں ان کو عقلی دلیل دینے کا اپنے مذہب کی رو سے کوئی حق نہیں پہنچتا۔ خلافت ثلاثہ کی خلافت راشدہ قرآن حکیم سے بھی ثابت ہے۔ اور

**آدم بر سر مطلب** حدیث مصطفیٰ سے بھی۔ اجماع صحابہؓ اور اجماع اہل بیت سے بھی معلوم ہونا چاہیے۔ کہ قرآنی آیات خلافت کی پیشینگوئیاں ہیں جس کا مفاد اور اوصاف خاصہ مجموعی طور پر تمام خلافت راشدہ میں پائے گئے۔ پیشینگوئی میں عموماً ابہام اور عدم تعین ہوتا ہے۔ مکمل ہونے پر اس کی صحیح صورت حال سامنے آتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ پیشینگوئی فلاں کے حق میں پوری ہوئی۔ اس سے قبل محض آغاز پر کچھ کہنا حاضرین کے علم میں غیر تقیینی سا ہوتا ہے اور غیر موزوں لگتا ہے۔ جیسے حضور علیہ السلام کی بعثت رسالت کے متعلق حضرت ابراہیمؑ کی دعا و بشارت حضرت عیسیٰؑ کی بشارت۔ تورات میں حضورؑ کی رسالت کی پیشینگوئی اور اہل زندقہ و سیوؤں کے ساتھ فاران کی چوٹیوں سے اگر غلبہ پانا۔ مذکور ہے۔ لیکن اس کے باوجود آپؐ آغاز پر فرمایا کرتے تھے۔

وَمَا أَدْرِي مَا يَفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ  
إِنْ أَتَبِعُوا إِلَّا مَا يَفْعَلُ إِلَيَّ - پتا

میں نہیں جانتا کہ دنیا میں میرے ساتھ کیا ہو گا اور تمہارے ساتھ کیا۔ میں تو صرف



اپنی طرف آنے والی وحی کی پیروی کرتا ہوں۔

اور یہی مناسب تھا کیونکہ تحریک کے آغاز پر محنت سے کام کرنا پڑتا ہے ذکر سابقہ پیشینگوئیوں کو اپنے اوپر منطبق کرنے لگ جانا وقت گزرنے پر وہ خود بخود چسپاں ہو جاتی ہیں۔ اور دنیا پر اس تحریک کی صداقت اظہار من الشمس ہو جاتی ہے۔ اس سے شبہ دوست کے اس خوب چلے کا جواب ہو گیا۔ ”کہ اگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کی تصدیق میں کوئی آیت و حدیث پیش نہیں کی تو آج کا مسلمان کیا حق رکھتا ہے کہ وہ ان بزرگوں کی خلافت قرآن و حدیث سے ثابت کرے۔“ کیونکہ سرکارِ دو عالم نے بھی آغاز نبوت پر انبیاء کی سابقہ پیشینگوئیوں کو نہ اپنے اوپر چسپاں کیا اور نہ اس پر ان کو دلیل بنایا۔ بلکہ بدستور اپنے مشن میں لگ گئے۔

اور سچے لوگوں کی یہی نشان ہوتی ہے۔ کہ وہ خدا کی سونپی ہوئی ذمہ داریوں کو ادا کرنے لگ جاتے ہیں بحث و مناظرہ میں اور پیشینگوئیوں کے اپنے اوپر فٹ کرنے میں ایسے وقت ضائع نہیں کرتے۔ جیسے مرزا غلام احمد قادیانی دعویٰ نبوت و مسیحیت کے ساتھ ہی سابقہ پیشینگوئیوں کو بطور کذب اپنے اوپر منطبق کرتا تھا۔ خدا نے اس کا جھوٹ دنیا پر آشکارا کر دیا۔ تو کیا اب ہم بھی یہود و نصاریٰ کے سامنے سابقہ انبیاء کی پیشینگوئیاں بابت نبوت پیش نہ کیا کریں؟

مزہ اسی میں ہے کہ اپنے حق میں وہ آیات تلاوت نہ کریں تاکہ خود متاثری اور جاہ طلبی کا وہم نہ ہو بلکہ دیگر حضرات ان کے حق میں وہ آیات منطبق کریں۔ جیسے حضرت علیؑ نے موت نور کی آیت و علامت کو حضرت عمرؓ کی خلافت پر چسپاں کیا (شرح نہج البلاغہ فتاویٰ اسلام نقوی ج ۴ ص ۴۳۳) حدیثی اکبر نے تو بار بار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے سقیفہ کے دن بولا۔ اللہ

من قریش۔ آسمان وزمین اور ناسخ کا ایک ایک ذرہ گواہ ہے کہ یہ ارشاد۔ سچا ثابت ہوا۔ صدیوں تک۔ جب تک مسلمانوں کا متحدہ نظام خلافت رہا۔ قریش کی حکمرانی دنیا نے دیکھی۔ یہ شبہ مذہب کی بات نہ تھی۔ کہ حضورؐ تو ان کے بقول) من کنت مولاه فعلی مولاه (بقول) شبہ جس کا میں حاکم ہوں اس کے علی خلیفہ ہیں) سے خبر دیں۔ مگر العباد باللہ وہ جھوٹی ثابت ہوا اور خلافت عصب کر کے خلیفہ کوئی اور بن جائے۔ یا اللہ تعالیٰ تو وعدہ فرما دیں یٰ یٰ دُنْ لِّطُغُفُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهِ وَكَوْكِزَا الْكَافِرُوْنَ۔ لوگ تو چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنی بھونک سے بجھا دیں۔ مگر اللہ تعالیٰ اپنے نور کو پورا کرنے والا ہے



اگر چہ پھر اسے برا ہی جانیں (توبہ ص ۴)

اور نور سے مراد باعتماد شیعہ حضرت علیؑ کی خلافت و امامت کا قیام مراد ہو۔  
(اصول کافی ص ۱۹۶) لیکن اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ پورا کرنے سے عاجز آجائیں اور حضرت ابو بکرؓ  
و عمرؓ حضرت علیؑ سے خلافت چھین کر پھر ان کے گلے میں رسی ڈال کر گھسواٹے پھریں۔  
جلال العیون ص ۱۳۳ اور (الجہاد بالحد) خدا ہی اسے مکروہ جان کر خاموش ہو جائے۔

کمال اسی میں ہے کہ خود و دعویٰ خلافت نہ کریں۔ دوسرے صحابہ کرامؓ بالاتفاق امام  
تسلیم کر لیں (ملاحظہ ہو مجالس المومنین ج ۲ ص ۵۷۶) اس میں کوئی کمال نہیں کہ جگہ جگہ جلوت  
و خلوت میں از خود کہتے پھریں۔ ہم خدا کے بنائے ہوئے امام ہیں۔ ہم ایسے ویسے ہیں نیفے مضموم  
حسینؑ کو کندھے پر بٹھا کر ہاجرین و انصارؓ کے در پر پھریں بیشکل کشا ہو کر ان سے فریاد  
و نصرت طلب کریں۔ مگر پانچ آدمی بھی ساتھ نہ دیں (جلال العیون ص ۱۳۱) بالآخر مفاد پرست  
اپنے ہی خواہ سی غداری کریں اور دشمنی حیات منقطع کر لیں۔ ان اشارات کی روشنی میں کیا شیوہ  
کو اپنے مذہب کی سفاقت اور اہل بیتؑ کی توحید نظر نہیں آتی؟ پھر اس عقیدے سے توبہ  
کیوں نہیں کرتے۔

قرآن کریم اور خلافت راشدہ (۳ آیات کی روشنی میں) | اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ  
سے وعدہ فرمایا۔

ان سب لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے  
اور جنہوں نے نیک عمل کیے۔ اللہ نے یہ وعدہ کیا  
ہے کہ ضرور ان کو اس زمین میں جانشین بنائے  
گا جیسا کہ ان سے پہلوں کو جانشین بنایا تھا  
اور ضرور ان کے دین کو جو اس نے ان کے لیے  
پسند کر لیا ہے ان کی خاطر سے پایدار کر دے  
گا اور ضرور ان کے خوف کو امن سے بدل  
دے گا۔ اس وقت وہ میری ہی عبادت

۱۔ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَ  
عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي  
الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ  
وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ  
لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ  
أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا  
وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ  
الْفَاسِقُونَ (نور ۷۷)



کریں گے اور کسی چیز کو میرا شریک نہ ٹھہرائیں گے۔ اور جو اس کے بعد ناشکری کرے گا پس  
نافرمان وہی ہیں (ترجمہ مقبول ص ۲۷)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ۱۔ خلافت اللہ کا وعدہ ہے۔ جو کسی صورت میں ٹل نہیں  
سکتا۔ ۲۔ نزول کے وقت جو مسلمان موجود اور خطاب کے اہل تھے صرف ان سے وعدہ ہے۔  
لہذا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سوا باقی شیعی آئمہ اس کے مصداق سے خارج ہو گئے۔ شیعہ مفسر طبرسی اسکے  
شان نزول میں کہتے ہیں۔ ”حضرت ابی بن کعب نے فرمایا جب حضورؐ اور آپؐ کے صحابہ مدینہ آ گئے  
اور انصارؓ نے ان کو ٹھکانا دیا تو کفار باقاعدہ ان سے جنگیں لڑنے پر سال آتے تھے اور مسلمان  
نوفزوہ مسلح ہو کر رہتے تھے۔ ایک مسلمان نے کہا کیا ایسا بھی ہو گا کہ ہم غالب ہو جائیں۔ اور یہ  
خوف امن سے بدل جائے۔ نبی اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری۔ حضرت مقداد بن اسود حضورؐ سے  
راوی ہیں۔ آپؐ نے فرمایا یہ میں پر کیا اور خیمے کا گوشہ بھی نہیں رہے گا مگر کلمہ اسلام اس میں اللہ تعالیٰ  
عزت یا ذلت کے ساتھ داخل کریں گے۔ یا تو اللہ ان کو عزت دے گا اور معزز اہل اسلام بنا  
دے گا۔ یا ان کو عاجز کر دے گا۔ تو وہ اس دنیا کے آگے جھک جائیں گے۔

۳۔ وہ خلفاء مومن کامل۔ اور نیک ہوں گے۔ خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے ایمان و عمل پر شیخی سکوک  
و شہادت سب زائل ہو گئے۔ مدت الترقیہ کامل ایمان و عمل سے مانع ہے لہذا شیعی آئمہ خارج  
ہو گئے۔

۴۔ لَیْسَتْ خُلَفَآئُہُمْ فِی الْاَرْضِ (یقیناً اللہ ان کو زمین میں حاکم بنائے گا، وہ زمین میں  
یقیناً صاحب اقتدار خلیفہ بن کر رہیں گے۔ کوئی ان سے غصب نہیں کر سکتا۔ شیعی آئمہ کو نہ  
حکومت ملی۔ نہ عوام کے دلوں پر عظمت کا سکہ بیٹھا۔ یہ سب کچھ (بقول شیعہ) ان سے دوسروں  
نے چھین لیا۔

صاحب تفسیر صافی کہتے ہیں۔ ۱۔ لَیْ جَعَلْنٰہُمْ خُلَفَآءَ بَعْدَ نَبِیْہُمْ (یعنی یقیناً نبیؐ  
کے بعد ہی ان کو خلیفہ بنائے گا، اگر بقول شیعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ و حمادی مراد ہوں تو نہ لفظ جمع  
کا استعمال درست ہے نہ بعدیت متصل ہے۔ شیعہ علامہ طبرسی آیت ہذا کے تحت فرماتے ہیں۔  
لَیْسَتْ خُلَفَآئُہُمْ۔ اِیْ اَرْضِ الْکُفَّارِ مِنَ الْعَرَبِ وَالْعَجَمِ۔ ان کو خلیفہ بنائے گا یعنی



عرب و عجم کی زمین کا حاکم بنائے گا۔

تشبیہ کے متعدد مفسر کا شانی بھی آیت ہذا کے تحت لکھتے ہیں۔

”نصوڑے عرصہ میں ہی اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے ساتھ یہ وعدہ پورا کر دیا۔ جزیرۃ العرب  
ممالک کسریٰ اور روم کے شہر ان کے حوالے کر دیئے۔“ تشبیہ مفسر طبرسی مجمع البیان میں لکھتے ہیں  
والمعنی لیورتنہم ارض الکفار  
من العرب والعجم فیجعلہم سکانہا و  
ملوکہا۔  
معنی یہ ہے کہ ان کو وارث بنائے گا عرب و  
عجم کے کفار کی زمین کا پس ان کو اس کا حاکم  
اور بادشاہ بنائے گا۔

تاریخ کا ایک ایک ورق گواہ ہے کہ عرب و عجم کے ملکین اور فرمانروا اور وارث خلفاء العرب  
راشدین ہی بنے۔

۵۔ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ (جیسے اللہ نے پہلے لوگوں کو خلافت دی تھی،  
اس تشبیہ سے معلوم ہوا کہ یہ خلافت انہوں کی سی حکمرانی ہوگی۔ جیسے تشبیہ تفسیر مجمع البیان میں ہے  
مثلاً آدم و داؤد و سلیمان۔ اللہ تعالیٰ کی طرف استخلاف کی نسبت اس کے منافی نہیں کر سکتا  
کرام ان پر اتفاق کر کے ان کی بیعت کر لیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مشیت سے ان کے دلوں میں  
عظمت خلفاء و ال کر خلفاء کا انتخاب کرایا۔ جیسے رزق، ملک، موت و حیات سب اللہ ہی دیتے  
ہیں۔ مگر بطور معاون اسباب پیدا فرما دیتے ہیں اور کبھی اسباب کی طرف نسبت کر دی جاتی ہے  
۶۔ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ۔ ان کے لئے پسندیدہ دین کو قوت  
اور شان و شوکت عطا ہوگی۔ خلفاء ثلاثہ کا دین حق ہی عرب و عجم میں شائع اور تمکین پذیر  
ہوا۔ شیعی ائمہ کا دین تو ہمیشہ تقیہ میں رہا۔ وہ صرف گنتی کے چند نفوس ہی مومن بنا سکتے ہیں۔  
۷۔ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا۔ خلفاء ثلاثہ کا طبعی خوف امن سے بدلا  
کیونکہ شیعی ائمہ کو ان کے خیال میں یا خوف ہو ہی نہیں سکتا۔ یا پھر انکو امن نصیب ہی نہیں  
ہوا۔ اور نہ خدا کے پسندیدہ دین کتاب و سنت کو قائم کر سکے۔

عن ابی جعفر قلت ما منعه ان  
یبین للناس فقال خشی ان لا یطاع و  
امام باقرؑ سے میں نے پوچھا کہ حضرت علیؑ کو  
کیا رکاوٹ درپیش آئی کہ لوگوں کے سامنے



لوان علیا علیہ السلام تثبت له قدما  
اقام کتاب اللہ والحق کلمہ دفعہ کافی  
ج ۵ صفحہ ۵۵ (طایلت)

حق مذہب ظاہر نہ کر سکے تو فرمایا وہ ڈر گئے  
کہ ان کی پیروی نہ کی جائے گی اور اگر حضرت  
علیؑ کے قدم ثابت رہتے تو کتاب اللہ اور

سارے حق کو قائم کرتے۔

شیخہ قرآن کی تفسیر میں فرماتے ہیں مد یعنی اسلام کی قوت اور پھیلاؤ کے ساتھ  
اللہ ان کو امن والا کر دے گا اس کے بعد کہ وہ مکہ (وغیرہ) میں خوفزدہ نہ بنے۔ مقاتل کہتے ہیں  
کہ اللہ نے ان کے ساتھ (بلکہ) اس امت کے ان سے پچھلے لوگوں کے ساتھ بھی یہ سلوک کیا ان  
کو زمین میں اقتدار دیا۔ خوف کو امن سے بدل دیا اور زمین (فتوحات) میں کشادگی عطا فرمائی  
تو اللہ نے ان سے اپنا وعدہ پورا کر دیا (مجمع البیان ج ۱۸ ص ۶۹)

مگر شیخہ آئمہ اس کا مصداق ہرگز نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ امام باقرؑ نے فرمایا۔

وما راخائف وترساں داخائنند و  
ایمن بنویم بر خونہائے خود و خونہائے دشمن  
اور ہم کو وہ لوگ ڈراتے دھمکاتے رہے۔ ہم  
اپنے اور اپنے دوستوں کے قتل سے مامون  
نہو (جلال العیون ص ۲۶)

۸۔ یَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُ بِي شَيْئًا۔ دوران حکومت وہ صرف خدا کے پرستار  
اور عابد ہوں گے۔ نشہ اقتدار میں مست ہو کر خدا کو نہیں بھلا دیں گے۔ خلفاء کی دینداری اور  
اخلاص پر یہ بڑی شہادت ہے۔ بالفرض اگر قبل خلافت زمانہ جاہلیت میں کسی سے ایسی  
غلطی ہوئی بھی تو مضر نہیں کیونکہ دوران خلافت وہ ان صفات حسنہ کے ضرور حامل ہونگے  
فہو المقصود۔ اہل سنت کے علاوہ شیخہ کے امام اول حضرت علیؑ بھی اس آیت کو خلفاء  
راشدین پر منطبق فرماتے ہیں۔

حضرت عمرؓ کو مشورہ برائے عدم شرکت در غزوہ فارس، دیتے ہوئے حضرت علیؑ  
فرماتے ہیں۔

اور یہی وہ اللہ کا دین ہے جسے اس نے ظاہر  
وغالب کر دیا اور اس کا وہ لشکر ہے جسے اس

وہودین اللہ الذی اظہرہ  
وجندہ الذی اعدہ وامدہ حتی



بلغ ما بلغ وطلع حيثما طلع ونحن على  
موعود من الله والله منجز وعده و  
ناصر جندك (نہج البلاغہ ج ۲ ص ۲۷)  
اور اپنے لشکر کی مدد کر رہا ہے۔

نے تیار کیا اور مدد دی حتیٰ کہ وہ پہنچ گیا جہاں  
پہنچ گیا اور چڑھ گیا جہاں چڑھ گیا۔ ہم اللہ کے  
وعدے پر ہیں وہ اپنے وعدے پورے کر رہا ہے

یہاں حضرت فاروق اعظمؓ کی خلافت کو اللہ کا غالب دین۔ لشکر فاروقی کو خدا کا ساختہ  
منصور لشکر فرمایا ہے۔ اور آیت کے وعدہ کے ایضاً کی خبر دی ہے۔ چنانچہ اسی خطبہ کے تحت شراح  
نہج البلاغہ فیض الاسلام ج ۱ ص ۲۳ و ابن مہتمم بحرانی ج ۱ ص ۱۶۷ پر رقم طراز ہیں۔

مکہ یہ وعدہ آیت وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا دُفْرًا میں مذکور ہے۔ ”رقیم نہج البلاغہ کے  
نسخوں میں تو آیت بھی گمراہ نکال دی گئی ہے۔“

آیت ۲۔ الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّا لَهُمْ فِي  
الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ  
وَأَمَرُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ عَنِ الْمُنْكَرِ  
وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ (ج ۵۶)

وہ وہ لوگ ہیں جن کو اگر ہم زمین میں تمکین (افضل)  
دیں گے تو وہ (باقاعدہ) نماز پڑھیں گے اور  
زکوٰۃ دیں گے اور نیک کاموں کا حکم کریں گے  
اور تمام کاموں کا انجام اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے،

(ترجمہ مقبول ص ۳۳)

اس آیت میں ان مظلوم مہاجرین کا ذکر ہے۔ جو اپنے گھروں سے صرف توحید کے جرم میں در  
بدر کیے گئے اور پھر کافروں کے ساتھ ان کو جنگ و جہاد کی اجازت ملی۔ پھر بیان تک نفرت و  
حمایت کا وعدہ فرمایا کہ ان کو خلافت دینے کا بھی وعدہ فرما دیا۔ ظاہر ہے کہ یہ دولت صرف  
مہاجرین صحابہ کرامؓ کو ملی۔ غیر صحابہ شیعہ ائمہؑ نہ ان کے اوصاف سے موصوف ہوئے نہ وہ تمکین فی  
الارض پاکر اقامۃ الصلوٰۃ اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ تقیہ اور خوف کی وجہ سے انجام  
دے سکے۔ کما تقدم۔ ثنیۃ تفسیر مجمع البیان چہ ہیں ہے کہ اللہ سبحانہ نے یہ مہاجرین کا وصف ذکر  
فرمایا ہے۔ پس معنی یہ ہے کہ ان کو ہم ایسے کام کرنے کی طاقت دیں گے اور زمین میں حکمران بنائیں گے۔  
تو وہ تمام حقوق سمیت نماز ادا کریں گے اور اللہ کا ان پر فریضہ زکوٰۃ ادا کریں گے۔

آیت ۲۔ وَالَّذِينَ هَاجَرُوا إِلَى اللَّهِ  
اور وہ لوگ جنہوں نے بعد اس کے کہ ان پر



مَنْ بَعْدَ مَا ظَلَمْتُمْ أَلَنْبِئُكُمْ فِي الدُّنْيَا  
حَسَنَةً وَلَا جَزَاءَ إِلَّا خَيْرٌ أَكْبَرُ (نحل ۶۶)

ظلم کیا گیا۔ خدا کی خوشنودی کے لیے ہجرت کی۔  
ہم ضرور بر ضرور ان کو دنیا میں رہنے کی اچھی  
جگہ دیں گے اور آخرت کا اجر تو بہت ہی بڑا ہوگا۔

سابقہ آیت کی طرح مہاجرین سے اللہ نے دو وعدے فرمائے۔ ۱۔ دنیا میں باعزت  
مقام اور آخرت کی کامیابی۔ ظاہر ہے کہ دنیا کا باعزت مقام رتبہ اور خلافت ہے۔ الحمد للہ  
خلفاء کو لوگوں کے دلوں پر حکمرانی نصیب ہوئی۔

نتیجہ کی مختصر تفسیر مجمع البیان ص ۱۶۱ میں ہے۔  
ہم ان کو یقیناً دنیا میں اچھی جگہ سبھلا دیں گے اور وہ مدینہ طیبہ ہے۔ از ابن عباس رضی  
وقبل لنعطينهم حالة حسنة و  
هي النصر والفتح وقبل هي ما استولوا  
عليه من البلاد وفتح لهم من الالبا  
حسنہ کے وعدہ سے وہ مراد ہیں۔

معلوم ہوا کہ خلافت راشدہ اور اس کی فتوحات موعودہ الہی اور آسمانی وحی کی صداقت  
کا مظہر تھیں۔

آیت ۲۔ قُلْ لِلْمُخَلَّفِينَ مِنَ  
الْأَعْرَابِ سِتْرٌ يَكُونُ إِلَى قَوْمِ أُولِي  
بِأْسٍ مُنْذِرِينَ لَقَالُوا نَحْنُ أَوْ يُسْلِمُونَ  
فَإِنْ تَطِيعُوا يُؤْتِكُمُ اللَّهُ أَجْرًا حَسَنًا  
وَإِنْ تَنَوتُوا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِنْ قَبْلُ  
يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا (فتح ۲۶)

تم ان سچے پر جانے والے بدوں سے یہ کہو  
کہ عنقریب تم ایک بڑی سخت لڑاکا قوم  
کی طرف بلائے جاؤ گے (یا تو) تم ان سے  
لڑو گے یا وہ اسلام لے آئیں گے۔ پھر اگر  
تم اطاعت کرو گے تو اللہ تم کو بہت ہی اچھا  
اجر عنایت فرمائے گا اور اگر تم اسی طرح روگردان  
ہو جاؤ گے جیسا کہ تم پہلے روگردانی کر چکے ہو تو تم کو دردناک عذاب سے منذب کر دیا جائے گا (ترجمہ مقبول)

اس آیت میں یہ پیشین گوئی ہے کہ جہاد سے جی چرانے والے اعراب کو ایک وقت میں  
پھر دعوت الی الجہاد دی جائے گی۔ یا ان کو لڑنا پڑے گا یا وہ کافر مسلمان ہو جائیں گے۔



سنی شیعہ مفسرین کا اتفاق ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد عہد نبوی میں صرف غزوہ تبوک ایسا ہوا جس میں اعراب کو دعوت دی گئی مگر اس میں جنگ ہی نہیں ہوئی۔ اور غزوہ حنین و تبوک اس سے قبل ہو چکے تھے۔ ان میں اعراب کو دعوت نہ دی گئی تھی۔ لامحالہ اس کا زمانہ خلافت راشدہ کا ہے۔ غزوہ شام و فارس کے لیے ان کو دعوت دی گئی تھی یہ تفسیر مجمع البیان ج ۲ ص ۶۱ میں ہے کہ اس سے مراد مسلمہ کذاب کے پیروکار بنو حنیفہ ہیں۔ از نہری۔ یا اہل فارس ہیں از ابن عباس یاروحی ہیں از حسن بصری و کتب توثیقہ میں دعوتیں خلافت راشدہ میں ہوئیں۔ یہاں داعی کی اطاعت پر اللہ نے اجر حسن کا وعدہ فرمایا ہے تو یہ جہاد صحیح ہوا۔ اور داعی خلیفہ امام برحق ہوا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب تحفہ اثنا عشریہ میں لکھتے ہیں کہ اس آیت کے مخاطب بعض قبائل اعراب ہیں۔ جیسے۔ اسلم۔ حمینہ۔ سمریہ۔ غفار اور استیع اور طرفین کے مؤرخین کا اجماع ہے کہ نزول آیت کے بعد سرور کائنات کے عہد میں کج غزوہ تبوک کے ایسا غزوہ نہیں ہوا جس میں اعراب کو دعوت دی گئی ہو اور غزوہ تبوک اس آیت پر منطبق نہیں ہے۔ کیونکہ ارشاد ہے۔ تم جنگ کرو گے اپنے حریفوں کے ساتھ یا وہ مسلمان ہو جائیں گے۔ مگر ان میں سے ایک بات بھی تبوک میں نہ ہوئی۔ معلوم ہوا وہ دوسرا جہاد ہے تو یقیناً یہ داعی خلفائے ثلاثہ میں سے ہے۔ کہ جس نے اعراب کو مرتدین کے مقابلے میں دعوت جہاد دی۔ جیسے خلیفہ اول حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں۔ اور خلیفہ ثانی رضی اللہ عنہ کے عہد میں اہل فارس و روم کے ساتھ جنگ کی اعراب کو دعوت دی گئی۔

حضرت شاہ ولی اللہ کی ازالۃ الخفاء میں تفسیر کا حاصل بھی یہی ہے کہ نزول آیت کے بعد غزوہ خیبر میں تو اعراب کو دعوت ہی ممنوع تھی۔ قُلْ لَنْ تَتَّبِعُونَا كَذٰلِكَ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ۔ فتح مکہ میں جنگ کی صورت نہ تھی۔ غزوہ حنین و طائف میں بارہ ہزار مسلح اسلامی لشکر کے مقابلے میں بنو نضیر کمزور وار فل تھے۔ نہ کہ صاحبان باس شدید۔ گو مسلمانوں کو کثرت کے گھمٹ میں ابتداء کچھ نقصان اٹھانا پڑا۔ تو معلوم ہوا کہ یہ آیت عہد نبوی کے بجائے خلافت راشدہ کے متعلق پیشینگوئی ہے۔



آیت ۵ یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا  
مَنْ يَدْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ  
يَأْتِي اللَّهَ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ  
أَذَلَّةٌ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِثَّةٌ عَلَى  
الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ  
اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ كُومَتَهُ لَا يُمِذِّكَ  
فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ  
وَاسِعٌ عَلِيمٌ (سائد ۵)

اے ایمان لانے والو! جو تم میں سے اپنے  
دین سے پھر جائے گا (تو خدا کا کچھ نقصان  
نہیں) خدا عنقریب ایسے لوگوں کو لائے گا  
جن کو وہ دوست رکھنا ہے اور اس کو  
وہ دوست رکھتے ہیں۔ مومنوں کے لیے وہ  
رحم دل میں (اور) کافروں کے لیے سخت  
راہ خدا میں جہاد کرتے ہیں اور کسی ملامت  
کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے۔ یہ

فضل خدا ہے جس کو چاہے عطا فرمائے اور خدا تعالیٰ صاحب علم و وسعت ہے (ترجمہ مقبول ۱۳۶)  
عہد نبوی کے بعد مرتد ہونے والے لوگوں سے جہاد کرنے والے مومنوں کی اس آیت میں  
خوب توصیف و تحمید کی گئی ہے۔ اور تاریخ شاہد ہے کہ ان سے جہاد صرف حضرت ابوبکر صدیقؓ  
اور آپ کے لشکر نے کیا۔ منکرین زکوٰۃ، مرتدین اور جھوٹے متنبیوں سے بلا خوف ملامت کنگدگان  
حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس ثابت قدمی اور جرات و حوصلہ سے مقابلہ کیا اور ایک دن  
میں فوج کے ا دستے تیار کر کے مختلف محاذوں پر بھیجے اور ہر طرف سے فتح پائی۔ یہ ایسا کارنامہ  
ہے کہ دنیا اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ حضرت عمرؓ کا مقولہ مشہور ہے۔ ”کہ میں  
اپنی عمر کے نیک اعمال ابوبکرؓ کو صرف ایک رات اور دن کے عمل کے بدلے میں دینے کو  
تیار ہوں۔ رات وہ کہ جس میں غار ثور میں حضورؐ کی تنہا رفاقت و پاسبانی کی۔ اور دن  
وہ جس میں مرتدین کے ساتھ جہاد کیا (مشکوٰۃ) یہ دولت جہاد صرف حضرت ابوبکرؓ کو حاصل  
ہوئی۔ نہ حضرت علیؓ اور دیگر بزرگ وہ شیعہ ائمہ کو۔ کیونکہ عہد نبوی کے بعد حضرت علیؓ کو بھی  
نہ کفار سے جہاد نصیب ہوا نہ سختی کرنے کا موقع ملا۔ وہ تو ملامت کرنے والوں کے خوف  
کی وجہ سے بقول شیعہ اصلی اسلام کو بھی ظاہر و ناقد نہ کر سکے (رومنہ کافی ص ۵۹-۶۰)

اہل جمل و صفین پر چسپاں کر کے حضرت علیؓ کو اس کا مصداق بنانا بھی قطعاً غلط ہے  
کیونکہ شیعہ اعتراف کے مطابق اہل جمل صرف باغی تھے اور باغی بنص قرآن مومن ہے کافرو



منافق نہیں رکشتف الخمر۔ روضہ کافی ص ۱۸ اور اہل شام بھی مومن و خا طمی تھے۔ جیسے تفصیلاً گزر چکا۔ تو معلوم ہوا۔ اس آیت کے مصداق حضرت ابو بکرؓ اور آپ کا لشکر کابل مومن۔ خدا کے محب اور محبوب۔ مومنوں پر مہربان اور کافروں پر سخت۔ مجاہد فی سبیل اللہ طعن و ملامت سے بے نیاز اور خدا کے خصوصی فضل سے مشرف ہیں۔ ولہ الحمد۔

مولانا عبد الشکور بکھنویؒ اس آیت (قتال مرتدین) کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اسے حضرت ہدی کے عہد پر بھی چسپاں نہیں کیا جاسکتا۔ اول یہ کہ آیت لفظ منکم تیار ہی ہے کہ یہ پیشینگوئی صرف زمانہ نزول کے مخاطبین کے ساتھ خاص ہے۔ اگر عام مانا جائے تو خلاف مشاہدہ اور بطلان لازم آئے گا۔ آج کے مرتدین پر کون سی قوم مسلط ہوتی ہے۔ دوم بفرض محال عام بھی باتیں تو بھی آیت میں غلط و جزا کے بیان کے مطابق جب کبھی فتنہ ارتداد ہو تو اس پر قوم مسلط ہونی چاہیے۔ اور یہ مسلم ہے کہ آخر عہد نبویؐ اور خلافت اولیٰ میں فتنہ ارتداد ہوا۔ لہذا ان پر قوم موصوف کا تسلط ضروری ہوا۔ الخلف متواتر واقعات کا انکار ناممکن ہے۔ نتیجہ کے مفسرین و مؤرخین اسے عہد صدیقیؒ کے متعلق تسلیم کر رہے ہیں۔ (منہاج الصادقین وغیرہ) (ملخص ص ۳۲۷ تفسیر آیات قرآنی)۔

آیت ۴۔ وَیَوْمَئِذٍ یَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ  
بِصَدْرِ اللَّهِ یَنْصُرُ مَنْ یَّشَاءُ وَهُوَ الْعَزِیزُ  
الرَّحِیمُ وَعَدَ اللَّهُ لَا یُخْلِفُ اللَّهُ وَعْدًا  
وَلَکِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُونَ (روم ۴)

اور اس دن ایمان والے اللہ کی نصرت سے خوش ہوں گے۔ وہ جس کی چاہتا ہے نصرت فرماتا ہے۔ اور وہ بزر دست اور بڑا حکمت والا ہے یہ اللہ کا وعدہ ہے اور اللہ کبھی وعدہ

کے خلاف نہیں کرتا۔ لیکن اکثر لوگ جانتے ہی نہیں (ترجمہ مقبول ص ۴۸)

یہ آیت غزوہ روم اور مسلمانوں کی فتح سے متعلق ہے۔ کہ ایک وقت آئے گا۔ فارس پر مسلمان غالب و حاکم ہوں گے اور وہ مغلوب و محکوم۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس وعدہ کو عہد فاروقی میں پورا کیا۔ اگر آپ کی خلافت برحق نہ ہوتی یا وہ ناقص الایمان ہوتے تو قرآن مجید میں ایسی پیشینگوئی قطعاً نہ آتی۔ کافی کتاب الروضہ ص ۲ پر ہے۔

کہ ابو عبیدہؓ نے امام باقرؑ سے اللہ کے ارشاد اَللّٰهُ عَلٰی الدُّوْمِ کے متعلق پوچھا تو



فرمایا۔ اس کی حقیقت اللہ اور اہل محمد کے بچتہ عالموں کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اس روم سے مراد شام اور اس کے آس پاس کے علاقے مراد ہیں۔ یعنی فارس رومیوں پر غالب ہونے کے بعد مختصر یہ مغلوب ہو جائیں گے۔

یعنی یغلبہم المسلمون فی بضع سنین للہ الامر من قبل ومن بعد یومئذ یفرح المؤمنون بنصر اللہ ینصر من یشاء فلما غزا المسلمون وافتتحوہا فرح المسلمون بنصر اللہ قال قلت ایس اللہ عن وجل یقول فی بضع سنین وقد مضی للمؤمنین سنون کثیرة مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی امارۃ ابی بکر وانما غلب المؤمنون فارس فی امارۃ عمر فقال الما قتل لکمان لہذا تاویل و تفسیر القرآن یا ابا عبیدۃ ناسخ و منسوخ اما تسمع لقول اللہ عن وجل للہ الامر من قبل ومن بعد یعنی الیہ المشیئۃ فی القول ان یومئذ ما قدم فی القول الی یوم القضاہ بنزل النص فیہ علی المؤمنین فذلک قولہ یومئذ یفرح المؤمنون بنصر اللہ۔ ینصر من یشاء ای یوم یجتمہم القضاہ فیہ بالنصر

یعنی مسلمان کچھ سالوں میں ان رومیوں پر غالب آجائیں گے (کیونکہ) اختیار پہلے بھی اللہ کو ہے اور بعد میں بھی اللہ کو ہوگا اور جس دن مومن خوش ہوں گے۔ اللہ کی مدد کے ساتھ وہ مدد کرتا ہے جس کی چاہے ہے۔ پس جب مسلمانوں نے روم والوں سے جنگ کی اور اسے فتح کر لیا تو مسلمان اللہ کی مدد پر خوش ہو گئے۔ میں نے کہا کہ کیا اللہ نے چند سالوں کا لفظ نہ کہا تھا؟ حالانکہ مسلمانوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور ابو بکرؓ کے دور خلافت میں بہت سال گزر گئے۔ اور مومنوں کو فارس پر غلبہ تو حضرت عمرؓ کے زمانے میں ہوا تو حضرت باقرؓ نے فرمایا کہ میں نے تجھے نہ کہا تھا کہ اس آیت کی تاویل و تفسیر ہے اور اے ابو عبیدہ! قرآن میں ناسخ و منسوخ بھی ہے۔ کیا تو نے اللہ کا فرمان نہیں سنا؟ آگے اور پیچھے اختیار اللہ کا ہے یعنی اسی کو اختیار ہے کہ وہ اپنی بات کو مومنوں پر مدد والے یقینی دن تک لیٹ کر دے تو اس قول الہی سے یہی (فتح روم)



مراد ہے ”کہ اس دن مومن اللہ کی مدد سے خوش ہوں گے۔ اللہ جس کی چاہتا ہے مدد فرماتا ہے۔  
یعنی اس دن میں کہ مدد کا یقینی فیصلہ کرے گا۔“

عام روایات کے مطابق تور و میوں کے غلبے کی بشارت ہے۔ عہد نبوی یعنی جنگ بدر کے  
دن کہ مسلمانوں کو دو بہری خوشی ہوئی تھی۔ مگر امام باقرؑ نے اس شیعہ تفسیر کے مطابق دیوینڈ  
کو الگ مستقل جملہ بنا کر عہد فاروقی میں فتح روم کی پیشگیوں کی بتایا۔ اور نعت و گرامر اس کے  
متمل ہیں۔ واللہ الحمد والفصل ما شہد ت بہ الشیعت

کتنے قدر وضاحت کے ساتھ حضرت امام باقرؑ نے نصرت خداوندی مسلمانوں کی  
خوشی اور فتح فارس کے ضمن میں حضرت فاروقی اعظمؓ کی خلافت کی حقانیت اور آپ کے  
شکر کے ایمان و صداقت کو بیان فرمایا۔

آیت ۱۶۸ - اِنَّ الدِّیْنَ اَمْنٌ وَّ الَّذِیْنَ هَاجَواْ وَ اَوْجَاحَهُمْ وَاَفِیْ سَبِیْلِ  
اللّٰهِ اُولَٰئِكَ یُجْزَوْنَ رَحْمَتِ اللّٰهِ (پ ۲ بقہ ۱۱۶۸)

تنبیہ مفسر طبری سے اس آیت کا ترجمہ و تفسیر یہ ہے۔

مہ جو لوگ ایمان لائے۔ یعنی اللہ اور اس کے رسولؐ کی تصدیق کی اور جو لوگ مہاجرین  
یعنی رشتہ داروں کو چھوڑا۔ گھروں سے جدا ہوئے اپنے مال چھوڑ دیئے اور اللہ کی راہ میں  
جہاد کیا۔ یعنی خدا کی فرمانبرداری میں جو اس کے بندوں کے لیے مقررہ راستہ ہے۔ کفار سے  
جہاد کیا۔ .... یہی لوگ اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں۔ یعنی دنیا اور آخرت میں اللہ کی  
رحمت کی امید رکھتے ہیں جو دنیا میں نصرت و فتح سے ہوگی اور آخرت میں ثواب ملنے سے ہوگی۔  
اس سے معلوم ہوا کہ حسب بشارت الہی ان مہاجرین و مجاہدین کو دنیا میں فتح و نصرت حاصل  
ہو کر رہی۔ اسی کا نام خلافت راشدہ کی صداقت ہے۔ اور آخرت میں ثواب و اجر اور رحم و  
منفرت ضرور ملے گا۔ جو خلفاء اور ان کے پیروکاروں کے کابل الایمان جنتی ہونے کی  
ضمانت ہے۔

آیت ۱۷ - وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِی الزُّبُورِ  
مَنْ بَعْدَ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُهَا  
اور بے شک زبور میں ہم نے بعد نصیحت  
کے یہ لکھ دیا تھا کہ (آخر میں) میرے نیک



عِبَادِي الصَّالِحُونَ۔ (پا ۷۷ انبیاء)

بندے زمین کے وارث ہو جائیں گے۔

مولوی مقبول شیعہ زمین سے دنیا کی زمین (فلسطین و شام) مراد لے کر مہدی آخر الزما کے ساتھیوں کو وارث قرار دیتے ہیں۔

مگر یہ اس کے مخالف تو نہیں کہ مخاطب آیت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے ساتھی مراد ہوں جن کے ہاتھ پر اللہ نے یہ مقدس زمین بغیر جنگ کے محض حضرت عمرؓ امیر المومنین خلیفہ ثانی کی شکل و علامات دیکھ کر یہود و نصاریٰ سے دلدادی تھی۔ جو تاریخ کا روشن باب ہے۔ شیعہ مفسر طبرسی مفسر اہل بیت حضرت ابن عباسؓ سے ایک تفسیر یہ نقل کرتے ہیں۔

وقیل فی الارض المعروفة

بہتھا امة محمد صلی اللہ علیہ وسلم

بافتوح بعد اجلاء الکفار کا قال

ذویت لی الارض فاریت مشارقها و

مغاربها وسیبلغ ملک امتی ما زوی لی

منہا عن ابن عباس فی روایۃ اخری

(پا ۷۷ ص ۶)

ایک تفسیر یہ ہے کہ اس سے معروف زمین (فلسطین) مراد ہے جس کے وارث امت محمدیہ کے مجاہد ہوں گے جو کفار کو جلا وطن کر کے اسے فتح کریں گے۔ جیسے حضورؐ نے فرمایا میرے آگے زمین کی گئی ہیں میں نے اس کے مشرقوں اور مغربوں کو دیکھا تو جو زمین (کے ممالک) مجھے دکھائی گئی وہ میری امت کی بادشاہی میں

آئیں گے۔ دوسری روایت میں یہ ابن عباسؓ کی تفسیر ہے۔

شیعہ کو غلطی اس سے لگ رہی ہے کہ وہ الارض سے تمام زمین مراد لیتے ہیں۔

حالانکہ الف لام عہد کا ہے اس سے وہ خاص زمین مراد ہے۔ جسے یہود و نصاریٰ اپنی مقدس جگہ کہتے ہیں جو کنعان و فلسطین ہے۔ اور یہ ذکر کل ارادہ جزا ایسے ہے جیسے حضرت یوسفؑ کے اقتدار میں فرمایا وَكَذَلِكَ لَكُم مَكَنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ اسی طرح ہم نے یوسفؑ کو زمین میں اقتدار دیا۔ (پا ۷۷ ص ۱۰) اور بنی اسرائیل کے متعلق ہے وَنُمَكِّنْ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ اور ہم ان کو زمین میں اقتدار دیں گے) کَاَوْيُسُفَ عَفْوَ فِي الْأَرْضِ کہ ہم نے زمین کے مشرق و مغرب کا مالک و وارث اس قوم کو بنادیا جو زمین میں کمزور گئے جاتے تھے پھر تینوں آیات میں الارض سے مراد مصر کی زمین ہے۔



الغرض آیت میں ایسا کوئی قرینہ اور لفظ نہیں کہ اصحاب رسولؐ کو چھوڑ کر اصحابِ مہدیؑ کو عبادی الصالحون کا مصداق بنایا جائے۔ اس سے تو دجل ولبیس کا الزام (معاذ اللہ) قرآن پر آتا ہے کہ جن کو بشارت و انعام سنایا جا رہا ہے ان کے کسی فرد کا بھی اس میں حصہ نہیں۔ تو ان عقلی و نقلی وجوہ سے ثابت ہوا کہ اس سے مراد اصحابِ رسولؐ اور لشکرِ فاروقی ہے۔ اور ان کی خلافت راشدہ سچی اور موعودہ الہی ہے جس کا منکر منکر قرآن ہے و الحمد للہ

آیت ۹۔ کَتَبَ اللّٰهُ لَا غَلِبَتْ اَنَا وَرُسُلِيْ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ (مجادلہ ۶۳)

یہ تو اللہ بکھ چکا ہے کہ میں اور میرے رسول ضرور بالضرور غالب رہیں گے۔

شبیہ مفسر طبرسی اس کے شانِ نزول میں لکھتے ہیں۔ "روایت ہے کہ جب مسلمانوں کو رزق میں، دکھلایا گیا کہ فلاں شہر فتح کرے گا تو مسلمانوں نے دعویٰ کیا کہ خدا ضرور بالضرور ان پر روم و ایران کو فتح کرے گا تو منافق کفنہ لگے کیا تمہارا خیال ہے کہ روم و فارس ان بوجھ سے شہروں کی طرح (معمولی) ہیں جن پر تم غالب ہوئے ہو تو اللہ نے یہ آیت اتاری۔" مجمع البیان ۱۹۲۸

اس سے معلوم ہوا کہ قبصر و کسریٰ کی فتوحات درحقیقت خدا و رسولؐ کا غلبہ اور فتح تھی حضرت عمرؓ اور آپ کے لشکرِ مؤمنین کو اس کا مظہر اور آئینہ بنایا گیا تو خلافت راشدہ کی حقانیت اظہر من الشمس ہو گئی۔

آیت ۱۰۔ هُوَ الَّذِيْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهُ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَ كَا عَلٰى الدِّيْنِ كُلِّهِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شٰهِيْدًا۔ (فتح ۲۶ پ ۲)

وہ وہی تو ہے جس نے اپنے رسولؐ کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا کہ اس کو تمام دینوں پر غالب کر دے اور دیکھ بھال کے لیے اللہ کافی ہے۔ (ترجمہ مقبول)

شبیہ مفسر طبرسی اس کی تین تفسیریں کہتے ہیں۔ ۱۔ یعنی دینِ اسلام کو دلائل وبراہین کے ساتھ تمام دینوں پر غالب کر دے۔ ۲۔ دین کو غلبہ شوکت اور دنیا کے شہروں میں اشاعت و ترقی دے کر غالب کر دے۔ ۳۔ کہ اس کی تکمیل مہدیؑ کے نکلنے پر ہوگی۔ پس زمین میں سوائے دینِ اسلام کے اور کوئی دین نہ رہے گا۔ (مجمع البیان ۲۶ پ ۲)

تبصرہ پہلی تفسیر کی ضرورت نہیں کیونکہ دلائل وبراہین سے غلبہ اسلام تو روزِ ازل



سے حاصل تھا کون سی دلیل کو کفار توڑ سکتے تھے۔ دوسری تفسیر یہ یقینی اور مستبر ہے کہ اسی کی ضرورت تھی تاکہ کفار کو مرعوب و مغلوب کر دیا جائے اور وہ اسلام کو مٹانے کے پروگرام میں ناکام ہو جائیں۔ تیسری تفسیر دوسری کے مخالف نہیں کیونکہ گوثمیل خاص مصلحت کے تحت اس وقت ہو مگر دین کے غلبہ و اشاعت کا سلسلہ تو حضرت رسولؐ اور صحابہ کرامؓ کے دور سے شروع ہو چکا ہے اور دشمنان مٹ گئے ہیں۔ اب اگر زمانہ آخر میں یہود و نصاریٰ کا پھر غلبہ ہو جائے۔ نہ یہی ظلم سے بھرا جائے اور حضرت عیسیٰ دہمدی علیہما السلام کے ذریعے خدا دوبارہ اسلام کا اظہار و انقلاب برپا فرمادے تو وہ جہاد بات ہے اور دیگر دلائل صریح سے ثابت ہے اس آیت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

آیت ۱۱۶ مومن ﴿الَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا بِشَكٍّ لَّمْ يَكُونُوا لَمْ يَكُنْ لَهُمْ كُفْرًا كَثِيرًا﴾  
 (پہلے ۱۱۶ مومن) بے شک ہم زندگانی دنیا میں اپنے رسولوں کی (بھی) مدد کرتے رہتے ہیں اور ان لوگوں کی بھی جو ایمان لائے ہیں (ترجمہ مقبول)

شیعہ مفسر طبرسی فرماتے ہیں کہ ایمان کی مدد کئی طرح کرتے ہیں۔ کیونکہ مدد حجت (اور استدلال) سے ہوتی ہے اور جنگ میں غلبہ سے بھی ہوتی ہے۔ جیسے حکمت کا تقاضا ہوا اور اللہ سبحانہ مصلحت جانتے ہوں اور ہر بانی کرنے کا ٹیڈ کرنے اور دل کو مضبوط کرنے سے بھی ہوتی ہے اور دشمنوں کو ہلاک کر دینے سے بھی ہوتی ہے اور یہ سب قسم کی امدادیں منجانب اللہ انبیاء اور مومنین کو حاصل ہوئی تھیں (مجمع ج ۲ ص ۲۴۷)

اس آیت کے تحت ہم کہتے ہیں کہ خود حضور علیہ السلام اور مومنین صحابہؓ کو بھی اللہ نے یہ سب نصرتیں عطا فرمائی تھیں۔ وہ حجت و استدلال سے غالب ہوئے۔ جنگوں میں کفار پر مظفر ہوئے۔ تائید ربانی سے ان کے دل مضبوط ہوئے اور ان کے دشمن ان کی تلواروں سے ہلاک ہوتے رہے۔ اور یہ سب کچھ خلافت راشدہ ہی کی تشریح ہے جس کی حقانیت کی یہ آیت بھی ضامن ہے۔ کیونکہ اگر ان کو اس کا مصداق نہ مانا جائے تو یہ منوکہ وعدہ و بشارت نصرت سچی ہوگی کہ مخالفین صحابہؓ شیعہوں کو تو ناپسندوزان میں سے کسی قسم کی مدد حاصل نہ ہوگی۔

آیت ۱۲ ﴿كَذَّبُوا عَنْ آخِرِ مَا كَانُوا يَكْفُرُونَ﴾  
 کہ وہ کھینچی کے مانند ہیں کہ اس نے اپنی



كَانَ ذَٰلِكَ فَاسْتَخْلَفَ فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ  
سُوقِهِ يُعْجِبُ الذُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ  
الْكُفَّارَ ر پ ۲۶ فتح ۴۶

کفار کو غصہ دلائے (ترجمہ مقبول)

کونسل نکالی پھر طاقت ور اور مضبوط ہو کر  
اپنے تنے پر کھڑی ہو گئی اب کھیتی کر لے والوں  
کو اچھی معلوم ہوتی ہے تاکہ ان کے ذریعے سے

مفسر طبری لکھتے ہیں۔ ”واحدی کہتے ہیں کہ یہ مثال اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی  
اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہؓ کی دی ہے۔ پس کھیتی تو محمدؐ ہیں اور پودے اس کے اصحاب اور  
آس پاس رہنے والے مومن ہیں۔ جو انتہائی کمزوری اور قلت میں تھے جیسے شروع میں چری  
(فصل) کمزور ہوتی ہے پھر موٹی اور مضبوط ہو کر بڑھا جاتی ہے (یعنی ایک سے کئی شاخیں بن  
جاتی ہیں) تو اسی طرح مومنین صحابہ کرامؓ ایک دوسرے سے مل کر مضبوط ہو گئے اور خوب  
سخت طاقتور ہو گئے۔ اور اپنی خلافت (اسلام) پر پورے کھڑے ہو گئے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ ان  
کی ترقی کی وجہ سے کفار کو چڑا کر دے یعنی خدا نے ان کو بہت کثیر بنا دیا اور مضبوط کر دیا تاکہ یہ خدا  
کی اطاعت پر اتفاق اور اپنی کثرت کی وجہ سے کافروں کو غصہ دلائیں۔“ (تجمع البیان پ ۲۶)  
یہ آیت سورت نور کی آیت استخلاف ہی کی تفسیر و تشریح ہے۔ کہ وہ کثرت ہو کر فتوحات  
کے ذریعے دنیا پر اسلامی کھیتی کی طرح چھا گئے فصل بونے والے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
کو تو یہ اچھے لگتے ہیں مگر کافران سے جلتے ہیں۔ کیونکہ ان کے ممالک اور علاقے صحابہؓ کے قبضے میں  
آگئے اور معلوم دنیا کی سب سے بڑی طاقتیں ختم ہو گئی تھیں۔ اب شیعہ حضرات ہی انصاف کر کے  
بتلائیں کہ وہ صحابہ کرامؓ کی تعمیر و ترقی اور فتوحات کے ذکر خیر سے چڑتے ہیں اور خلافت راشدہ  
کو بالکل برحق نہیں مانتے اور ان کے عیوب کی تلاش میں سرگردان رہتے ہیں۔ لِيَغِيْظَ بِهِمُ  
الْكُفَّارَ کی موجودگی میں ان کو کیا خطاب دیا جائے؟ جب حضورؐ کو ان کی یہ ترقی اور کثرت  
پسند گئے اور آپ ان کو۔ ۳۔ ۴۔ ۱۰ نفوس کہہ کر فصل اجاڑنے کا مشغلہ جاری رکھیں تو کیسے  
کوئی آپ کو مومن بالرسول اور خیر خواہ اسلام باور کرے گا؟

احادیث مصطفیٰؐ اور خلافت راشدہ | سوال ۳ کے جواب میں کچھ ذکر ہو چکی ہیں شیعہ  
اصول پر کچھ یہ ہیں۔



۱۔ بعض از واجح مطهرات کو بتلایا کہ میرے بعد حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ خلیفہ ہوں گے۔  
 حیات القلوب ج ۲ ص ۶۱۔ تفسیر قمی ص ۱۳۶۔ تفسیر مجمع البیان ص ۳۱۲ ج ۲۔ سورت تحریم۔  
 اصل الفاظ یہ ہیں۔ ”فقال ان ابا بکر یلی الخلافت بعدی ثم بعدہ ابولفضل  
 من اخبیرک بهذا فقل اللہ اخبیرنی۔“ اس بنیادی مسئلہ پر یہ سب سے قطعی دلیل  
 ہے کہ فرمان و خبر نبوی ہے۔ اگر خلافت صدیق و فاروق کو منجانب خدا و رسولؐ سپی اور فیصلہ  
 شدہ مانا جائے تو مذہب شیعو باطل ہے۔ اگر شیعہ سچے ہوں تو خدا و رسولؐ کی صداقت ختم  
 ہو جاتی ہے۔

۲۔ آپؐ نے حضرت ابو بکرؓ کو ولیعہد کی طرح امام نماز بنایا جیسے ابن سعد طبری ابن  
 اثیر ابن خلدون وغیرہ تمام کتب تاریخ میں مذکور ہے۔ اور صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ باب الامامۃ  
 میں ہے کہ ابو بکرؓ کو امامت کا حکم دیا اور صحابہ کرامؓ نے اس امامت حضرتؐ سے امامت کبریٰ پر  
 استدلال کر کے آپؐ کی بیعت فرمائی۔

۳۔ متعدد مواقع پر حضورؐ علیہ الصلوٰۃ والسلام قیصر و کسریٰ کی فتح کی بشارت دی اور  
 اپنی طرف نسبت کی۔ علامہ باقر علی مجلسیؒ آیت فی اللہ ملک الملائک کے تحت فرماتے  
 ہیں۔

۴۔ معتبر روایات کے موافق یہ آیت اس وقت نازل ہوئی کہ فتح مکہ یا جنگ خندق کے  
 موقعہ پر حضورؐ نے خبر دی۔

کہ خدا مین و امت من باد ملک بادشاہا  
 عجم و روم و مین و منافقان گفتند کہ محمد  
 منجھے اور میری امت کو دے دیئے اور منافق  
 کہتے تھے کہ محمدؐ مکہ و مدینہ پر اکتفا نہیں کرتا  
 بادشاہاں میکنند (حیات القلوب ج ۲ ص ۱۵۸-۱۵۹) اور بادشاہوں کے حاکم کا لالچ رکھتا ہے۔

۵۔ حضورؐ کے فرمودہ کے مطابق عجم کے بادشاہ بڑی طاقت و شوکت کے باوجود ختم  
 ہو گئے (حیات القلوب ج ۲ ص ۱۵۸-۱۵۹)۔ اور حق تعالیٰ نے چند آیات دیگر میں خبر دی  
 ہے کہ بلاد فارس و روم کے علاوہ دیگر فتوحات اور نصرتیں خدا کی طرف سے ہوں گی۔ جن کا



ذکر میں نے بجا اللانوار میں کر دیا ہے۔ (حیات ۲۷ ص ۱۶)

۶۔ ایک عرب کے مشہور عالم عبدالمسیح بن عمر و عسائی نے بشارت دی تھی پیچیر آخر الزمان کے مبعوث ہونے پر۔۔۔۔۔ ملک شام و عجم ان کے بادشاہوں کے ہاتھوں سے نکل جائیگا۔ اور قیصر کسریٰ کے گرنے والے ننگروں کی مانند وہ بادشاہی کریں گے پھر ان کی بادشاہی ختم ہو جائے گی۔ جو کچھ ہونا ہے ہو کر رہے گا۔ پھر عیسیٰ کہتے ہیں کہ ان کے ۱۰ بادشاہ ۱۴ سال میں ختم ہوئے۔ باقی حضرت عثمانؓ کے زمانہ تک رہے۔ اور عیسیٰ و نابود ہو گئے۔ (حیات القلوب ص ۵۶۔ جدار الیون ص ۱۴)

۷۔ کئی مرتبہ حضورؐ نے اہل عرب کو اسلام کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا کہ خدا اور رسول کو مان لو۔

بادشاہ عرب و عجم شہید و در بشت  
تا کہ تم عرب و عجم کے بادشاہ بن جاؤ اور بشت  
بادشاہ با شہید (حیات القلوب ص ۲۶۱)  
۸۔ جنگ خندق کے موقع پر کھدائی کرتے ہوئے فرمایا کہ خدا نے پہلی چک میں مین کے محل مجھے دیئے۔ دوسری میں شام کے محل مجھے دیئے۔ تیسری میں مدائن کے محلات مجھے ملے اور عجم کی حکومتیں مجھے مل گئیں۔ پھر خدا نے یہ آیت نازل فرمائی۔  
لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ  
كُرْهًا أَلْمُشْرِكُ كُون (حیات القلوب ص ۲۶۷)  
تا کہ اللہ تعالیٰ اسلام کو تمام ادیان (و ملل) پر غالب کر دے اگرچہ مشرک اسے ناپسند کریں۔ (۲۶۷ ص ۲۶۷ وغیرہ)

۹۔ جب کسریٰ نے حضورؐ کا مکتوب پھاڑ دیا تو آپؐ نے فرمایا  
امت من بزودی مالک زمین او  
میری امت جلد ہی اس کی زمین کی مالک بن جائے گی۔  
خواہند شد (حیات القلوب ص ۱۴)

قیصر و کسریٰ کے قاصدوں سے فرمایا۔ اپنے بادشاہوں سے جا کر کہو۔

کہ بادشاہی من تا بمنتہائے زمین  
اور قیصر و کسریٰ کے ملک میری امت کے  
خواہد رسید و ملک قیصر و کسریٰ بتصرف



امت من در خوابد آمد (حیات القلوب) قبضے میں آجائیں گے۔

قیصر و کسری کی فتح کی پیشینگوئی کے متعلق یہ صرف ایک کتاب کی کچھ عبارات ہیں ورنہ یہ قصہ کتب ثبوت میں بھی متواتر ہے۔ باتفاق سنی شیعہ یہ فتوحات عمدہ فاروقی و عثمانی میں ہوئیں۔ آپ نے ان کی نسبت فتح خود اپنی طرف یا اپنی امت کی طرف کی ہے جس سے خلافت راشدہ کی حقانیت اظہر من الشمس ہو گئی

۱۰۔ شیعہ کی قدیم ترین معتبر تفسیر قمی (مصنفہ علی بن ابراہیم استاذ کلینی) ج ۲ ص ۴۸ اسورت احزاب حالات خدق میں ہے۔

مذکر حضور نے کدال لے کر خود چٹان پر ماری تو بجلی چمکی اور ہم نے شام دو قیصر کے محلات دیکھے پھر دوسری دفعہ ماری تو بجلی چمکی اور ہم نے دائن (ایران) کے محلات دیکھے۔ پھر تیسری دفعہ ماری اور بجلی چمکی تو ہم نے یمن کے محلات دیکھے تو حضور نے فرمایا یقیناً اللہ ان ممالک کو تم پر فتح کرے گا جو بجلی میں تم نے دیکھے۔

۱۱۔ حضور علیہ السلام نے خلافت راشدہ کی حقانیت پر اہل سنت کی ۱۲ احادیث فرمایا۔ میں سو یا ہوا تھا کہ خواب میں دیکھا کہ ایک کنوئیں پر کھڑا ہوں۔ ڈول رکھا ہے۔ میں نے اس سے پانی کھینچا جتنا اللہ نے چاہا۔ پھر ابن ابی قحافہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے وہ لے لیا تو ایک دو ڈول انہوں نے نکالے مگر ان کے بھرنے میں کچھ ضعف تھا اللہ ان کو معاف کرے۔ پھر وہ ڈول بہت بڑا بن گیا تو اسے عمر بن الخطابؓ نے لے لیا میں نے کسی زور آور کو نہیں دیکھا کہ وہ عمرؓ کی طرح زور و طاقت سے بھرتا ہو۔ یہاں تک کہ سب لوگ سیراب ہو گئے۔ بخاری و مسلم از ابو ہریرہؓ و ترمذی از ابن عمرؓ

اس حدیث میں صریح اشارہ شیخینؓ کی خلافت کی طرف ہے اور حضرت عمرؓ کی خلافت

۱۲۔ کافی کتاب الروضہ ص ۲۱۶ طہتران میں محشی علی اکبر غفاری صاحب فرماتے ہیں چٹان والی یہ حدیث متواترات میں سے ہے اسے خاصہ اور عامہ سب نے بہت سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے شیخ صدوق نے بھی اپنی سند سے حضرت برادر بن عاصیؓ سے روایت کیا ہے۔ انتہی۔



کی قوت اور کثرت فتوحات کا بھی بیان ہے اور حضرت صدیقؓ کی خلافت کا صنف خلافت فاروقیؓ کے مقابلہ میں کثرت فتوحات نہ ہونے کی وجہ سے بیان فرمایا ہے۔ گو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو مدت خلافت صرف دو برس تین ماہ ملی۔

۲۔ ابوداؤد نے حضرت ابوبکرؓ سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں نے خواب دیکھا۔ گویا ایک ترازو آسمان سے اتاری اس میں آپ اور حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ وزن کیے گئے تو آپ وزنی رہے۔ پھر ابوبکرؓ و عمرؓ تو لے گئے تو ابوبکرؓ و عمرؓ وزنی رہے۔ پھر عثمانؓ وزن کیے گئے تو عمرؓ و عثمانؓ وزنی رہے۔ اس کے بعد وہ ترازو اوپر اٹھائی گئی اس خواب کو سن کر (ترازو کے اٹھ جانے سے) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو رنج ہوا اور آپؐ نے فرمایا کہ یہ خلافت نبوت ہے۔ اس کے بعد خدا جس کو چاہے گا بادشاہت دے گا۔ ترمذی ابوداؤد مشکوٰۃ ج ۵

ابن مردودہ کی روایت میں ہے کہ خود رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ترازو میں تولے جانے کا خواب ذکر فرمایا۔ تھوڑا سا فرق عنوان بیان کا ہے۔ اس روایت میں خلفائے ثلاثہؓ کی خلافت کا بیان ہے۔

۳۔ حاکم نے حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں مجھے قبیلہ بنو مصطلق کے لوگوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا کہ آپؐ کے بعد ہم اپنی زکوٰۃ کس کو دیں۔ آپؐ نے فرمایا ابوبکرؓ کو۔ میں نے یہی جا کر ان سے کہہ دیا۔ انہوں نے کہا جاؤ پوچھو کہ اگر ابوبکرؓ کی وفات ہو جائے تو پھر کس کو دیں۔ آپؐ نے فرمایا عمرؓ کو۔ ان لوگوں نے کہا پھر عمرؓ کے بعد کس کو دیں۔ آپؐ نے فرمایا عثمانؓ کو۔“

مولانا عبد الشکور کسنویؒ یہ روایت لکھ کر فرماتے ہیں۔ اس مضمون کی روایات بہت ہیں کسی میں زکوٰۃ کا حوالہ اپنے بعد خلفائے ثلاثہؓ پر فرمایا ہے کسی میں اپنے قرض کی ادائیگی کا۔ کسی میں کسی اور معاملہ کا۔ یہ سب ولی عہدی کے دلائل ہیں۔ بعض روایات میں ہے کہ پوچھا گیا حضرت عثمانؓ کے بعد تو فرمایا کہ عثمانؓ کے بعد ہو سکے تو مر جاؤ یعنی ان کے بعد بڑے بڑے فتنے ہوں گے۔



۴۔ ابن عباسؓ سے روایت ہے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ خدا کی قسم ابوبکرؓ و عمرؓ کی خلافت کتاب اللہ میں مذکور ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب نبیؐ نے ایک راز کی بات اپنی بعض بی بیوں سے کہی تھی۔ وہ یہ کہ آپؐ نے حضرت حفصہؓ سے کہا کہ تمہارے والد اور عائشہؓ کے والد میرے بعد لوگوں پر حاکم ہوں گے۔ اس کو کسی سے بیان نہ کرنا۔ یہ روایت علامہ واحدی نے لکھی ہے کتب تنبیہ سے حوالہ جات گزر چکے ہیں۔

۵۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے کچھ دیر پہلے فرمایا کہ بہ تحقیق میں نے ارادہ کیا کہ ابوبکرؓ کو اور ان کے بیٹے کو بلا لاؤں اور عہد نامہ لکھوا دوں تاکہ دعویٰ نہ کیجیں۔ اور تمنا کرنے والے کچھ تمنا نہ کریں۔ پھر میں نے کہا کہ اللہ انکار کرے گا اور سلمانؓ کو کر دیں گے کہ ابوبکرؓ کے سوا اور کوئی خلیفہ بنے (بخاری ج ۲)

۶۔ جبیر بن مطعم سے روایت ہے کہ ایک عورت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور اس نے کسی معاملہ میں آپؐ سے گفتگو کی۔ آپؐ نے اسے حکم دیا کہ پھر آنا اس نے کہا اگر میں آپؐ کو نہ پاؤں۔ مطلب یہ کہ آپؐ کی وفات ہو جائے تو آپؐ نے فرمایا۔ مجھے نہ پاؤں تو ابوبکرؓ کے پاس آنا۔ یہ حدیث بخاری ج ۱ ص ۱۵۸ ترمذی ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت کی ہے) ۷۔ بیہقی اور ابونعیم نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عنقریب تمہارے اندر بارہ (مقتدر) خلیفہ ہوں گے۔ ابوبکر صدیقؓ تو میرے بعد تھوڑے دن پائیں گے اور وہ عرب کی چکی چلانے والا اچھی زندگی پائے گا۔ اور شہید ہو کر مرے گا۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ (چکی چلانے والا) کون شخص ہے۔ فرمایا عمرؓ بن الخطاب۔ پھر آپؐ عثمانؓ بن عفان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ تم سے لوگ درخواست کریں گے کہ ایک قمیض جو اللہ نے تمہیں پہنائی ہے انار دو لیکن قسم اس کی جس نے حق کے ساتھ مجھے بھیجا اگر تم اس کو اتارو گے تو جنت میں داخل نہ ہو گے یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکہ سے نکل جائے (چنانچہ حضرت عثمانؓ نے مطلوبہ شہادت پالی مگر قمیض خلافت نہ اتاری) حضرت عمرؓ کو عرب کی چکی چلانے والا اور قطب حضرت علیؓ نے بھی فرمایا ہے۔ فکن قطباً واستدراجی من العرب (تمہارا تختہ قسم اول ص ۲۸)



۸۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا رسول خدا دنیا سے نہیں گئے۔ یہاں تک کہ مجھے یہ خبر دے گئے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کے بعد خلیفہ ہوں گے۔ ان کے بعد عمر رضی اللہ عنہ ہوں گے۔ ان کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ ہوں گے۔ ان کے بعد میں ہوں گا۔ مگر میری خلافت پر سب کا اتفاق نہ ہوگا۔ (ریاض النضرہ غلبۃ الطالبین)

۹۔ حاکم نے حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کی بنیاد میں ایک پتھر رکھا تو پھر فرمایا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ایک پتھر میرے پتھر کے پہلو میں رکھیں۔ پھر فرمایا کہ عمر رضی اللہ عنہ ایک پتھر ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پتھر کے پہلو میں رکھیں۔ پھر فرمایا کہ عثمان رضی اللہ عنہ ایک پتھر عمر رضی اللہ عنہ کے پتھر کے پہلو میں رکھیں۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ میرے خلیفہ ہوں گے۔

۱۰۔ محدث بزار نے اور طبرانی نے اوسط میں اور سیوطی نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک روز نبی صلی اللہ علیہ وسلم تنہا بیٹھے ہوئے تھے کہ میں گیا اور آپ کے پاس بیٹھ گیا اس کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے اور سلام کہا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے تو سلام کہا پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آئے سلام کہہ کر وہ بھی بیٹھ گئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سات کنکریاں تھیں۔ ان کو آپ نے اٹھایا، پھیلی میں رکھا تو وہ کنکریاں تسبیح پڑھنے لگیں یہاں تک کہ میں نے ان کی آواز شہد کی مکھی کی سی سنی۔ پھر آپ نے وہ کنکریاں زمین پر رکھیں تو وہ خاموش ہو گئیں۔ پھر آپ نے وہ کنکریاں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں رکھیں تو ان کے ہاتھ میں بھی وہ تسبیح پڑھنے لگیں۔ یہاں تک کہ میں نے ان کی آواز شہد کی مکھی کی سی سنی پھر آپ نے ان کو زمین پر رکھ دیا تو وہ خاموش ہو گئیں۔ پھر آپ نے ان کو عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں رکھ دیا تو ان کے ہاتھ میں بھی وہ تسبیح پڑھنے لگیں۔ یہاں تک کہ میں نے ان کی آواز شہد کی مکھی کی سی سنی۔ پھر آپ نے ان کو عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں رکھا تو ان کے ہاتھ میں بھی وہ تسبیح پڑھنے لگیں۔ یہاں تک کہ میں نے ان کی آواز شہد کی مکھی کی سی سنی۔ پھر آپ نے ان کو زمین پر رکھ دیا تو وہ خاموش ہو گئیں۔

فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پس رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا



کہ یہ خلافت نبوت کی ہے۔

وسلم هذه خلافة النبوة

اور ابن عساکر نے اس اور زیادہ روایت کیا ہے کہ آپ نے فرداً فرداً ہم لوگوں کے ہاتھ میں ان کنکریوں کو رکھا مگر کسی ایک کنکری نے بھی ہمارے ہاتھوں سے نہ پڑھی۔  
(بحوالہ تفسیر آیات قرآنی ۲۵۵-۲۵۶- از مولانا عبد الشکور بکھنوی)

حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نہیں جانتا کہ کتنا عرصہ تم میں زندہ رہوں گا تو تم میرے بعد ابوبکرؓ و عمرؓ کی پیروی کرنا۔

۱۱۔ عن حذیفۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی لا ادری ما بقائی فیکم فافتدوا بالذین من بعدی ابی بکرؓ و عمرؓ (ترمذی ج ۲ ص ۲۲۹)

ترمذی نے اسے حدیث حسن کہا ہے۔ اور عبد اللہ بن مسعودؓ کے علاوہ حضرت حذیفہؓ سے ربیع بن جراحؓ کے واسطے سے سندیں ذکر کی ہیں۔

شیخینؒ کو خلیفہ بنانے پر یہ حدیث مرفوع بالکل صریح دلیل ہے۔ تبھی تو سب صحابہ کرام نے اس پر عمل کر کے ان کی خلافت پر عمل اتفاق کیا۔ یاں معنی ان کی خلافت کو اجماعی یا شورائی کہا جاتا ہے۔

۱۲۔ حضرت جابر بن عبد اللہ حضور علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ آج ایک نیک آدمی (حضورؐ کی ذات مراد ہے) کو خواب آئی کہ ابوبکرؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جوڑا گیا اور عمرؓ کو ابوبکرؓ کے ساتھ اور عثمانؓ کو عمرؓ کے ساتھ جوڑا گیا۔ جابرؓ کہتے ہیں کہ جب ہم رسول اللہؐ کے پاس سے اٹھے تو یہ تعبیر دیتے تھے کہ رجل صالح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور اجنوں کا بعض کے ساتھ جوڑا کا معنی یہ ہے کہ یہ اس شریعت کے والی اور خلفاء (نبوی) ہیں۔ جو اللہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دے کر بھیجا ہے۔ (ابوداؤد ج ۲ ص ۲۸۱ باب الخلفاء)

یہ تمام احادیث خلافت راشدہ کی حقانیت اور خلفاء کے ولی عہد نبوی ہونے پر صاف صاف دلالت کرتی ہیں۔

رہا یہ کہ پھر خلفاء نے بیعت لیتے وقت ان کو پیش کیوں نہ کیا تو اس کی رکاکت ظاہر



ہے۔ کیونکہ خلفاء کو خود میاں مٹھو بن کر اپنے لیے یہ احادیث پڑھنے اور کشمکش برپا کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ پھر بحق ان میں صرف چند کارناموں اور فتوحات پر مشتمل ہیں۔ جب تک فتوحات عمل میں نہ آئیں تو کوئی کیسے فاتح یا خلیفہ مبشر فی الاحادیث ہونے کا دعویٰ کرے۔ شیعوں کے یہاں احادیث مصطفیٰ سے احادیث ائمہ کا درجہ زیادہ ہے۔ لہذا اس ضمن میں حضرت علیؑ کی بھی ایک حدیث پیش خدمت ہے۔ (بقیہ ارشادات ائمہ سوال ۳ کے جواب میں ملاحظہ کریں)

خبردار! میں ان شخصوں سے ضرور جنگ کروں گا۔ ایک وہ جو ناحق پر دعویٰ کرے اور دوسرا وہ جو حق کو دوسروں سے روکے (نہج البلاغہ) تاریخ شاہد ہے کہ حضرت علیؑ نے خلفائے ثلاثہ سے جنگ نہیں کی۔ معلوم ہوا کہ آپ کے نزدیک ان کی خلافت برحق اور صحیح تھی۔ اسی شیعہ کتب حدیث۔ سیرت اور تاریخ سے یہ مصرح ہے خلافت اور اجماع امت کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور دیگر سب خلفاء پر حضرات صحابہ کرامؓ اور سب امت نے اتفاق فرمایا۔ شیعہ بھی اس کے معترف ہیں۔ تبھی تو سب صحابہ کرامؓ اور امت سے ناراض اور ان کو کالیوں دیتے رہتے ہیں۔ اور کہتے ہیں اجماع سے کوئی خلیفہ نہیں بن سکتا۔ لیکن ہم کہتے ہیں بالقرآن و سنت سے کوئی نص اور اشارہ خلفائے ثلاثہؓ کی خلافت راشدہ پر نہ ہو تب بھی سب صحابہ کرامؓ کے اتفاق و اجماع سے خلافت راشدہ کی حقانیت قطعی اور یقینی ہے۔ اولاً امت گمراہی سے محفوظ ہے تو اجماع برحق ہوا۔ جیسے تفصیل گزر چکی ہے۔ ثانیاً صحابہ کرامؓ کو اللہ تعالیٰ نے

ہم المصدقون — ہم الماشدون — ہم المومنون حقاً —  
 ہم المفلحون — ہم الغلبون — ہم الفائزون —  
 ہم المنتقون — ہم الصالحون — جیسے انقیابات سے نوازا۔  
 سب کو کُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنٰی — اور رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَوَضَعُوْهُ  
 کی سند عطا کی۔ کیا عقل سلیم کسی بھی درجے میں یہ باور کر سکتی ہے کہ الیاز  
 باللہ یہ سچے۔ راست رو۔ پکے مومن۔ ابدی کامیاب۔ کفار بر غالب۔ کامیابی سے



سرفراز۔ خدا سے ڈرنے والے۔ نیکو کار۔ سب ہی بھلائی کے مستحق۔ خدا کے پسندیدہ و مقبول اور خدا سے راضی و مسرور۔ سب گمراہ ہو جائیں اور مستحق خلافت عند الشیخہ حضرت علیؑ کو چھوڑ کر غیر مستحق حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ پر اتفاق و اجماع کر لیں۔ کلا ان هذا لا بہتان عظیم۔

مثلاً۔ حضرت علیؑ المرتضیٰ کے مذہب میں بھی اجماع سے خلیفہ بنتا ہے۔ چنانچہ حضرت معاویہؓ کو اپنی بیعت کی دعوت دیتے ہوئے اپنی خلافت کی حقانیت پر یہی دلیل پیش کی۔  
انہ بالیعنی القوم الذین بالیعوا  
ابابکر و عمر و عثمان علی ما بالیعوم علیہ  
قلہ یکن للشاہد ان یختار و لا  
للغائب ان یردوا انما الشوری  
للمہاجرین و الانصار فان اجتمعوا  
علی رجل و سموہ اماما کان ذالک  
للہ رضی رنہم البلاغ ج ۳ ص ۲۶۱  
الطوال ص ۱۶۱ بحوالہ تاریخ اسلام ندوی ص ۱۶۱

بے شک میری ان اصحابین و انصارؓ لوگوں نے بیعت کی ہے جنہوں نے ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ کی بیعت کی تھی۔ اسی منصب خلافت پر جس پر ان کی بیعت کی تھی۔ اب موجود کو خلیفہ نہیں کہ اور کسی کو خلیفہ چنے نہ غائب کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ بیعت رد کرے۔ یہ مشورہ ہے اختلاف مہاجرین و انصارؓ کا حق ہے۔ وہ اگر کسی آدمی پر اتفاق کر لیں اور اسے نامزد کر دیں تو اللہ کا پسندیدہ امام بھی وہی ہوتا ہے۔

بطور اختصار اس سوال کا جواب یہ ہے کہ سقیفہ میں انتخاب حدیث نبوی کے تحت ہوا کہ آپؐ نے الائمۃ من قریش فرمایا تھا۔ معلوم ہوا کہ انصارؓ کے بجائے مہاجرین اور وہ بھی قریشی حقدار ہیں۔ پھر جب سب صحابہ کرامؓ نے بنا بر حکم نبوی امام نماز ہونے کے سب سے افضل ابوبکرؓ کو جانا تو مشورہ سے آپؐ کے ہاتھ پر بیعت کی اور شوری و اجماع سے یہ بیعت حجت قطعہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ ۚ (مسلمانوں کے اجتماعی معاملات باہمی مشورہ سے ہوتے ہیں، اسی پر حضرت علیؑ نے اپنی خلافت کی حقانیت بتلائی اور پھر طالبن قضا ص پر تلوار اٹھائی۔ جب ایک کام اصولی طور پر درست ہو جو کسی دلیل سے ثابت ہو تو ضروری نہیں کہ



سب ادا شد عجب سے اس کو اسی وقت ثابت کیا جائے خصوصاً اگر وہ زمانہ کے اعتبار سے اپنے اندر ابہام رکھتا ہو۔ جیسے بالعموم پیشینگوئیوں کی یہی صورت ہوتی ہے کہ وعدہ کے ایفاء یا پیش گوئی کے پورا ہو چکے پر ہی اس کی حکایت کی جاتی ہے۔ قبل از وقت اسے استعمال کرنا یا دلیل بنانا موزوں نہیں ہوتا۔ جیسے فتح خیبر کے موقع پر آپ نے فاتح کے محبوب خدا و محبوب خدا ہونے کی بشارت دی تھی جب حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے آپ کے بعد یہ کام کر چکے تب اس کی تعیین ہوئی ورنہ اس سے قبل ہر شخص امیدوار تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی جھنڈا لیتے وقت وہ حدیث نہ پڑھتے تھے تو مسئلہ ہذا کو بھی اسی طور پر سمجھیں۔







## جنگِ جمل کے اسباب و علل

سوال ۱۲۔ اگر کوئی شخص خلیفہ وقت کو نہ مانے اور اس کی علی الاعلان مخالفت کرے تو ایسے شخص کی کیا سزا ہے۔ مگر یاد رہے۔ بی بی عائشہؓ، حضرت معاویہؓ، طلحہؓ اور زبیرؓ نے خلیفہ وقت حضرت علیؓ سے جنگیں کی ہیں۔ واقعات جنگِ جمل و صفین و نہروان کو پیش نظر رکھ کر فتویٰ صادر فرمائیں کہ خلیفہ رسولؐ کی مخالفت کرنے والے کی سزا کیا ہے؟ انصاف مطلوب ہے۔

الجواب۔ یہ سوال، سوال ۱۱ اسی کا چرچہ ہے۔ وہاں مفصل بحث گزر چکی ہے۔ پھر بلا حائلہ کر کے اور سوچ کر فریادیں کہ کیا ان حضرات کی طرف سے علی الاعلان خلیفہ وقت کی مخالفت ہوئی یا امام برحق حضرت عثمانؓ کے باطنی قانونوں کے قصاص کا جائز اور آئینہ سلطانیہ تھا؟ ام المومنینؓ کا موقف ان کی تقریر میں۔ قاضی نور اللہ حبیبیؒ عالی مؤلف نے بھی نقل کیا ہے۔ کہ جب بصرہ کے مرتضوی گورنر عثمانؓ بن حنیفؓ نے آپ کے بصرہ آنے کا مقصد پوچھا تو فرمایا۔

مختلف مقامات اور علاقوں کے بے وقوف اور جلا اکٹھے ہوئے اور حضرت عثمانؓ بن عفان کا بے گناہ خون بہایا۔ میں مومنوں کی ماں ہوں لشکر اکٹھا کر لائی ہوں تاکہ

جمعے از سفہائے بلاد و بقاع از اطراف و اکناف و رباع اجتماع نمودہ و اراقہ دم عثمانؓ بن عفان بے گناہ کردہ اند و من اور مومن نام سپاہ جمع آورده ام تا ازاں



جمع انتقام کشم (ج ۱) الس المومنین ج ۲۲۶ اس بلوائی جماعت سے بدلہ لوں۔

حضرت طلحہ و زبیرؓ نے بھی اپنے اسی موقف پر بصرہ میں تقریر کی تو اہل بصرہ کی ایک بڑی جماعت آپ کے ساتھ ہو گئی (ایضاً ص ۲۲۶) پھر اسی موقف کی حقانیت پر ایمان کا یہ نتیجہ تھا کہ لاتعداد اصحاب جہل اس دن شہید ہوئے اور جس کجاوے میں حضرت عائشہؓ سوار تھیں وہ مسلسل (شکر علوی کی طرف سے) تیروں کی وجہ سے چھلنی ہو گیا تھا۔ بنو صنبہ اونٹ کی ایبہ ہاتھ میں لے کر یوں کہتے تھے کہ ام المومنین کے اونٹ کی لید مشک سے بھی زیادہ خوشبودار ہے۔ اس پر فخر کرتے ہوئے اونٹ کی مہار کھڑتے تھے۔ بہادری کے جوہر دکھاتے اور اس کے سامنے شہید ہوتے جاتے تھے۔ اور (قابل عثمان) اکثر نخعی یہ خونریزی کر رہا تھا (ج ۱) الس المومنین ص ۲۸۶ ترجمہ اشتر)

تاریخ طبری وغیرہ کے حوالجات سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا موقف بھی گزر چکا ہے۔ اور نہج البلاغہ کے حوالہ سے حضرت علیؓ کا قصاص عثمانؓ کو واجب جاننا اور اپنے اور معاویہ کے اختلاف کو صرف دم عثمانؓ میں منحصر کر دینا بیان ہو چکا ہے۔ ماباقر علی مجلسی حق الیقین ج ۱۰ ص ۱۲۹ اردو میں لکھتے ہیں۔ معتمد فضیلت و مناقب آنحضرتؐ کا وہ (معاویہ) بھی منکر نہ تھا اور اسوائے قتل عثمانؓ نہیں شکر کیا ہونے کے اور کوئی فسق آپ سے منسوب نہ کر سکتا تھا بلکہ وہ اسی پر قانع تھا کہ حضرت امیر اس کی امارت برقرار رکھیں اور وہ حضرت کی بیعت کر کے حضرت کی خلافت کا اقرار کرے اور خود حضرت کے مناقب و فضائل مکرر اس کے سامنے ذکر کرتے تھے اور وہ ان کا انکار نہ کیا بلکہ ان کو اپنا پسند نہ کرتا تھا۔ شنیعہ کے خاتم المحدثین کی یہ تحریہ پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ علیؓ و معاویہؓ کا اختلاف صرف دم عثمانؓ میں تھا۔ حضرت معاویہؓ حضرت علیؓ کی خلافت کے منکر اور آپ کے مخالف ہو گئے تھے بلکہ آپ کے ماتحت امیر رہنا اور بیعت کرنا چاہتے تھے۔ لیکن آپ کو تو مجبور اپنا دفاع کرنا پڑا۔ جیسے تفصیل سوال ۵۱ میں آ رہی ہے۔

قدیم و جدید تاریخ کی روشنی میں یہ عالمی سیاسی اصول مسلم ہے کہ حکومت رعایا کے جذبات کا احترام کرے ان کو ذہنی سکون مہیا کرتے ہوئے ان کے واقعی مطالبہ کو لوہا کرے



تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ شہادت عثمانؓ کے بعد مملکت اسلامیہ میں انتقام اور غیظ و  
 غصہ کی آگ بھڑک اٹھی تھی۔ اہل مدینہ اور اطراف و جوانب کے لوگ اس خلیفہ سید حق عثمان  
 مظلوم کا قصاص چاہتے تھے جس کا ۱۲ سالہ دورِ حکومت نہایت ہی پر امن اور مالی فراوانی  
 و خوشحالی کا گوارہ تھا۔ حتیٰ کہ زکوٰۃ لینے والا بھی کوئی نہ ملتا تھا۔ اور مسلمانوں پر چاروں  
 طرف سے فتوحات کے دروازے کھلے ہوئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے افراد جو قصاص  
 عثمانؓ کی شرط پر حضرت علیؓ کے ساتھ ہوئے تھے۔ مگر حیب آپ قصاص پر قادر نہ ہو سکے۔ تو  
 مجبوراً وہ بھی آپ سے علیحدہ ہو گئے۔ اور طالبانِ قصاص کے حق میں اپنا فیصلہ دیا۔ بلوائیوں  
 کے مکروہ فریب سے خونی حادثات کے بعد بھی قانونی طور پر حکومت سے یہ مسئلہ حل نہ ہوا۔ اور  
 رعایا مطمئن نہ ہوئی۔ حتیٰ کہ کوفہ اور اہل حجاز کے سوا سب صوبے حضرت معاویہؓ کی تحویل میں چلے  
 گئے اور شیعہ کے خیال میں تو حضرت علیؓ کے حامی بہت کم تھے۔ اسی حقیقت کو۔ مخالفتِ خلافت  
 کا غلط رنگ دے کر۔ قاضی نوادہ صاحب بھی تسلیم کرنے پر مجبور ہیں۔

”جب خلافت حضرت امیرِ مسلمینؓ کی تاجبھاری سے الگ ہے  
 اور طلحہ زبیرؓ اور معاویہؓ باغی کی موافقت کو امیرؓ کی تاجبھاری پر ترجیح دی حتیٰ کہ کتب  
 سیرت میں مؤرخین نے لکھا ہے۔

کہ با حضرت امیر از قبیلہ قریش در  
 حرب صفین پنج نفر ہمراہی نمودند و سیزده  
 قبیلہ از ایشان باخانہ و کورہ ہمراہ معاویہ  
 بودند (مجلس المومنین ص ۲۶۲)

کہ جب صفین میں حضرت علیؓ کے ساتھ  
 قریش کے صرف آدمی تھے اور قریش  
 کے ۱۳ قبیلے مع اپنے افرادِ خانہ اور سب  
 کے معاویہؓ کے ساتھ تھے۔

حالانکہ مخالفتِ خلیفہ کا طعن بدانتہا غلط بات ہے۔ کیونکہ حضرت معاویہؓ اور طلحہؓ  
 و زبیرؓ نے خلافت کا دعویٰ تو نہیں کیا تھا۔ وہ تو صرف قصاصِ عثمانؓ کے طالب تھے  
 پانچ آدمیوں کے سوا قریش کے تیرہ قبائل کا تمام آدمیوں سمیت۔ طالبانِ بدلہ کی صف میں  
 شامل ہونا یہ بتلانے کے لیے کافی نہیں کہ اس وقت کی پوری قوم اور رعایا کا مطالبہ  
 قصاص ہی تھا۔ حضرت علیؓ بوجہ چند تعجیل میں معذور تھے۔ مگر اس موقف پر آپ کے



بہم خیال بہت کم لوگ تھے۔ اتنی واضح بات کو مخالفت خلیفہ کا طعن دینا یا طالبانِ قصاص کو حضرت علیؑ سے جنگوں کا قہر تکب کہنا بہت بے انصافی کی بات ہے۔ کیا عام پبلک سابقہ صدرِ مملکت کے قتل کے قصاص کا نئے صدر سے مطالبہ کراٹے تو کیا یہ مخالفت صدر ہوگی۔ اور وہ نہ کر سکے یا نہ کرنا چاہے۔ اور پبلک از خود تنظیم بنا کر مجرموں سے قصاص لینا چاہے تو کیا یہ حکومت سے اس کے فرض کی ادائیگی میں تعاون ہوگا یا اس کی مخالفت ہوگی؟ اور کیا کسی حکومت کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اس جائز مطالبہ پر پبلک پر لشکر کشی کر کے ان کو تہس نہس کر دے۔

اگر ان سب امور کا جواب نفی میں ہے تو شیوہ حضرات ان حادثات کو سنی نقطہ نظر سے کیوں نہیں دیکھتے کہ یہ ہوائیوں کے ٹکروں اور غلط فہمی کا منفی نتیجہ تھیں حقیقتہً اختلاف صرف دم عثمانؓ بلکہ اس کے طریق کار میں تھا۔ اور باوجود مثبت کثیر مواد ملنے کے اس منفی انداز پر کیوں سوچتے ہیں کہ حضرت علیؑ کی سب پبلک مخالف تھی بڑے بڑے اکابر اور سیاستدان صحابہؓ ناراض تھے۔ پانچ انہیوں کے سوا کوئی قریشی بھی آپؐ کا ساتھ نہیں دیا اس طرزِ تفکر میں حضرت طلحہؓ و زبیرؓ اور معاویہؓ یہ اتنا حرف نہیں آتا جس قدر حضرت امیرؓ پر آتا ہے۔ لیکن شیوہ حضرات ہیں کہ ”حب علیؑ نہیں، بغض معاویہؓ“ اور دشمنی صحابہؓ رسولؐ کی وجہ سے ناوان دوستی کے رنگ میں حضرت علیؑ و اہل بیتؑ کو مظلوم، مہزوب، غیر مقبول، رعایا کے دل میں غیر محترم۔ اپنے مقاصد میں ناکام۔ دہشتوں کی اعانت سے محروم اور سب مسلمانوں کے مخالف و دشمن ثابت کرنے پر تلے رہتے ہیں۔ اس طرزِ فکر اور اندازِ تحریک سے مقامِ اہل بیتؑ میں اضافہ تو درکنار توہین و رنج ہوتی ہے۔ ہاں شیوہ حضرات کو اپنی گروہ بندی اور جہال مسلمانوں میں تفرقہ بازی پھیلانے کا خوب حربہ ہاتھ آتا ہے۔

رہا یہ امر کہ خلیفہ رسولؐ کی مخالفت کرنے والے کی سزا کیا ہے؟ تو اس کا ساوہ سا جواب یہی ہے کہ حقائق بالاکمی روشنی میں۔ یہ حضرات مخالفوں کی فہرست میں نہیں آتے اور نہ حضرت علیؑ نے ان کو اپنا مخالف مانا۔ ہاں قصاص عثمانؓ کے طریق کار میں یہ اختلاف



ضرورت تھا۔ جو غلط فہمی اور اجتہادی اختلاف پر مبنی تھا۔ ایسے اختلاف پر گوراء پیٹ اور قتال ایک کی نوبت کیوں نہ آجائے۔ اسے مخالفت اور دشمنی نہیں کہا جاسکتا۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارونؑ کو اپنے بڑے بھائی کی اس خیال پر سر اور واڑھی پکڑنی اور نہ دو کو بکریا چاہا کہ انہوں نے بنی اسرائیل کو تبلیغ میں کوتاہی کی (القرآن) ۲۔ ایک اسرائیلی کی نصرت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک قبیلے کو بطور تنبیہ ایک مکا مارا۔ اور وہ مر گیا۔ پھر دوسرے دن اسی اسرائیلی نے آپ کو نصرت کے لیے بلایا تو اس شیعہ کو آپ نے کھوٹی زمینیں کھلا گمراہ کہا۔ (القرآن نپا) اگر اس کی شہادت کا آپ کو پہلے دن پتہ چل جاتا تو قبیلے کا قتل اور جلا وطنی کی نوبت نہ آتی۔

۳۔ اہل تاریخ نے لکھا ہے کہ جب حضرت حسنؑ نے شیعہ اکابر کے اجتہادی اختلافات | حضرت معاویہؓ کو خلافت سپرد کر کے بیعت خلافت کر لی تو حضرت حسینؑ بہت ناراض ہوئے اور فرماتے تھے۔ اگر میری ناک کٹ جاتی تو اس سے بہتر تھا جو میرے بھائی نے کیا۔ حضرت حسینؑ نے فرمایا۔ بھائی! امام میں ہوں۔ چپ رہ ورنہ پاؤں میں بیڑیاں ڈال دوں گا (شاید یہی وجہ ہے کہ حضرت حسینؑ کی بہ نسبت شیعہ حضرت حسنؑ کا نام بہت کم لیتے ہیں۔ ان سے ناراض ہیں ان کے نام کی مجلس۔ تہذیب مکہ۔ ماتم عزاداری۔ کارناموں اور قربانیوں کی تشبیہ وغیرہ شیعہ ہم نے نہیں سنی۔ حتیٰ کہ شیعہ کے سب سے بڑے مولف کلینی نے کافی کے باب الزیارات میں حضرت حسنؑ کے جنت البقیع میں مزار اور ان پر صلوات و سلام کا تذکرہ تک نہیں کیا، ظاہر ہے اتنے شدید اختلافات میں بھی ایک بھائی کو دوسرے کا دشمن نہیں کہا جاسکتا۔

۴۔ حضرت حسنؑ کی اسی بیعت کے سلسلہ میں ایک کثر شیعہ سفیان بن ابی یسلیٰ نے آپ کو یوں سلام دیا۔ السلام علیک یا مذل المومنین و جلا العیون ۶۳؎ ۲؎ جس المومنین ۳؎ اے مومنوں کو ذلیل کرنے والے تجھ پر سلام ہو۔ اس کے باوجود شیعہ کے نزدیک یہ پکا شیعہ اور مومن ہے۔ اس طنز و مخالفت حسنی کے باوجود وہ آپ کا دشمن نہیں۔



۵۔ صلح و بیعت حسنی کے دو سال بعد تک بھی شیدائے کوفہ - تناسف و حسرت اور معاویہ سے لڑنے کی آرزو کرتے۔ حتیٰ کہ ان کے لیڈر سلیمان بن صرد خزاعی نے حضرت حسنؓ کی خدمت میں آکر کہا۔ آپ کی صلح سے ہمارا تعجب دور نہیں ہوا۔ جبکہ ہم ہزار تنخواہ خور جنگجو آپ کے ساتھ ہیں۔ مگر حضرت حسنؓ نے ان کو اپنے شیعہ اور دوست کہا (جلد ۱۲۶۳ ص ۲۶۳)

معلوم ہوا کہ نظریہ اور عمل میں دو سال تک حضرت حسنؓ کے مخالف رہنے والے بھی دشمن نہیں بلکہ محب شیعہ ہیں۔ حتیٰ کہ حضرت حسنؓ کے کمانڈر انچیف حضرت قیس بن سعد کے متعلق شومتری نے لکھا ہے کہ جب حضرت حسنؓ نے خلافت معاویہ کے سپرد کی تو قیس اس عمل سے ناراض اور رنجیدہ ہو گئے۔ اور دل چلے ہو کر (حضرت حسنؓ کے متعلق) گستاخانہ باتیں کرتے اور آنحضرت کے لشکر سے علیحدہ ہو گئے۔ مگر قیس کی قوم حضرت حسنؓ سے جدا نہ ہوئی اور ان کے لیے حضرت معاویہ سے ایمان لے لی۔ قیس مدینہ جا کر عبادت میں مشغول ہو گئے حتیٰ کہ ۶۰ھ خلافت معاویہ کے آخر میں وفات پائی (محالیں المومنین ص ۲۳۹)

یہاں بطور نمونہ صرف پانچ مثالیں پیش کرتے ہیں کہ یہ اختلافات بظاہر رتبے اختلافات ہیں۔ فریق ثانی یا پیغمبر یا امام موصوم جن کی توسل یا قول و فعل کی ناپسندیدگی کفر ہے مگر وہ کونسا شیعہ ہے۔ جو حضرت موسیٰ یا حسینؓ سفیان ابن ابی لیلیٰ اور حضرت قیس بن سعد پر خارج از ایمان ہونے کا فتویٰ لگائے گا (دیدہ باید)

ان شدید اختلافات کے باوجود اگر ان پر فتویٰ نہیں لگا سکتا۔ اور یہی صحیح مذہب ہے۔ کیونکہ یہ اختلافات اور تندہی و تیزی البعض فی اللہ کے تحت ایمانی جذبات کے ترجمان ہیں۔ اور علم غیب اور اسرار پر آگاہی نہ رکھنے والوں سے انے چیزوں کا حدود ہی ایک گونہ کمال ہے۔ اسی طرح حضرت طلحہ۔ زبیر۔ عائشہ صدیقہ اور معاویہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے قاتلان عثمانؓ سے بعض فی اللہ کے تحت قصاص عثمانؓ کی تحریک چلائی۔ کیونکہ عند الرسولؐ حضرت عثمانؓ کا مقام۔ اور قصاص عثمانؓ پر آمادگی کی وجہ سے ہی بیعت رضوان اور ۵۰۰ صحابہ کرامؓ کے جنتی ہونے کی قرآنی سند

۶۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت عمرؓ کی حضورؐ سے گفتگو کا الزامی جواب یہی ہے۔ منہ



ان کو معلوم تھی۔ اور وہ ایسا کرنے میں معذور تھے۔ حضرت علیؓ بھی حضرت عثمانؓ کا مقام جانتے  
 اور اس مسئلہ کی نزاکت سے خوب واقف تھے۔ مگر آپ اپنے اجتہاد میں تاخیر مفید جانتے تھے۔  
 لہذا آپ بھی معذور تھے۔ ایک تعمیر اگر وہ غیر جانبدار رہنے والوں کا بھی تھا جو کسی طرف سے  
 بھی شریک نزاع نہیں ہوا۔ اپنے اجتہاد کی حد تک وہ بھی معذور تھا۔ اہل سنت کے نزدیک  
 قیوں گروہ اپنے اپنے اجتہاد پر عمل کرنے میں معذور و مامور تھے۔ نیت سب کی نیک تھی۔  
 اللہ کے ہاں قیوں مقبول ہیں۔ جیسے حضرات حسنینؓ اختلاف اعتقاد و عمل کے باوجود عند اللہ  
 مقبول ہیں اور ان کا اختلاف مصلحت سے خالی نہیں۔ ہمارے حنفی علامہ ابن ہمام نے مسامحہ  
 شرح مسایرہ میں کہا خوب کہا ہے تِلْكَ دُمَا دَطْهَرَا اللّٰهُ مِنْهَا اِيْدِيْنَا فَلَا نَلُوْثُ بِهِ  
 السِّنْتَنَا۔ ان خودوں سے اللہ نے ہمارے ہاتھ پاک کئے ہیں۔ تو ہم اپنی زبانیں ان سے ملوث  
 نہیں کرتے۔ اسی طرح منصف مزاج شیعہ بھی کہتے ہیں۔ ہر کہ ایک جماعت پر حق مشتبہ ہو گیا۔ وہ  
 امام علیؓ کی نصرت سے رکے رہے دنیا میں تو وہ اس تہمت سے شرمندہ رہے لیکن آخرت  
 میں عذاب سے محفوظ ہوں گے گو دنیا میں ملامت سے نہ بچ سکے (کشف الغمہ ۳۲۲ اور دہلی)  
 جو کچھ ہونا تھا خدائی نوشتہ و تقدیر کے مطابق ہو چکا۔ خلافت مرتضوی کی یہ نہانہ جنگیاں  
 قلب و جگر کو واقعی کباب بنا دیتی ہیں۔ ان پر جموعی اطباء نفسوس بھی ناکافی ہے۔ لیکن ان  
 واقعات کو اچھال کر اپنے مخصوص مذہب کو رواج دینا۔ مسلمانوں میں ۴۰۰ سال بعد نفرت و  
 عداوت کے بیج بونا۔ گڑھے مروتے اکھاڑ کر چیر زخم ہرے کرنا۔ نہ دین و دانشمندی کی بات ہے  
 نہ قوم و ملک کی کوئی خدمت ہے جس میں شیعہ حضرات منہمک ہیں۔ جبل و صفین کے ۸۰ ہزار  
 کشندگان کے متعلق ہم حسن ظنی رکھتے ہیں۔ اصولاً ہمیں اس وقت کی حکومت کے خلاف  
 پروپیگنڈہ کر کے اپنی مظلومی کا نالہ و شایوں کرنا چاہیے۔ مگر حاشا و کلا کوئی مسلمان ان قضیوں  
 میں نہیں پڑتا۔ کیونکہ امیر المومنین۔ داماد رسول۔ زوج قبول۔ آسمان شجاعت و قضاء کے  
 آفتاب۔ حضرت ابو تراب رضی اللہ عنہ بھی اس کی زد میں آجاتے ہیں اور ایک سنی مسلمان  
 آپ پر حرف گیری نہیں کر سکتا۔

لیکن تعجب یہ ہے کہ فریق ثانی صرف بہتر حضرات شہداء کر بلا کی آرٹ میں ۱۲۰۰ سال سے



مسلمانوں میں تفرقہ بازی اور نثر انگیزی کا مذموم کاروبار اور ۲۷ کے علاوہ جملہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تا بعین ہاشمی وغیرہ ہاشمی۔ علوی وغیرہ علوی بزرگان دین پر سب دشمن اور تضلیل و تفسیق کی بیماری کرتے آ رہا ہے مگر اس کا ہاتھ کپڑے والا کوئی نہیں۔

**الزامی جواب** | مخالفت اور مقابلہ کرتا ہے۔ شیعہ فاضل نعل حسنین زیدی شیخ البلاغہ اردو کے مقدمہ ۵۳ پر تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ابی طالب کے دوست انگلیوں پر گنے جانے والے تھے اور مخالف دشمن لاتحادیہ میں منقسم تھے۔ اس شیعہ تفسیر کے مطابق جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جماعت بہت کم تھی اور عام رعایا مخالف تھی تو آپ کی حکومت منظم اور محکم نہ تھی۔ ایسی حکومت کے خلاف انتظام کو شمشک بھی بغاوت شمار نہیں ہوتی۔ چہ جائیکہ سابق خلیفہ کے قتل کا طلب انصاف اور قصاص کی شکل میں بغاوت سمجھا جائے۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ زبیر رضی اللہ عنہ مباہلہ باصطلاح شرع باعنی تھے یا نہ یہ سیدھا اور مسلمانوں کا اختلافی مسئلہ ہے۔

لیکن حضرت عثمان کی بارہ سال سے باقاعدہ منظم خلافت کے خلاف بغاوت کرنے والے بلوائی بالاتفاق باعنی تھے۔

شیخ البلاغہ اردو صفحہ ۶۷ میں ہے ”آپ کی سبیت ہو جانے کے بعد اصحاب کی ایک جماعت نے آپ سے عرض کیا اگر آپ ان لوگوں کو سزا دیں جنہوں نے عثمان پر فوج کشی کی تھی تو اچھا ہے۔ حضرت نے فرمایا۔ اے بھائیو جو بات تم جانتے ہو میں اس سے بے خبر نہیں ہوں لیکن یہ قوت کہاں ہے؟ جبکہ فوج کشی کرنے والے (باعنی) پوری قوت و شوکت میں ہیں۔ وہ اس وقت ہم پر مسلط ہیں ہم ان پر جاری نہیں۔ حد یہ ہے کہ تمہارے غلام بھی ان کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔

بعض علماء کی تحقیق میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ کا قاتل بھی یہی فتنہ باغیہ تھا جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ کے قاتل اسی قماش کے کوفی لوگ تھے۔ اس بالاتفاق فتنہ باغیہ کو قتل کی سزا حضرت امیر نے کیوں نہیں دی جبکہ آپ ان کا جرم اور قصاص کی فرضیت خوب جانتے تھے۔ مگر اھو جواب کہ فتنہ جو ابنا۔ ے دے کے بعد اسی نتیجہ پر آدمی پہنچتا ہے کہ مشاجرات صحابہ میں خاموش رہے۔



سوال ۱۵۔ و تصور انسانی اور اصول فلسفہ ہے کہ ایک چیز یہ اگر دو آدمی آپس میں جھگڑے ہیں تو وہ دونوں جھوٹے تو ہو سکتے ہیں۔ مگر دونوں کے نہیں ہو کر تے جب ایسا ہے تو جنگ جہل و صفین کے طریقہ کے بارے میں دونوں کس طرح سچے ہوئے۔ جو صاحب غلطی پر تھے ان کی نشاندہی تو کر کہ فلاں بزرگ سے خطا ہوئی۔ کیا قاتل و مقتول دونوں جنت میں جائیں گے۔؟

الجواب۔ اس کا جواب بھی سوال ۱۱ اور ۱۲ کے ضمن میں آچکا ہے۔ مزید بحث یہ ہے کہ منطقی اصول کے مطابق تناقض و تضاد کے لیے آٹھ وحدتوں کا اجتماع شرط ہے ان میں ایک جہت بھی ہے اگر جہت و حیثیت بدل جائے تو دونوں باتیں صادق ہو سکتی ہیں۔ حضرت علیؑ کا نظم و نسق بچانے کے لیے تلوار اٹھاتے ہیں اور بحیثیت خلیفہ سچے ہیں۔ حضرات طالبین قصاصات نظام مملکت میں خلل یا خلیفہ بدلانے کے لیے یہ اقدام نہیں کرتے۔ بلکہ خلافت کے دھار کو سنبھالنے اور باغیوں سے قصاص لے کر خلافت کو مزید مستحکم کرنے کے لیے ناگزیر یہ راہ اختیار کرتے ہیں۔ جب قتال کی وجہ مختلف ہو گئی تو اختلاف علیؑ شئی واحد نہ رہا۔ اپنے اپنے موقف میں دونوں سچے ہوئے۔ مشترک صاحب کا خیالی دستور انسانی اور اصول فلسفہ باطل ہو گیا۔

ہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ کتب عقائد اہل سنت میں لکھا ہے کہ ان مشاجرات میں حضرت علیؑ مصیبت تھے اور دیگر حضرات غلطی تھے۔ اس میں صواب و خطا کا یہ معنی نہیں کہ حضرت معاویہؓ و دیگر حضرات کی خلافت غلط تھی اور حضرت علیؑ کی درست تھی کیونکہ وہ سب حضرات اور دیگر مؤرخین تصریح کرتے ہیں کہ خلافت و امامت میں طرفین کا دعویٰ اور نزاع نہ تھا۔ بلکہ نزاعی مسئلہ صرف دم عثمانؓ تھا۔ بلوایوں کے حضرت علیؑ کے ساتھ حسن تعلق اور حمایت کی بنا پر اہل شام یہ گمان کرنے لگے کہ قتل عثمانؓ حضرت علیؑ کی سازش سے (الحیا و باللہ) ہوا۔ حضرت امیرؓ نے اختلاف کو صرف اسی نکتہ میں منحصر کر کے اپنی صفائی پیش کی۔

الامر واحد الا ما اختلفنا فيه  
من دم عثمان ونحن منه براء  
ہر بات متفقہ ہے بجز قتل عثمانؓ میں اختلاف  
کے اور ہم اس الزام سے پاک ہیں۔



حاشا وکلا کوئی بھی سنی مسلمان اس گناہِ عظیم میں حضرت علیؑ کو ملوث نہیں مانتا۔ سیدنا  
 حضرت معاویہؓ نے بھی اس صفائی کے جواب میں فرمایا۔ فنحن لا نرد ذالک علیہ الخ۔ ہم  
 آپ کی پاکدامنی کا انکار نہیں کرتے لیکن قاتلانِ عثمانؓ جو علیؑ کے ساتھی ہیں ملنے چاہیں تاکہ ہم  
 ان کو قصاصاً قتل کر کے خلیفہ کی اطاعت اور جماعت میں شامل ہو جائیں۔ (طبری ج ۵ ص ۵۷)  
 لیکن صد افسوس تو یہ ہے کہ آج کے نام نہاد مجاہدین علیؑ۔ اہل اسلام اور حضرت عثمانؓ  
 سے کمالِ بغض کی وجہ سے صراحتہً حضرت علیؑ کی پاکدامنی اور قتل سے برأت کا دعویٰ نہیں کرتے  
 بلکہ اس کے برعکس یہ کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ و عثمانؓ میں ذاتی اور اعتقادی دشمنی تھی وہ قتل کے  
 مستحق تھے۔ بلوانی حضرت علیؑ کے خاص طرفدار تھے اور محمد بن ابی بکر اور اشرارِ بخنی جو قتلِ عثمانؓ  
 میں شریک تھے (مجلس المؤمنین ص ۲۸۴) وہ حضرت علیؑ کے خاص مقرب اور سپہ سالار تھے۔  
 (مجلس المؤمنین ص ۲۸۴-۲۸۵)

اب آپ ہی غور کریں اگر یہ بیان درست ہے اور شیعہ کو اسی پر بعدِ افتخار اعتماد ہے۔ تو  
 حضرت علیؑ پر بابواوسطہ قتل کا الزام لگانے میں خود شیعہ نے موادِ فراہم نہیں کیا۔ پھر اہل شام  
 کا شبہ یا الزام بلا دلیل نہیں کہا جاسکتا جسے غلط کہا جائے۔

ہوئے تم دوست جس کے دشمن اسکا آسمان کیونہ ہو

حضرت طلحہؓ و زبیرؓ و اہل المؤمنین رضی اللہ عنہم اجمعین کی خطا  
 کا مطلب یہ ہے کہ وہ قصاص میں جہاد تھے اور حضرت علیؑ  
 کو قادر علی القصاص جانتے ہوئے مالِ مٹول کا الزام دے رہے تھے۔ حضرت امیرؓ نے  
 اس کے جواب میں یہی کہا کہ میں قادر نہیں ہوں۔ اس قوم سے میں کیسے قصاص لے سکتا ہوں  
 جو ہمارے مالک بنے ہوئے ہیں اور ہم ان پر قابو یافتہ نہیں ہیں۔ (شیخ البلاغہ) ورنہ نفس  
 قصاص میں اختلاف نہ تھا۔ حضرت علیؑ نے طلحہؓ و زبیرؓ کے موقف کو سمجھتے اور تسلیم کرتے  
 ہوئے جمل کے موقف پر خلفائے ثلاثہؓ کی تعریف۔ ان پر امت کا اتفاق۔ قاتلینِ عثمانؓ پر لعن  
 طعن اور ان کو اپنے ساتھ نہ چلنے کی تاکید کر دی تھی (کما تقدم) ہمارے شیعہ متعرض کو اگر  
 یہی اصرار تھا تو ہم نے خاطر کی نشان دہی۔ اور اس کی وجہ بیان کر دی۔ اب ان کو یہ اختلاف  
 یہ محمدؐ تباری نیت سے حضرت عثمانؓ کے پاس آیا تھا مگر آپ کے جیٹر کھنے سے واپس ہو گیا۔



و شقاق چھوڑ کر دوبارہ اہل سنت مسلمانوں میں مل جانا چاہیے۔ بشرطیکہ حق و انصاف کی طلب ہو۔ اور اگر وہ خاطمی کی نشاندہی سے صرف ان پر لعن طعن کرنا چاہتے ہوں تو ایسا کرنا بڑی گمراہی ہوگی۔ کیونکہ خطا و نسیان لازمہ انسانی ہے۔ انسان صرف حسن نیت کا مکلف ہے۔ فکر و عمل میں بھول چوک سے پاکدامن رہنے کا مکلف نہیں۔ ہاں درست کار کو دوبارہ اجر ملتا ہے اور خطا کار کو ایک گنا ملتا ہے۔ امامت کو مخصوص من اللہ اور زندہ شیعہ امام کا ہر زمانہ میں وجود تسلیم کرنے والے شیعہ بھی جو غیر منصوص مسائل کے لیے مجتہدین کے اجتہاد کا ڈھونگ رچاتے ہیں۔ وہ بھی خطا و صواب کے دونوں پہلو تسلیم کر کے ایک کو اختیار کرنے اور دوسری اعتقاد رکھتے ہیں۔

**کابلیں سے سہو کا وقوع** | اور ایسا کیوں نہ ہو جبکہ متقدمین شیعہ انبیاء علیہم السلام کے خطا و نسیان تک کے قابل ہیں چنانچہ آیت و اہا یا سینک الشیطن کی تفسیریں شیعہ کے سب سے مستند عالم شیخ الطائفة محقق طوسی نے بغیر تبیان ۱۹۷۱ء میں اور علامہ طبرسی نے معجم البیان ۱۳۷۱ھ میں سہو انبیاء کی نصرت کی ہے۔ ملاحظہ ہو ہم سنی کیوں ہیں؟ ص ۲۹

غیر حرج اہل سنت اور متقدم علماء شیعہ کے اتفاق سے خطا و نسیان انبیاء تک سے جائز ہے اور قرآن پاک اسی کی تائید کرتا۔ فَنَسِیَ آدَمُ وَلَعْنُ تَجِدُ لَهُ كَثْرًا مَّا جَزَتْ آدَمُ بھول گئے ہم نے ان کا ارادہ نہ پایا۔

تو غیر انبیاء حضرت علیؑ و معاویہؓ سے اس کا سدرہ بدرجہ اتم جائز ہے خود حضرت علی المرتضیٰؑ نے صفین میں خطبہ دینے ہوئے فرمایا۔

مجھے سچی بات کہنے سے اور منصفانہ مشورہ دینے سے باز نہ رہو۔ کیونکہ میں غلطی کرنے سے بالا نہیں ہوں اور نہ میں اپنے کاموں میں چوکنے سے بے فکر رہتا ہوں۔ مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے کافی ہو۔

فلا تکفوا عن مقالة بحق او مشورة بعدل فانی لست فی نفسی بفوق ان اخطی ولا اومن من ذالک من فعلی الا ان یکفی الله من نفسی الخ (روصد کافی ص ۳۵ و نہج البلاغہ)



قرآن و سنت سے کسی معین گروہ کی بالیقین تصویب اور دوسرے کی تنبیہ ثابت نہیں جو کچھ قرآن و سنت میں بالیقین مذکور ہے۔ وہ دُکلاً وَ عَدَّ اللَّهُ الْحُسْنٰی (ہر ایک سے اللہ نے بھلائی (جنت) کا وعدہ کیا ہے) کے تحت نہیب کا ایک مومن۔ جہنمی۔ منفور اور مرضی عند اللہ ہونا ہے۔ قرآن نے ان کے مدحیہ پہلو پر نہ وردے کر بدگروہی کو حرام بتایا ہے تو خود حضور علیہ السلام نے ان پر طعن تشنیع اور بدگروہی سے منع فرمایا ہے۔ شیعہ مذہب سے نائب ہونے والے ان کے علامہ مجتہد محمدی حسن خاں صاحب آیات بنیات جہاں میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ حدیث نقل فرماتے ہیں۔ من سبني فاقتلوا و من سب اصحابي فاجلدوا۔ جو مجھے برا کہے اسے قتل کرو اور جو میرے صحابہ کو برا کہے اسے کوڑے کاٹو۔ چنانچہ اہل سنت والجماعت کا یہی عقیدہ ہے کہ سب صحابہ کرام کا ذکر بھلائی سے کیا جائے اور منافرات میں پڑنے اور کسی گروہ پر طعن و تشنیع سے ضرور ہی بجا جائے۔ (تفسیرات کے لیے عدالت میں اس پر حراز مؤلف ملاحظہ کریں)

خطا و اجتہاد پر دشمنی اور طعن و تشنیع اس بنا پر بھی جائز نہیں کہ بڑے بڑے کاہلین بھی اس سے نرنج کے۔ حتیٰ کہ عند الشیخہ معصومین اور جانان اہل بیتؑ میں بھی یہ باتیں پائی گئیں۔ سابقہ سوال میں گزشتہ پانچ مثالیں اسی نوعیت کی ہیں۔ انہیں بچہ ملاحظہ کر کے مندرجہ ذیل مثالوں سے بھی دل و نگاہ روشن کریں۔

۶۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضرؑ بنا بر قول اہل بزرگ پیغمبر ہیں۔ مگر دونوں کے مخصوص عطائی و علم شرعی اور کونیتی میں فرق تھا۔ اللہ پاک نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت خضرؑ کی خدمت میں بھیج دیا۔ ان کے ہر کام پر رضا اور خاموشی کا معاہدہ بھی ہو گیا۔ مگر حضرت خضرؑ کا کشتی توڑنا۔ بچے کو مار ڈالنا۔ بغیر مروت لوگوں کی دیوار دست کر دینا۔ صرف یہ تین کام ہی جب حضرت موسیٰؑ نے ملاحظہ کیے تو اپنے علم و اجتہاد سے انہیں بغیر شرع سمجھ کر ہر دفعہ اعتراض کیا اور معاہدہ کی پابندی کا خیال نہ رہا۔ آخر کار حضرت موسیٰؑ اور خضرؑ میں جدائی ہو گئی (القرآن کہت ۱۰۶)

اس واقعہ میں بڑے فوائد اور مصلحتیں ہیں منجملہ یہ کہ ایک کامل کو اپنے علم و اجتہاد



کی بنا پر درست کار سے اختلاف و مناقشہ درست ہے۔ عند اللہ دونوں مقبول ہیں کسی کی تخلیط و تردید نہیں کی جاسکتی۔ مسئلہ مشابہات گو سنی عقیدہ کے مطابق غیر موصوم کا موصوم پر قیاس ہے۔ مگر دونوں غیر موصوم فریقین کے پاس اپنے دعویٰ پر موصوم کی نص اور حجت تو موجود ہے فقہت القشابہ کیونکہ اللہ کا حکم ہے **وَلَا تَكُونُوا فِي الْقَضَا صَحِيوَةً** بدلہ لینے میں تمہاری زندگی ہے اور شرعی قانون ہے۔ **”حد کا جاری کرنا واجب ہے۔“**

۷۔ بھیڑوں کے قضیہ میں حضرت داؤد علیہ السلام نے ایک فیصلہ دیا مگر اس کے برعکس حضرت سلیمان علیہ السلام نے فیصلہ دیا۔ قرآن پاک نے **فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمٰنَ** (وہ فیصلہ ہم نے سلیمان کو سمجھا دیا) سے حضرت سلیمان کی تائید کی کیا حضرت داؤد کے فیصلہ کی تخلیط یا اس پر طعن و تشنیع عند الشیخ جائز ہوگی؟

۸۔ حضرت آدم علیہ السلام کو ایک درخت کا پھل کھانے سے روکا گیا تھا۔ آپ نے خاص بڑی درخت سمجھا۔ حالانکہ عند اللہ وہی نوع کی نہی تھی۔ چنانچہ خطار اجتہادی سے کھا بیٹھے۔ پھر استغفار کی تو اللہ نے مافات فرمایا۔

۹۔ حضرت سید الرسل علیہ الف الف تحیّات فرزندہ نبوک کے موقع پر منافقین کو جھوٹے جیلے بہانوں کی وجہ سے گنہگار نہ جانے کی اجازت دے دی۔ اللہ تعالیٰ کو یہ اجازت ناپسند تھی۔ معمولی تنبیہ کے بعد مافات فرمایا۔

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذْنٰتْ لَهُمْ  
حَتّٰی يَتَّبِعُوْا لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَّ  
تَعْلَمُ اَنْكَ اذِيْبٌ (توبہ ۷۶)

آپ کو مافات کرے۔ آپ نے ان کو کیوں اجازت دی (اجازت نہ دینی چاہیے تھی) تا وقتیکہ سچے آپ کے سامنے نکھر جاتے۔ اور جھوٹوں کو آپ جان لیتے۔

بہر حال قرآن پاک میں ایسی کئی مثالیں مل سکتی ہیں۔ جن میں بڑے بڑے اکابرین سے بعض اوقات فہم و اجتہاد بڑا چوک ہو گئی اور ان کا فیصلہ یا عمل مرحوم قرار پایا۔ مگر وہ منا ہے نہ اس پر طعن درست ہے۔ اور نہ ان کی شان میں کچھ کمی آئی۔ تو مسئلہ نہ یہ بحث میں بھی صواب کرام اکابرین دین کی مجلس سے ہیں گواہیہ علیہم السلام کی نوع سے نہیں علمی قدر مرتب



ان کا احترام اور ان سے دفاع بھی ضروری ہے۔ اور ان کی اجتہادی خطائیں منہج قرآنی میں  
ہیں۔ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ۔

۱۰۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے اہل عراق کے ہزاروں خطوط سے متاثرہ ہو کر اپنے  
تفکر و اجتہاد سے نبرد پر توجہ جائز سمجھا۔ مگر خاندان مرتضوی اور بنو عبد المطلب میں سے  
صرف چند افراد نے آپ کی موافقت کی۔ حضرت علی المرتضیٰؑ کے اس وقت موجود کئی فرزندوں  
اور دامادوں میں سے کسی نے ساتھ نہ دیا۔ حالانکہ محمد بن الحنفیہؑ، حضرت عبد اللہ بن عباسؑ  
جیسے فضلاء بھی موجود تھے۔ شیعہ مذہب میں یقیناً یہ حضرات خاٹی تھے۔ مگر میں نہیں سمجھتا  
کہ ۲ نفوس کے سوا (جن میں چالیس افراد غیر اہل بیتؑ ہیں) حضرت علیؑ کی اولاد اور  
خاندان بنو ہاشم کے سینکڑوں افراد کو شیعہ حضرات کفر، نفاق، دشمنی اور جہنم کی بھینٹ چڑھا  
دیں گے۔

۱۱۔ حضرت علی المرتضیٰؑ نے اہل شام پر لشکر کشی کی اور صفین کے مقام پر خوفناک جنگ  
لڑی اور مسلمانوں کی خونریزی کو جائز سمجھا۔ نور نظر و فرزند اکبر سیدنا حسن المجتبیٰؑ کے روکنے  
پر بھی نہ رکے۔ لیکن زمام امامت جب حضرت حسنؑ کے ہاتھ میں آئی تو آپ نے برضاد و رغبت  
معاویہؓ سے صلح کی۔ ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اپنے لشکر کی ناراضی، طعنہ بازی اور قاتلانہ حملے  
کے چرکے بھی سہے۔ لیکن امت کی خونریزی سے بچنے کی خاطر یہ عظیم کام کیا۔ مسلمانوں کی خونریزی  
پر دلدادہ شیعوں کی ہرزہ باز اور طعنہ بازی کے جواب میں کیا خوب افتاد فرمایا۔

غرض من اطاعت امر حق تعالیٰ است اس صلح و بیعت سے میری غرض حق تعالیٰ کے  
یہ حفظِ خونہائے مسلمانان پس راضی باشید حکم کی اطاعت ہے جو کہ مسلمانوں کے خون  
بقضائے خدا (جلال البیون ص ۲۶۳) کی حفاظت کرنا ہے پس خدا کے فیصلے پر  
راضی ہو جاؤ۔

اب شیعہ ہی انصاف سے بتائیں اس کلی افتاد اور پادرواپس کے اختلافِ عمل میں کون  
حق پر تھا اور کون باطل پر۔ کیا زمانہ حسنؑ میں حضرت معاویہؓ اور دیگر مسلمان زیادہ نیک  
ہو گئے تھے؟ یا عہد مرتضوی میں خدا نے مسلمانوں کی خونریزی کی وحی کی تھی اور اب منسوخ ہو گئی؟



۱۲۔ حضرت حسنینؑ نے اس بے نظیر حسنی سنت کے برعکس پھر علم جنگ باند کیا۔ شہید کے ہاں حضرت معاویہؓ و یزیدؓ میں چنداں فرق نہیں۔ پھر دونوں بھائیوں کے عمل کا یہ تضاد اپنے اپنے اجتہاد اور صواب و بد کا نتیجہ نہیں تو اور کیا ہے؟ کیا یہاں کسی ایک کو غلط کار کہا جائے گا یا نہ۔ اگر نہیں تو فریقین جمل و صفین کے متعلق کچھ مرت کہیے۔

۱۳۔ عام شعلی پر دیکھنے کی روشنی میں حضرت حسنینؑ نے اپنی جان اور اپنے اہل و عیال کو خدا کے سپرد کر دیا۔ مگر یزید کے آگے نہیں جھکے۔ آپ کے جانشین بالغ حضرت علی زین العابدینؑ نہ صرف یہ کہ والد کے ساتھ شریک جنگ ہو کر شہید نہیں ہوئے بلکہ دمشق میں شاہی دسترخوان پر ۱۵ دن تک یزید کے ساتھ کھانے پینے رہے۔ تاریخ سے نصرت کا ثبوت نہیں ملتا۔ بالآخر آسمان و زمین نے وہی بھی دیکھا کہ آپ نے موافقت کر کے اپنے والد ماجد کے عمل کو منسوخ کر دکھایا۔ حادثہ حرہ میں یزید کے خلاف تحریک میں شریک نہیں ہوئے۔ یزید نے بھی لشکر کو خصوصی تاکید کی تھی کہ زین العابدینؑ میں اوفادار ہے اس کی حفاظت کرنا۔ (تاریخ اسلام بحقیق آبادی) شیعہ مولف بھی یہ حقیقت یوں مسخ کر کے بیان کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔

قد اقررت لك ما سألت انا  
عبد مکرک فان شئت فامسك و  
ان شئت فبع دروضه کافی ص ۲۳۵  
حالانکہ واضح ہے کہ ایک ہی شخص کے متعلق باپ بیٹے کا یہ تضاد طرز عمل ایک کو یقیناً خطا کار ٹھہراتا ہے۔ مگر امامیہ عقیدہ میں دونوں محسوم اور برحق ہیں۔ اس میں تقیہ کا سہا بھی ان سے مذاق کرنا ہے۔ آخر وہ کون سی نص او زنازہ وحی تھی جس کی بنا پر حضرت حسنینؑ کے لیے تقیہ حرام تھا۔ اور حضرت زین العابدینؑ کے لیے واجب تھا۔ یہ کہنا بھی باطل ہے کہ اگر یزید کی مخالفت کرتے تو قتل ہو کر سلسلہ امامت ختم ہو جاتا اس لیے کہ شعلی عقیدہ میں موت و حیات امام کے اختیار میں ہوتی ہے۔ اور امامت کی وصیت بیٹے کے لیے لازم نہیں اپنے بھائی یا بھتیجے کو کر دینے۔ جیسے حضرت حسنینؑ نے حسنین رضی اللہ عنہ کو کی تھی۔

۱۴۔ حضرت محمد بن الحنفیہؑ نے امامت میں اپنے بھتیجے علی بن حسنینؑ سے نزاع کیا۔ اور ان کا



پروکار فرقہ کیسائیہ کہلاتا ہے۔ اسی طرح حضرت زید بن زین العابدینؑ نے اپنے بھائی محمد باقرؑ اور بھتیجے جعفر صادقؑ کی امامت کا انکار کیا۔ خود دعویٰ امامت کر کے عباسیوں کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ اور ان کے متعلق مرفوع حدیث میں حضورؐ نے فرمایا۔ ”اے حسینؑ اتیری صلب سے (پوتا) ایک زید نامی شخص پیدا ہوگا۔ جو مقتول شہید کر دیا جائے گا۔ وہ اور اس کے جماعت قیامت کے دن لوگوں کی گردنیں پھلانگتے ہوئے جنت میں داخل ہوں گے۔۔۔ پھر حضرت باقرؑ نے فرمایا۔ میرے باپ (حجی) زید پر اللہ رحم کرے وہ بڑے عبادت گزاروں میں سے تھے۔ رات کو قیام کرتے دن میں روزہ رکھتے اور اللہ کے راستے میں کما حقہ جہاد کرتے تھے۔ (مجالس المؤمنین ج ۲ ص ۲۵۴ قصہ زید)

حضرت طلحہؓ و معاذیہؓ پر فتویٰ لگانے والے شیعہ کیا حضرت محمد بن علی (ابن حنفیہ)ؑ اور زید ریجی ہی فتویٰ لگائیں گے (دیدہ باید) اگر نہیں تو وہ اصول کہاں گیا۔ کہ کسی ایک امام کی امامت کا منکر خداوندی کے منکر کی طرح کا فر ہے۔ (رجیات القلوب ج ۲) اسی طرح حضرت علیؑ اور حضرت فاطمہؑ کے خاندانی تنازعات جلال الیون وغیرہ میں بکثرت مذکور اور مشہور ہیں۔ ہمارا قصیدہ ان کی نقل مناسب نہیں جانتا۔

غور کا مقام ہے کہ ان سب اختلافات میں یا ظہیر شیعہ کے ہاں محصوم ہیں کسی کو خاطمی اور غلط کار نہیں کہا جاسکتا۔ یا ایک طرف امام محصوم ہے اور دوسری طرف منزرا امام زادہ ہاشمی علوی ہے۔ علی الاعلان شیعہ اس پر کفر و فسق کا فتویٰ نہیں لگاتے۔ جو امور تکفیر اور تخطیہ سے یہاں مانع ہیں وہی حضرات طلحہؓ۔ زبیرؓ۔ ام المؤمنینؑ اور حضرت معاذیہؓ پر طعن اور بدگوئی سے مانع ہیں۔ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًا لِلَّذِينَ آمَنُوا۔

یہی یہ بات کہ ”کیا قاتل و مقتول دونوں جنت میں جائیں گے“ تو ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ سوائے ان بلوائی غنڈوں کے جو لشکر علوی میں شامل تھے یا مبہم طور پر بدینیت منسوب کے وہ سب مقتولین جنت میں جائیں گے جو اس کام خلافت اور حدود اللہ کے اجرا کے لیے لڑے۔ اہل جہل کا قصہ تو واضح ہے۔ بلوائیوں کے مکر سے یہ جنگ خطا سے ہوئی۔ اور خطا قاتل و مقتول حقیقی ہوتے ہیں جیسے جنگ احد میں حضرت حذیفہ بن یمانؓ کے والد مسلمانوں



کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔ اہل صفین کے متعلق تو ہماری روایات میں حضرت علیؑ نے فریاد کیا ہے۔

قتلای و قتل معاویۃ فی  
الجنة (رواہ طبرانی) و رجالہ وثقوا  
و فی بعضہم خلاف (مجمع الزوائد ۹۶)

اور بیخ البلاغہ ج ۳ ص ۱۲۵ کے خطبہ میں بھی ان کو کامل مومن فرمایا ہے اور مومن کا جنت میں داخلہ بالاتفاق ہوگا۔

جنگ جمل کے حالات میں تاریخ طبری ص ۳۱۶ میں ہے کہ آپ سے اپنے ساتھی ابوسلمہ نے پوچھا کہ کل جب ہم اور وہ مقابل ہوں گے تو دونوں کا انجام کیا ہوگا؟ فرمایا جو بھی خالصہ لشکر صاف دلی کے ساتھ قتل ہوگا وہ جنت میں جائے گا (بحوالہ تاریخ اسلام ص ۲۸۵ شاہ معین الدین عسکری)

نیز سیدنا علیؑ سے متواتر یہ بھی ثابت ہے کہ آپ کو حضرت طلحہؓ کی شہادت پر بہت صدمہ ہوا اور ان کے صاحبزادے محمدؑ سے رور و کر فرمایا کرتے تھے۔ میں اور تمہارا باپ جنت میں ہوں گے اور یہ آیت ہمارے ہی حق میں انری ہے۔

وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِنْ  
غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰی سُرٍّ مُّتَقَبِلِينَ۔  
بحوالہ مختصر التوفۃ الاثنی عشریہ ص ۲۸

اور حضرت عثمانؓ کے متعلق بھی یہی آیت تلاوت فرماتے تھے۔ جب عمرو بن جرموز حب علیؑ سبائی نے لشکر سے الگ نماز و سجدہ کی حالت میں حواری رسولؐ اور بچہ پچی زاد برادر پیغمبرؐ حضرت زبیرؓ بن عوام کو شہید کیا۔ اور خوشی سے آکر حضرت علیؑ کو آکر اطلاع دی تو آپ نے غصہ سے فرمایا۔

ابشیر یا قاتل ابن صفیۃ بالنار  
فقال عمر و نقتل اعداءکم و تبشیرونا  
اے صفیہؑ کے بیٹے کے قاتل! تجھے جہنم مبارک ہو۔ عمر و کہنے لگا ہم تمہارے دشمنوں کو قتل



تنگ دل ہو کر اس نے خودکشی کر لی،

جمل وصفین کے متعلق ان تمام ابجاث میں حضرت علیؑ کے جملہ ارشادات کو پڑھ کر شیعہ حضرات کو اپنے عقیدہ کی اصلاح کر لینی چاہیے۔ آخرت کا معاملہ بڑا سخت ہے۔ زبانی محبت کا دعویٰ اور اعتقاد و عمل میں کھلی مخالفت کہیں ان کو جہنم کا ایندھن نہ بنا دے۔  
واللہ العالی۔

ان حادثات کے بعد تاریخ طرفین کے بعض بعض حضرات کی ندامت اور توبہ کا پتہ بھی دیتی ہے۔ اس پر بھی مغفرت اور قاتل و مقتول کا جنت میں داخلہ ضروری ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ ان دو بندوں پر سب سے پس کہ ایک دوسرے کو قتل کرتا ہے۔ اور دونوں جنت میں داخل ہوتے ہیں مقتول اللہ کے راستے میں لڑتا اور شہید ہوتا ہے پھر اللہ تعالیٰ قاتل کو توبہ اور اسلام کی توفیق دیتا ہے تو وہ بھی اللہ کے راستے میں لڑ کر شہید ہوتا ہے۔ (ابن ماجہ ص ۱۶)

سوال ۱۶۔ جناب رسول خداؐ کے کئی بار فرمایا یا علی انت وشیعتک ہم الفائزون اے علیؑ! تو اور میرے شیعہ ہی نجات یافتہ ہیں۔ کیا ایسی کوئی حدیث حنفی شافعی حنبلی مالکی کے لیے بھی مل سکتی ہے۔ اگر نہیں تو دیوبندی۔ بریلوی۔ نجدی۔ سہروردی۔ بھٹی۔ قادری۔ نقشبندی حضرات کے لیے ہی تلاش کر کے اطمینان دلا دیجئے۔

الجواب۔ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ صحاح ستہ اور دیگر کتب متداولہ اہل سنت میں اس کا وجود نہیں ہے۔ شیعہ دوست کو اس کا حوالہ دینا چاہیے۔ لیکن چور مال مروقہ کا اتہ پتہ کیسے بتا سکتے ہیں۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ کتب موضوعات سے اسے نقل کر کے دلیل بنا دیا۔ بالعموم شیعہ کی عادت یہی ہے کہ وہ اپنی خود ساختہ حدیثوں کو اس قدر شہرت دیتے ہیں کہ وہ عام لوگوں میں مشہور ہو جاتی ہیں۔ پھر ان کے کید و مکر سے آگاہی کے لیے بڑے بڑے محدثین کو ایسی کتابیں لکھنی پڑی ہیں جن میں صرف بناوٹی حدیثوں اور ان کے گھڑنے والوں کا تذکرہ ہوتا ہے۔ ایسی کتابوں کو ”کتب موضوعات“ کہتے ہیں۔ جیسے علامہ



سیوطی کی لائی المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعہ اور ملا علی قاری کی تذکرہ موضوعات وغیرہ ان کتابوں سے متہم بالوضع حدیث سے استدلال انتہائی خیانت ہوتی ہے۔ اور شیعہ کو اہلبیت کے فضائل میں حدیثیں بنانے اور اس متاع کا سد کو مارکیٹ میں لانے کا اس قدر ملکہ حاصل ہے کہ شیعہ محترمی علامہ ابن ابی الحدید کو شرح نہج البلاغہ ج ۳۴ پر اعتراف کرنا پڑا ہے۔

واعلم ان اصل الاکاذیب فی احادیث الفضائل کان من جهة الشيعة فانهم وضعوا فی مبداء الامر احادیث مختلفة فی صاحبہم حملہم علی وضعها عن اوة خصوصہم دشمنی نے آمادہ کیا۔

نجات شیعہ کی یہ موضوع حدیث بلغظہ تو کتب صحاح یا موضوعات میں نہ مل سکی البتہ اس کے ہم معنی یہ موضوع حدیثیں دستیاب ہوئی ہیں۔

اشعبی حضرت علیؑ سے راوی ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا۔  
 "اے علیؑ! تو اور تیرے شیعہ (پیروکار) جنت میں ہیں۔ ایک قوم (بنام شیعہ) ایگی جن کا بدلہ رافضی ہوگا۔ جب تم ان کو ملو تو قتل کرو کہ وہ مشرک ہوں گے۔" ابونعیم کہتے ہیں۔ یہ حدیث غریب ہے۔ شعبی کہتے ہیں۔ ہم نے اسے عصام سے لکھا۔ ابن جوزی کہتے ہیں۔ اس کی روایت میں سوار ہے۔ جسے امام احمدی بکلی اور نسائی متروک کہتے ہیں۔ (العلل المختارہ لابن الجوزی ص ۱۵۸) علامہ سیوطی لائی المصنوعہ ج ۱ ص ۳۴۹ میں سوار کو متروک بتاتے ہیں۔ اور انت وشیعتک فی الجنة کے متعلق لکھا ہے۔ یہ حدیث موضوع ہے۔ سوار ثقہ نہیں ہے اور جمیع بن عمر بصری کذاب ہے۔ حدیثیں گھڑتا تھا۔ (ایضاً ص ۳۴۹)

اگر یہ حدیث صحیح ہے تو خود شیعہ پر حجت ہے۔ کیونکہ جنتی تو حضرت علیؑ کے پیروکار (اہل سنت والجماعت) ہوں گے۔ اور نام نہاد شیعہ تو اب بھی رافضی مشہور ہیں۔ شرک سے معمور قتل میں موزا اور جنت سے دور ہیں۔



۲۔ ”ہمارے شیعہ قبروں سے نکلیں گے تو ان پر کوئی گناہ و عیب نہ ہوگا لہٰذا اس میں محمد بن سالم اور محمد بن علی کندی دونوں ضعیف ہیں۔ کنانی کہتے ہیں محمد بن سالم ابوسہل کوئی ہے جو مندرک ہے محمد بن علی کو حافظ ذہبی اور ابن حجر نے بقول از دی ضعیف کہا ہے۔ ذہبی تلخیص موصوعات میں یہ روایت لاتے کے بعد کہتے ہیں۔ ”اس کی سند اندھیری ہے اور منن جھوٹ ہے۔ (تشریح التشریح عن الاخبار الشیعۃ الموصوۃ ج ۱ ص ۱۹۹ مولفہ علی بن محمد بن عراق کنانی المتوفی ۹۶۳ھ) سوال والی حدیث کتب صحاح ستہ اہل سنت میں تو نہیں ہے۔ ہاں شیعہ کی کافی کتاب اردنہ ۳۵ میں مرفوع نبوی ہونے کے بجائے حضرت جعفر صادقؑ سے ان الفاظ میں مروی ہے۔ ”کہ بنی عباس کا اختلاف بھی نداء۔ قائم کا خروج یقینی باتیں ہیں۔ راوی نے پوچھا۔ وہ نداء کیا ہے امام نے فرمایا۔ اول دن میں آسمان سے ایک منادی نداء دے گا۔ الا ان علیا دشمن تھا۔ الفائنون حضرت علیؑ اور ان کی پارٹی کامیاب ہیں، اور پھر دن کے آخر میں منادی آواز دے گا۔ الا ان عثمان وشیعته هم الفائزون (سنو! حضرت عثمانؓ اور ان کے ساتھی کامیاب ہیں)۔

اس میں شیعہ کے مقابل حضرت عثمانؓ اور آپؐ کی جماعت کی کامیابی کا بھی ذکر ہے۔ چونکہ وہ آخری دن میں ہوگا۔ تو شیعہ علیؑ کے متعلق پہلا اعلان۔ باطل یا منسوخ سمجھا جائے گا۔ چونکہ یہ اعلان خروج مہدی کے وقت ہوگا تو آپؐ کا مذہب بھی تولا عثمانؓ ہوگا۔ اور آپ کے ساتھ تولا عثمانؓ رکھنے والی سب مسلمانوں کی جماعت بالآخر کامیاب ہوگی اور نام نہاد شیعہ علیؑ اس وقت بھی ناکام ہونگے۔ واللہ الحمد۔

علیؑ تقدیر التسلیم حدیث کا یہی مفہوم درست ہے۔ کیونکہ آخری نجات کے متعلق دو فرقوں کا تقابل اور دونوں کی کامیابی کا اعلان غیر محقول ہے۔ اور حدیث کا سیاق اس منظر امام برحق کی موجودگی میں دنیوی کامیابی کو متغین کرتا ہے۔ ورنہ یہ حدیث درایت کے لحاظ سے موصوع ہے۔ کیونکہ قرآن پاک نے شیعہ کے بجائے ان کے دشمن اصحاب محمدؐ کی کامیابی کی بشارت دی ہے۔

۱۔ اُولَئِكَ حِزْبُ اللَّهِ اَلَا اِنَّ

یہ اللہ کا لشکر ہے سنو! اللہ کا لشکر ہی غالب



حِزْبُ اللَّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ۔

ہونے والا ہے۔

۲۔ اُولَئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللَّهِ وَاُولَئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ بِ  
یہی لوگ درجہ میں اللہ کے ہاں سب سے  
بڑے ہیں اور یہی کامیاب ہیں۔

قرآن پاک کے یہ ارشادات تاریخ کی کسوٹی پر پور سے اترے۔ کامیابی نے اصحاب محمد  
اور خلفاء اسلام کے قدم چومے۔ قیصر و کسریٰ کے تاج ان کے قدموں تلے روندے گئے۔ آج  
کے ۹۵ کروڑ مسلمان ان کی ہی قربانیوں اور فتوحات کی بدولت اسلام کے سایہ میں ہیں تو  
ان کے مخالفین شیعہ کا وجود خود بخود کذب کا اُٹینہ ہے۔ اور کبھی ان کو قبیح اسلام ہونے کی حیثیت  
سے کامیابی اور ترقی نہ ہو سکی۔ یعنی کہ ان کے سب اماموں نے بقول حضرت حسن و حضرت محمدی  
مستور فی الغار اپنے اپنے زمانہ کے (ان کے خیال میں) ظالم امام کی معیت کی۔ (جلد ۱۱۱ ص ۲۴۱)  
ومجالس المومنین ص ۲۴۲) نابھیک شیعان چہ رسد۔

اصلی شیعہ اور ان کی تعداد  
واقع رہے کہ شیعہ ائمہ کی واقعی تعلیمات کی روشنی میں۔ شیعہ ہر  
پوڑے بھگی۔ مراسی گوئیے۔ پنج تن کے نام پر بھکاری۔

مادر زادے ملنگان علیؑ تارک شریعت قلندر نسب پرست نام نہاد سید۔ متعہ و عیاشی میں  
مست امرار کو نہیں کہتے۔ جو بالعموم عشرہ محرم میں انہی مجالس اور شور و غوغا برپا کر کے فرضی  
جنت کا مکٹ۔ نماز روزہ سے پاک اور مونچھیں لمبی داڑھی صاف بڑا کروں سے حاصل کر  
لیتے ہیں۔ بلکہ ائمہ کے دین میں شیعہ وہ ہوتا ہے جو براہ راست معصوم امام زمانہ سے تعلیم شریعت  
حاصل کرے۔ پھر اس پر مکمل عمل کرے اور امام سے کماحقہ وفاداری کرے۔ چنانچہ کافی  
ج ۲ باب الطاعة والتقوى میں یہ صراحت ہے کہ خدا کا نافرمان ہمارا دشمن ہے۔ ہماری محبت  
صرف عمل اور پرہیزگاری سے ملتی ہے۔ بایں معنی حضرت علیؑ کے عمر بھر صرف تبین یاہم شیعہ  
تھے۔ (روضہ کافی ص ۱۳۳) باقی تمام حجم غفیر کو وفات سے پہلے آپ نے کفر و نفاق کی سند دی۔  
(جلد ۱۱۱ ص ۱۴۹) حضرت حسنؑ کا بھی کوئی شیعہ نہ تھا۔ ورنہ خلافت معاویہؓ کے سپرد کر کے  
شیعستان عراق و کوفہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں پناہ گزیں نہ ہوتے۔ حضرت امام حسینؑ  
کا بھی کوئی شیعہ نہ تھا ورنہ ۱۲ اصحاب مکہ اور افراد خاندان کے ساتھ کوفی شیعہ کے ہاتھوں



مظلومی کی شہادت نہ پاتے۔

حضرت زین العابدینؑ کا بھی کوئی شیعہ نہ تھا ورنہ وہ یزید کی غلامی اور سبیت کا طوق گلے

میں نہ ڈالتے (روضہ کافی ص ۲۳۵)

امام نجم حضرت باقرؑ کے بھی کوئی ونا دار شیعہ نہ تھے ورنہ وہ اوصاف شیعہ میں یوں نہ فرما تے۔

قال فیہم التمییز و فیہم

ان میں چھپاٹی ہوگی ان میں مذہب کی تبدیلی ہوگی

النبدیل و فیہم التحیص تاتی علیہم

ان کو پرکھا جائے گا۔ ان کو فنا کر دینے والی قوت

سنون تفتینہم و طاعون یقتلہم

سالی ان پر مسلط ہوگی اور طاعون ان کو قتل

کرے گا۔ (اصول کافی باب المومن و علامتہ)

امام ششم حضرت جعفر صادقؑ کے بھی تین شیعہ مومن نہ تھے ورنہ وہ تفتہ حلال نہ جانتے اور

کوئی حدیث نہ چھپاتے (کافی باب قتۃ المؤمنین ص ۲۴۲)

امام ہفتم۔ نهم۔ دہم۔ یازدہم کے بھی کوئی پیروکار شیعہ نہ تھے ورنہ ان کے خیر و شر کا کچھ شیعہ

لٹریچر سے ثبوت ملتا۔

امام ہشتم علی رضاؑ کے بھی کوئی مخلص شیعہ نہ تھے ورنہ وہ اپنے شیعوں کے ریزلٹ اور

انجام کا یوں اعلان نہ کرتے۔

مد اگر آپ میرے شیعہ کی سچان کریں تو سب کو فیل پائیں اور اگر ان کو پرکھیں تو سب کو مرتد

پائیں اور اگر ان کی چھانٹی کریں تو ہزار میں سے ایک بھی نہ نکلے اور اگر ان کو چھانٹنی سے چھانٹیں تو

کوئی بھی نہ بچے۔ بجز اس کے جو میرا ہو۔ یہ مدت سے تکبیر پڑھیں گے مٹھے میں اور کہتے ہیں ہم

شیعہ علیؑ ہیں۔ حالانکہ شیعہ علیؑ نہ تو صرف وہی ہے جو اپنے قول و فعل کو سچ کر دکھائے (روضہ کافی)

حضرت امام العصر و الزمان مہدیؑ کے ۲۵۵ھ سے تا ہنوز علی اختلاف الروایات

۳۰۔ ۳۱۔ ۳۲ مومنین شیعہ بھی سبک وقت نہیں ہوئے ورنہ حضرت امام باہر نکل کر ظلم و کفر کا

خانہ اور عدل و توحید کا ڈنکا بجا دیتے۔

اصول کافی باب التمیص والامتحان ۳۳ میں ہے کہ امام جعفر صادقؑ سے سوال ہوا کہ

قام کے ساتھ کتنے لوگ ہوں گے؟ فرمایا۔ نضر لسیر۔ تھوڑے سے آدمی ہوں گے۔ راوی نے کہا لوگوں



میں مہدی کی حمایت کا دعویٰ کرنے والے تو بہت ہیں۔ فرمایا یقینی بات ہے کہ (شیعہ) لوگوں کو پرکھا جائے گا اور بہت سی مخلوق چھاننی سے نکل جائے گی۔  
 بارہ آئمہ کے شیعہ کی سب تعداد آپ کے سامنے ہے۔ جو چند صد بھی نہیں بنتے کیا صرف یہی واحد مسلمان ہیں جو شیعہ علیؑ جنتی اور کامیاب ہیں۔ اور خلقاً ثلاثہ کو ماننے والی کرڈوں اربوں کی تعداد میں امت محمدیہ شیعہ کے خیال میں جہنم میں جائے گی۔ تو پھر اصول کافی کی اس صحیح حدیث کا کیا مفہوم ہوگا۔

والناس صفوف عشرون و  
 مائة الف صف ثمانون الف صف  
 من امة محمد واربعمائة الف صف  
 من سائر الامم (کتاب فضل القرآن ص ۵۹۶)

سب لوگوں کی ایک لاکھ بیس ہزار صفیں ہوں گی  
 ۸۰ ہزار صفیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی  
 امت کی ہوں گی اور ۴۰ ہزار سب امتوں کی۔

یہ لوگ وہ ہیں جو بالآخر جنت کے حقدار ہوں گے۔ ۸۰ ہزار صف مذہب اہل سنت کے پیروکاروں کی ہی ہو سکتی ہے۔ جو امت محمدیہ کے ملانے پر فخر بھی کرتے ہیں شیعہ کی فہرست بالا کے مطابق ایک صف بھی نہ بنے گی۔ پھر وہ کیسے کامیابی کا دعویٰ کرتے ہیں۔

حدیث۔ انت وشیعتک ہم الفائزون کی حقیقت بیان ہو چکی۔ اب  
 فائدہ ہمہ | آپ کے افادہ کے لیے چند موضوع احادیث بھی ذکر کی جاتی ہیں جن سے  
 شیعہ مسلمانوں کو دھوکہ دیتے رہتے ہیں تاکہ آپ ان کی چالوں میں نہ آئیں۔ تقیہ کی آڑ میں  
 شیعہ حضرات نے وضع حدیث کے سلسلے میں بڑا کمال دکھایا۔ اور شریعت محمدیہ کے برعکس آئمہ  
 کے نام سے مستقل شریعت اور دفتر احادیث تصنیف کر ڈالے۔ علامہ نوویؒ شرح مسلم ج ۱ ص ۸۳  
 پر لکھتے ہیں۔ رافضیہ سب فرقوں سے جھوٹا فرقہ ہے حضرت علیؑ کے ساتھی کا قول ہے۔ اللہ  
 شیعہ رافضیہ کو برا دکرے کتنا بڑا علم ضائع کر ڈالا یعنی افسر ابر علیؑ کی وجہ سے آپ کی طرف ہر  
 منسوب بات مشکوک معلوم ہونے لگی۔

امام شعبیؒ فرماتے ہیں اس امت میں جتنا حضرت علیؑ پر جھوٹ باندھا گیا۔ اتنا  
 کسی پر نہیں (حضرت علامہ اپنے دور کی بات کرتے ہیں۔ ورنہ شیعہ نے جتنا حضرت باقرؑ و جعفرؑ



پرافتراد کیا اور وہ جزو مذہب بنا حضرت علیؑ پر اس کا شیعہ شیعہ بھی نہیں باندھا گیا۔ یا وہ انقلابات دہر کے بھنور میں بچنس کر موجودہ شیعہ تک بھی نہ پہنچ سکا۔

علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں۔ رافضیوں کا جھوٹ ضرب المثل ہے۔ علامہ ابن مبارک فرماتے ہیں صحیح دین حدیث کے ماننے والوں کا ہے۔ مناظرہ اور حلیہ بازی۔ ڈھکوسلہ بازوں کا حصہ ہے۔ اور جھوٹ رافضیوں کا شعار ہے۔ حماد بن سلمہ کہتے ہیں مجھ سے ایک شیخ نے بیان کیا جو رافضی مذہب سے توبہ کر چکا تھا کہ جب ہم اکٹھے ہوتے اور ایک بات کو پسند کرتے تو ہم اسے حدیث بنا کر روایت کر دیتے (السنة قبل التدوين ۱۹)

شیعہ بن کر اہل بیتؑ پر کذب و افتراء کا اقرار موجودہ محققین شیعہ کو بھی ہے چنانچہ ایرانی عالم سید احمد حسینیؒ بحال کشی کے مقدمہ میں رقم طراز ہیں۔

ولم یسلم الاثمة الطمان ناس  
دسوا النفسهم فی اصحابهم واخذوا  
یختلفون علیهم الا کاذب دیروون  
عنہم الاحادیث ویوجدون البدع  
الاسرار الضالة حتی ان بعض الدجالین  
وضع الوفا من الاحادیث ونسبها  
الی من لم یتفوه بحرف واحد منها  
(تقدیم ص ۱۷۲ تہران)

آئمہ (اہل بیتؑ) بھی ان لوگوں سے محفوظ نہ رہ سکے جنہوں نے اپنے آپ کو آپ کے ساتھیوں میں گھسیڑ دیا اور ان پر جھوٹی حدیثیں گھڑنے لگے اور بناوٹی روایتیں ان سے نقل کرنے لگے۔ بعض اور گمراہ عقاید کو ایجاد کیا یہاں تک کہ ان بعض دجالوں نے ہزاروں حدیثیں بنا کر اس امام کی طرف منسوب کیں جس نے ان کا ایک حرف بھی منہ سے نہ نکالا۔

احادیث شیعہ میں واقعی اختلاف و تضاد اور اصولی مختلف فرقوں کے وجود کی وجہ سمجھ میں آگئی۔ کیا وہ یہی شریعت یا بے عیب واسطہ ہے جس پر شیعہ فخر کرتے اور مسلمانوں کو اہل بیتؑ سے انحراف کا طعنہ دیتے ہیں۔

۱۔ انا مدینۃ العلم و علی بابہا۔ اسے امام ترمذی نے شیعہ کی موضوع احادیث جامع میں ذکر کر کے فرمایا ہے کہ یہ منکر وغیرہ ثقہ راوی سے ہے۔ سخاوی نے بھی یہ کہہ کر فرمایا ہے کہ اس کی کوئی وجہ صحت کی نہیں۔ ابن حبان کہتے



ہیں یہ جھوٹ ہے جس کی کوئی اصل نہیں۔ ابو سعید اور یحییٰ بن سعید بھی یہی کہتے ہیں۔ ابن جوزی نے اسے موضوعات میں ذکر کیا ہے۔ (موضوعات کبیرہ از علا علی قاری) ابن حجر نے تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۲۲۸ پر اس حدیث کو موضوع کہا ہے۔

۲۔ اے علیؑ! آپ میرے بھائی میرے وصی میرے خلیفہ اور میرے بعد میرا قرض ادا کرنے والے ہیں۔“

علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں ابن جوزی نے کتاب الموضوعات میں اسے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے اور یہ موضوع ہے۔ ابن حبان کہتے ہیں۔ مطر نامی راوی موضوعات روایت ہے۔ اس سے روایت کرنا ضلال نہیں ہے۔ ابن عدی کی روایت بھی اسی مطر بن میمون سے ہے۔ اس میں خلیفہ فی ہدی کے الفاظ ہیں۔ (المنتقى ۶۹۳) مطر بن میمون کو امام بخاری منکر الحدیث کہتے ہیں۔ (موضوعات کبیرہ ص ۲۲۸)

۳۔ ایک پرندہ آپؐ کے پاس آیا گیا۔ آپؐ نے دعا کی اے اللہ اس پرندے کا گوشت کھانے کے لیے کسی ایسے شخص کو میرے پاس بھیج جو مجھے اور تجھے سب لوگوں سے عزیز تر ہو۔ اتنے میں حضرت علیؑ التشریف لائے۔ یہ حدیث سب محدثین کے نزدیک جھوٹی اور موضوع ہے مشہور محدث امام حاکم سے اس حدیث الطبر کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا یہ حدیث صحیح نہیں۔ حالانکہ حاکم تشیع کی تمام اہل ہے مگر حاکم اور دیگر علماء حدیث مثلاً نسائی و ابن عبد البر کا تشیع تفضیل علیؑ کی حد تک نہیں پہنچتا۔ محدثین میں کوئی ایسا عالم نہ تھا جو حضرت علیؑ کو حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ سے افضل قرار دیتا ہو۔ (المنتقى ۶۹۵)

۴۔ دو حصوں نے صحابہؓ کو حضرت علیؑ پر سلام بھیجنے کا حکم دیا اور فرمایا۔ آپؐ سید المسلمین امام المتقین اور اہل جنت کے قائد ہیں۔“ شبیہ اس کی سند اور صحت ثابت نہیں کر سکتے بلکہ ہمارا دعویٰ ہے کہ یہ روایت کسی صحیح کتاب اور قابل اعتماد سند میں موجود نہیں۔ اس کی اسناد میں متہم بالکذب راوی پائے جاتے ہیں اور مزید یہ کہ علماء اسے موضوع قرار دیتے ہیں اسی طرح اس کے یہ الفاظ وہو دلی کل مومن بعدی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بتنا ہے۔



۵۔ میرے اہل بیت کشتی نوح کی طرح ہیں جو اس پر سوار ہوا نجات پا گیا۔ اور جو پیچھے رہ گیا۔  
 ڈوب گیا۔“  
 شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کشتی نوح والی حدیث صحیح نہیں اور حدیث کی کسی قابل اعتماد کتاب میں موجود نہیں (منہاج السنۃ)

۶۔ ”من احب حسنا وحسینا والدیہما کان معی فی الجنة“ یہ محدث قطیبی نے کتاب الفضائل میں مسند احمد کے آخر میں اضافہ کے طور پر نقل کی ہے۔ محدث ابن الجوزی نے اس روایت کو بواسطہ علی بن حبضارہ موسیٰ موضوع قرار دیا ہے۔ (المنتقى ۲۰۲)،  
 ۷۔ ”حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا تمہاری محبت علامت ایمان ہے۔ اور تمہاری عداوت موجب کفر تیرے محبوب سب سے پہلے جنت میں جائیں گے اور تجھ سے عداوت رکھنے والے سب سے پہلے واصل جہنم ہوں گے۔“  
 ہم کہتے ہیں یہ صریح جھوٹ ہے کوئی مسلم یہ بات کہہ سکتا ہے کہ خوارج و نواصب فرعون والو جہل جیسے رؤسا کفار سے پہلے دوزخ میں جائیں گے۔ یا غالی اسماعیلیہ جھوٹے روافض اور فاسق امامیہ جب علیؓ کی بنا پر انبیاء کرامؑ سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔  
 ۸۔ خطیب خوارزم نے مرفوع روایت کی ہے کہ ”جو حضرت علیؓ کی خلافت کو ناپسند کرتا ہو وہ کافر ہے۔ اور اللہ کے رسولؐ کے خلاف جنگ آزمائی کر رہا ہے۔“  
 ۹۔ بروایت انسؓ علیؓ کو آتے دیکھ کر حضورؐ نے فرمایا۔ ”میں اور علیؓ ہر روز قیامت اپنی امت پر حجت ہوں گے۔“

۱۰۔ معاویہ بن حیدۃ القشیری مرفوعاً روایت کرتے ہیں جو شخص حضرت علیؓ سے عداوت رکھتے ہوئے مر جائے تو پر واہ نہ کریں کہ یہودی مرا ہے یا نصرانی۔  
 یہ مینوں روایات صحیح نہیں۔ اس لیے کہ خطیب خوارزم کا ان روایات کو نقل کرنا ان کی صحت کی دلیل نہیں ہے کیونکہ اس کی تصانیف موضوعات کا پلندہ ہیں جن کو دیکھ کر ایک حدیث دان شخص حیرت کا اظہار کرنے لگتا ہے اور بے ساختہ پکار اٹھتا ہے۔ ہذا بہتان عظیم۔ وہ حقیقت شناس شخص جو واقعات سے آگاہ ہو اور آثار و اقوال میں مہارت رکھتا ہو اس بات



سے بخوبی واقف ہے کہ اس قسم کی احادیث کذاب راویوں نے عصر صحابہ و تابعین کے اختتام کے بعد وضع کر لی تھیں۔ (کذا فی منهاج السنۃ لابن تیمیہ)

۱۱۔ امام نسائی نے فضائل علیؑ میں عباد بن عبد اللہ اسدی سے روایت کی ہے کہ حضرت علیؑ نے فرمایا۔ میں اللہ کا بندہ اور رسول خدا کا بھائی ہوں۔ میں ہی صدیق اکبر ہوں میرے بعد جو اس کا دعویٰ کرے گا وہ کاذب ہوگا۔ میں نے لوگوں سے سات سال پہلے نماز پڑھی ہے۔“

یہ روایت امام احمد نے اپنی کتاب الفضائل میں ذکر کی ہے۔ ابن الجوزی کہتے ہیں کہ یہ حدیث موضوع ہے عباد مہتمم بالکذب ہے۔ ابن المدینی نے بھی عباد کو ضعیف الحدیث قرار دیا ہے۔ اس کی سند میں منہال راوی بھی ہے جو تنبیہ کے نزدیک متروک ہے۔ ائزم کا قول ہے کہ میں نے امام احمد بن حنبل سے اس حدیث کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا۔ چھوڑ بیٹے۔ یہ منکر الحدیث ہے۔ (المستقی ۱/۱۹۱)

دراپہ بھی حضرت علیؑ جیسے راست گفتار سے یہ لعید ہے کہ وہ اپنی خود ستائی اور برتری کے لیے غلط بات کہیں۔

۱۲۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؑ سے فرمایا تو پہلا شخص ہے جو بروز قیامت مجھ سے مصافحہ کرے گا۔ تو صدیق بھی ہے اور فاروق بھی تو مؤمنان کا لبسوب ہے۔“ ابن جوزی کہتے ہیں یہ حدیث موضوع ہے۔ اس کی سند میں عباد بن یعقوب اور علی بن ہاشم دونوں ضعیف ہیں۔ اس کی دوسری سند میں عبد اللہ بن داہر ہے جسے محدث ابن ماجہ نے ضعیف قرار دیا ہے۔ بطور نمونہ یہ منہک عدد والی بارہ احادیث موضوعہ ذکر کی گئی ہیں ۱۰ تا ۲۰ ابن مطہر حلی نے منہج اکرامہ میں خلافت علیؑ پر پیش کی ہیں جس کے رد میں شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ المتوفی ۷۲۸ھ نے شہرہ آفاق تصنیف ”منہاج السنۃ النبویۃ فی نقض الشیۃ القدیریۃ“ لکھی ہے ہماری تنقید اسی سے ماخوذ ہے۔

اہل سنت ہی فائز المرام ہیں | منتظر کا یہ کہنا کہ ایسی کوئی حدیث حنفی، شافعی، حنبلی مابقی حضرات کے لیے بھی مل سکتی ہے۔ اگر نہیں تو دیوبندی



بریلوی۔ نجدی۔ سہروردی۔ چشتی۔ قادری۔ نقشبندی حضرات کے اپنے تلاش کر کے اطمینان دلانے  
 دیکھئے۔ ایک لغو بات ہے۔ کیونکہ چاروں ائمہ معتدین کے پیروکار یا علم تصوف میں چاروں سلاسل  
 کے سالکین۔ آپس میں کوئی اصولی اختلاف نہیں رکھتے نہ ایک دوسرے پر طعن کرتے ہیں بلکہ تیسرو  
 شکر ہو کر ایک دوسرے کے سچھے نمازیں پڑھتے ہیں جب یہ سب اہل السنۃ والجماعۃ ہی ہیں  
 تو سب کے لیے ایک حدیث نبویؐ اور فیصلہ مرتضوی کافی ہے۔ ملاحظہ ہو حضرت علیؑ فرماتے  
 ہیں۔

وسیہاک فی صنفان محب  
 مفرطین ہب بہ الحب الی غیر الحق  
 ومبغض مفرطین ہب بہ البغض  
 الی غیر الحق وخیر الناس فی حال  
 النبط الاوسط فالزموہ والزموا  
 السواد الاعظم فان ید اللہ علی الجماعۃ  
 وایاکم والفرقة فان الشاذ من الناس  
 للشیطن الخ (منہج البلاغۃ قسم اول و دوم)

اور عنقریب میرے بارے میں دو قسم کے  
 لوگ ہلاک ہوں گے ایک وہ جو محبت میں غلو  
 رکھتا ہو کہ محبت اس کو خلاف حق راستہ پر  
 لے جائے اور ایک وہ جو عداوت میں غلو  
 رکھتا ہو کہ عداوت اس کو خلاف حق کیط  
 لے جائے۔ میرے متعلق سب سے اچھے وہ  
 لوگ ہوں گے جو درمیانی راہ اختیار کریں گے  
 لہذا تم درمیانی راہ کو لازم سمجھو اور سواد اعظم  
 کی پیروی کو لازم سمجھو کہ اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے۔ خبردار جماعت سے علیحدہ نہ ہونا۔ جماعت  
 سے علیحدہ ہونے والا شیطان کا شکار ہے جس طرح وہ بکری جو گھاس سے علیحدہ ہو جائے بھڑیے  
 کا شکار بنتی ہے۔ آگاہ ہو جاؤ جو شخص تم کو جماعت سے علیحدہ ہونے کی ترغیب دے اس کو  
 قتل کر دو۔ اگرچہ وہ میرے اس عمامہ کے نیچے ہو (یعنی اگرچہ میں ہی کیوں نہ ہوں)۔“  
 منہج البلاغۃ میں دوسرے مقام پر حضرت علیؑ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ  
 حدیث نقل فرمائی ہے۔

اس یعنی ارشاد مرتضوی کی رو سے خوارج اور شیعہ کا بالکل و بالکل ہونا اظہار من الشمس  
 ہے۔ کیونکہ ایک غالی دشمن ہے۔ ایک غالی محب کہ آپ کے اندر خدا و رسولؐ کی صفات کا بھی  
 عقیدہ رکھتا ہے۔ صحیح مسلمان سواد اعظم ہیں جو اہل سنت والجماعت ہیں۔ اور آپ کے متعلق



معتدل عقیدہ رکھتے ہیں۔ سوادِ اعظم سے مراد بڑی جماعت ہی ہے۔ جیسے حضرت علیؑ نے تصریح فرمادی اور ان کی اتباع کی فرضیت بتائی۔ علماءِ شیعہ بھی ”سوادِ اعظم“ سے اکثری جماعت اور اہل سنت مراد لیتے ہیں۔ مثلاً شیعہ کے شہید ثالث نور اللہ شوستری مجلسِ المومنین ۵۶ پر لکھتے ہیں۔

فقیر گفت کہ اہل سنت ہمیشہ سوادِ اعظم فقیر کہتا ہے کہ اہل سنت ہر دور میں سوادِ اعظم ہوئے ہیں۔

اہل سنت جب سوادِ اعظم اور برحق و ناجی ہیں اور ارشادِ مرقنوی جیسے دنیا میں برحق نکلا آخرت کے اندر بھی برحق ہوگا اور اہل سنت فائز المرام اور جنات النعیم کے وارث ہوں گے اور جن مجاہدین اہل بیت پر حضرت امیر نے ہاک کا فتویٰ لگایا اور تاجی حقائق کی روشنی میں غدار و قاتل اہل بیت ٹھہرے۔ ان سے بدو عابیں لیں اور آج بھی اتباعِ اہلبیت سے محروم اور بدعت کے علمبردار ہیں۔ ۱۳۰۰ سال سے ناکامی ان کا مقدر بن چکی ہے۔ اور ظلم و سفاکی سے بھرپور خمینی انقلاب ایران کا جو ذمہ سوجھ بولی فقہ جندی کے معرکہ کارہ ہونے کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ آخرت مَن كَانَ فِي هَذِهِ اَعْمٰی فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰی وَاَصْلُ سَبِيْلًا پائے ہوگا۔

اور ایسا کیوں نہ ہو محبِ علیؑ شیعہ میں دسیوں فرقے قائم ہوئے۔ ہر ایک دوسرے سے اصولی اختلاف رکھتا۔ الگ امام بناتا اور دوسرے کی تکفیر کرتا ہے۔ صرف امامیہ کے ۳۹ فرقے ہیں۔ تعینِ بڑے فرقے۔ زید یہ۔ اسماعیلیہ اور اثنا عشریہ ایک دوسرے کی تکفیر کرتے ہیں۔ جناب امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں۔ ”کہ امت کے تتر فرقتے ہیں۔“

ثلاث عشرۃ فرقة تتحل ولايتنا و مودتنا اثنتا عشرۃ فرقة منها في النار و فرقة في الجنة۔ ۱۳ فرقے ہماری ولایت و محبت کے قائل ہیں۔ ان کے بھی ۱۲ فرقے جہنم میں ہوں گے صرف ایک جنت میں ہوگا۔

(روضہ کافی کلینی ص ۲۲۴)

یہ بھی ان کا یہی حشر ہوگا۔



کیوں صاحبِ اشیعہ علیؑ اگر فائز ہیں تو بانیِ تشیع امام ان کو جہنم کی سند کیوں دیتے ہیں اور نہ معلوم مشہر صاحبِ اہل ان کے ہم مسلک جہنمی فرقوں سے ہیں یا ایک جہنمی فرقہ کے فرد ہیں۔

اور واضح رہے کہ شیعہ عقاید و لٹریچر کی روشنی میں عہدِ کئہ کے بعد جنت کا مستحق صرف وہی مختصر گروہ ہوگا جس کی تعداد بیش از بیش ۳۱۳ ہوگی اور وہ بالفعل حضرت قائمؑ کی نصرت کرے گا۔ ان کے علاوہ سب مدعیانِ تشیع منافق ہیں۔ کیونکہ اگر اتنے مومن بھی ان میں ہوں تو حضرت مہدیؑ غائب کو غار یا مخفی مقام سے باہر نکل آنا واجب ہو جائے گا (ملاحظہ ہو روضہ کافی ص ۳۱۳ طائران)

سوال: حضرت بی بی عائشہؓ کے تعلقات خلافتِ عثمانؓ کے وقت حضرت عثمانؓ کے ساتھ کیسے تھے؟ کیا بی بی عائشہؓ نے ارشاد فرمایا تھا کہ اس بڈھے نخل کو قتل کر دو خدا اسے قتل کرے۔ اگر ایسا ارشاد فرمایا تو آپؐ کہہ تشریف لے گئیں تو حضرت علیؓ کی خلافت ظاہری کو سن کر حضرت عثمانؓ کو کس طرح انہوں نے مظلوم تسلیم کر لیا۔ کیا حضرت علیؓ سے دیرینہ حضرت عائشہؓ کو ذاتی رنجش نہ تھی ارشاد فرمایا میں کہ جنگِ جمل حضرت عثمانؓ کی حمایت میں ظہور پذیر ہوئی۔ یا حضرت علیؓ کی دیرینہ دشمنی کا نتیجہ تھی۔

الجواب: حضرت عائشہؓ صدیقہؓ کے تعلقات حضرت عثمانؓ میں عقیدہ مندی اپنے فرزند و داماد حضرت عثمانؓ سے بالکل درست تھے۔ آپؐ کا بھائی محمد حبیب حضرت عثمانؓ پر تنقید کرتا تھا تو آپؐ اسے سمجھاتیں کہ صند سے باز آ جاؤ لیکن وہ کسی طرح نہ مانے۔ ہر سال کے دستور کے موافق حضرت عائشہؓ اسی اثنا میں حج کے ارادے سے مکہ منظرہ چلی گئیں۔ محمد بن ابی بکرؓ کو بھی ساتھ لے جانا چاہا مگر وہ آمادہ نہ ہوئے۔ صحابہؓ میں جن (چند) لوگوں کو حضرت عثمانؓ کے طرزِ عمل سے اختلاف تھا اور جن میں ایک (جھوٹے) پر دیکندہ پر مبنی، روایت کے مطابق حضرت عائشہؓ بھی داخل ہیں وہ بھی اس کے روادار نہ تھے اور نہ حاشا ان کا مقصد تھا۔ واقعہ سے پہلے اشرار نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا تھا کہ اس شخص (حضرت عثمانؓ) کے قتل کی نسبت آپؐ کی کیا رائے ہے۔ فرمایا مآذ اللہ میں



اماموں کے قتل کا حکم کیسے دے سکتی ہوں۔ (طبقات ابن سعد ص ۳۵۶)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک دفعہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں فرمایا۔ خدا کی قسم میں نے کبھی پسند نہ کیا کہ عثمان رضی اللہ عنہ کی کسی قسم کی بے عزتی ہو۔ اگر ایسا کبھی میں نے پسند کیا ہو تو ویسی ہی میری بھی ہو۔ خدا کی قسم میں نے کبھی پسند نہ کیا کہ وہ قتل ہوں۔ اگر کیا ہو تو میں بھی قتل کی جاؤں اسے عبداللہ بن عدی (ان کے باپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے) تم کو اس علم کے بعد کوئی دھوکہ نہ دے۔ اصحاب رسولؐ کے کاموں کی اس وقت تک تحقیق نہ کی گئی جب تک وہ فرقہ پید نہ ہوا جس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر طعن کیا۔ اس نے وہ کہا جو نہ کہنا چاہیے تھا وہ پڑھا ہے جو نہ پڑھنا چاہیے۔ اس طرح نماز پڑھنی جس طرح نہ پڑھنی چاہیے۔ ہم نے ان کے کاموں کو غور سے دیکھا تو پایا کہ وہ صحابہؓ کے اعمال کے قریب ایک نہ تھے یہ پوری تقریر سیرۃ خلیفۃ افعال العبادؓ پر امام بخاریؒ نے نقل کی ہے (بحوالہ سیرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ۱۲۱ از سید سلیمان ندویؒ) اس اعلان سے زیادہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مخالف عثمان رضی اللہ عنہ کی افواہ کے جھوٹ ہونے پر کیا دلیل چاہیے۔ درحقیقت یہ بھی شیعہ کا لغو پروپیگنڈہ ہے جب وہ حضرت عثمانؓ اور ام المومنینؓ دونوں کو نہیں مانتے تو ان کے درمیانی حسن تعلق یا اختلاف سے شیعہ کا کیا واسطہ۔ اسی سے شیعہ کی بدینتی اور فساد انگیزی نمایاں ہو جاتی ہے۔

**حضرت علیؓ سے حسن تعلقات** | جنگِ جمل کے سلسلے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مصالحت حسن نیت اور اصلاحی اقدام پھر ملو بائیوں کی سازش سے اچانک جنگ کا قصہ سوال ۱۳ کے تحت طبری وغیرہ تاریخ کے حوالہ جات سے گزر چکا ہے اسے مرتضیٰ دشتی پرچمل کرنا بدترین بدظنی ہے جو انہرہ وئے قرآن حکیم عام مسلمانوں کے بارے میں بھی حرام ہے۔ چہ جائیکہ حبیب رب العالمین و امہات المومنینؓ کے متعلق ایسی یا وہ کوئی کی جائے۔

احادیث صحیحہ و تالیف تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ جب جنگ کے بعد حضرت علیؓ و عائشہ رضی اللہ عنہا کی ملاقات ہوئی تو ہر ایک نے گریہ و زاری کر کے معذرت اور امرِ جنگ سے لاعلمی ظاہر کی۔ دو آدمیوں نے ام المومنینؓ کے حق میں گستاخی کی تو حضرت علیؓ نے ان کو ۱۰۰-۱۰۰ درے کی



حد لگائی اور فرمایا کہ بخدا کہ یہ تمہارے پیغمبر کی دنیا و آخرت میں اہلیہ اور تمہاری ماں ہیں ان سے لاشہ رخ ہو گئی۔ ورنہ میرے اور ان کے درمیان کوئی خصومت نہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی برأت کرتے ہوئے فرمایا۔ ”میرے اور علی رضی اللہ عنہ کے درمیان کوئی نہ تھی ہاں کبھی ایسی بات ہو گئی جو خاوند کے رشتہ دار اور بوی کے مابین ہو سکتی ہے تو ممکن ہے۔“

لکھنؤی کشف الغمہ ص ۲۱۴ علی بن عیسیٰ اور سہیل شیعہ) شاید اس سے اشارہ اس شکر رنجی اور صلہ کی طرف ہو جو قذف کے موقع پر آپ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حضور کو اس مشورہ دینے سے پہنچا تھا مگر کہ آپ پر تنگی نہیں۔ آپ اور شادی کر لیں۔“ جبکہ قرآن حکیم اور سب قرآن اہل نبی و صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی قطعی برأت کی تھی۔ ظاہر ہے کہ انسانی فطرت کے تحت اس شدید حد سے کا اثر۔ جو باقی ہو سکتا ہے۔ صدیقیہ بنت صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کی طرف اشارہ کر دیا۔ تو یہ دوستانہ عتاب ہے۔ اسے جگہ جگہ قرار دینا انتہائی ظلم اور خبیث باطنی کا اظہار ہے۔ ترمذی مناقب علی رضی اللہ عنہ میں حضرت امام ابو نعیم رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی توصیف فرمائی ہے۔ اور فرمایا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے شوہر بہت نماز گزار اور بدوزہ دار تھے۔ صحیح بخاری مناقب قرابت اور مناقب فاطمہ رضی اللہ عنہا میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت کی ہے کہ مرض وفات میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو حضور نے بلا کر چپکے سے کچھ کما تو روٹیوں۔ پھر کچھ فرمایا تو سنس مٹیں۔ پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا تو فرمایا مجھے حضور نے اپنے وفات پائے اور حالتون جنت ہونے کی بشارت دی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا آل عبا میں داخل ہونا اور اہل بیت ہونا ہمیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ذریعہ ہی معلوم ہوا۔ (صحیح مسلم)

متحد و مرتبہ ایسا ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس مستفتی آئے ہیں (خود جواب دے کر) انہوں نے ان کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں جانے کی ہدایت کی ہے (مسند احمد ص ۶۷۰ ۱۵۵) حضرت علی رضی اللہ عنہ کبھی سفر سے واپس آتے تو داماد کی ضیافتیں کرتے۔ (مسند احمد ایضاً) خواجہ کی آپ سے مخالفت اور شہادت سن کر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے فرمایا۔ خدا علی رضی اللہ عنہ رحمت بھیجے۔ ان کو جب کوئی بات پسند آتی تو یہی کہتے۔ صدق اللہ و رسولہ۔ اہل عراق ان پر جھوٹ تمت باندھتے ہیں اور بات کو بڑھا کر بیان کرتے ہیں۔ (مسند احمد ص ۸۶ بحوالہ سیرت عائشہ رضی اللہ عنہا)



اختلاف کا سبب قصاص قتل عثمانؓ ہی تھا۔ ایک پیغمبر کریمؐ کی بہترین اہلیہ میں۔ اور ایک محترم داماد میں۔ ان دونوں میں نفرت اور دشمنی ثابت کرنا پیغمبرؐ کی تعلیم و تربیت کا منکر ایک یہودی یا نصرانی تو کر سکتا ہے۔ مگر آپؐ کے محب اور مسلمان سے اس کی توقع نہیں ہو سکتی۔

اقتلو العتلا کا قصہ وضعی ہے [طبری ج ۴ ص ۵۹ پر بلا۔ مگر افسوس کہ شیعہ کا یہ قلعہ لمبہ آب ثابت ہوا۔

اولاً اس کی سند میں حسین بن نصر عطار۔ ابونصر بن مزاحم۔ محمد بن نویرہ۔ طلحہ بن اعلم حنفی وغیرہ ایسے بھول لوگ ہیں جن کا عام کتب رجال و تاریخ میں تذکرہ نہیں ملتا۔ ثانیاً۔ ایک راوی سعید بن عمر معروف ہے۔ مگر اس پر کتب رجال میں کڑی جرح موجود ہے۔ میزان الاعتدال میں سعید کے ترجمہ میں ہے کہ وہ لمیس شیئ (کچھ بھی نہیں) ہے۔ منکر الحدیث ہے۔ وضع و زندقہ سے متهم ہے۔ پھر آخری راوی اسد بن عبد اللہ مروی عنہ کا نام نہیں لیتا۔ تدلیس کرتا ہے۔

ایسی بے سرو پا اور جعلی روایت سے ام المومنینؓ جیسی مسنتی پر طعن کرنا واقعی شیعہ کو زیب دیتا ہے۔

ثالثاً۔ درایت بھی یہ قصہ لغو ہے۔ بلکہ شاذ و منکر ہے کیونکہ اس کے خلاف حضرت عائشہؓ سے بہت سی روایات ثابت ہیں۔ جن میں آپؐ نے حضرت عثمانؓ کا دفاع کیا۔ قتل کو نفرت و حقارت سے دیکھا۔ ان پر لعنت کی اور حضرت علیؓ نے بھی آپؐ کی تائید میں ان پر لعنت کی۔ (طبری ج ۴ ص ۵۹۳ المنتقی ص ۳۲۹)

رابعاً۔ حتی الامکان آپؐ حضرت عثمانؓ اور بلویوں کے اختلاف کو دفع کرتے ہیں۔ ماں کی حیثیت سے بلوایوں کی کسی غلط رپورٹ پر آپؐ کو حضرت عثمانؓ پر تنقید کا حق حاصل تھا۔ کبھی کبھار تو وہ کس منطق سے حضرت عثمانؓ سے دشمنی کے ذیل میں آئے گا۔ محاصرہ تنقید عام بات ہوتی ہے۔ درحقیقت بلوایں کہیں آپؐ کی عزت کے بھی دشمن تھے۔ لگائی



بجھائی سے فتنہ برپا کرنا چاہتے تھے اور یہ تنقید ان کی ہی خود ساختہ ہے۔ جب انہوں نے ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ کی بھی بے عزتی کی تو آپ عزت بپا کر اور حج کے لیے مکہ مکرمہ چلی آئیں۔ اگر آپ بزرگم شیعہ مخالف عثمانؓ اور آپ کی قتل پر خوش تھیں۔ یہ مقصد مدینہ شریف میں رہ کر جلدی حاصل کر سکتی تھیں۔ بلوائیوں کی ڈھارس بندھتی۔ مگر آپ کا عمل اس کے برعکس تھا۔

خامسا۔ درحقیقت یہ تنقید بھوٹ ہے۔ نقتل کا لفظ صرف قاتلین عثمانؓ کی زبان پر جاری ہوا۔ سب سے پہلے یہ لفظ بولنے والا جبکہ بن عمرو ساعدی تھا اس نے کہا اے نقتل میں آپ کو قتل کر کے ایک خارشہ اونٹ پر سوار کروں گا اور اسے شہر سے باہر پھیر لی زمین کی طرف ہانک دوں گا۔ زنا ریح طبری ج ۵ ص ۱۱۱ مطبع حسینیہ مصر، بعد ازاں یہ لفظ جنگ جمل کے موقع پر ہانی بن خطاب اور جمہی کی زبان پر جاری ہوا وہ کہتا ہے۔ ۷

ابت شیوخ من حجج وھدان ان لایرون نعتلا کما کان  
 تیسری مرتبہ یہ لفظ عبدالرحمن بن حنبل جمہی نے جنگ صفین کے موقع پر بولا۔ وہ کہتا ہے۔  
 ۷ ان تفتلونا فاننا ابن حنبل انا الذی قتلت فیکم نعتلا  
 جب جبکہ بن عمرو ساعدی نے حضرت عثمانؓ کے گھر کا محاصرہ کرتے ہوئے پہلی مرتبہ نقتل کا لفظ بولا۔ حضرت عائشہؓ اس وقت مکہ مکرمہ میں موجود تھیں۔ جب حج سے واپس ٹوئیں تو یہ لفظ آپ کے کانوں میں پہنچا۔ (تخشیہ الخطیب برمتقی ص ۳۲۲)

سادسا۔ زیر بحث تاریخی روایت میں یہ بھی ہے کہ عبدالبنی ام کلاب نے حضرت عائشہؓ سے کہا کہ آپ کیوں قصاص عثمانؓ چاہتی ہیں جبکہ آپ نے ان پر نکتہ چینی کی تھی۔

فالت انھما استنباوۃ ثم قتلوا  
 وقلت وقالوا وقولی الاخیر خیر  
 من قولی الاول (طبری ج ۵ ص ۱۵۹)  
 ان کے متعلق (میرے پاس غلط رپورٹ) بیان کی تھی۔ میری آخری بات (حقیقت پر مطلع ہونے کی وجہ سے) پہلی بات سے بہتر ہے۔

معلوم ہوا کہ وہ جملہ ثابت بھی ہو تو غلط خبر پر مبنی تھا۔ جیسے حضرت عائشہؓ نے تصریح



کر دی ہے:

ساتھ بصرہ کے شہر میں حضرت طلحہ و زبیرؓ کی تقریروں کے بعد حضرت عائشہؓ نے فرمایا لوگ حضرت عثمانؓ پر نکتہ چینی کرنے لگے اور آپ کے حکام پر الزام لگاتے۔ ہمارے پاس یہ لوگ بیہوش تھے تو جو کچھ بیان کرتے تھے اس کے چھپانے کا حکم دیتے اور ہماری نرم بات کو اپنے حق میں بہتر جانتے جب ہم ان کے الزامات میں غور کرتے تو حضرت عثمانؓ کو بری، پرہیزگار اور وفادار پاتے۔ اور ہم ان کو بدکار اور جھوٹا سمجھتے کہ یہ جو کچھ ظاہر کرتے اس کی خلاف ورزی نہ کرتے تھے۔ طلب حق کے بجائے قتل عثمانؓ، جب یہ باغی ٹولہ بنانے پر قادر ہو گئے تو گھر میں گھس کر حرام خون، حرام مال اور حرام شہر کو حلال کر لیا۔ (طبری ج ۴ ص ۴۸۴)

حضرت عائشہؓ نے یہ حدیث بھی روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ سے فرمایا تھا۔ اے عثمانؓ! اللہ اگر تجھے ایک دن بھی خلافت کی قمیص پہنائے اور منافق آنروانا چاہیں تو اللہ کی اس پہنائی ہوئی قمیص کو کبھی نہ اتارنا۔ آپ نے یہ بین مرتبہ فرمایا تھا۔ اسی نے کہا اے اماں قل و لا ے دن آپ نے یہ حدیث کیوں نہ سنائی۔ فرمایا بھول گئی تھی۔ (ابن ماجہ ص ۱۱)

سوال ۱۸۔ مسلمانوں کے چار امام حضرت امام ابو حنیفہؒ، شافعیؒ، مالکؒ اور احمد بن حنبلؒ ہیں کیا ان کی امامت نص سے ثابت ہے یا حکومت وقت کی پیداوار تھی اور چار مصلے جو خانہ کعبہ میں بنائے گئے تھے ان کا شرعی جواز کیا تھا اور اب ان کو اٹھا بھی دیا ہے تو حکومت کا اپنی مرضی سے ان چار مصلوں کو کعبہ میں قائم کرنا اور عرصہ کے بعد اٹھانا کیا اس بات کی دلیل نہیں کہ ان بزرگوں کی امامت حکومت کی مرہون امت ہے فاعترفا یا ولی الالبصار۔

الجواب۔ اس بھونڈے سوال میں تو مشرک مسلمانوں سے شدید عناد و نفیہ سے باہر نکل آیا اور جہالت سے آئہ اربعہ کا تقابل اپنے خود ساختہ ۱۲ ائمہ سے چاہنے لگا۔ اس پر واضح ہونا چاہیے کہ اہل سنت کے فقہاء و محدثین و ائمہ اربعہ کی امامت۔ نہ نبوت سے افضل ہے نہ نبوت کی مثل ہے نہ منصوص ہے۔ اور نہ اہل سنت شیعہ کی طرح جناب پیغمبر خاتم الانبیاء



صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور منصب و اوصاف میں اس شرک عظیم اور کفر صریح کو جاننے سمجھنے میں بلکہ یہ تو قرآن حکیم اور سنت نبوی میں نئے درپیش مسائل کے لیے غور و فکر اور صواب و احصاء کی تلاش میں اجتہاد کا نتیجہ ہے اور کئی غیر منصوص نئے مسائل میں یہ اختلافات آراء ایک ایک مذہب کی حیثیت اختیار کر گئے۔ جیسے خود حضرت باقر و جعفر جہا اللہ میں یا حضرت زیدؓ اور دیگر اہل بیتؓ میں فقہی اختلافات ہیں جن میں ایک دوسرے کی نہ قطعی تخیل کی جاسکتی ہے نہ کسی مابین مسلک کو ماننا ہی باعث نجات ہے اور یہی اختلاف امت کے لیے رحمت ہے جہاں تک حادثات نو کے حل کے لیے اجتہاد و قیاس کی ضرورت و اہمیت کا تعلق ہے ہم اس سے قبل سوال ۱۳ کے تحت بیان کر چکے ہیں۔ یہاں صرف ایک آیت کا حوالہ کافی ہے۔

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهِيَ كُفْرَهُمْ  
سُبُلَنَا وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ أَمَحْضٍ  
اور جو ہمارے دین کے پاسے میں کوشش کریں گے ہم ضرور بالضرور ان کو اپنا راستہ دکھائیں گے اور اللہ ضرور نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ (ترجمہ مقبول ص ۸۴)

مولوی مقبول صاحب نے حاشیہ پر لکھا ہے ”حدیث میں وارد ہے کہ جو شخص اپنے علم کے بموجب عمل کرے گا خدائے تعالیٰ اس کو اس علم کا بھی وارث کر دے گا جس کو وہ نہ جانتا ہو“ (ایضاً)

آیت و حدیث کا مفہوم اس جدوجہد اور کوشش کو یقیناً شامل ہے جو نئے مسائل کے دینی احکام معلوم کرنے کے لیے قرآن و سنت کے معلوم ذخیرہ میں کی جائے۔ اور اللہ تعالیٰ مجتہدین کو ان کا علم اور حل عطا فرما دیتے ہیں۔ جو پہلے سے معلوم نہیں ہوتا۔

حدیث ہے کہ شیعہ حضرات اجتہاد کا یہ دروازہ، مثل سنجیر، شاربع و مصوم اور صاحب وحی و کتاب ۱۲ ائمہ کا زندہ وجود ماننے کے باوجود بھی بند نہ کر سکے۔ اور وہ ہر زمانے میں مجتہد جامع الشرائط کی ضرورت اور وجوب تعلید کے قائل ہیں اور ایسے مجتہدین ان کے یہاں سینکڑوں ہوتے ہیں۔ ہر ایک کا فیصلہ و اجتہاد دوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔ ایک مجتہد کی وفات پر اس کے سارے مسائل یا اطل ہو جاتے ہیں اور نئے مجتہد و شرعیہ دار کو خود



شیعہ ہی منتخب کر کے امام العصر کی سیٹ پر غاصبانہ بیٹھا دیتے ہیں۔ ان کے قرآن و سنت کے مخالف مسائل کا تذکرہ طوالت کا موجب ہوگا۔

اہل سنت کے ائمہ مجتہدین اور ان کے اجتہاد کی پوزیشن واضح ہو۔  
علامہ ابوالحسن شعرانی شافعی میزان الکبریٰ ج ۱ صفحہ ۵۵ پر رقمطراز ہیں۔

فقد بان لك يا اخي مما نقلناه  
عن الائمة الاربعه وغيرهم ان جميع  
المجتهدين دائرون مع ادلة الشرع ليجتهدوا  
وارتوا وانهم كلهم منزّهون عن القول  
بالوأي في دين الله وان مذاهبيهم كلها  
محركة على الكتاب والسنة كتحريم  
للذهب والجوهر..... وما بقى لك  
عذر في التقليد لای مذہب ثبتت  
من مذاهبيهم فانها طرق الى الجنة  
كما سبق بيانه۔

ائمہ اربعہ وغیر ہم سے جو کچھ ہم نے نقل کیا ہے  
اس سے اسے بھائی تجھ پر واضح ہو چکا ہوگا کہ  
تمام مجتہدین اولہ شرعیہ کے ساتھ گھومتے ہیں  
جہاں وہ گھومیں اور بلاشبہ وہ سب اللہ کے  
دین میں اپنی رائے کی بات کرنے سے منزہ  
اور پاک ہیں۔ ان کے مذاہب راجعہ کتاب  
اور سنت نبوی پر ایسے چھپے ہوئے ہیں جیسے  
سونے اور جواہرات پر نقش و نگار۔ اب تیرے  
لیے کوئی عذر باقی نہیں تو ان مذاہب میں سے  
جس کی چاہتے تقلید کر لے کیونکہ یہ سب حسب

بیان سابق جنت میں پہنچانے والے راستے ہیں۔

اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب بھی حجتہ اللہ البالغہ ص ۳۲ پر لکھتے ہیں۔

”خلاصہ یہ کہ جب ان قواعد شرعیہ پر فقہاء نے فقہ کی بنیاد رکھی تو کوئی اختلافی مسئلہ  
زمانہ سابق کا یا ان کے اپنے زمانے کا ایسا نہ رہا جس پر دلیل نہ مل سکے۔ ہر مسئلہ پر انہیں حدیث  
مرفوعہ متصل یا مرسل یا موقوف صحیح یا حسن۔ اور اعتبار واسند لال کے قابل مل گئی یا شیخینؒ  
باقی خلفاء و بڑے بڑے شہروں کے فاضیوں اور علماء کے فیصلے ان کو مل گئے۔ یا قرآن و سنت  
کے مضموم میں سے بطور اقتضاء النص یا اشارۃ النص ان کو استدلال کی سمجھ آگئی تو اس طرز  
پر اللہ تعالیٰ نے ان کو سنت نبوی پر عمل کرنا آسان کر دیا۔

مجتہد کے لیے۔ اولہ شرعیہ۔ کتاب اللہ سنت رسولؐ۔ اجماع امت۔ قیاس صحیح۔



کے علاوہ علوم عربیہ میں مہارت اور تقویٰ و بصیرت کے زیور سے بھی آراستہ ہونا ضروری ہے سوال ۱۳ میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ اجماع امت اور قیاس صحیح مستقبل ارادہ نہیں ہیں۔ بلکہ قرآن و سنت کی فرع ہیں۔ کتاب و سنت کے سرے پر عکس نہ اجماع منعقد ہوا اور نہ قیاس کی گنجائش ہے۔ شیعہ حضرات بھی اپنے علماء کے اجماع کے اور مجتہد کے لیے ضرورت قیاس و عقل کے قائل ہیں۔ گو تعبیر میں اختلاف سہی۔ ایک شیعہ مؤلف لکھتا ہے۔

”شیعہ کے نزدیک فقہ کے چار مآخذ ہیں۔ قرآن مجید۔ سنت رسول و ائمہ طاہرین اجماع علماء البشر طبعہ خلاف قرآن و سنت نہ ہو اور عقل سلیم جبکہ غیر شیعہ فقہوں میں قیاس کو مآخذ مانا گیا ہے۔ (شیعہ مذہب سچا ہے ص ۱۱۳)

گو مجتہدین و فقہاء نے امت محمدیہ کو ان چاروں کی بزرگی اور امامت پر متفق کر دیا اور ایسی مقبولیت عامہ حاصل ہوئی کہ فرقہ شیعہ اور چند اہل ظاہر کے سوا سب کرڈرو مسلمانوں نے ان کی تقلید کی۔ اور قرآن و سنت پر ان کے واسطے سے عمل کیا۔ یہی ان کی حقانیت کی دلیل ہے۔

کتاب اہل سنت میں یہ حدیث قطعی الثبوت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان الله لا يجمع امتی علی ضلالة وید الله علی الجماعة ومن شذ شذ فی النار (ترمذی) بلاشبہ الشامیری امت کو گمراہی پر جمع نہ کرے گا اور اللہ کا دست نصرت جماعت پر ہوتا ہے جو جماعت سے الگ ہو جہنم میں پھینکا گیا۔

کتاب شیعہ سے اس حدیث کا ثبوت دیا جا چکا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے۔ وما کان الله لیجمعهم علی الضلال کو اگر اسی پر جمع کرنے والا نہیں ہے۔

ائمہ اربعہ پر امت کا یہ اتفاق اور قبولیت عامہ عطیہ خداوندی ہے۔ ایں سعادت بزور بازو و نصیبت تانہ بخت خدا کے بخشندہ یہ حکومت وقت کی پیداوار نہیں اور نہ ان ائمہ نے اپنے شاگردوں اور پیروکاروں کو رشوت دی تھی۔ اگر ایسا ہوتا تو حکومتوں کے اختتام کے ساتھ یہ مذاہب بھی ختم ہو جاتے۔



اور حکومتیں ان پر چور و جفانہ کرتیں۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ المتوفی ۱۵۰ھ نے منصور عباسی کے جلی تھانہ بغداد میں وفات پائی۔ حضرت الامام احمد بن حنبلؒ خلق قرآن کے مسئلہ کے سلسلے میں ۳ سال جیل میں رہے اور ہر روز کوڑے کھانے تھے۔ یہ الگ بات ہے کہ ان آئمہ کی مقبولیت عامہ کے پیش نظر حکومتیں ملکی قوانین کی بنیاد ان کی فقہ پر رکھتیں جسکی وجہ سے مسلمان اندرونی طور پر متحکم تھے۔ اور بیرونی طور پر جہاد و فتوحات کے دروازے کھلے ہوتے تھے۔ تاہم للہیت کے پیش نظر یہ آئمہ اپنی فقہ و مسلک کو جبراً تمام مسلمانوں پر نافذ کرنے کے حق میں نہ تھے۔ مثلاً موطا امام مالکؒ کو ہارون رشید نے تحسین کی نگاہ سے دیکھا تو خواہش ظاہر کی کہ اسے تمام مملکت میں بطور قانون نافذ کر دیا جائے مگر حضرت امام مالکؒ نے فرمایا۔ ہر شہر میں صحابہ کرامؓ آئے ہیں اور فقہ و حدیث کا خزانہ ان لوگوں کو ملا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ہمارا مجموعہ حواہل مدینہ کی روایت و عمل سے ہے۔ ان سے کچھ مختلف ہو۔ تو اس کے جبراً انفاذ سے ان کو حرج واقع ہو۔ یشیعہ کے امام نہ تھے کہ اپنے سے اختلاف رکھنے والوں کو بے ایمان اور خارج از اسلام قرار دیں۔ جیسے حضرت علیؑ کے متعلق ہے کہ جو آپ کو پہچانے وہی مومن ہے اور جو آپ کو نہ مانے وہ کافر ہے۔ اور جو کسی اور کو آپ کی بیعت میں شریک کرے وہ مشرک ہے۔ (حیات القلوب ج ۲ ص ۵۲۶)

اور عالمانہ بھیس میں حکومت و امارت کے لیے بے چین ہوں۔ جیسے امام جعفر صادقؑ نے فرمایا۔

لوکلن لی شیعة بعد دھذہ	اگر میرے ان کبریوں کے برابر یشیعہ ہوتے تو
الجد اوما وسعتی القعود و نزلنا	مجھے طلب خلافت و حکومت سے بیٹھ رہنا
وصلینا فلما فرغنا من الصلوة عطفت	جائزہ ہوتا۔ راوی کہتا ہے ہم نے انز کر نماز
علی الجنا و فعد دنتھا فاذا هی سبعة	پڑھی اور کبریاں گنیں تو وہ صرف سترہ تھیں۔
عش (اصول کافی ج ۲ ص ۲۱۲ باب قلنا المتین)	

حضرات اہل بیتؑ کو اپنے مقام سے اٹھا کر یشیعہ نے جس بلند مقام رسالت والوہیت پر بٹھایا ہے۔ اس کا مفصل نقشہ ہم سوال ۱۲ کے جواب میں دکھائیں گے۔ یہاں صرف یہ کہنا ہے



کہ شیعہ حضرات اگر حضرت جعفر صادقؑ اور محمد باقرؑ پر من گھڑت روایات تھوپنے کے بجائے ان کے تفقہ اور استدلالات کو رد وایت کرتے اور اصول و فروع میں ان کو اہل اسلام سے الگ نہ دکھاتے تو یہ ان کے حق میں بہت بہتر ہوتا اور حلقہ تعلیم بھی وسیع ہوتا۔ جہاں تک اہل سنت کا ان سے حسن تعلق تھا۔ انہوں نے ان سے احادیث اور فقہ بھی روایت کی۔ اور معتد بزرگ عالم بھی تسلیم کیا۔ ان کا حلقہ احباب بھی وسیع ہوا۔ تاہم جو مقبولیت آئمہ اربعہ کو اللہ نے عطا کی وہ ان سے زیادہ تھی۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ جب کبھی مدینہ آتے تو حضرت جعفر صادقؑ احتراماً کھڑے ہو کر استقبال کرتے۔ اصول کافی میں بھی ان کے آنے اور ملاقات کرنے کا ذکر ہے۔ ایک مرتبہ کچھ لوگوں نے اہل الرائے کا پرہیز گندہ کر کے حضرت امام اعظمؒ سے جناب صادقؑ کو بدظن کرنا چاہا۔ آپ نے جب مختلف سوالات کیے تو امام ابوحنیفہؒ کو اس تتمت سے بری پایا۔ نیز امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہؒ اپنے شہر کے سب سے بڑے فقیہ ہیں۔ امام ابن معین کہتے ہیں۔ میرے نزدیک معتز فخر امام ابوحنیفہؒ کی ہے۔ اسی پر لوگوں کو عمل کرتے پایا۔ ایک امام کا قول ہے۔ آئمہ مشہورین میں سے میں نے امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد و اصحاب ہوئے اور کسی کے نہیں ہوئے اور علماء اور تمام لوگوں نے جس قدر نفع امام ابوحنیفہؒ سے پایا اور کسی سے نہیں پایا۔ علامہ عینی بنایہ میں فرماتے ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کی تعریف بڑے آئمہ نے کی ہے۔ جیسے ابن مبارک۔ سفیان بن علیہ۔ اعمش۔ سفیان ثوری۔ عبد اللہ بن زید۔ وکیع۔ امام مالک۔ شافعی۔ احمد بن حنبل و غیرہم اللہ (تایخ ابن خلدون)

چاروں مصلوں کو خانہ کعبہ میں قائم کرنا شرعاً جائز تھا۔ حرمت پر کوئی دلیل نہیں۔ ایک جماعت کے بعد دوسری جماعت ہو سکتی ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ چاروں آئمہ کے پیروکار کثرت سے ہیں اور ایک دوسرے کے وجود کو رد واداری اور خندہ پیشانی سے قبول کرتے ہیں۔ خلافت عثمانیہ کے سقوط کے بعد سعودی حکومت نے بعض مصالح کے پیش نظر متعدد جماعتوں کا سلسلہ ختم کر دیا ہے تو کوئی اس پر طعن و تشنیع نہیں کرنا کیونکہ جائز کام کو جائز سے مصالح کے پیش نظر بدلا ہے۔ واجب سے ناجائز کی طرف نہیں بدلا۔ اور اب بھی مختلف ممالک کے امام ہیں۔ راقم الحروف کو امسال رذوالحجۃ ۱۴۳۵ھ خود شرف حج حاصل ہوا خانہ کعبہ کے



نماز پنجگانہ کے چار امام تھے۔ اگر ایک وقت شافعی المسلک امام نماز پڑھتا ہے تو دوسرے وقت حنبلی المسلک جماعت کراتا ہے۔ ایک ہی امام کے سچے چاروں مسالک کے لوگ بلا تکبر و نزاع نماز ادا کرتے ہیں۔ مگر وہ پابندی یا تعصب و اختلاف کی کوئی بات ہی نہیں۔ جامعہ اسلامیہ (مدینہ یونیورسٹی) میں جانے کا اتفاق ہوا تو نیا دلہ خیال سے معلوم ہوا کہ چاروں ائمہ کی فقہ کی تدریس ہوتی ہے۔ اور مدرسین بھی چاروں مسالک سے تعلق رکھتے ہیں۔ جو استاد جس مذہب پر چاہے پڑھاتا ہے اور اپنے مسلک کی خوب تائید کرتا ہے۔ کوئی مخالفت یا جانبداری نہیں۔ اللہ پاک نے سعودی حکومت کے ہاتھوں مصلے اٹھوا کر اتفاق اہل سنت کی ایک تازہ مثال قائم کر دی ہے کہ ۱۲۰۰-۱۳۰۰ سال بعد بھی مسلمان ایک ہی کلمہ۔ ایک ہی قرآن اور ایک ہی پیغمبر اور ایک مرکزِ ملت خانہ کعبہ کے قائل ہیں اور حقیقت یہ شیعہ اور قادیانی اسلام دشمنوں کے منہ پر زبردست طمانچہ ہے جو بدگمانی سے مسلمانوں کے چاروں مسالک کو ایک دوسرے کی ضد جانتے ہیں۔ ان میں اختلافات کو اور نمایاں کر کے اتحاد ملی کو دفن کرنا چاہتے ہیں۔ پاکستان کے چند عالی جنابوں سے قطع نظر کسی بھی ملک کے سنی المسلک کو خواہ حنفی ہو یا شافعی یا حنبلی، علیحدہ نماز پڑھنے یا جماعت کرتے نہیں دیکھا۔ میں نے ترکی، مراکش، طرابلس، مصر، شام، افریقہ ہر ملک و مسلک کے مسلمانوں سے ملاقات کی سب کے دل میں ہمت ہی الفت و محبت کے جذبات دیکھے۔ ہاں ایہنیوں کو ارشادِ اس کی وجہ سے تعصب ہو گا، تکبر و مقتدر پایا۔ حاکم بدین۔ انہی لوگوں کو میں نے نماز کے وقت حرم شریف سے بھاگتے دیکھا۔ الگ جماعتیں ان کی مسجد نبوی اور خانہ کعبہ مسجدِ حرام سے باہر اپنے ڈیروں پر دیکھیں۔

ایہیں سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمان ایک پیغمبر ۲  
شیعہ پانچ وحدتوں کے دشمن ہیں | ایک کتاب۔ ایک کلمہ اور ایک کعبہ اور ایک

امت پر اتحاد کو باعثِ فخر جانتے ہیں۔ شیعہ ان پانچ وحدتوں کے انلی دشمن ہیں۔ وہ پیغمبر کے بجائے حضرت علیؑ کو اپنے لیے مخصوص من اللہ، ہادی اور مقتدر ضل لا طاعت جانتے ہیں۔ جیسے امام جعفر صادقؑ کا یہ ارشاد ہم نقل کر چکے ہیں۔ میں تو وہ شریعت لیتا ہوں



جو علیؑ لائے ہیں اور جس سے وہ روکیں رکنا ہوں۔ جدی لہ من الفضل ماجری  
 لمحمدؐ آپ کا وہی منصب و مرتبہ ہے جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ہے۔ درحقیقت وہ حضرت  
 علیؑ کو حضورؐ سے بھی افضل مانتے ہیں کیونکہ ان کے ہاں امامت نبوت سے افضل ہے اور  
 حضرت علیؑ شسب انبیاء سے شیعہ کے ہاں افضل ہیں۔ تو وہ حضورؐ سے کم رتبہ یا مساوی کیسے  
 ہو سکتے ہیں؟

یہی وجہ ہے کہ جس چیز کی نسبت صرف حضرت علیؑ کی طرف ہو اس کا احترام شیعہ زیادہ  
 کریں گے۔ نسبت اس چیز کے جو صرف حضورؑ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف منسوب ہو مثلاً  
 ۱۔ امت محمدیہؑ کو ملانے کے بجائے وہ شیعہ علیؑ کو ملاتے اور اس پر فخر کرتے ہیں۔ حتی الامکا  
 امت محمدیہؑ کی مذمت کرتے اور شیعہ علیؑ کی مدح کرتے ہیں۔ کافی میں حضرت جعفر صادقؑ  
 کا فرمان موجود ہے۔ فما هذه الامة الملعونة - هذه الامة اشباہ الخنازیر۔ یہ  
 امت خنزیریہ وں عیسیٰ ہے۔ یہ کیسی ملعون امت ہے۔ (اصول کافی ج ۱ ص ۳۳۷) نیز آپ کا یہ بھی  
 ارشاد ہے۔ ”ہمارے شیعہ کے سوا سب لوگ کتھر لیل کی اولاد ہیں“ (روضہ کافی ص ۲۸۵)  
 ۲۔ حضرت علیؑ کے والد جناب ابوطالب کو تلامذہ دلیل اور خلاف قرآن مومن اور محترم  
 مانتے ہیں۔ مگر حضورؑ علیہ السلام کے محترم چچا حضرت عباسؑ کو ذلیل النفس اور ضعیف الایمان  
 کہتے ہیں۔ (روضہ کافی ص ۱۸۹ حیات القلوب ج ۲ ص ۲۱)

۳۔ حضرت علیؑ کے مسکن کو فہ کو حرم شریف قبۃ الاسلام و غیرہ کہتے ہیں۔ حالانکہ اسی  
 شہر کے منافقوں نے حب اہل بیت کی آڑ میں اہل بیت رسولؐ پر قیامت توڑی اور عزت  
 و خون خاک میں ملایا۔ مگر مسکن نبویؐ و مسکن خلفائے ثلاثہؑ مدینہ طیبہ کے متعلق ان کی احادیث  
 یہ ہیں کہ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا۔ اہل شام (حضرت معاویہؓ وغیرہ مسلمان) رومیوں  
 (عیسائیوں) سے بدتر ہیں اور اہل مدینہ مکہ والوں سے بدتر ہیں اور اہل خدا کے کھلے منکر ہیں۔  
 اور دوسری روایت میں ہے کہ اہل مکہ کھلے کافر ہیں اور مدینہ والے ان سے تر گنا بڑے  
 پلید ہیں۔ (اصول کافی ج ۲ ص ۱۴)

غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ نور اللہ شونیزی نے لکھا ہے۔



- ۱۔ امامکے و مدینہ محبت ابو کبر و عمر  
برائیاں غالبست (مجالس المؤمنین) ابو کبر و عمر رضی کی محبت بہت ہے۔
- ۲۔ حضرت علی رضی کی ازواج کو محترم ماں کی طرح جانتے ہیں۔ مگر آیات تطہیر کی مالکہ  
ازواج مطہرات نبوی کو اہل بیت سے خارج اور خصوصاً حضرت عائشہ رضی و حفصہ و  
ام حبیبہ کو جو منکطات سمجھتے ہیں قلم میں سمجھنے کی تاب نہیں۔
- ۳۔ حضرت علی رضی کی صاحبزادیوں کا احترام کریں گے مگر حضرت فاطمہ رضی کے سوا باقی  
تین صاحبزادیوں حضرت زینب رضی۔ رقیہ رضی و ام کلثوم رضی کے تذکرہ سے چین بچیں ہونگے۔  
یا ان کا باپ الحیاذ باللہ اور تجویز کریں گے۔
- ۴۔ اسی طرح حضرت علی رضی کے دامادوں کا احترام کریں گے مگر حضور کے دامادوں  
کو ایماندار بھی تسلیم نہ کریں گے۔
- ۵۔ حضرت علی رضی کو سب مومنوں کا پیر مانتے ہیں۔ مگر حضور کے فیض سے پانچ افراد بھی  
مومن نہیں مانتے۔ ایک لاکھ ۲۴ ہزار صحابہ کرام کو الحیاذ باللہ ایمان سے خارج اور منافق  
(کافر) جانتے ہیں۔
- ۸۔ حضرت علی رضی و آئمہ اہل بیت رضی کے سب اصحاب محترم ہیں خواہ کیسے بھی ہوں۔ مگر حضور  
کے ہر صحابی پر کیوڑ اچھالتے ہیں۔
- ۹۔ حضرت علی رضی کے جانشینوں کو تو واجب الاتباع جانتے ہیں۔ مگر حضور کے خلفاء  
کو الحیاذ باللہ سامری اور بتوں سے تعبیر کرتے ہیں۔ (حیات القلوب ج ۲ ص ۵۶)
- ۱۰۔ حضرت علی رضی و آئمہ کی براہ راست تعلیم کو تو کامیاب۔ مؤثر اور شائع مانتے ہیں۔  
مگر حضور کی تعلیم براہ راست کو ۵ آدمیوں میں بھی مؤثر نہیں مانتے۔
- ۱۱۔ حضرت علی رضی کے خطبات کے نام سے شریف رضی کی مرتبہ نہج البلاغہ کو اور ابو جعفر  
کلینی کی مرتبہ اصول کافی کو سب مستند، واجب العمل اور تحریف سے پاک مانتے ہیں  
مگر حضور علیہ السلام پر نازل شدہ کتاب اللہ کو محرف، ناقابل اعتبار اور بلا صمیمہ قول امام  
ناقابل عمل مانتے ہیں۔ (اصول کافی ص ۳۹۶) کشف الغمہ ج ۱ ص ۳۹۶) چہ جائیکہ ارشادات نبوی



پر مشتمل کوئی کتاب تیار کی ہو یا اسے حجت قطعیہ جانتے ہوں۔

۱۲۔ عزاداری اہل بیت پر مشتمل جملہ بدعات و خرافات کو تو سب سے زیادہ مہتمم بالمشائخ سمجھ کر سب شیعہ انتہائی اجتماعات اور جلوس کی شکل میں ادا کرتے ہیں۔ مگر قرآن و سنت کی حقیقی تعلیم نماز روزہ وغیرہ کو ۵۰/۶۰ بھی ادا نہیں کرتے۔ یہی کتاب اللہ کی وحدت تو شیعہ سرے سے موجودہ قرآن کی صحت کے قابل ہی نہیں۔ نہ اس پر تعامل کے مفصل بحث گزر چکی ہے۔ یہاں صرف ایک حوالہ کافی ہے۔ حضرت باقرؑ اپنے نساگرد زرارہ و ابولہبیر کے اختلاف کے متعلق کہتے ہیں۔

”بلاشبہ لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد پہلے لوگوں کے نقش قدم پر چلے تو اللہ کی کتاب کو منہ و تنہا کر ڈالا اور اس سے کچھ احکام مٹا ڈالے اور اللہ کے دین میں کچھ اضافہ کیا اور کچھ کمی کی۔ آج سب لوگ رسنی شیعہ جس مسئلہ پر بھی ہیں وہ اللہ کی طرف سے آئی ہوئی وحی کے خلاف ہے۔ میں اے زرارہ تجھ پر اللہ کی رحمت ہو۔ جو تجھے کہا جائے مانتے جاؤ۔ تا آنکہ وہ شخصیت (ہمدی) آجائے تو تمہیں از سر نو اللہ کے دین کی تعلیم دی گے (مجالس المؤمنین ج ۱ ص ۳۲۵)“

معلوم ہوا کہ حضرت باقرؑ کے پاس بھی اصلی فدائی تعلیم نہ تھی۔ نہ قرآن کو صحیح کر سکے۔ اور امام ہمدی کے سپرد کر دیا۔

تیسری وحدت کلمہ طیبہ۔ کو بھی ختم کر دیا ہے کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے ماننے والے کو شیعہ ہرگز مومن اور کامل مسلمان تسلیم نہیں کرتے۔ جب تک وہ ان کے علی ولی اللہ وصی رسولی اللہ خلیفۃ بلا فصل کے خود ساختہ پیوند پر ایمان نہ لائے۔ چنانچہ اب سکولوں کے نئے نصاب دینیات میں مسلمانوں کا کلمہ نہیں آنے دیا اور اپنا خود ساختہ کلمہ راسخائے اساتذہ ص ۳۵ پر درج کر دیا۔ سبحانک ہذا بہتان عظیم۔ کلمہ کی بحث آخر میں آئے گی۔

چوتھی وحدت۔ کعبۃ اللہ کا حشر تو سامنے ہے کہ شیعہ وہاں نماز بھی باجماعت نہیں پڑھتے۔ حالانکہ وہاں یہاں کی بہ نسبت ایک لاکھ گنا ثواب زیادہ ملتا ہے۔ ایک



شبیہ شاعر حاجی رطمن کر کے کہتا ہے

بدن پہ جامہ احرام دل میں لبس علیٰ تیرے نصیب کا چکر ہے طواف نہیں

نوراند شوستری نے مقلدین مسیب شبیہ کے حالات میں لکھا ہے کہ اس نے ایک حاجی کو وصیت کی تھی۔ میری طرف سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سلام پہنچا کر کہنا کہ اگر ابوبکرؓ و عمرؓ آپ کے ساتھ دفن نہ ہوتے تو یقیناً میں سر آنکھوں پر آپ کی زیارت کے لیے آتا ہوں بھائیہ  
بیمباوکس را (مجلس المؤمنین ج ۲ ص ۳۲۳)

یہی وجہ ہے کہ ایران کے ہول یا سبند و پاک کے شبیہ حج بیت اللہ و زیارت مدینہ کی نسبت کر بلا۔ بغداد اور نجف کی زیارت کے لیے زیادہ تر جاتے ہیں اور خرچ کرتے ہیں۔ کیوں نہ ہو جبکہ ان مقامات کا حج حج بیت اللہ سے بھی افضل ہے۔ مثلاً زیارت قبر حسینؑ کے متعلق امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں۔

ایما مومن اتی قبر الحسین علیہ السلام عارفا بحقہ فی غیر یوم عید کتب اللہ لہ عشرين حجۃ وعشرين عمرة مبرورات مقبولات وعشرين حجة مع نبی او موصل او امام عادل۔  
ہو مومن حضرت حسینؑ کی قبر پر یوم عید کے علاوہ آپ کا حق پہنچاتے ہوئے آئے اللہ اس کے لیے ۲۰ حج اور ۲۰ عمرہ دل کا ثواب رکھے گا جو پاک اور منظور شدہ ہوں گے اور ان ۲۰ حجوں کا ثواب رکھے گا جو نبی مرسل یا امام عادل کے ساتھ کیے ہوں۔  
(درد ۲ کافی ج ۲ ص ۵۸)

پانچویں وحدت امت کو تو ان کا توڑنا واضح ہے کہ اصول و فروع میں پوری ملت سے الگ ہیں اور مسلمانوں کو غیر مومن اور منافق جانتے ہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ ان کی ہمدردیاں مسلمانوں کی بہ نسبت ہمیشہ کفار سے رہی ہیں۔ ہلاکو خان کے ہاتھوں بغداد کی تباہی ان کے فاضل طوسی اور ابن الحلقمی کے کارنامے ہیں۔ نادر شاہ رافضی کے ہاتھوں دہلی کی تباہی پر آج بھی فخر کرتے ہیں۔ عالم اسلام میں انتشار اور سنی مسلمانوں کا قتل عام ان کا دل پسند مشغلہ ہے۔ حالیہ ۱۹۷۳ء کی عرب اسرائیل جنگ میں جب سب عالم اسلام نے بالاتفاق تیل کی سپلائی مغربی ممالک کو بند کر دی تھی تو صرف ایران کی شیعہ ریاست نے روایتی غداری کر کے تیل کی سپلائی



جاری رکھی اور سیاست میں عیسائی فروغ کی بنا پر انڈونیشیا سے بھی سی حماقت ہوئی تھی۔

اللهم قنا من شرهم

۹۷ میں ”اسلامی انقلاب کے عنوان سے جناب آیتہ اللہ خمینی ایران میں رہبر قند آئے تو تمام مسلم ممالک میں انتشار پھیلانے کے لیے یہ بیان جاری کیے کہ ہم ہر ملک میں بادشاہ کے خلاف ہیں۔ ہمارے پیروکاروں (شیعیہ) کو یہ ہے کہ وہ اپنے بادشاہوں کی حکومتیں ختم کریں۔ چنانچہ عراقی شیعوں نے جب اپنے صدر صدام حسین کے خلاف تحریک چلائی تو وہ بالآخر عراق ایران جنگ پر ختم ہوئی۔ جو اب ایک سن تک بند نہیں ہوئی۔ ایران اہم حصہ علاقائی اور جانی بھاری نقصان اٹھانے کے بعد بھی صلح نہیں کرتا۔ خود اندرون ملک وہ سنی کردوں کو انہرا سے زائد ایک دو سال کے عرصہ میں شہید کر چکے ہیں۔ جیسے نوائے وقت لاہور، ۱۷ فروری ۱۳۷۷ کے مرا

کالم ۸ میں یہ خبر چھپی ہے

”دو برسوں کے دوران میں ہزار سے زیادہ کردوں کو ہلاک کیا جا چکا ہے (تہران ۱۶ فروری ۱۳۷۷) تہران کے ممتاز اخبار ”میزان“ کے مطابق کردستان کے ایک لیڈر عبدالحی نے انکشاف کیا ہے کہ گزشتہ دو سال کے دوران علماء کے حکم پر دس ہزار سے زائد کردوں کو ہلاک کیا جا چکا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس سے کردوں کی آنکھیں کھل گئی ہیں اور انہوں نے سیاسی حقوق حاصل کرنے کے لیے ہتھیار سنبھال لیے ہیں۔“

امید ہے اب شیعہ دوست کو تسلی ہو گئی ہوگی کہ مذہب اہل سنت حکومت کی پیداوار ہیں یا خود شیوہ کا وجود ہی اس لقب کا حق دار یا کفر و جاہلیت کی یادگار ہے۔

کیا سنی شیعہ خارجی فرقہ بندی کے پیش نظر اسلام کو بھی جھوٹا اور حکومت کی پیداوار بتایا جائے گا یا شیعہوں کے اصولی فرقوں اور آپس کے تضادات کی وجہ سے یہ کہنا صحیح ہوگا کہ حضرت علیؑ کی شخصیت اور تعلیم خیالی اور افسانوی چیز ہے اور عجمی حکومتوں کی پیداوار ہے۔ اگر شیعہ کے نشیب و فراز اور عروج و زوال کی وجہ سے ایسا کہنا صحیح نہیں تو صرف ہم مصلے بچانے یا اٹھانے سے وہ حکومت کی پیداوار کیسے ہو گئے؟

سوال ۹۔ اگر حضرت بی بی عائشہؓ کو نہ ماننے والا جہنمی ہے تو اس بی بی کا قاتل



کیونکہ رضی اللہ عنہ رہ سکتا ہے۔ مہربانی کر کے تاریخ اسلام ج ۲ ص ۲۴ نجیب آبادی ملاحظہ کر کے فتویٰ صادر فرمائیں۔

الجواب۔ بطور الزام پہلی عرض یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ کو نہ ماننے والے کو آپ جہنمی مان چکے ہیں۔ اس ام المؤمنین زوجہ الرسول سے جنگ کرنے والے بیٹوں پر فتویٰ بھی آپ بتادیں ہم عرض کریں گے تو شکایت ہوگی۔ آپ کی جلالت شان کے پیش نظر آپ کا تذکرہ یہاں مناسب ہے۔

واقعی ام المؤمنین کو مومنہ نہ ماننے والا یا آپ کی شان میں گستاخی کرنے والا ملعون اور جہنمی ہے۔ قرآن پاک کا ارشاد ہے۔  
**ام المؤمنین کا مقام**  
 النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ  
 وَآزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ  
 (احزاب ۱۶)  
 ان کی مائیں ہیں۔

شیخ مولوی مقبول صاحب نے فقہی قی کے حوالے سے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ لفظ بھی نازل ہوئے تھے وحواب لهم۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ نبی دین و دنیا میں امت والوں کا باپ ہے۔ دین میں تو اس طرح کہ ہر نبی اس جہت سے اپنی کل امت کا باپ ہوتا ہے کہ دائمی زندگی کی جڑ اس کی ذات ہے اور اسی سے مومنین آپس میں بھائی بھائی ہوتے ہیں۔ (ترجمہ حاشیہ مقبول ص ۵۱)

اس سے قطعاً معلوم ہوا کہ زوجہ الرسول حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا (و حقیقہ) ام المؤمنین ہیں۔ جیسے پیغمبر اکرمؐ روحانی اور ایمانی باپ ہیں اسی طرح امہات المؤمنین روحانی اور ایمانی مائیں ہیں۔ یہ نسب رشتہ نہیں کیونکہ پیغمبر مومنوں کے گھر میں خود شادیاں کیں اور امہات المؤمنین کا امت سے پر وہ بھی کرایا۔ اب جو شخص امہات المؤمنین کو مومن نہ مانے وہ دراصل ایمانی رشتے کا منکر اور قرآن کا منکر ہے۔ عرف عام میں ایسا شخص ایمان سے محروم۔ ماں پر الزام لگانے کی وجہ حرامی اور مومن پر ادری سے حاسد سمجھا جائے گا۔

اسی طرح حضرت عائشہ وغیرہ ازواج مطہرات اہل بیت نبوی بھی ہیں۔ ارشاد ہے۔



وَأَقِمْ الصَّلَاةَ وَآتِ الزَّكَاةَ  
وَأَطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ  
لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَ  
يُطَهِّرَ كُمْ تَطْهِيرًا وَاذْكُرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ  
مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ - (احزاب ۳۴)

اور نماز پڑھا کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور  
دراپے، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتی  
رہو اے اہل بیت سوائے اس کے نہیں ہے کہ  
خدا یہ چاہتا ہے کہ تم سے ہر قسم کے رجس کو دور  
کر دے اور تم کو ایسا پاک کر دے جیسے پاک  
کرنے کا حق ہے اور تمہارے گھروں میں خدا کی آیتیں اور حکمت کی باتیں جو پڑھی جاتی ہیں انہیں  
یاد رکھو۔ (ترجمہ مقبول ۳۵)

یہ سب خطابات ازواج مطہرات کو ہیں اور جن قرآنی وہ اہل بیت نبوی ہیں۔ اس کا منکر  
قرآن کا ہی منکر ہو گا جیسے حضرت سارہ زوجہ ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے  
اہل بیت کہلوایا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

قَالُوا أَتَعْجَبِينَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ جَعَلْنَا  
اللَّهُ وَبَرَكَاتُهُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ إِنَّهُ حَكِيمٌ  
مُعْجِدٌ - (ہود ۷۱)

ان فرشتوں نے کہا اے عورت! کیا تو امیر خدا  
سے تعجب کرتی ہے حالانکہ اے اہل بیت تم پر  
خدا کی رحمتیں اور برکتیں ہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ

سزاوار حمد و ثنا ہے (ترجمہ مقبول)

گویا ہم نماز کے درو میں رحمت اور برکت کی جو دعائیں ابراہیم پر پڑھتے اور انک حمید  
مجید سے اس پر مہر لگاتے ہیں وہ اسی آیت کریمہ سے ماخوذ ہے۔

جیسے یہاں مونث کو مذکر کے صیغوں سے خطاب کیا گیا اسی طرح اوپر والی آیت میں  
لفظ اہل کی رعایت کے لیے مذکر کے صیغے ارشاد فرمائے گئے۔ اور بکلام عرب میں پایا جاتا ہے،  
حاشی - بوی سے خطاب کر کے کہتا ہے۔

لَشَىءٌ إِلَّا نِي مِّنَ الْمَوْتِ اِفْرَقْ

فَلَا تَحْسَبِي اِنِّي تَخَشَعْتُ بَعْدَ كَمْ

شیعہ کی معتبر تفسیر مجمع البیان ۲۲ سے ازواج مطہرات کی افضلیت اور اہل بیت نبویؑ  
ہونا ملاحظہ فرمائیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی فضیلت (دنیا کی) تمام عورتوں پر یہ فرما کر ظاہر فرمائی ہے



نبی کی بیویوں باتم اور کسی بھی عورت کی طرح نہیں ہو۔۔۔۔۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ تمہارا مرتبہ میرے ہاں اور نیک عورتوں جتنا نہیں ہے بلکہ تم میرے ہاں سب سے زیادہ معزز ہو۔ تمہاری توجہ الی اللہ زیادہ رحمت دلانے والی ہے اور ثواب تمہارا سب سے بڑا ہے کیونکہ تمہارا رسول اللہ سے رشتہ ہے۔ اِنَّمَا يُزَيِّدُ اللّٰهُ لِيُذِيْهِ رَبِّ خَنُكُمُ الْبِرَّ حَسْبُ اَحْسَلُ الْبَيِّنَاتِ الْاَيَّةُ۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں۔ جس سے شیطان کا کام اور خدا کا ناپسندیدہ کام مراد ہے۔ بیت میں لام تعریف خصوصیت والا ہے۔ یعنی نبوت اور رسالت کا گھر اور عرب ہائش گاہ کو گھر کہتے ہیں اس لیے انساب کو بھی نبوت کہا جاتا ہے۔ تمام امت کا اتفاق ہے کہ اہل بیت سے مراد ہمارے نبی کے اہل بیت ہیں۔ پھر تشریح میں اختلاف ہے۔ ابن عباسؓ کے شاگرد، عکرمہ (وغیرہ) کہتے ہیں۔ ازواج نبی مراد ہیں۔ کیونکہ آیت کا آغاز انہی سے مخاطب ہے۔ (شبیہ کے ہاں آلِ عباس ہیں)۔

بلاشبہ حضرت علیؓ، فاطمہ الزہراءؓ اور حسین رضی اللہ عنہم کو بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اہل بیت قرار دے کر اس آیت میں مندرج فرمایا ہے۔ لیکن دعا کی بدولت یہ شمول تبعی اور ضمنی ہے۔ نزولِ خاص ازواجِ مطہرات کے حق میں ہوا ہے جیسے حضرت ابن عباسؓ (مفسر اہل بیت) اس پر مباہلہ کا چیلنج دیا کرتے تھے (تفسیر ماثورہ)۔

۳۔ کا طین بھی بدزبانوں کے حملہ سے نہیں بچ سکتے اور انہی کم کاران کے حق میں مفید ہوتا ہے۔ جیسے حضرت یوسفؑ، حضرت مریم اور بنی اسرائیل کے راسخ پرہیزگاری کی تممت لگی تھی۔ اور ان کی برأت خاندانِ زلیخا کے بچے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور نومو لو دیکے لے دی تھی۔ اسی طرح حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہؓ پر منافقوں نے تممت لگائی تھی تو سابقہ برأتوں سے بڑھ کر خود خدا تعالیٰ نے برأت کی اور سورت نور کے ۲ رکوع صرف اسی برأت کے لیے اتارے۔ تمام مفسرین اور محدثین اس واقعہ پر متفق ہیں۔ اللہ نے متنبہ کر کے فرمایا۔ ”اللہ تم کو نصیحت فرماتا ہے کہ اس قسم کی (ایمان و کردار میں عیب لگانے والی بات) دوبارہ کبھی نہ کرنا اگر تم مومن رہنا چاہتے ہو۔“

۴۔ اسی سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی زوجہ مطہرہ



میں مناسبت و مطابقت بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

الْخَبِيثَاتُ لِلْخَبِيثِينَ وَالْخَبِيثُونَ  
لِلْخَبِيثَاتِ وَالطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِينَ وَ  
الطَّيِّبُونَ لِلطَّيِّبَاتِ أُولَئِكَ مُبَرَّءُونَ  
مِمَّا يَقُولُونَ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَاجْرُكْرِيحٌ

(نور ۳۶)

بخشش اور اچھا رزق ہے۔

گندمی عورتیں گندے مردوں کے لیے اور۔  
گندے مرد گندمی عورتوں کے لیے ہیں پاک  
عورتیں پاک مردوں کے لیے اور پاک مرد  
پاک عورتوں کے لیے ہیں۔ یہ سب خاندان  
لوگوں کی نہمتوں سے پاک ہے ان کے لیے

یعنی اگر تمہارے اعتقاد میں پیغمبر اکرم پاک ہیں تو ان کی بیویاں بھی پاک ہیں۔ ان کے  
ایمان و کرم دار پرندہ کزاد و انہیں اور اگر انجیا ذیالہ آپ کی بیویاں ایمان و کرم دار کے لحاظ  
سے گندی ہیں تو پیغمبر اکرم پر بھی حرف آتا ہے۔ ایسی ازواج زوجات الرسول بننے کے بجائے  
گندے لوگوں کے عقد میں آئیں۔ ازواج الرسول اور امہات المومنین کے دشمن ان چار  
آیات پر غور کریں۔ کیا وہ ان کے حق میں بگڑی کر کے مسلمان رہ سکتے ہیں۔ یہ کس قدر واضح  
بات ہے کہ بیوی کا رشتہ اس قدر محبوب اور اس قدر نازک ہوتا ہے کہ اس کے دفاع اور  
حرمیت کی خاطر قریب ترین رشتہ داروں سے بھی دشمنی ہو جایا کرتی ہے اور انسان کے  
جذبات نازک صورت اختیار کر جاتے ہیں۔ سخت ترین کفار کو بھی اس کمینگی کی حرارت نہ بھتی۔  
کہ وہ حضور کی ازواج مطہرات کے متعلق تازیبا بات نہ کہنے۔ حالانکہ انہوں نے آپ سے دشمنی  
اور ایذا رسانی میں کوئی دقیقہ فر و گذاشت نہیں کیا تھا۔ مگر نہایت افسوس کی بات ہے کہ  
پیغمبر اکرم پر ایمان کا مدعی ایسا ٹولہ بھی ہے جو حضور پاک کی پاک بیویوں کے ایمان و کرم دار  
پر پاگل جانور کی طرح چھوٹ چھوٹ کر حملے کرتا ہے۔ حالانکہ ایسی معمولی سی بات اگر ان کی  
بیویوں کے متعلق کوئی کہہ دے۔ خواہ وہ کتنے گھٹیا اور ادا باش قسم کے ہوں تو وہ لڑائی دنگے  
پر اتر آئے۔ مگر سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جن کی عزت و حرمت پر دونوں جہان  
قربان ہو سکتے ہیں۔ کی پاک حرم کے لیے وہ ہر قسم کی بگڑی ایمان سمجھتا ہے۔ ہم اس پر اور  
کیا کہہ سکتے ہیں کہ ایسے لوگ کمینگی میں کفار سے بھی بدتر ہیں اور خدا و رسول کی لعنتیں ان



کے مذہب پر اعمال پر اور عقائد پر یکسنی رہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ  
لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَ  
أَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُهِينًا (احزاب ۹۶)  
بالتحقیق جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا  
دیتے ہیں اللہ نے ان پر دنیا اور آخرت  
میں لعنت فرمائی ہے اور ان کے لیے ذلیل  
کرنے والا عذاب تیار کیا ہے۔

اسی طرح جو نام نہاد وغیرہ بازی اور مرثیہ خوانی کے شوقین سنی ان لوگوں کی مجلسوں کی  
رونق کو دوبا لا کرتے ہیں اور طنز و کنایہ صحابہ کرامؓ و اہل بیت نبویؐ کے  
گلے سنتے ہیں جو بر غزت سے یکسر محروم ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ بدگوئی اس وجہ سے کی جاتی ہے  
کہ آپؐ نے حضرت علیؓ سے جنگ کی۔ حالانکہ یہ سب قاتلان عثمان منافقوں کی سازش تھی۔  
تو واضح رہے کہ حضرت علیؓ نے جنگ کے بعد فریاد کیا تھا۔ وَلَهَا بَعْدَ حُرْمَتِهَا الْاُولَى۔  
بیچ البلاغہ ۲۶/۶۳۔ اس کے بعد بھی ان کی وہی عزت ہے جو پہلے تھی۔ گویا اس واقعہ کے  
بعد بھی بعض مرتضیٰ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ایمان اور مقام میں فرق نہیں آیا۔ جیسے سچے محبان  
علیؓ اہل سنت و الجماعت کا مذہب ہے۔ جنگ جمل کے بعد دو شخصوں نے حضرت عائشہؓ کو  
برا بھلا کہا تھا تو حضرت علیؓ نے ان کو ۱۰۰-۱۰۰ درہم سزا دی۔ پھر رخصت کرنے کے لیے  
چند میل تک خود مشالحت کی۔ اس کے بعد حضرت حسنؓ و حسینؓ کو بھیجا اور حضرت عائشہؓ  
کو کہہ سے ہوتی ہوئیں مدینہ تشریف لے گئیں۔ (طبری و ابن اثیر)

حضرت عائشہؓ کا مقام حضورؐ کی نظر میں | بخاری شریف کی چند احادیث ملاحظہ  
ہوں۔

۱۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے عائشہؓ! یہ جبریلؑ کھڑے  
ہیں آپ کو سلام کہتے ہیں۔ میں نے کہا و علیہ السلام و رحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ حضرت آپ جبریلؑ کو  
دیکھتے ہیں، میں نہیں دیکھتی۔

۲۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مردوں  
میں سے بہت سے حضرات کامل ہو گزرے ہیں۔ مگر عورتوں میں سے سوائے مریم بنت عمرانؑ



اور آسیہ ز وجہ فرعون کے کوئی کابل نہیں ہوئی۔ ہاں عائشہ رضی کی فضیلت سب عورتوں پر ایسی ہے جیسے شریک کی سب کھانوں پر۔  
شرید عرب کے اس مرغوب کھانے کا نام ہے جو گوشت اور روٹی سے چوری بنا کر کھایا جاتا ہے۔

۳۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مرض موت میں سب ازواج کے ہاں باری باری رہتے تو فرماتے میں کل کہاں ہوں گا، کل کہاں ہوں گا۔ حضرت عائشہ رضی کے گھر کے شوق میں یہ کہتے۔ جب حضرت عائشہ رضی کی باری پہنچی تو آپ مستقل یہیں ٹھہر گئے (اور وفات پائی اور اسی حجرہ کور و حنہ اقدس بننے کا شرف حاصل ہوا)۔

۴۔ لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں بدایا اس دن زیادہ بھیجتے جس دن حضرت عائشہ رضی کی باری ہوتی۔ ایک مرتبہ تمام ازواج کے مشورہ سے حضرت ام سلمہ رضی نے آپ سے عرض کی حضرت لوگوں سے فرمائیں کہ وہ بدیے جہاں بھی ہوں بھیج دیا کریں۔ حضور نے بار بار اس بات سے اعراض فرمایا کہ یہ فرمایا۔

یا ام سلمۃ لا تؤذینی فی عائشۃ  
قواللہ ما نزل علی الوحی وانا فی لحاف  
اص اذ منکن غیدھا (بخاری ج ۱ ص ۵۳۲)  
اسے ام سلمہ رضی عائشہ رضی کے بارے میں مجھے  
مت تشا خدا کی قسم اس کے سوا تم میں سے کسی  
کے ساتھ بھیجے مجھ پر وحی نہیں اتری۔

نسب یہ ہے۔ عائشہ صدیقہ بنت صدیق رضی بن ابو  
ذاتی حالات و علمی خدمات | تحفہ رضیہ آپ کی ماں ام رومان بنت عامر بن عوف میر بن  
عبد شمس ہے۔ آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ احادیث روایت کی ہیں  
اور حضرت ابو بکر رضی عمر رضی سعد بن ابی وقاص اور حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہم سے بھی  
احادیث روایت کی ہیں۔ آپ سے لاتعداد صحابہ و تابعین نے روایت کی ہیں جن میں حضرت  
عبداللہ بن عمر رضی ابن عباس رضی ابو موسیٰ اشعر رضی ابو ہریرہ رضی عمرو بن العاص رضی سائب بن یزید  
عبداللہ بن زبیر رضی عمرو بن زبیر رضی اللہ عنہم بھی ہیں۔

جب مسروق تابعی آپ سے روایت کرتے تو کہتے مجھ سے صدیقہ بنت صدیق رضیہ



حبیب اللہ تعالیٰ نے حدیث بیان کی جس کی سات آسمانوں سے برأت کی گئی ہے۔ ابو موسیٰ اشعرمیؓ جیسے زبردست فقیہ عالم صحابی کہتے ہیں۔ اصحابِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی مشکل مسئلے میں اٹکے اور عائشہؓ سے جا کر ہم نے پوچھا۔ تو یقیناً اس کا جواب اور حل ہم نے ان کے پاس پایا۔ قلیبہ بن ذویب کہتے ہیں حضرت عائشہؓ صحابہؓ میں بہت بڑی عالمہ تھیں۔ آپ سے چھوٹے بڑے صحابہ کرامؓ مسائل پوچھتے تھے۔ خصوصاً علمِ قرآن و میراث میں امام نہہری کہتے ہیں اگر تمام ازواجِ مطہرات اور دیگر سب عورتوں کا علم ایک پلڑے میں رکھا جائے اور دوسرے میں صرف حضرت عائشہؓ کا علم رکھا جائے تو حضرت عائشہؓ کا زیادہ ہوگا۔ حضرت عمرؓ بن العاص نے ایک مرتبہ حضور علیہ السلام سے پوچھا کہ آپ کو سب سے زیادہ کون محض پسند ہے۔ فرمایا۔ عائشہؓ۔ میں نے کہا مردوں میں سے کون سب سے زیادہ پیارا ہے۔ فرمایا اس کے والد ابو بکر صدیقؓ رضی اللہ عنہ۔ آپ کی وفات رمضان ۵۸ھ میں ہوئی اور رات کو دفن کرنے کی وصیت کی تھی۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔

(تہذیب المتذیب مختصراً)

الخرق آپ کے فضائل و مناقب لاتعداد ہیں۔ ۹ سال کی عمر میں آپ کو شرفِ زوجیت الرسول حاصل ہوا اور ۱۸ سال کی عمر میں آپ کی گود میں حضور علیہ السلام کا وصال ہوا۔ آپ نے آخری مرتبہ مسواک دانتوں سے چبا کر حضور کو کر وایا۔ آپ ہی کے حجرہ کو دفنِ نبوی اور روضہ اقدس ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت ابو ہریرہؓ کے بعد سب صحابہؓ سے بڑھ کر آپ ذخیرہ علم و احادیث ۲۲۰۰ کی تعداد میں مروی ہے۔ گویا ایک چوتھائی علم سے زائد فقط آپ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کیا ہے۔ اور اسم یا مسمیٰ ام المومنین تھیں۔ کیونکہ جیسے باپ کہتا ہے اوریاں اس کمائی کو انتظام و سلیقہ کے تحت اولاد کو کھلاتی پلاتی اور پرورش کا حق ادا کرتی ہے۔ اسی طرح ام المومنینؓ نے حضورؐ کی احادیث اور شریعت کو نہ صرف مومنین تک پہنچایا۔ بلکہ تفقہ۔ استنباط اور استدلال کا بہترین ذخیرہ تیار کر کے اپنی مومنین اولاد کے سامنے دستِ خوانِ نبوی پرچن دیا۔ اب جو واقعی اولاد ہے وہ اپنے ماں باپ پر مطمئن ہو کر ان کے دستِ خوان سے کھانا کھاتی ہے اور جو لے پا لک اور دعی قسم



کی ہے۔ وہ اس دسترخوان سے ناک بھجوں چڑھتی، ماں پر اعتراض کرتی اور بیروں کے آگے دروازہ گری کرتی ہے سے ہر چیز اپنے اصل کی طرف جاتی ہے۔

مختصر صاحب نے تاریخ نجیب آبادی سے جو نشانہ ہی کی ہے قتل کا ساتھ غلط ہے کہ مروان بن حکم نے آپ کے لیے کھانے کی دعوت تیار کی۔ ایک

سکناں کھدوا کر اس میں تلواریں اور تیر رکھے اور پھر معمولی سا چھپرنا کرام المومنین کو بٹھانے کا انتظام کیا جب آپ وہاں گئیں تو کنویں میں گر گئیں اور اسی سے وفات پائی۔ یہ بالکل غلط ہے۔

کسی مؤرخ اور صاحب علم کی یہیں اس پر شہادت نہیں مل سکتی۔ نجیب آبادی صاحب زمانہ حال کے اردو مؤرخ ہیں۔ نہ معلوم انہوں نے یہ قصہ کہاں سے لیا ہے۔ حوالہ بالکل نہیں دیا۔

سفسنی خیز اور نجیب صاحب نے ہونے کی وجہ سے بلا رد و قدرج کچھ دیا۔ مختصر صاحب کو کسی قدیم ماخذ کا حوالہ دینا چاہیے۔ ام المومنین، معلم امت اور حبیبہ حبیب رب العالمین ہیں۔ اگر یہ

اچانک حادثہ ان کی وفات کا سبب ہوتا تو یقیناً تو اتر سے منقول ہوتا جبکہ سانحہ کربلا کی طرح حضرت عائشہؓ کا تذکرہ ہزاروں کتب میں پایا جاتا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو سب مورخین اس کا ذکر

کرتے اور قاتل پر لعنت بھیجتے۔ مدینہ طیبہ میں کرم بھی جاتا۔ اہل مدینہ مروان کو کبھی زندہ نہ چھوٹے اور واقعہ کا سا حشر برپا ہوتا۔ فرض کیجئے۔ مروان بن حکم سے یہ کمینگی ہوئی۔ تو خلیفہ وقت حضرت

معاویہؓ تو شیبہ کے خیال میں بھی ام المومنینؓ کے ساتھی اور حامی تھے۔ کیا وہ مروان کی گری نہ پہنچ دیتے۔ حقیقت یہ ہے کہ مروان سے شیبہ کو جو ضد و عناد ہے۔ اسی نے ان کے اسلاف کو

بے سرو پا عقل و نقل کے خلاف قصہ گھڑنے پر مجبور کیا ہے۔ تاکہ حضرت عائشہؓ کی بھی بدنامی ہو جو اسلام دشمنوں کا شروع سے شعار چلا آ رہا ہے۔

مروان متفقہ طور پر صحابی نہیں۔ بیشتر اقوال میں تابعی ہیں۔ بعض نے ان پر نقد و جرح بھی کی ہے۔ مگر وہ ایسی ہی بے سرو پا کہانیوں کے پروپیگنڈہ اور حقیقت حال سے بے خبری پر مبنی ہے۔ ان سے امام بخاری۔ امام ترمذی۔ ابو داؤد، ابن ماجہ اور نسائی وغیرہم جیسے

محدثین مصنفین نے احادیث روایت کی ہیں۔ اور سہل بن سعدؓ جیسے بزرگ صحابی کے علاوہ عروہ بن زبیرؓ، علی بن الحسینؓ، ابو بکر بن عبد الرحمن بن الحارث جیسے فاضل تابعین نے



احادیث روایت کی ہیں۔ (تہذیب التہذیب ج ۱۰)

بعض مؤرخین نے یہ الزام لگایا ہے کہ حضرت طلحہؓ کو جنگِ جمل میں اس نے شہید کیا تھا۔ ہماری تحقیق میں یہ الزام بھی غلط ہے۔ کیونکہ مروان کثر عثمانی اور طالب قصاص حضرت عثمانؓ تھا۔ حضرت طلحہؓ اسی مقصد کے لیے کمان کر رہے تھے۔ ایک شخص عمداً ایسے موقع پر اپنے ہی سالار لشکر کو مار ڈالے عقل و نقل کے خلاف ہے۔ لیکن اس واقعہ کی صحت و غلطی سے قطع نظر مروان پر کسی نے اس الزام کا ذکر نہیں کیا کہ وہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کا بھی قاتل ہے۔ تمام مؤرخین اور علماء و رجال حضرت عائشہؓ کے تذکرہ میں یا مروان کے ترجمہ میں اس کا اشارہ بھی نہیں کرتے۔

حافظ ابن حجر نقیب التہذیب ص ۳۳۲ پر بخیر کسی تنقید کے یہ لکھتے ہیں کہ ۶ھ کے آخر میں خلیفہ بنا اور ۶۵ھ میں ۶۱ سال کی عمر میں وفات پائی۔ اس کا صحابی ہونا ثابت نہیں بلکہ ثانیہ کا تابعی ہے۔

اور ابن حجر نے مقدمہ فتح الباری ص ۱۳۱ پر اسماعیلی کا قول قتل طلحہؓ کا مروان پر الزام کا ذکر کیا ہے اور (بشرط صحت) اسے متناول قرار دیا ہے۔ لیکن قتل عائشہؓ کا الزام اس پر نہیں لگایا۔

علامہ سید سلیمان ندوی المتوفی ۱۹۵۲ء نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کی سیرت پر تین صفحات کی مفصل علمی کتاب لکھی ہے اس کے صفحہ ۱۵۳ پر تذکرہ وفات کا عنوان باندھ کر طبقات ابن سعد ص ۵ جز ۱ ساد کے حوالہ سے لکھا ہے۔

۵۵ھ میں رمضان کے مہینہ میں بیمار پڑیں۔ چند روز تک علیل رہیں۔ کوئی خیریت پوچھتا تو فرمائیں میں اچھی ہوں۔ جو لوگ عیادت کو آتے۔ بشارت دیتے تو فرمائیں (جیسے برمتی کہا کرتا ہے) کاش میں جنگل کی ایک بوٹی ہوتی۔“

اگر ایسی کوئی لخوا فواہ ہوتی تو علامہ صاحب اس کا ضرور ذکر کرتے (اللہ تعالیٰ روافض کی زبان سے ہر مسلمان کو بچائے)





## خُلق و ارشادِ نبی کے اوصاف کا تعابلی مطالعہ

سوال ۲۱۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جو جنگ مشرکوں سے ہوئے، مثلاً جنگ بدر، احد، خندق، خیبر، حنین، مکہ، تبوک وغیرہ تو ان تمام جنگوں میں نمایاں کارروائی کس بزرگ کی ہے۔ کیا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے زیادہ بہادر، عالم، عابد، سخی امین کوئی اور بزرگ بھی ہے۔ اگر کسی کا نام لینا چاہیں تو ارشاد فرمائیں۔ اس بزرگ نے بدر، احد، خندق، خیبر، حنین وغیرہ میں کتنے دشمنین اسلام قتل کیے اور یہ بھی ارشاد فرمائیں کہ ارشاد علی اکفار نے رسول خدا کے زمانے میں کتنے کافر قتل کیے اور اپنے دور حکومت میں اپنی تلوار سے کتنے مشرک مارے۔

الجواب۔ یہ سوال دراصل حضرت ابو بکرؓ و علیؓ کی افضلیت اور استحقاق خلافت سے متعلق سنی شیعہ نزاع پر مبنی ہے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی افضلیت اور اس پر کچھ دلائل ہم سوال ۲۳ کے تحت عرض کر چکے ہیں۔ ملاحظت کر لی جائے۔ یہاں چند اصولی باتیں ذکر کی جاتی ہیں۔

اولاً۔ شیعہ کے ہاں افضلیت اور خلافت نص پر مبنی ہوتی ہے۔ اوصاف خاصہ پر ہرگز نہیں۔ قتال، علم وغیرہ میں کمال کے باوجود اگر نص نہ ہو تو اسے خلیفہ یا افضل نہیں کہا



جاسکتا۔ مثلاً عہدِ مرقنوی کی جنگوں میں سب سے زیادہ کاروائی اشتر نخعی کی ہے اور حضرت علیؑ نے بروایت شیعہ اس کے حق میں فرمایا ہے۔

کہ اشتر از برائے من چناں بود کہ  
من از برائے حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم۔  
..... واشتر در میان منیمند و میسر ہوں  
شیر زیان تبلیغ و سنان حملہ میکرد۔  
(محاسن المومنین ص ۲۸۶)

اشتر میرے حق میں ایسا تھا جیسے میں حضرت  
پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں .....  
اور اشتر لشکر کے دائیں حصے اور بائیں حصے  
میں نیزے اور تلوار کے ساتھ شیر سبر کی طرح  
حملے کرتا تھا۔

اور اہل سیرت و تاریخ کے اتفاق کی روشنی میں حضرت علیؑ کے تمام اصحاب اور  
طرفداروں میں جو مرتبہ علم و تفقہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا تھا۔ وہ حضرات حسنینؓ  
کا نہ تھا۔ اور نہ حسنینؓ کے ہاتھوں حمل و صفیں و نہروان میں چنناں مقتول ہوئے۔ اس تفاوت  
کے باوجود۔ حضرت علیؑ کے جانشین حضرت حسن و حسینؓ قرار پائے۔ کیونکہ شیعہ کے یہاں ہی  
منصوص تھے۔ اور اشتر و ابن عباسؓ کو یہ مقام حاصل نہ ہو سکا۔ لہذا شیعہ کا حضرت علیؑ کے  
صحابیہ کمالات و اوصاف سے استدلال کرنا اصولاً غلط ہوا۔ ان کو نص صریح کے ثبوت  
پر توجہ دینی چاہیے۔ اس کے جواب میں حضرت ابوبکر و عمرؓ کے لیے اس سے واضح اور جلی  
نص ہم پیش کر چکے ہیں۔ کہ حضورؐ نے حضرت ام المومنین حفصہؓ کو بشارت دی تھی۔

ان ابابکر علی الخلافت بعدی ثم  
ابو بکر فقالت من انبا قال نبانی العليم  
الخبیر و تفسیر قمی ص ۵۲ مجمع البیان ج ۵  
ص ۳۱۲۔ تفسیر صافی ص ۵۲۳

بے شک میرے بعد خلیفہ ابوبکرؓ ہوں گے  
پھر اس کے بعد تیرے والد (عمرؓ) ہوں گے  
کہنے لگی آپ کو کس نے بتایا۔ فرمایا مجھے علیم و  
خبیر خدا نے بتایا۔

ثانیاً۔ شیعہ اثنا عشریہ حضرت ابوبکر و عمر و عثمانؓ کو راجعاً باللہ مومن اور صحیح  
مسلم ہی نہیں مانتے۔ اسم تفصیل کا استعمال مفضل اور مفضل علیہ کا نوع و جنس میں اتحاد  
چاہتا ہے۔ خلفائے ثلاثہؓ اور حضرت علیؑ کے فضائل و اوصاف میں موازنہ چاہتا یا آپ  
کو ان پر فضیلت دینا اس بات کا اعتراف کر لیتا ہے۔ کہ وہ حضرات بھی ایمان و اسلام میں



حضرت علیؑ کے ہم نوع و ہم جنس ہیں اور بوجہ (عند الشیخ) حضرت علیؑ ان سے افضل ہیں۔ اس اعتراض و استدلال سے نتیجہ اثنا عشریہ اپنے مذہب سے ہی خارج ہو جاتے ہیں یہ حق صرف شیعہ زیدہ و تقضیلیہ کا ہے۔ اثنا عشریہ اس کے ہرگز مستحق نہیں۔ مگر افسوس کہ آج شیعہ تقریر و تحریر میں اور تمام مساعی میں زور صرف دو ہی چیزوں پر دیتے ہیں تبلیہ کوئی مسئلہ ہی نہیں۔ نہ اس پر ان کی تقریر رنگین اور واہ واہ کی مستحق ہو سکتی ہے۔ ایک حضرت علیؑ کے صحابی نہ کارنامے۔ دوم جنگ حضرت حسینؑ یا زیدؑ۔ حالانکہ حضرت علیؑ شیعہ کے ہاں محبوب و مکرم صحابی کی حیثیت سے نہیں بلکہ بعد از پیغمبر امام و ہادی کی حیثیت سے ہیں یہی وجہ ہے کہ غیر صحابی ۹ اور افراد بھی حضرت علیؑ کی طرح شیعہ کو محبوب و مکرم ہیں شیعہ کو امام کی حیثیت سے بعد از پیغمبر ۱۲ سالہ زندگی کے اوصاف و کارناموں سے فقط استدلال کرنا چاہیے۔ لیکن وہ اس سے اس بنا پر کتراتے ہیں کہ اگر کھلتے تاریخی حقائق کی روشنی میں ان کو بیان کر دیا جائے تو ان کا مذہب باطل ہو جاتا ہے اور اگر تقیہ کے پردوں میں مستور محضوں لٹریچر سے بیان کریں تو حضرت علیؑ مسلمانوں سے الگ شخصیت نظر آتے ہیں۔ اسی طرح حضرت حسینؑ کا زیدہ کے مد مقابل ہونا نتیجہ کے اصول تقیہ کے بالکل خلاف ہے۔ نہ سنت علوی و حسنی تھی نہ بعد والے کسی امام کی۔ حضرت جعفر صادقؑ کا فرمان واضح ہے۔

التقیۃ من دینی ومن دین  
ابائی ولا دین لمن لا تقیۃ لہ  
(کافی باب تقیہ)  
تقیہ میرا مذہب ہے اور میرے باپ دادا کا بھی اور جو تقیہ کرے وہ بے دین (غیر مسلم) ہے۔

میرے سنی بھائی اس نکتہ کو سمجھ لیں اور شیعہ کو اپنے مذہب کے خلاف اور غیر متعلقہ اصول سے گفتگو نہ کرنے دیں۔

ثالثاً۔ کسی جماعت میں سے ان کے افضل ترین فرد کا پتہ نہ ہو وہ سے معلوم ہو سکتا ہے۔  
۱۔ خود مرثی اس کا فیصلہ کر دے۔ ۲۔ مرثی اس کو اس خدمت پر لگائے جو سب سے افضل سے لی جاسکتی ہے۔ جیسے استاد کسی کو جماعت کا مانیٹر بنادے اور وہ استاد کی غیر موجودگی میں کلاس کو کام کرائے۔ ۳۔ پوری جماعت کے رجحان میں وہ شخص سب سے



زیادہ درجہ رکھتا ہو۔ لم۔ تمام مضامین کے مجموعی نمبر سب سے زیادہ ہوں۔ اگرچہ بعض مضامین کے انفرادی نمبر کچھ دوسروں کی بہ نسبت کم ہی ہوں۔  
ان چاروں اصول کی روشنی میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی افضلیت حضرت علیؓ پر متحقق اور واضح ہے۔

امراول سب سے بڑے مربی اور شارع اللہ تعالیٰ شانہ ہیں اس نے سورۃ "والیل" میں آپ کو "الاتقی" (سب سے بڑا پرہیزگار) بتایا ہے اور سب سے بڑا پرہیزگار ہی اللہ کے ہاں زیادہ محترم ہے۔

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاهُ  
بلاشبہ اللہ کے ہاں سب سے زیادہ محترم وہ ہے جو بڑا متقی ہے۔

سنی شیعہ تفاسیر سے آیت بالا کا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حق میں نزول سوال ۳ کے تحت بیان ہو چکا ہے۔ سورت نور میں اللہ پاک نے آپ کو اولو الفضل فرمایا ہے۔  
وَلَا يَأْتَلِ أُولُو الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعْيُ أَنْ يُوْثِقُوا رِزْقَهُمْ  
تم میں سے شان والے اور گنجائش والے اس بات کی قسم نہ کھائیں کہ وہ اپنے رشتہ داروں  
وَالْمَسْكِينُ وَالْمُهَاجِرِينَ  
مسکینوں اور مہاجرین کو نہ دیں گے۔

باتفاق مفسرین یہ آیت حضرت ابوبکر صدیقؓ کے حق میں نازل ہوئی جب آپ نے قذف برعائشہ صدیقہؓ کی وجہ سے حضرت مسیحؑ کو مالی امداد نہ دینے کی قسم کھالی تھی یہاں آپ کو صاحب فضیلت فرمایا ہے جو مرتبہ عند اللہ میں افضلیت کا منتقاضی ہے۔ اور مالی لحاظ سے صاحب وسعت فرمایا۔

آپ نے مغفرت خدائی کو پسند کیا تو اللہ پاک نے چند روزہ اعانت کی بندش کو بھی معاف فرمادیا۔

سورت برأت میں آپ کو صاحبہ (صاحب پیغمبر) فرمایا۔ جو صرف آپ ہی کے ساتھ مخصوص ہے اور ثنائی اثنین فرمایا یعنی دونوں میں سے دوسرا۔ اگر حضورؐ اول ہیں تو ابوبکر صدیقؓ ثنائی ہیں۔ قرآن کا فیصلہ واضح ہے۔ اپنے مقام پر تفصیل گزر چکی ہے۔



امردوم کے لحاظ سے بھی افضلیت واضح ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا مقصدِ نبوت عباد کا قیام ہی ہوتا ہے۔ نماز بالاتفاق سب سے افضل ہے اور امامت سے ہی کامل ادا ہوتی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے (سنی شیعہ احادیث اور تابعی حقائق کی روشنی میں) آپ ہی کو امام نماز بنایا تو آپ ہی سب سے افضل ہوئے۔ دوسری اہم عبادت حج ہے جو مالی اور جسمانی عبادت سے مرکب ہے۔ اس میں بھی امیر و پیشوا کی ضرورت ہوتی ہے۔ امیر حج بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بنایا۔ احادیث و تاریخ سے یہ حقیقت بھی ناقابل انکار ہے۔

”ابن اسحاق نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بقیہ رمضان۔ شوال و ذی قعدہ کے پورے دو ماہ مفیم رہے۔ پھر ۹ھ کے لیے ابوبکرؓ کو امیر حج بنا کر بھیجا کہ وہ جا کر مسلمانوں کے حج کا انتظام کریں۔ بہر حال ابوبکرؓ اور وہ مسلمان جو ان کے ساتھ جانے والے تھے مکہ کے لیے روانہ ہو گئے (سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۶۵۲)۔ پھر سورت برات نازل ہوئی۔ اس کی آیات پیش کرنے کے بعد اعلان برات کے عنوان سے لکھا ہے۔

”ابن اسحاق نے کہا مجھ سے حکیم بن حکیم بن عبد بن حنیف نے ابو جعفر محمد بن علی رضوان اللہ علیہما کی روایت بیان کی کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورت برات نازل ہوئی اور اس وقت آپ ابوبکرؓ کو حج کا انتظام کرنے کے لیے روانہ فرما چکے تھے۔ تو آپ سے کہا گیا۔ یا رسول اللہ! کیا اچھا ہو کہ آپ ابوبکرؓ کے پاس کسی کو برات کے لیے روانہ فرمائیں۔ اس پر آپ نے فرمایا۔ میری طرف سے یہ فرض کوئی انجام نہیں دے سکتا بجز میرے اہل خانہ میں سے ایک شخص کے اس کے بعد علیؓ بن ابی طالب کو بلایا اور فرمایا۔

اخرج بهذا القصة من صدر  
بوائدة و اذن في الناس يوم النحر  
اذا اجمعوا بمكة انه لا يدخل الجنة  
كافر ولا يجمع احد العام مشرك ولا  
شروع سورت برات سے اس قصہ کو لے  
جاؤ اور عید کے دن لوگوں میں جب کہ وہ  
مکے میں جمع ہوں یہ اعلان کرو کہ کافر جنت  
میں داخل نہ ہوگا اور اس سال کے بعد مشرک



يطوف بالبيت عريان ومن كان له  
عند رسول الله صلى الله عليه وسلم  
عهد فهو الى مداته

حج نہ کرے گا اور بیت اللہ کا منگے طواف نہ  
کرے گا۔ جس کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے  
ساتھ معاہدہ ہے وہ تادمت بحال رہے گا۔

چنانچہ اس سال کے بعد کسی مشرک نے حج نہ کیا اور نہ کسی نے برہنہ ہو کر بیت اللہ کا  
طواف کیا۔ ابو بکرؓ اور علیؓ رسول اللہ کے پاس واپس آ گئے (سیرت ابن ہشام ص ۵۵)  
کچھ آگے یہ بھی ہے کہ جب حضرت علیؓ ابو بکرؓ کو جاملے تو آپ نے پوچھا امیر ہو کر  
آئے ہو یا مامور بن کر۔ حضرت علیؓ نے فرمایا۔ مامور ہو کر۔ ہاں سورت براءت نازل ہوئی ہے  
تو اعلان براءت حضورؐ نے میرے ذمہ لگایا ہے۔“

جیسے صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۷ کتاب التفسیر میں حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث ہے۔  
”کہ اس سال مجھے بھی حضرت ابو بکرؓ نے یوم الفجر میں ان اعلان کرنے والوں میں منیٰ  
بھیجا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور نہ منگے طواف کرے۔ حمید کہتے ہیں کہ حضورؐ  
نے حضرت علیؓ بن ابی طالب کو یہ حکم دے رکھا تھا کہ براءت کا اعلان کریں۔ ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں  
کہ پھر حضرت علیؓ نے ہمارے ساتھ اہل منیٰ میں منیٰ کے دن براءت کا اعلان کیا (یعنی سورت  
براءت کا اول ربح سنایا) اور یہ بھی کہا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک نہ حج کرے نہ منگے  
طواف کرے۔“

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت ابو بکرؓ بدستور امیر حج رہے۔ ان کا منصب ان سے  
نہیں لیا گیا۔ البتہ قومی دستور کی بنا پر نفقہ معاہدہ کا اعلان حضورؐ نے اپنے بجائے حضرت علیؓ  
سے کروایا۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ کو محض ول کیا گیا یا ان میں سورت براءت کی تبلیغ  
کی بھی اہمیت نہ تھی۔ وہ بڑے بے انصاف اور خفاقی کے منکر ہیں۔ منتخب شیعہ بھی اس طرح  
بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت ابو بکرؓ حضور علیہ السلام کے پاس واپس آئے تو پوچھا یا رسول اللہ  
میرے متعلق کوئی نئی بات ہوئی تو آپ نے فرمایا۔ تجھ میں بدستور نیکی ہی ہے لیکن مجھے یہ حکم ملا  
ہے کہ اس (نفقہ عہد) کی تبلیغ یا میں کروں یا جو میرا شریک ہو۔ (کشف الغمہ ص ۱۱)  
امیر سوم کے لحاظ سے بھی حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ حضرت علیؓ سے افضل ہیں۔ کیونکہ



سب صحابہ کرامؓ (کلاس پیچھے کے طلباء) نے ان تینوں حضرات پر بالترتیب اتفاق کیا۔ شیخ مسنی  
حوالہ جات مذکور ہو چکے ہیں۔ عہد نبوی ہی میں اسی ترتیب سے ان کو دیکھا جاتا تھا۔ حضرت  
ابوبکرؓ صدیق اور ثانی اثین کے لقب سے اور حضرت عمرؓ فاروق اور ناطق الملک علیؓ اسانہ  
کے لقب سے عہد نبوی میں ہی مشہور تھے (رجال کشی)۔

حضور علیہ الصلاۃ والسلام بھی ان کو اسی ترتیب سے بلاتے تھے۔ مثلاً حضرت انسؓ  
سے روایت ہے کہ حضورؐ نے حکم وحی حضرت فاطمہؓ کا علیؓ سے نکاح کرنے کے لیے صحابہ کرامؓ  
کو اسی طرح بلایا۔

فانطلق فادع لی ابا بکر وعمر  
وعثمان وعليہ وطلحۃ والنبی و  
بعد دھم من الانصار (کشف الغمہ)  
جا اور میرے لیے ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ  
طلحہؓ اور زبیرؓ کو بلا لا اور اتنے ہی انصار  
حضرات کو بلاتے آ۔

صحابہ کرامؓ کے ذہن میں ابوبکرؓ و عمرؓ اس قدر مقبول تھے کہ بطور مدح اگر کسی اور کا ذکر  
ہوتا تو صحابہؓ شیخیںؓ مراد لیتے۔ مثلاً ایک دفعہ حضورؐ نے فرمایا کہ اے قریش یا تو باز آ جاؤ گے  
یا تم پر اللہ اس شخص کو مسلط کر دے گا جس کا اللہ نے ایمان کے لیے دل آزمایا ہے۔۔۔۔۔ بعض  
حاضرین نے کہا کیا حضرت ابوبکرؓ ہیں؟ فرمایا نہیں۔ کیا حضرت عمرؓ ہیں؟ فرمایا نہیں بلکہ  
وہ جو نام مرت کرنے والے حضرت علیؓ ہیں۔ (کشف الغمہ ص ۲۸)

مجلسی نے اسی حقیقت کو یوں جل کر بد زبانی سے ادا کیا ہے کہ سب قریش مسلمان  
اپنے دو بتوں (ابوبکرؓ و عمرؓ رضی اللہ عنہما) کی بہت تعظیم کرتے تھے۔ اور ان کی مخالفت  
نہیں کرتے تھے۔ (رجیات القلوب ج ۲)

امیر چارم۔ خلفاء اربعہ کا اوصافِ حسنہ میں موازنہ  
کاروائی کس کی ہے۔ کیا حضرت علیؓ

سے زیادہ بہادر، عالم، عابد، سخی، امین کوئی اور بزرگ بھی ہے۔ گو یہ معنی بات ہے کیونکہ جب  
قرآن پاک، عمل پیغمبرؐ اور اتفاق صحابہؓ سے ایک بات ثابت ہو جائے تو اوصافِ حسنہ کے  
ایک ایک جزئیہ میں تقابل کرنا اور ایک کو کم دوسرے کو زیادہ دکھانا کوئی مستحسن بات



نہیں۔ خصوصاً ہمارے جیسے لوگ جو ان کی خاک پا کے بھی برابر نہیں۔ اور یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص کسی امیر و ار کے مجموعی تمیزات کے اضافے اور محقق کے فیصلے سے صرف نظر کر کے ہر سوال کے جواب کا جزوی طور پر دوسرے کمتر امیر و ار کے ہر سوال سے مقابلہ کرے۔ پھر دو چار سوال کے فرق کو اہمیت دے کر یہ کہنے لگے کہ یہ ثانی بہتر کامیاب ہے اور پہلے کا نتیجہ غلط نکالا گیا ہے۔ تاہم اس خطرناک واوی میں ہم محبورا اترتے ہیں تاکہ شدیدہ کو عذر کا موقع نہ رہے۔ واضح رہے کہ تحفۃ الانسلیت کے اس باب تین ہو سکتے ہیں۔ ۱۔ قوت ایمانی۔ ۲۔ کثیر الہدایت ہونا۔ ۳۔ ذاتی خوبیوں کا مالک ہونا۔ ہر ایک کا موازنہ ملاحظہ ہو۔

**قوت ایمانی** ایمان ایسی دولت ہے کہ اس کی وجہ سے اعمال میں جان اور وزن ہوتا ہے اور جوں جوں اس کی کیفیت میں اضافہ ہوا اعمال کا درجہ بڑھتا جاتا، یہی وجہ ہے کہ ہم اہل سنت کے اعتقاد کے مطابق ایسا کی دو رکعت نماز امتی کے تمام عمر کے قرآن سے افضل ہے۔ صحیحین کی حدیث معتبر کے مطابق ایک صحابی کا تین پاؤں غلہ راہ خدا میں صرف کرنا غیر صحابی کے اچھڑاڑ جتنا سونا خرچ کرنے سے افضل ہے۔ گو تمام صحابہ کرامؓ کا ایمان کامل تھا۔ تاہم اصحاب حدیبیہ، اہل احد، اہل بدر، ہاجرین، عشرہ مبشرہ اور خلفاء اربعہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا بالترتیب سب سے افضل تھا۔ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فوقیت مندرجہ ذیل وجوہ سے ہے۔

۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اپنے صحابہ کرامؓ سے فرماتے تھے۔

ما سبقکم ابو بکر بصوم و الاصلوة ابو بکر رضائم سے (صرا) روزے اور نماز کی وجہ سے افضل نہیں۔ بلکہ اس چیز (قوت ایمانی و اخلاص) کی وجہ سے جو ان کے دل (جالس المؤمنین ص ۲۶)

میں معزز بنا دی گئی ہے۔

۲۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ جس شخص کو بھی میں نے اسلام کی دعوت دی اس کو کچھ نہ کچھ حجب اور تردد اور فکر ضرور پیدا ہوئی۔ سوائے حضرت صدیق اکبرؓ کے کہ جیسے ہی میں نے ان کو اسلام کی دعوت دی فوراً بلا تردد و تامل انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور



ذرا بھی دیر نہ لگائی (از ابن اسحاق حیاة الصحابہ ج ۱ ص ۵)

مگر حضرت علیؓ کو جب آپؐ نے دعوت دی میں تم کو بھی اللہ کے طرف بلانا ہوں جو تمہارا  
ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور اس کی عبادت کا حکم دیتا ہوں اور یہ کہ لات و عنزی کو بالکل  
چھوڑ دو حضرت علیؓ نے کہا یہ ایسی بات ہے کہ کج سے قبل میں نے کبھی نہیں سنی۔ میں اس بارے  
میں کوئی فیصلہ نہیں دے سکتا۔ جب تک کہ اپنے والد ابوطالب سے بیان نہ کر لوں۔ آپؐ کو حضرت  
علیؓ کا یہ فرمانا ناگوار گزرا۔ فرمایا اے علیؓ اگر تم اسلام نہیں لاتے تو اس معاملہ کو ابھی پوشیدہ  
رکھنا پھر حضرت علیؓ نے دوسرے دن از خود ایمان قبول کر لیا (بدایہ) اور اسلام لے آئے اور  
ابوطالب کے ڈر سے آپؐ کے پاس چھپ چھپ کر آتے رہے اور اپنے اسلام کو چھپائے رکھا۔  
ظاہر نہ ہونے دیا (بدایہ ج ۳ ص ۲۴)

۳۔ اس کے برعکس حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اسلام لاتے ہی ظاہر کر دیا اور کفار کی  
سختیاں برداشت کرتے رہے۔

چنانچہ حضرت علیؓ خود فرماتے ہیں ابوبکرؓ مجھ سے چار باتوں میں بڑھ گئے پہلے اسلام  
اشکار کیا۔ مجھ سے پہلے ہجرت کی۔ بنی کے بارے میں بتا دیے۔ نماز قائم کی۔ جبکہ وہ اسلام ظاہر کرتے  
تھے۔ میں چھپاتا تھا۔ (تہذیبہ المکانۃ الجدیدہ ص ۲۸)

۴۔ سالتین الی الاسلام حضرت خدیجہؓ، حضرت زید بن عارضہؓ، حضرت علیؓ و ابوبکرؓ  
میں سے حضرت ابوبکرؓ ہی۔ آزاد مرد بالغ تھے۔ چنانچہ اپنے اثر و قوت سے جو حضورؐ کی اعانت  
اسلام کی وہ دوسروں سے نہ ہوئی۔

۵۔ اسلام قبول کرتے ہی حضرت ابوبکر صدیقؓ رضہ حضورؐ کے مشن کے مبلغ بن گئے۔ حضرت  
عائشہ صدیقہؓ کا فرمان ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ رضہ اسلام لانے کے بعد، حضرت عثمانؓ رضہ،

حضرت طلحہؓ رضہ، حضرت زبیرؓ رضہ، حضرت سعدؓ رضہ کے پاس تشریف لے گئے۔ یہ حضرات بھی (آپؐ کی  
دعوت سے) مسلمان ہو گئے۔ دوسرے روز حضرت ابوبکرؓ رضہ حضورؐ کے پاس عثمانؓ بن مظعون

ابو عبیدہ، عبد الرحمن بن عوف، ابوسلمہ بن عبد اللہ، ارقم بن الارقم کو لے کر حاضر ہوئے  
اور یہ سب بھی مشرف باسلام ہوئے۔ رضی اللہ عنہم۔ (بدایہ ج ۳ ص ۲۹) حافظ ابو الحسن طریقی



یہ سب صحابہ قدیم الاسلام۔ عشرہ مبشرہ جیسے مشاہیر ہوئے ہیں۔ اس کے برعکس مکی زندگی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر یا آپ کی ترغیب سے کسی کا مسلمان ہونا کتبِ میریت و تاریخ میں نہیں ملتا۔ ہاں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو۔ جو از خود اسلام اور پیغمبر کی تلاش میں آئے تھے۔ آپ نے مہمانی کھلا کر اور آمد کا مقصد پوچھ کر حضور کی خدمت میں پہنچا دیا تھا۔ ۶۔ قوتِ ایمانی سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کفار سے بڑی تکلیفیں بھی دیکھیں۔ باوجودیکہ آپ نہایت اونچے خاندان کے محرز اور رئیس تھے۔ چند واقعات ملاحظہ ہوں۔

۱۔ ایک دن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تفریق کے لیے کھڑے ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے۔ اسلام میں یہ وہ پہلے خطیب ہیں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی طرف دعوت دی۔ مشرکین چاروں طرف سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے۔۔۔۔۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مارا بھی اور روند بھی۔ عتبہ بن ربیعہ فاسق ان کے قریب آیا اور اپنے کئی تلے والے جو تھے سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مارنا شروع کیا۔ چہرے پر مارتا تھا اور آپ کے پیٹ پر بھی کودا۔ حتیٰ کہ آپ کا چہرہ اور ناک نہ پہچانی جاتی تھی۔ خاندانِ بنو تیم کے لوگ بھاگ کر آئے اور آپ کو چھڑا لے گئے۔ اور ان لوگوں کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی موت میں شک نہ تھا۔ مگر جب ہوش میں آئے تو سب سے پہلے حضور کا حال پوچھا الخ (حیات الصالحین ج ۲ ص ۲۹)

ب۔ حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا سے لوگوں نے پوچھا کہ حضور کی تکالیف میں سے سب سے زیادہ سخت تکلیف تم نے کون سی دیکھی۔ فرمایا کہ ایک مرتبہ مسجدِ حرام میں کفار اپنے مجبوروں کا تذکرہ کر رہے تھے۔ اتنے میں حضور آگئے تو وہ سب آپ پر جھپٹ پڑے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تک ان کے شور و غوغا کی آواز پہنچی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہم لوگوں کے پاس سے اٹھے اور ان کے سر پر چار زلفیں تھیں اور فرماتے تھے تمہارا ناس ہو کیا تم ایسے آدمی کو قتل کرنا چاہتے ہو جو یہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے۔ مشرکین نے حضور کو تو چھوڑا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر ٹوٹ پڑے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جب گھر واپس آگئے اور شدتِ زد و کوب سے یہ حال تھا کہ سر کی جس مینڈھی کو ہاتھ لگاتے وہ بال ہاتھ لگاتے ہی جھڑ جاتے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کہہ رہے تھے۔ تبارکت یا ذا الجلال والاكرام (خزیمہ ابو یعلیٰ)



ج۔ ابنِ دغنه کو جب آپ امان واپس کر چکے تو ایک کافر نے بیت اللہ شریف کو جاتے ہوئے آپ کے سر پر مٹی ڈال دی حضرت ابو بکرؓ کے پاس سے مخیرہ یا عاص بن وائل گزرا حضرت ابو بکرؓ نے ان سے کہا کہ تم نے دیکھا اس جاہل نے کیا کیا؟ اس نے کہا کہ تم نے خود اپنے ساتھ یہ کام کیا ہے۔ حضرت ابو بکرؓ کہنے لگے۔ اے رب تو کتنا بزدل ہے۔ کتنا بزدل ہے (بدایہ نہج) ۹۵۳  
د۔ ایک دفعہ عقبہ بن ابی معیط نے حضورؐ کے گلے میں چادر ڈالی اور مروڑی حضرت ابو بکرؓ صدیق رضی اللہ عنہ نے چڑایا اور دوتے ہوئے کہا اتقتلون رجلاً ان يقول ربی اللہ۔ کیا تم اس آدمی کو قتل کرتے ہو جو کہتا ہے۔ میرا رب اللہ ہے۔

ر۔ کشف الغمہ ص ۲۴ پر ہے کہ نوفل بن خویلد حضورؐ کا سخت ترین دشمن تھا۔ اسی شخص نے حضرت ابو بکرؓ اور طلحہؓ کو ہجرت سے قبل رسی میں جکڑ دیا اور دن بھر رات تک عذاب دیتا رہا۔ حتیٰ کہ لوگوں کو ان کی تلاش کر فی ٹری سے

بجرم تو ام میکشند چہ عفو غایت

تو نیز بر سر بام آچہ خوش تماشا نیست

ایمان لانے اور قوت ایمانی کی بنا پر یہ عقائد بر داشت کرنے کی یہ صدیقی جھلک تھی۔

اب حضرت عمرؓ کی ایمانی قوت کا حال بھی سن لو۔ حضرت عمرؓ کو کچھ بعد حضرت عمرؓ کا ایمان | میں ۱۵ سال نبوت میں اسلام لائے۔ مگر آپ حضورؐ کی دعا کا مقصود اور مراد ہیں۔ آپؐ نے دعائیں لگی تھیں۔ اے میرے اللہ! اسلام کو عمر بن خطاب یا ابو جہل بن ہشام کے ذریعہ قوت عطا کر۔ اللہ نے حضرت عمرؓ کے بارے میں آپؐ کی یہ دعا قبول کر لی چنانچہ ان کے اسلام لاتے ہی بت پرستی کی دیواریں منہدم اور اسلام کی بنیادیں قوی ہو گئیں۔ (طبرانی حیات الصحابہ ص ۷۵)

حضرت عمرؓ کا اپنا بیان ہے کہ حضورؐ نے میری قمیص بکڑ کر کہا خطاب کے بیٹے اسلام لے آ۔ اور ساتھ ہی یہ دعا کی۔ اے اللہ اسے ہدایت دے۔ فوراً میرے منہ سے نکلا اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللہ وَاَشْهَدُ اَنْکَ رَسُوْلُ اللہ۔ میرے اسلام لاتے ہی مسلمانوں نے اتنی زور سے نعرہ تکبیر بلند کیا کہ مکے کی ہر گلی میں اس کی آواز گونج اٹھی۔ (ابونعیم فی الحلیہ ج ۱ ص ۱۷۱)  
حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں جب سے عمرؓ اسلام لائے ہم غالب ہوتے گئے۔



حضرت عمرؓ کا اسلام مسلمانوں کی قوت تھی۔ ہجرت اسلام کی فتح تھی اور خلافت اللہ کی رحمت و برکت تھی (بخاری)

حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کے بعد ہی مسلمانوں نے علیؓ کو اعلانِ کعبہ میں جاکر نیاز پڑھی۔ حضرت عمرؓ جس رات اسلام لائے تو سوچا کہ جو شخص اسلام کا سب سے بڑا دشمن ہے اسے بھی تباؤں۔ صبح ابو جہل کا دروازہ کھٹکھٹا کر بلایا۔ اس نے کہا اے میرے بھانجے (حضرت عمرؓ) ابو جہل کی بہن جنتہ بنت ہشام بن المغیرہ کے فرزند تھے، تو سنو اور مقام پر آیا ہے۔ کیوں آنا ہوا؟ آپ نے فرمایا۔ یہ بتانے آیا ہوں کہ میں اللہ پر اور اس کے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا چکا ہوں اور ان کی لائی ہوئی ہر چیز کی تصدیق کی ہے۔ فرمایا کہ پھر تو ابو جہل نے وہ دروازہ میرے منہ پر مارا اور کہا اللہ تجھے اور اس چیز کو جو تو لایا ہے برباد کرے۔ (سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۳۵۱)

حضرت عمرؓ نے عہدِ اجمیل میں مسیحی کو اپنے اسلام کی خبر دی۔ وہ قریش کی طرف چل دیا۔ آپ اس کے پیچھے پوگئے۔ اس نے اعلان کیا کہ اے گروہ قریش عمرؓ بے دین ہو گیا حضرت عمرؓ اس کے پیچھے کہتے جاتے تھے اس نے جھوٹ کہا بلکہ میں نے اسلام اختیار کیا ہے۔ اور گواہی دی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔ ان لوگوں نے آپ پر حملہ کر دیا۔ آپ بھی ان سے جنگ کرتے رہے یہاں تک کہ آفتاب ان کے سروں پر آگیا آپ تھک کر بیٹھ گئے اور قریش آپ کے سر پر کھڑے رہے۔ آپ نے فرمایا تم جو چاہو کرو میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ اگر ہم مسلمان (تین سو مرد و چالیس تو پھر) ہم باقاعدہ لڑیں، پھر یا ہم مکہ کو تمہارے لیے چھوڑ دیں گے یا تم ہمارے لیے چھوڑ دو گے (سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۳۵۲ والبدیع ج ۲ ص ۸۲) وقال ابن اسحاق (ج ۱ ص ۱۰۱)

آخر وہ وقت بھی آگیا کہ سب شہر آپ کے قتل پر تپل آیا اور آپ کو گھریں (غارِ ثور کی طرح) پناہ لینی پڑی۔ آپ کے پاس ابو عمر عاص بن وائل بھی آیا۔ اور یہ زمانہ جاہلیت میں آپ کا حلیف تھا۔ اس نے حضرت عمرؓ سے پوچھا کہ تمہارا کیا حال ہے؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا میں اسلام لے آیا اور تمہاری (کافر) قوم مجھ کو قتل کرتی ہے۔ عاص نے کہا۔ جاؤ میں نے تم کو امان دی وہ ایسا



نہیں کر سکتی۔ عاص چل دیا اور لوگوں سے ملاجن سے جھگل بھر گیا تھا۔ پوچھا کہ تم لوگ کہاں جا رہے ہو۔ لوگوں نے کہا ابن خطاب کے پاس کہ وہ بے دین ہو گیا ہے عاص نے کہا اب تمہارے لیے سبیل نہیں کیونکہ میں پناہ دے چکا ہوں اور لوگوں کو لوٹا دیا (بخاری ج ۱ ص ۵۴۵) یہ حضرت عمرؓ کے اہلبان مضبوط کار و عمل تھا کہ کفار قریش کہتے تھے کہ عمرؓ نے بھی اسلام قبول کر لیا ہے۔ وہ اور حمزہؓ بن عبدالمطلب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے ساتھ ہو گئے ہیں اور اسلام قبولیوں میں بھیلنے لگا ہے۔ تو وہ لوگ جمع ہوئے اور مشورہ کیا کہ ایک کاغذ پر بنو ہاشم و بنو عبدالمطلب کے خلاف بائیکاٹ کا معاہدہ لکھیں۔ (ابن ہشام ج ۱ ص ۳۵۱)

یہی حال حضرت عثمانؓ کا بھی تھا۔ آپ کو اپنا چچا حکم بن ابوالحاص ایک بڑی چٹائی میں لپیٹ کر دھواں دیا کرتا تھا محمد بن ابراہیمؓ بھی کہتے ہیں کہ جب حضرت عثمانؓ اسلام لے آئے تو ان کے چچا حکم بن ابوالحاص نے ان کو کپڑا اور سیلوں میں باندھ دیا اور کہا کہ تو اپنے باپ دادا کے دین سے ایک نئے دین کی طرف بھر گیا۔ خدا کی قسم میں تجھ کو بندھا رہنے دوں گا، کھولوں گا نہیں جب تک کہ تو اس دین کو نہ چھوڑے گا۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا میں کبھی بھی اس دین کو نہ چھوڑوں گا جب حکم نے دیکھا کہ یہ اپنے دین کے بارے میں اتنی ٹائی سخت ہیں تو ان کو چھوڑ دیا۔ (ابن سعد ج ۳ ص ۱۲۱)

لیکن ہمیں تلاش کے باوجود سیرت و تاریخ کی کسی کتاب میں ایسا نہیں ملتا کہ حضرت علیؓ کے اسلام سے بھی کفار مشقتل ہوئے ہوں۔ یا آپ کو کسی قسم کی تکلیف دی ہو یا آپ کے قتل کا منصوبہ بنایا ہو یا آپ کو گرفتار کیا ہو۔ یا حضورؐ سے متعلق آپ سے باز پرس کی ہو۔ جبکہ ہجرت کے موقع پر حضرت احماد بن ابی بکرؓ سے ابوہریرہؓ نے حضورؐ اور صدیق اکبرؓ کا پتہ پوچھا۔ جب اس نے نہ بتایا تو اس زور سے مرنے پر ٹھانپہ مارا کہ آپ کی ہالی گر گئی (سیرت ابن ہشام ص ۴۹۹) حتیٰ کہ باقر علیؓ مجلسی جیسے شہید متعصب تشیعہ بھی۔ جلالہ الجیون اور حیات القلوب میں ایک واقعہ بھی۔ تخلیق داستانہا کے ہنر کے باوجود نہ ذکر نہ کر سکے۔ بجز اس بات کے کہ ایک مرتبہ حضورؐ کو کفار نے زد و کوب کیا حضرت علیؓ و خدیجہؓ اکبرؓ کو گھڑی پتہ چلا تو رونے لگے۔ ہو سکتا ہے اس کا سبب حضرت سنی ہی ہو لیکن نہ نبوت کے بعد تو حضرت علیؓ کی عمر ۱-۱۶-۱۷ سال کی علیٰ خلاف الروایا



ہوگی۔ ان مواقع پر آپ کا ذکر ملنا چاہیے۔

نیکمہ غور کرنے کے قابل ہے کہ حضرت عثمانؓ کو ہجرت کرنا پڑی۔ حضرت عمرؓ کے قتل کا منصوبہ بنا۔ ہجرت کی رات حضرت نبی کریمؐ اور بابر غار صدیق اکبرؓ کی تلاش میں ۱۰۰-۱۰۰ اونٹ انعام مقرر کیا گیا تھا مگر حضرت علیؓ کو بلا خطر حضورؐ نے اپنے بستر پر سلا دیا اور یہ تسلی بھی دی کہ کفار ہرگز کچھ نہ کہیں گے۔

پھر حضرت علیؓ خود فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد مین دن مکہ میں ٹھہرا ایک دن بھی نہ چھپا اور اسی طرح پر پھرتا رہتا تھا۔ امانتوں کے ادا کرنے کے بعد میں نے حضورؐ کے پاس پہنچنے کا راستہ اختیار کیا (کنز العمال ج ۸ ص ۳۳۵) آخر کوئی بات تو حضرت پیغمبرؐ اور حضرات خلفائے ثلاثہؓ میں ایسی تھی جو حضرت علیؓ میں نہ تھی۔ کہ کفار ان کے خون کے پیاسے تھے اور حضرت علیؓ کو موقع ملنے کے باوجود بھی کچھ نہ کہتے تھے۔ حالانکہ یہ حضرات مکہ کے صنعاؤ میں سے نہ تھے بلکہ مندرجہ خاندانوں کے اصحاب ثروت اور سردار و رئیس تھے۔ و حقیقت ان حضرات کا تمام منافع دنیوی اور عیش و سکون کی زندگی کو چھوڑ کر مکہ کے درویش محمد بن عبد اللہ و رسول اللہؐ کی اتباع کر لینا اپنی جان و مال آپ پر سار کرنا۔ اور آپ کی دعوت کا مبلغ بن جانا ہی۔ جہاں حضورؐ کے دل میں ان کی قدر و منزلت کو سب افضل بنا رہا تھا۔ وہاں کفار کے غیظ و غضب کو بھی تیز کرتا تھا۔ اور وہ بھی حضورؐ کے بعد اسلام کے اہم ستون حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ ہی کو جانتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جنگ احد کے خاتمہ پر ابوسفیانؓ نے قتل حضورؐ کی افواہ کی بنا پر اپنی جے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کا نام لیا تھا۔ جیسے صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۹ میں بھی ہے۔ ابوسفیانؓ اپنی جگہ چڑھ کر مسلمانوں کو آواز دینے لگا۔ کیا مسلمانوں میں محمدؐ (زندہ) ہیں حضورؐ نے فرمایا مت جواب دو۔ پھر کیا کیا ابن ابی قحافہؓ ہیں؟ حضورؐ نے فرمایا۔ جواب نہ دو۔ پھر پوچھا کیا عمر بن الخطابؓ ہیں؟ (جب جواب نہ ملا) پھر کہنے لگا یہ سب قتل ہو گئے اگر زندہ ہوتے تو جواب دیتے۔ حضرت عمرؓ ضبط نہ کر سکے۔ فرمایا۔ اللہ کے دشمن! تو نے جھوٹ کہا۔ اللہ نے تجھے رسوا کرنے کا سامان باقی رکھا ہے۔ پھر اس نے اُعلیٰ بیل راسے بیل تو بلند ہو، کانرہ لگایا تو حضورؐ

آج کل شیعہ نعرہ یا علی مدد بھی اسی نعرہ کا چر رہے ہیں جب حضورؐ نے اسے شاکر اللہ مولانا و لامولیٰ اکرم (ہمارا مددگار اللہ ہے اور تمہارا کوئی مددگار نہیں) سکھایا ہے تو ہم کو شیعہ نعرہ کے جواب میں یا اللہ مدد اور (باقی آئندہ)



نے قریباً کہوا اللہ اعلیٰ واجل (اللہ ہی بزرگ و بزرگوار ہے) پھر اس نے کہا ہمارا عزریٰ (مشکل کشا) ہے تمہارا عزریٰ نہیں۔ تب صلی اللہ علیہ وسلم نے حضور کے حکم سے جواب دیا۔ اللہ ہمارا مولا (مولا) اور مددگار ہے اور تمہارا مولیٰ کوئی نہیں۔

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بلاشبہ مدنی زندگی میں شجاعت و بہادری کے جوہر دکھائے مگر اس وجہ سے کبھی اپنے کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے افضل نہیں بتایا۔ نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایسا جانا۔ نہ حضور نے اپنے قول و عمل سے اس کی تعلیم دی۔

ہدایت کی کثرت اور فیضان کی بہتات اور خیر کی اشاعت یقیناً ہادی اور مبلغ کو بلند مرتبہ بنا دیتی ہے۔ کیونکہ یہ ایسی متعدد نیکی ہے جس کی انتہا معلوم نہیں ہو سکتی۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ آدمی کے مرنے پر اس کے سارے اعمال ختم ہو جاتے ہیں مگر ان اعمال کا ثواب اسے بدستور ملتا رہتا ہے۔ اولاد صالح جو والدین کی تربیت سے اچھے کام کرے اور والدین کے لیے دعا و رحمت کرتی رہے۔

صدقہ جاریہ۔ جیسے رفاہی کاموں پر خیر کرنا جب تک وہ مدرسہ یا مسجد باقی رہے گی بنانے والے کو ثواب ملتا رہے گا۔

علم کی اشاعت یا تصنیف و تالیف۔ کہ جب تک اس علم یا کتاب کا وجود رہے گا عالم و مصنف کو ثواب ملتا رہے گا۔

انبیاء علیہم السلام اسی بنا پر سب خلایق سے افضل ہوتے ہیں کہ وہ منبع علم و ہدایت ہوتے ہیں۔ بنی نوع انسان میں علم کی حدود ہی ہیں۔ کوئی امتی جس قدر انبیاء کے علم و ہدایت کے مطابق اعمال بجالائے گا یقیناً اس کا ثواب اپنے پیغمبر کو پہنچتا رہے گا۔ من سن سنة حسنة فله اجرها ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو جو اللہ تعالیٰ نے سب انبیاء علیہم السلام پر فضیلت بخشی ہے اس کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ آپ کی ہدایت۔ تمام اقوام۔ اور تمام زمانوں کے لیے عام ہے اور ارجوں انسانوں نے آپ ہی کے پیغمبر ہدایت۔ قرآن و سنت۔ سے اپنی پائیں بچائی ہے یہ مقام کسی اور پیغمبر کو نہیں مل سکا۔ حالانکہ ان میں ہزار برس تبلیغ کرنے والے حضرت نوح بھی ہیں۔ فرعون (گزشتہ سے پوینتہ) اللہ اکبر کا نعرہ لگانا چاہیے جو مسلمان جنگوں میں لگاتے تھے۔ منہ



کوشکست دینے والے حضرت موسیٰؑ بھی۔ مقامِ خلعت سے سرفراز حضرت ابراہیمؑ بھی۔ اور زبد و توکل کا سر شہید حضرت عیسیٰؑ روح اللہ بھی علیہم الصلوٰۃ والسلام اسی لیے آپ کے حق میں سر اجا مینرا۔ ہا دیا و داعیا الی اللہ۔ اور وکل قوم ہا د کے القابات قرآن حکیم نے صادر فرمائے۔

حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ بعد از پیغمبرؐ بڑے ہادی ہیں | انکار ہے کہ فیضانِ ہدایت اور اس

کی اشاعت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعی جانشین اور سب سے افضل حضرت ابوبکرؓ عمرؓ ہیں۔ حدیثِ بالا کے بموجب تینوں قسم کے جاری و متخاری کام تا یوم قیام یادگار چھوٹے ہیں۔

قرآن حکیم کی اشاعت | قرآن کریم حسب ضرورت جس ترتیب سے اترا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس سے جدا ترتیب پر۔ جو لوح محفوظ میں مقرر ہے۔ صحابہ کرامؓ

کو پڑھایا۔ لیکن مستقل مکمل کتابی شکل میں جمع کرنے کی ضرورت نہ سمجھی۔ عہدِ صدیقی میں مرتدین اور سلیکھ کذاب کے خلاف جنگوں میں کافی قراء و حفاظ صحابہ کرامؓ شہید ہوئے تو مفکرا مت

و ملہم من اللہ حضرت عمرؓ کو خدشہ ہوا اور وہ بارہ صدیقی میں آکر عرض کی کہ قرآن پاک کو کتابی شکل میں جمع کیا جائے۔ اولاً تو حضرت ابوبکرؓ نے توقف کیا کہ جو کام حضورؐ نے نہیں کیا میں کیسے

کروں۔ پھر زمانے کا تقاضا بجانب گئے تو حضرت زید بن ثابتؓ جو مشہور قاری حافظ اور کاتبِ وحی تھے ان کی سرکردگی میں ایک جماعت کی جمع قرآن پڑھوٹی لگادی۔ وہ فرماتے ہیں۔

فَتَبِعْتُ الْقُرْآنَ أَجْمَعَ مِنَ الرَّقَاعِ  
وَالْأَكْتَفِ وَالْعُشْبِ وَصَدْرِ الرَّجَالِ  
چنانچہ میں نے کاغذ و پاپے کے ٹکڑوں، کند  
کی ہڈیوں، درختوں کے پتوں اور حفاظ  
کے سینوں سے قرآن جمع کیا۔ الخ

گویا انارہ لیا قطون۔ رہم ہی قرآن کے محافظ ہیں، کا جو وعدہ اللہ نے فرمایا حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے ہاتھ پر پورا فرمادیا۔ آج ۱۴۰۰ سال سے مشرق و مغرب کے تمام مسلمان صرف

ایک ہی کتاب اللہ کے عالم محافظ اور قاری ہیں جس کے ایک حرف و شوشہ میں بھی تبدیلی نہیں کی گئی۔ پھر اسی قرآن کی نقلیں مزید کرا کر حضرت عثمانؓ نے اطرافِ اسلامیہ میں پھیلا دیں اور

وحدتِ کتاب اللہ انہی حضرات کی مساعی کا نتیجہ ہے۔ امتِ زمان کے بارِ احسان سے سبکدوش ہوتی



ہے۔ اور نہ ان کے درجات و ثواب کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ خود حضرت علی المرتضیٰ فرماتے ہیں۔

کہ قرآن پاک کی اشاعت کے سلسلے میں سب سے بڑا درجہ حضرت ابوبکرؓ (دومرضیٰ) کو ملیگا۔ کیونکہ سب سے پہلے آپ ہی نے دو گوتوں کے درمیان قرآن کو جمع فرمایا۔ رواہ ابویعلیٰ (بحوالہ تاریخ الخلفاء ص ۶۴)

علم کا یہ شعبہ اور شجرہ طیبہ بھی حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے زمانہ میں سنت و فقہ کی اشاعت | اقطارِ عالم میں پھیلایا۔ آپ تمام مفتوحہ ممالک میں علماء اور حفاظ و قراء کو بھیجتے تھے جو وہاں کے لوگوں کو تبلیغ کرتے اور قرآن و سنت کی تعلیم دیتے تھے۔ کوفہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو علم بنا کر بھیجا تو فرمایا۔

بعثت الیکہ ابن ام عبد و اثرکم میں نے تمہاری طرف ابن مسعودؓ کو بھیجا ہے اور علی نقی تمہیں اپنی ذات پر ترجیح دی ہے۔

اور ان کی کارکردگی کا یہ عالم تھا کہ جب سیدنا علی المرتضیٰؓ کوفہ میں وارد ہوئے تو چار ہزار کوفہ کے علماء تابعین نے آپ کا استقبال کیا جو سب حضرت عبداللہؓ کے شاگرد اور تربیت یافتہ تھے۔ شام میں حضرت ابوالدرداءؓ کو بھیجا۔ بصرہ میں حضرت انس بن مالکؓ کی ڈیوٹی سگائی۔ بڑے بڑے فاضل صحابہؓ پر مشتمل ایک مجلس شوریٰ منعقد کر دی گئی جس میں کثرت فتوحات اور حادثات نو کے پیش نظر ہر مسئلہ زیر بحث آیا اور صاحب فیصلہ سے مشرف ہوتا تھا یہی قضایا بحکام سنت و فقہ کا وہ بہترین خزانہ ہیں جن پر فقہی مذاہب کا دار و مدار ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں۔ اگر علم کا علم میزان کے ایک پلڑے میں رکھا جائے اور دوسرے میں سب لوگوں کا تو حضرت عمرؓ کا علم زیادہ ہوگا۔ راوی نے جب یہ قول حضرت ابراہیم نخعی کے سامنے ذکر کیا تو کہنے لگے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس سے بھی زیادہ آپ کی تعریف کی ہے کہ حضرت عمرؓ کی وفات پر فرمایا تھا۔

حضرت عمرؓ کی وفات سے علم کے ۹ حصے رخصت ہو گئے۔

ذہبت تسعتا اعتقاد العلم

(اسد الغاب ج ۴ ص ۶)



کتاب الاموال للابی عبید اور مسعودی وغیرہ میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں تمام موفین۔ بدرہین۔ مبلغین۔ خطباء اور قاریوں کے بیت المال سے وظائف مقرر تھے۔ اگر کسی شخص کا یہ اعتقاد ہے کہ مذہبی اور انتظامی طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم جن لوگوں کو مختلف کاموں پر لگاتے تھے ان کے حسن اعمال کا ثواب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی پہنچتا تھا تو اس کے نزدیک حضور کے علمی و عملی جانشین حضرت ابوبکر و عمر و عثمان و علی و معاویہ رضی اللہ عنہم کو بھی ان سب امور کا ثواب ملنا چاہیے۔ چونکہ روایت احادیث کے سلسلے میں شیخین بڑی احتیاط کرتے۔ قصہ گو و اعطوں کی تو دورہ سے تربیت کرتے تھے اور بسا اوقات حدیث پر شاہد بھی طلب کرتے تھے اور ان کے مختصر عہد میں تابعین کی روایت حدیث درجہ فروغ کو پہنچی تھی اور امورِ خلافت و فتوحات میں بہت مصروفیت رہتی تھی۔ لہذا ان کے علم کی بہ نسبت روایت حدیث کم ہوئی حضرت ابوبکر سے ۴۲۔ حضرت عمر سے ۵۳۹۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کچھ زیادہ ۵۸۶ احادیث مروی ہیں حضرت عثمان بھی احادیث نبوی کے ممتاز حافظ تھے وادی جملۃ کثیۃ من العلم (تذکرۃ الحفاظ ج ۱) علم کا ایک کتبہ حصہ روایت کیا ہے۔ لیکن کلام رسول میں تغیر و تبدل کے خوف سے روایت بہت کم کرتے تھے اس لیے مرفوع روایات کی تعداد آپ سے کم مروی ہے۔ فقہ و استنباط میں اگرچہ آپ کا پایہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے برابر رہتا لیکن آپ بھی مجتہد کی حیثیت رکھتے تھے اور دوسرے صحابہ آپ کے اجتہاد سے استنا کرتے تھے (بخاری کتاب الغسل و مسند احمد وغیرہ)

علم فرائض میں آپ جماعت صحابہ میں ممتاز تھے۔ حضرت زید بن ثابت اور حضرت عثمان انہی دونوں بزرگوں نے اس فن کو باقاعدہ مرتب کیا۔ شیخین کے عہد میں وراثت کے جھگڑوں کا فیصلہ اور اس کی مشکلات کو یہی دونوں حل کرتے تھے۔ اس عہد کے بزرگوں کا خیال تھا کہ اگر یہ دونوں اٹھ گئے تو علم فرائض کا خاتمہ ہو جائے گا۔ (کنز العمال ج ۶ ص ۲۷ بحوالہ تاریخ اسلام ندوی ج ۱ ص ۲۲)



# فتوحات تبلیغ اسلام کے لیے تھیں | حضرت خلفائہ ثلاثہ کے زمانے میں باقاعدہ تبلیغی

وفود بڑے بڑے بادشاہوں کے پاس

مختلف ممالک میں تبلیغ اسلام کے لیے جاتے تھے۔ موسیٰ بن عقبہ کی روایت میں ہے کہ ہشام بن عاص اور نعیم بن عبداللہ اور ایک اور صحابی حضرت ابوجبرؓ کی خلافت کے زمانے میں بادشاہ روم کے پاس بھیجے گئے تھے۔ حضرت ہشام فرماتے ہیں کہ ہم لوگ جلد بن ایہم کے پاس دمشق پہنچے۔ وہ کالے کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ اور ہر شے اس کے دربار کی سیاہی سے رنگی ہوئی تھی۔ اس نے کہا اے ہشام کہو، ہشام نے اس سے گفتگو کی اور اللہ کے دین کی دعوت دی۔ (النعیم فی الدلائل ص ۹)

علامہ شبلیؒ الفاروق ص ۳۹۹ پر صیغہ مذہبی کے عنوان سے رقم طراز ہیں۔

حضرت عمرؓ کے عہد میں نہایت کثرت سے اسلام پھیلنا اور اس کی بڑی وجہ یہی تھی کہ انہوں نے اپنی تربیت اور اخلاقیات تمام مسلمانوں کو اسلام کا اصلی نمونہ بنا دیا تھا۔ اسلامی فوجیں جس ملک میں جاتی تھیں وہاں لوگوں کو خواہ مخواہ ان کے دیکھنے کا شوق ہوتا تھا کیونکہ چند بادیہ نشینوں کا دنیا کی تسبیح کو اٹھنا حیرت اور استعجاب سے خالی نہ تھا۔ تو ایک ایک مسلمان سپاہی سادگی پاکیزگی جوش اور اخلاص کی تصویر نظر آتا تھا۔ یہ چیزیں خود بخود لوگوں کے دلوں کو کھینچتی تھیں اور اسلام ان میں لگ جاتا تھا۔ مثلاً شطامصر کا رئیس مسلمانوں کے حالات ہی سن کر اسلام کا گرویدہ ہوا اور آخر دو ہزار آدمیوں کے ساتھ مسلمان ہو گیا۔

## حدود اسلام کی وسعت | تکثیر ہدایت اور فیضان جاری کی تیسری قسم خلفائہ ثلاثہؓ کی وہ عظیم فتوحات ہیں جن کی بدولت اسلام جزیرہ

عرب سے نکل کر تمام اقطار ارضی پر پھیل گیا۔ اس وقت موجود دنیا کی سب سے بڑی حکومتیں کسری و قیصر اسلام کی قلمرو میں آگئیں۔ تاریخی طور پر وہ پیغمبر اسلامؐ کی متواتر پیشینگوئیاں پوری ہوئیں جو آپؐ نے مسلم و کافر اور اپنے اور بیگانے کے سامنے اپنی صداقت پر بطور دلیل متعدد مرتبہ ارشاد فرمائیں۔ مثلاً عدی بن حاتم طائی کو



اسلام کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا تھا۔ بخدا مسلمان اس قدر مالدار ہوں گے کہ لینے والا کوئی نہ ہوگا۔ اس قدر ان کی تعداد اور قوت وافر ہوگی کہ ایک عورت تنہا قادیان سے حج کرنے آئے گی اور بخیریت واپس ہوگی۔ خلافت اور حکومت ان کو ایسی حاصل ہوگی کہ ارض بابل کے سفید محلات بھی ان کے ہاتھ پر فتح ہو جائیں گے۔ عدنی کہتے تھے۔ میں نے دو باتیں تو دیکھ لیں۔ فراوانی دولت بھی دیکھ لوں گا۔ (سید ابن ہشام ج ۲ ص ۱۵۷ مختصراً)

فتح کا نام لینا آسان نہیں۔ ایک مربع میل کا رقبہ بھی کوئی نہیں دیتا۔ اور اس پر کتنے قضیے کرنے پڑتے ہیں لیکن بالکل غیر متعین اونٹوں اور بکریوں کے چرے واپس لے کر جناب معلم کائنات حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت سے دنیا کا نقشہ ہی بدل دیا۔ یہ اسلام کی صداقت۔ پیغمبر کے اعجاز اور صحابہ کرام کے ایمان پر ایسی زبردست دلیل ہے جس کا کوئی سلیم الفطرت انسان انکار نہیں کر سکتا۔ آج کا ایران اور ان کے ہم نوا اعداء صحابہ حضرت عمر و فاتحین اسلام کو مطعون کرتے ہیں حالانکہ ان کو حضرت عمر وغیرہ کا ممنون احسان ہونا چاہیے کہ ان کو کفر سے نجات دلا کر اسلام میں داخل کیا۔ فاتحین ایران صحابہ کرام پیران کا غضبناک ہونا اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ وہ توحید و رسالت کے کلمہ اسلام کی آمد پر نہ خوش ہیں نہ ایمان رکھتے ہیں اور نہ سابقہ کفار کی رسوم اور یادگاروں کو بھلا سکتے ہیں۔ ورنہ وہ سہ ہزار سالہ قدیم کافرانہ تہذیب کے جشن پر کروڑوں ڈالر خرچ نہ کرتے جیسے مسٹر میں منایا گیا۔

الخضر حضرت عمرؓ کے مفتوحہ ممالک کا کل رقبہ ۲۲۵۱۰۳۰ مربع میل تھا یعنی مکہ معظمہ سے شمال کی جانب ۱۰۳۶۲ مشرق کی جانب ۱۰۸۷۷ جنوب کی جانب ۸۳۴ میل تھا۔ اس میں شام مصر عراق جزیرہ خوزستان عراق عجم آرمینیا آذربائیجان فارس کرمان خراسان اور مکران جس میں بلوچستان کا بھی کچھ حصہ آجاتا ہے۔ شامل تھا۔ (القاروق ص ۲۴)

حضرت عثمانؓ کے عہد میں مغربی ممالک شمالی افریقہ روم قوقاز جزیرہ قبرص اور روم کی فتوحات کا اضافہ ہوا۔ اور ان ممالک میں لا الہ الا اللہ کا جھنڈا ایسے لہرایا کہ آج تک مترگوں نہیں ہوا۔ ظاہر ہے کہ ان فتوحات سے کروڑوں انسانوں کے حلقہ بگوش بدایت



ہونے کا ثواب حضرت عمر و عثمانؓ کے نامہ اعمال ہی میں لکھا جائے گا۔ جیسے حضرت علیؓ کو یمن بھیجتے وقت حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا۔

لَا يَهْدِي اللَّهُ بَكَ رَجُلًا خَيْرًا مِنْ  
حَمْدِ النِّعَمِ (صحیحین)

سے بہتر ہے۔

ہدایت کے ان تین شعبوں میں اول و ثالث میں تو حضرت علیؓ کی شرکت ہی نہیں۔ نہ آپ جمع و تدوین قرآن میں شریک تھے۔ نہ بقول شیعہ آپ کا جمع کردہ صحیفہ کسی مسلمان کو دیکھنا نصیب ہوا۔ نہ آپ کے عہد میں کوئی علاقہ یا گاؤں فتح ہوا۔ آپس کی خانہ جنگی کی وجہ سے سرکاری سطح پر مخالف تبلیغی سرگرمیاں بھی رک گئیں۔ ہاں سنت و فقہ کی انفرادی اشاعت میں حضرت علیؓ کا حصہ یقیناً ہے اور آپ سے ہزاروں انسانوں نے فیضِ ہدایت پایا اور آج تک اس کے اثرات موجود ہیں۔ لیکن حضرت علیؓ میں یہ وصف بھی تائید و حدیث کے عام مروج سنی ذخیرہ پر اعتماد کی بدولت تسلیم کیا جاسکتا ہے۔ اور حضرت علیؓ کو چہارم پیشوائے دین ماننے کا سہرا فقط اہلسنت کے سر پہ باندھا جائے گا۔ ورنہ شیعہ مخصوص لٹریچر میں عمرؓ پر حضرت علیؓ تقیہ کے پابند رہے تھے۔ اسلام کی واقعی بات کا اظہار ایک وصیت کی وجہ سے ممنوع تھا۔ آپ کے مخلص شاگرد و اہل قابل اعتماد و مومن چند انہی تھے آپ کے علم کا سمندر اندر ہی اندر خشک ہو گیا حتیٰ کہ شیعہ کو اپنا مذہب رسول اور وحی رسول کے بجائے دوسری صدی کے ایک تابعی بزرگ سے روایت کرنا پڑا۔ حدیث ہے کہ ان کو یہ بھی کہنا پڑا کہ حضرت علیؓ کی خلافت برائے نام سے زیادہ نہ تھی۔ ہمیشہ خلفائے ثلاثہ کے معتقدین میں گھرے رہتے اور بدستور قدرت کے فقدان اور ساتھیوں کی غداروں اور بے وفائی کی شکایت کرتے رہتے تھے۔ الخ (محاسن المومنین ص ۵۴)

مگر کہ جنگ بین تبلیغی فرایض | حضرت خلفائے ثلاثہؓ کی فتوحات ملک گیری کے تحت نہ تھیں محض تبلیغ اسلام کی خاطر تھیں۔ اپنے امراء و کمانداروں کو تاکید و صیایا کے ساتھ بھیجتے تھے۔ مثلاً حضرت ابو بکر صدیقؓ نے جب شام



کی طرف لشکر روانہ فرمائے۔ جن پر امیر حضرت یزید بن ابی سفیان، عمرو بن العاص اور شریک بن حسنہ تھے۔ آپ وداعہ تک ان کے ساتھ پیدل چلے کہ ان قدموں سے اپنی خطاؤں کو بخشتاؤں۔ پھر وصیت کرتے ہوئے فرمایا۔ اللہ پاک سے ڈرتے رہنا۔ اللہ کے راستے میں جہاد کرنا۔ جن لوگوں نے اللہ کے دین سے انکار کیا ہے ان سے جہاد کرنا۔ اللہ اپنے دین کا مددگار ہے۔ غداری نہ کرنا۔ امانت میں خیانت نہ کرنا۔ بزدلی نہ برتنا۔ زمین میں فساد نہ پھیلانا اور جس چیز کا تمہیں حکم دیا جا رہا ہے اس کے خلاف نہ کرنا۔ تمہارا اگر تقیر الہی مشرک قوموں سے سامنا ہو جائے تو انہیں تین باتوں کی دعوت دینا۔ اگر یان لیں تو جنگ سے رک جانا۔ اولئان کو اسلام کی دعوت دینا۔ اگر اسلام اختیار کر لیں تو ان کے اسلام کو قبول کرنا الخ (حیات الصحابہ ج ۱ ص ۲۱۹ از بیہقی وابن عساکر ج ۹ ص ۸)

حضرت عمر بن خطابؓ نے فاتح ایران حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو کھاکہ لوگوں کو تین دن تک اسلام کی دعوت دینا جو شخص مسلمان ہو جائے اس کے لیے وہ تمام منافع ہیں جو دیگر مسلمانوں کے لیے ہیں اور اسلام میں ان کا حصہ ہے اور جس نے تمہارا کہا لڑنے کے بجائے شکست کھانے کے بعد مانا اس کے لیے مسلمانوں جیسا فائدہ نہیں ہے۔ یہی میرا حکم ہے اور خط لکھنے سے عرض۔ (حیات الصحابہ ج ۲ ص ۲۲۲)

## خلفاء اربعہ کا ذاتی خوبیوں میں تقابل

**شجاعت** | بلاشبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ شجاع تھے۔ اور روایات مخازی کی روشنی میں عہد نبوی کی سب جنگوں میں ڈیڑھ درجن کے قریب آپ کے ہاتھوں کفار مقتول ہوئے۔ جو شیخین کے مقتولوں سے زیادہ ہیں۔ اپنی جگہ جہاد میں قتل کفار واقعی ثواب کا کام ہے۔ لیکن ایک کافر کو کلمہ پڑھوا دینا اس سے زیادہ کارِ ثواب اور اسلام کی مفید خدمت ہے۔ کیا حضرت ابو بکر صدیقؓ کا کلمہ پڑھتے ہی حضرت عثمانؓ۔ سعد بن ابی وقاصؓ۔ عبدالرحمن بن عوفؓ۔ طلحہؓ۔ زبیرؓ۔ ابو عبیدہ بن جراحؓ۔ عثمان بن مظعونؓ۔ ابوسلمہؓ۔ ارقم بن ارقمؓ جیسے اکابر صحابہؓ کو حلقہ بگوش اسلام کرا دینا اور مسلمانوں کی جماعت بنا دینا اس سے زیادہ



افضل نہ تھا؟ بقولِ سعدیؒ ہے

وگر خفیہ وہ دل بدست آوری ازاں بہکہ صدرہ لبشخوں بری

دارِ فضیلت توجہگوں میں شرکت - ثابت قدمی اور جرأت ہے۔ بالفعل قتل کرنا تو  
اتفاقی ہے۔ حضرت ابوذر غفاریؓ۔ حضرت سلمان فارسیؓ۔ ابوالدرداءؓ جیسے عند الشیخہ کامل اللہ  
صحابہؓ سے بھی اس کا ثبوت مشکل ہے۔ اور اشجع الناس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف  
ایک شخص تیز نبویؐ سے خراش کی وجہ سے بطور مجزہ قتل ہوا۔

قرمان نامی ایک شخص نے احد میں بروایت ابن ہشام ۹ آدمیوں کو قتل کیا۔ مگر بالآخر  
نوکشی کر لی۔ حسب روایت بخاری ج ۲ ص ۶۱۱ مرفوعاً حضرت خالد بن ولیدؓ سیف اللہ کے  
ہاتھ سے غزوہ موتہ میں فتح ہوئی اور مؤرخین کے بیان کے مطابق آپؐ کے ہاتھ میں ۹ تلواریں  
موتہ میں ٹوٹیں۔ اور بلاشبہ ان کے ہاتھوں کفار زیادہ قتل ہوئے۔ نحوہ از ابی عامر مذکور  
طبقات بن سعد ج ۲ ص ۱۳۳

معلوم ہوا کہ مقتولوں کی کثرت دارِ فضیلت نہیں۔ بلکہ مجموعی طور پر اوصافِ خاصہ  
ہیں۔ جرأتِ صدیقی کے متعلق حضرت علیؓ فرماتے ہیں۔ لوگو! میں تم سے بیان کروں کہ ہم سب  
زیادہ بہادر کون ہے۔؟ حضرت ابوبکر صدیقؓ نہیں جب غزوہ بدر ہوا تو ہم لوگوں نے  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک جھونپڑا بنایا۔ اور ہم نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم کے ساتھ کون رہے گا؟ ایسا نہ ہو کہ مشرکین میں سے کوئی آپؐ کی طرف آئے پس  
خدا کی قسم اس کام کے لیے آپؐ کے قریب کوئی نہ آیا سوائے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے کہ یہ  
تلوار سونت کر آپؐ کے سر ہاتے کھڑے ہو گئے۔ جب کوئی آپؐ کی طرف آنے کا قصد کرتا یہ  
اس کی طرف چھیٹ کر جاتے۔ یہ تمام لوگوں میں سے زیادہ بہادر تھے۔ اس کے بعد حضرت علیؓ  
نے بدھ کا پورا واقعہ بیان کیا۔ (کنز فی المنتخب ج ۵ ص ۲۴)

احد کے موقع پر حضرت ابوبکرؓ نے اپنے بیٹے عبدالرحمن کو قتل کرنا چاہا۔ مگر حضورؐ نے فرمایا  
تلوار میان میں کر کے اپنی جگہ واپس آجاؤ اور اپنی ذات سے ہمیں نفع پہنچاؤ (کشف الغمہ ص ۲۵۳)  
مکی زندگی میں تنہا کفار کے نہ گئے سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو چھڑانا اور تکالیف



سنا پہلے مذکور ہو چکا ہے جو حیرات کا اعلیٰ شاہکار ہے۔ ہجرت کے موقع پر حکیم خداوندی حضور کا حضرت ابوبکرؓ کو ساتھ لینا۔ اور رفاقت غار کے علاوہ سب سفر میں تنہا آپ کی حفاظت فرمانا۔ صدیقی حیرت ہی کا خاصہ ہے۔ مولانا غلام رسول مہر "رسولِ رحمت" میں رقم طراز ہیں۔

"کاشانہ مبارک سے نکل کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ جن کا مکان مکہ مکرمہ کے جنوبی حصے میں تھا۔ شہر سے جنوبی سمت میں چل پڑے۔ چھ میل کے فاصلے پر نور نامی پہاڑ تھا جس کے اندر (بہت اونچائی پر) ایک بڑا غار تھا راستہ سخت پتھریلا اور کنٹھن تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف سے بچانے کیلئے تھوڑی دور تک کندھوں پر بٹھا لیا۔ چلتے وقت وہ کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے کبھی پیچھے کبھی دائیں اور کبھی بائیں ہو جاتے گویا چاہتے تھے کہ ہر سمت سے حضورؐ کی حفاظت میں اپنی جان قربان کر دیں۔ غار کے دھانے پر پہنچ کر حضرت ابوبکرؓ پہلے خود داخل ہوئے اور غار کو خوب صاف کیا۔ اپنے کپڑے پہاڑ پہاڑ گھر تمام سوراخ بند کیے۔ پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف لے گئے۔ اس غار میں رسول کریمؐ اور حضرت ابوبکرؓ نے تین دن اور تین راتیں گزاریں۔"

ساتھ وفاتِ نبوی پر جب صحابہ کرامؓ فرطِ غم سے بے حال ہو رہے تھے۔ حیرتِ صدیقی نے وہاں بھی رہنمائی کی۔ جب مرتدین منکرینِ زکوٰۃ۔ مسیلمہ کے پیروکار اور منافقوں کی سازشوں سے بڑے بڑے اکابر ہراساں ہو گئے تو حیرتِ صدیقی اور عزمِ صاحبِ رسول ہی نے تنہا مقابلے کی ٹھانی اور فرمایا خدا کی قسم اگر مجھے درندے فوج ڈالیں تب بھی میں اسامہؓ کے لشکر کو باہر جانے سے نہ روکوں گا۔ چنانچہ سب صحابہؓ کے حوصلے بلند ہو گئے اور تمام مشکلات پر مکمل فتح پائی۔

ترایت: حضرت سلمہ بن اکیع کا بیان ہے کہ عہدِ نبوی میں ہم نے ابوبکرؓ کیساتھ کفارِ پرہیز کو حملہ کیا اور ان کے متعلق حضرت علی المرتضیٰؓ فرماتے ہیں کہ جس کسی نے بھی ہجرت کی۔

**حیرتِ فاروقی** | جہاں تک مجھے علم ہے چھپ کر کی سوائے حضرت عمرؓ کے کہ جب انہوں نے ہجرت کا ارادہ کیا تو اپنی تنوار گلے میں لٹکائی اور اپنے کندھے پر کمان رکھی اور اپنے ہاتھوں

ان کو قتل کیا اور وہاں سے ہجرت فرمائی



میں نکال کر تیر لیے اور بیت اللہ کے پاس آئے۔ سردارانِ قریش اس کے صحن میں بیٹھے ہوئے تھے بیت اللہ کا پورا طواف کیا پھر مقامِ ابراہیم پر نفل پڑھ کر ایک ایک مشرک کے پاس آئے اور کہا یہ چہرے ذلیل ہو جائیں گے۔ جس کا ارادہ ہو کہ اس کی ماں اسے ناپید کر دے اور اولادِ یتیم ہو جائے اور اس کی بیوی راند ہو وہ مجھ سے اس وادی کے پرے ملے۔ ایک بھی ان میں سے حضرت عمرؓ کے پیچھے نہ گیا۔ (منتخب کنز العمال ج ۲ ص ۳۸۷)

جنگِ بدر میں حضرت عمرؓ نے مشہور پہلوان اپنے ماموں العاص بن ہشام بنہ المغیرہ بن مغیرہ۔ برادر ابو جہل عمرو بن ہشام۔ کو قتل کیا (سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۸۷) پھر کوئی پہلوان آپ کے سامنے آتا ہی تھا۔ جنگِ احد میں حضرت عمرؓ نے ابوسفیان سالارِ لشکر کو صرف پتھروں سے مار بھگایا۔ (سیرت النبیؐ ج ۱ ص ۳۷۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحابؓ کے ساتھ گھاٹی ہی میں تھے کہ اسی شاہ میں قریش کے کچھ لوگ پہاڑ پر چڑھ آئے۔ بروایت ابن ہشام ان چڑھنے والے سالاروں کے سالار خالد بن ولید تھے۔ آخر حضرت عمرؓ بن خطاب اور ہاجرہؓ کی ایک جماعت نے زبردست مقابلہ کر کے انہیں پہاڑ سے اترنے پر مجبور کر دیا۔ (ابن ہشام ج ۲ ص ۵۲ طبری ص ۲۱۱)

احد میں چند اور صحابہؓ کے ساتھ حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ بھی حضورؐ کے ساتھ ثابت قدم رہے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں۔ پھر جب مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شناخت کر لیا تو آپ مسلمانوں کے ساتھ ہو لیے اور ایک گھاٹی کی طرف چلے گئے۔ اس وقت ابو بکر صدیقؓ و عمرؓ بن خطاب۔ علی بن ابی طالب۔ طلحہ بن عبید اللہ۔ زبیر بن عوام۔ حارث بن صمہ اور دوسرے مسلمانوں کا گروہ رضی اللہ عنہم آپ کے ساتھ تھے۔ (سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۵۲)

اور حیات القلوب مجلسی ج ۲ ص ۳۶۶ کی ایک طعن آمیز روایت سے شیخین کی ثابت قدمی کا اعتراف ہے۔ غزوہ خندق میں حضرت عمرؓ کو حضورؐ نے جس حصے پر متعین کیا تھا۔ اور آج وہاں ایک مسجد بھی آپ کے نام کی موجود ہے۔ ایک دن کافروں نے حملہ کا ارادہ کیا تو حضرت عمرؓ نے زبیرؓ کے ساتھ آگے بڑھ کر روکا اور ان کی جماعت درہم برہم کر دی (طبری ص ۲۵۲ الفاروق ص ۹۵) اسی جنگ میں عرب کے مشہور پہلوان ضرارہ سدیی کا تاقب کر کے حضرت عمرؓ نے



بھگا دیا۔ (سیرت النبیؐ ج ۱ ص ۴۲۸)

اس جنگ میں عمرو بن ود جو عرب کا مشہور پہلوان اور ۹۰ برس کا تھا حضرت علیؑ کے ہاتھوں مارا گیا۔ اس نے بطور تحقیر کہا تھا کہ میں تم سے لڑنا نہیں چاہتا۔ آپؑ نے فرمایا میں تو لڑوں گا۔ چنانچہ جوابی حملے میں اسے ڈھیر کر دیا۔

**جرات عثمانی** | حضرت عثمانؓ کا اسلام کی خاطر کفار مکہ سے مظالم سہنا۔ حدیبیہ کے موقع پر تنہا۔ سفارت کے فرائض سر انجام دینا۔ قید ہو جانا مگر حضورؐ کے بغیر طواف سے انکار کرنا۔ بلوایوں کے ہاتھوں شہادت پا جانا مگر خلع خلافت نہ کرنا۔ اور باوجود حضرت معاویہؓ کے اصرار پر حرم مدینہ اور جوار نبویؐ کو نہ چھوڑنا آپؑ کی جرات ایمان اور اخلاص پر کھلے دلائل ہیں۔

الغرض تمام غزوات میں ان حضرات نے شہادت کی۔ لیکن قتل کے واقعات کم پیش آئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ حضرات نسبت حضرت علیؑ کے معمر تھے۔ حضور علیہ السلام ان سے سپاہیانہ خدمات لینے کے بجائے بطور وزیر و مشیر اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ اور خصوصی محافظ بھی ہوتے تھے۔ جیسے خود حضرت علیؑ نے حضرت حسن و حسینؑ سے جنگ جمل و صفین میں جنگی خدمات کم لیں۔ ہر ممکن تحفظ کی کوشش کی۔ بدر میں حضرت ابوبکرؓ و عرش میں آپؑ کے باڈی گارڈ رہے۔ حضرت عثمانؓ آپؑ کے فرمان کے مطابق حضرت رقیہؓ کی تیمارداری میں مدینہ میں رہے۔ اور آپؑ نے ان کو عینیت اور ثواب کا پورا حصہ دلایا۔ احد میں حضرت ابوبکرؓ کی محافظانہ حیثیت رہی اور حضورؐ نے عام حملہ سے روکے رکھا۔ ہاں حضرت عمرؓ نے نمایاں خدمات سر انجام دیں۔ متعدد غزوات میں حضورؐ نے حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کو سپہ سالار بھی بنایا بخاری ج ۲ ص ۶۱۲ کتاب المغازی میں سلمہ بن اکوعؓ کا بیان ہے کہ ۹ جنگی سرایا میں حضورؐ کے بھیجے ہوئے لشکر میں میں بھی تھا۔ علینا صۃ ابوبکر و صۃ اسامہؓ۔ کبھی حضرت ابوبکرؓ کو امیر لشکر بنایا اور کبھی حضرت اسامہ بن زیدؓ کو۔ "امشدا علی الکفار۔ قیصر و کسریٰ کی حکومتیں الٹ دیں اور نصف مملوک دنیا کو فتح کر کے لا الہ الا اللہ کا جھنڈا گاڑ دیں۔ اس میں زیادہ کمال ہے یا بالفعل دو چار کافروں کو قتل کرنے میں زیادہ بہادری ہے۔ کیا بادشاہ، وزیر یا جنرل



کی کامیابی صرف اسی میں ہے کہ وہ سپاہی کی حیثیت سے دوچار قتل خود کریں۔ خدا معترف کو عقل دے۔

**شجاعت کے اثرات میں تقابل** | حضرت علیؓ تلوار سے اس قدر رعب اور اصلاحی کام نہیں کر سکے جس قدر حضرت عمرؓ نے درہ ہاتھ

میں رکھنے سے کیا۔ اپنی خلافت کے دوران حضرت عمرؓ تلوار کے بجائے صرف درہ ہاتھ میں رکھتے تھے۔ مگر آپ کے رعب و دبدبہ سے انتظام حکومت بھی ٹھیک تھا اور بڑے بڑے بادشاہ بھی تھرتھرتے تھے۔ ادھر سیدنا علیؓ ذوالفقار ہاتھ میں لے کر جہل و صفین میں کشتیوں کے پشتے لگا رہے ہیں مگر مخالف کو اپنے مقصد میں کام کر دینا تو کجا خود آپ کے فوجی بھی درست نہیں رہتے۔ نہ آپ کے کنٹرول میں رہ کر اطاعت و وفاداری کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ آپ تمنا کرتے ہیں کہ کاش معاویہ میرے دس دس سپاہیوں کے بدلے میں ایک ایک سپاہی دے دیتا تو ابھی یہ نکتہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ چار ناموں کے سوا شیخین کا کسی سے مقابلہ یا قتل کفار و ایثار

میں نہ ملتا۔ بالکل نفی کی دلیل نہیں ہے۔ کیا ضروری ہے کہ ہر مقتول کا نام و پتہ ہم تک بھی پہنچے۔ حضرت علیؓ کے مقتولین کے بھی ابن ہشام نے درجن سے کچھ زائد نام بتائے ہیں حالانکہ قتل ان سے کچھ زیادہ ہوئے ہوں گے۔ معلوم ہوا کہ مشہور کلیہ کے مطابق عدم ذکر شئی عدم وجود شئی کو مستلزم نہیں۔ دراصل شیعہ حضرات کا مذہب ہی صحابہ کرامؓ پر طعن و تبرا بازی ہے وہ کسی طرح حملہ کا بہانہ تلاش کرتے ہیں۔ ورنہ حضرت طلحہؓ زبیرؓ

ابو عبیدہ بن الجراحؓ۔ سعد بن ابی وقاصؓ۔ عبدالرحمن بن عوفؓ وغیرہم رضی اللہ عنہم ہر بات اور جنگی خدمات میں حضرت علیؓ کے ہمسر رہے ہیں۔ ان کے مقتولوں کی تعداد بھی بکثرت ہے۔ احد کے نازک موقع پر حضورؐ کی خدمت میں حضرت سعدؓ طلحہؓ اور ابو عبیدہؓ یقیناً حضرت علیؓ سے بھی آگے ہیں جیسا کہ سیرت کے طالب علم پرہیزی نہیں ہے۔ پھر کیوں شیعہ ان کی بہادری، خدمات بلکہ ایمان کا بھی اعتراف نہیں کرتے اور کوستے رہتے ہیں؟

درحقیقت شیعہ کو صحابہ کرامؓ سے بعض یا چند حضرات سے دعویٰ الفت اس بنا پر ہے ہی نہیں کہ ان کی اسلام کی اشاعت اور نصرت پیغمبرؐ میں خدمات کم و بیش ہیں۔ بلکہ اس



کے برعکس وہ محبت و نفرت کا معیار حضرت علیؑ کی خلافتِ بدافصل کو بناتے ہیں۔ انکے خیال میں تین چار حضرات حضرت علیؑ کے خواہاں تھے۔ حالانکہ یہ وہم ہی ہے۔ وہ انہی کو مؤمن مانتے باقی سب کو بے ایمان (العیاذ باللہ) مانتے ہیں۔ خواہ وہ اسلام کے کتنے بڑے خادم ہوں۔ یا پیغمبرِ اسلام کے قریب ترین رشتہ دار ہوں۔

بلاشبہ حضرت علیؑ صحابہ کرامؓ میں بلند پایہ عالم ہیں۔ مگر حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ آپ سے کسی طرح کم نہ تھے۔ بلکہ زائد تھے۔ اس پر چند شہادتیں ملاحظہ ہوں۔

**علم صدیقیؓ** ۱۔ حضرت ابن عمرؓ سے پوچھا گیا کہ کواریہ صاحبِ حضورؐ کے زمانہ میں فتویٰ دیتے تھے تو جواب دیا کہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ رضی اللہ عنہما ان کے علاوہ مجھے کسی دوسرے کا علم نہیں۔ (ابن سعد ج ۲ ص ۱۵۱)

۲۔ قاسم بن محمد نے بیان کیا کہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں فتویٰ دیتے تھے۔ (ایضاً ابن سعد)

۳۔ سہل بن ابی خثیمہ نے بیان کیا ہے۔ وہ حضرات جو حضورؐ کے زمانہ میں فتویٰ دیتے تھے۔ تین نفر ہاجرین میں سے تھے اور تین نفر انصاریں سے۔ حضرت عمرؓ۔ حضرت عثمانؓ۔ حضرت علیؓ۔ ابی بن کعب۔ معاذ بن جبل۔ زبیر بن ثابت رضی اللہ عنہم داہن سعد ج ۲ ص ۱۶۶

۴۔ حضرت عائشہؓ سے ایک روایت میں ہے اور انہوں نے اپنی حدیث بیان کی۔ ایسا نہیں ہوا کہ صحابہ کرامؓ نے کسی نقطہ میں اختلاف کیا مگر میرا باپ اس کے میدان اور اس کی فصل تک ضرور اڑا۔ لوگوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہاں دفن کیے جائیں گے۔ ہم نے کسی کے پاس اس کا علم نہیں پایا تو حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا۔ میں نے حضورؐ سے سنا ہے کہ کوئی نبی ایسا نہیں کہ جس کو کسی جگہ وفات دی گئی ہو مگر وہ اس کی وفات کی جگہ دفن کیا گیا ہے۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا۔ صحابہ کرامؓ نے آپ کی میراث کے بارے میں اختلاف کیا تو کسی کے پاس اس کا علم نہیں پایا تو حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ میں نے حضورؐ سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ ہم انبیاءؑ کی جماعت میں ہمارا کوئی وارث نہیں



بنایا جاتا۔ جو کچھ ہم چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہے۔ (حیات الصحابہ ج ۳ از نبوی و ابن عساکر)  
 ۵۔ علامہ ابن تیمیہؒ منہاج السنۃ میں لکھتے ہیں۔

مالغین زکوٰۃ سے نبرد آزما ہونے میں تنازعہ ہوا تو آپ نے نص کی روشنی میں  
 حضرت عمرؓ پر اس کی حقیقت واضح کی۔ لتدخلن المسجد الحرام ان شاء اللہ اہلین  
 اگر خدا نے چاہا تو تم خانہ کعبہ میں کابل امن و امان سے داخل ہو گے۔ حضرت ابو بکرؓ نے آنحضرتؐ  
 کے اس ارشاد کی تشریح کی تھی کہ اپنے بندے کو اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا تھا کہ وہ دنیا و آخرت  
 میں سے جسے چاہے پسند کر لے (کہ وہ حضورؐ کی ذات تھی) وکان ابو بکر اعلمنا حضرت ابو بکرؓ  
 ہم نے زیادہ عالم تھے۔ (از انسؓ در بخاری)

حضرت ابو بکرؓ نے صحابہؓ کو بتایا کہ کلام کہتے ہیں حضرت علیؓ نے بھی آپؐ استفادہ  
 کیا تھا۔ بہت سے علماء نے اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ اعلم الصحابہؓ  
 تھے۔ منصور بن سحافؒ نے بھی اس پر اجماع نقل کیا ہے۔

۶۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میرے بعد حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ کی پیروی  
 کرو۔ (ترمذی)

۷۔ صحیح مسلم میں ہے کہ آنحضرتؐ کے ساتھ دو ملان سفر بہت سے مسلمان تھے۔ آپؐ نے  
 فرمایا اگر لوگ ابو بکرؓ و عمرؓ کی اطاعت کریں گے تو راہِ راست پر قائم رہیں گے۔ آنحضرتؐ سے  
 مروی ہے کہ آپؐ نے ابو بکرؓ و عمرؓ کے حق میں فرمایا۔ جب تم دونوں کسی بات پر متفق ہو  
 جاؤ گے میں تمہاری مخالفت نہیں کروں گا۔ حضرت ابن عباسؓ سے ثابت ہے کہ جب  
 وہ کتاب و سنت میں کوئی نص نہ پاتے تو حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ کے قول کے مطابق فتویٰ  
 دیتے تھے۔ (بحوالہ المنتقى ۴۲۷-۴۲۸)

۸۔ صحیحین کی حدیث میں ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا تھا اللہ کی قسم میں ان لوگوں  
 سے لڑوں گا جو نماز اور زکوٰۃ میں (رکن کے لحاظ سے) فرق کریں گے۔ شیخ ابواسحاق الفرائی  
 وغیرہ نے استدلال کیا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ سب سے زیادہ عالم تھے۔ اس مسئلہ کا حل صرف آپؐ  
 نے بتلایا اور صحابہؓ نے اتفاق کیا۔



۹۔ حضور کا حضرت ابو بکرؓ کو امام نماز بنانا افضلیت اور اعلم ہونے کی دلیل تھی کیونکہ آپ کا ارشاد ہے۔ لوگوں کو وہ نماز پڑھائے جو ان سے زیادہ کتاب اللہ پڑھنے والا ہو۔ چنانچہ ترمذی میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس قوم میں ابو بکرؓ ہوں ان میں سے کسی اور کو جماعت کرنا مناسب نہیں۔ کیونکہ آپ ہی سب سے زیادہ سنت نبوی کے عالم تھے جیسے صحابہ کرامؓ متنی۔ و مواقع میں آپ کی طرف رجوع کرتے اور آپ سنت نبوی ان پر ظاہر کرتے اور ایسے مسائل جانتے تھے جو صحابہ کرامؓ کو معلوم نہ ہوتے تھے۔ (تاریخ الخلفاء ص ۳۹)

۱۰۔ آپ کا تفوق علمی اس سے بھی ظاہر ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے سقیفہ کے دن اپنی فی البدیہہ تقریر میں کوئی چیز جو قرآن میں انصار کے فضائل میں اتاری نہ تھی اور نہ کوئی ایسی حدیث جو حضورؐ نے انصار کے بارے میں فرمائی تھی مگر سب کا تذکرہ کیا۔ (کنز العمال ج ۳ ص ۱۳۴ والمقتبی ج ۵ ص ۱۹۱)

۱۱۔ عمدہ جاہلیت کے علوم۔ علم الانساب۔ علم تعبیر الریاء اور خطابت میں جب آپ سب سے زیادہ عالم تھے۔ (تاریخ الخلفاء ص ۱۳۴) علم شریعت جو صحبت نبوی کا عکس تھا اور آپ کو شرف صحبت سب سے زیادہ ملا تھا۔ اس میں آپ سب صحابہؓ سے بڑے عالم کیوں نہ ہوں۔

حضرت عمرؓ کا علم | ۱۔ بخاری و مسلم میں مرفوع حدیث ہے کہ حضورؐ نے فرمایا مجھے خواب میں ایک پیالہ پیش کیا گیا جس میں دودھ تھا وہ میں نے پی لیا یہاں تک کہ میرے ناخنوں میں ظاہر ہونے لگا جو پچ گیا وہ میں نے عمرؓ کو دے دیا۔ صحابہؓ نے عرض کی آپ نے اس کی کیا تعبیر ارشاد فرمائی۔ فرمایا دودھ سے مراد علم ہے۔

۲۔ ترمذی میں حضرت عقبہ بن عامرؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو حضرت عمرؓ ہوتے۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔



۳۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا اجم سابقہ میں ملہم موجود تھے۔ اگر میری امت میں کوئی ملہم ہوا تو وہ عمرؓ ہیں۔ (المفتی احمد ۷۳)

۴۔ یہ اسی الہامِ اصابتِ رائے اور فراستِ ایمانی کا اثر تھا کہ دو درجن کے قریب احکام اور قرآنی آیات اتریں۔ جیسے آپؐ نے خواہش کا اظہار کیا تھا۔ (ملاحظہ ہو تاریخ الخلفاء ۹۶)

۵۔ بروایت ابو وائل حضرت عبداللہؓ نے فرمایا کہ اگر حضرت عمرؓ کا علم نرازدو کے ایک پلڑے میں رکھا جائے تو حضرت عمرؓ کا علم ان سب کے علم سے وزنی ہوگا۔ وکیعؒ کہتے ہیں۔ میں نے ابراہیم نخعیؒ سے اس کا ذکر کیا تو فرمایا خدا کی قسم حضرت عبداللہؓ نے اس سے بھی بڑھ کر بات کہی ہے۔ کہ بے شک ۹ حصے علم کے اٹھ گئے جس دن سے حضرت عمرؓ نے وفات پائی۔ (طبرانی و سیثمی ج ۹ و حاکم)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے بیان کیا ہے بے شک حضرت عمرؓ اللہ کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے اور ہم سب سے زیادہ کتاب اللہ کے پڑھنے والے تھے اور اللہ کے دین کے بارے میں ہم سب سے زیادہ مجاہد تھے۔ (مجمع الزوائد ج ۹ ص ۶۹)

۶۔ حضرت حذیفہؓ نے فرمایا گویا کہ لوگوں کا علم حضرت عمرؓ کے ساتھ قبر میں دفنایا گیا۔ (حیۃ الصحابہ ج ۳ ص ۲۹۳ از ابن سعد)

۷۔ مدینہ کے ایک شخص نے بیان کیا کہ میں حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو فقہ کا ان کے پاس بچوں جیسا حال تھا۔ ان سب پر حضرت عمرؓ فقہ اور علم میں غالب تھے۔ (ایضاً از ابن سعد)

۸۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں۔ جب تک شکوے کا ذکر ہوگا تو حضرت عمرؓ کو مبارک کہی جائے گی۔ بے شک عمرؓ ہم سب سے زیادہ کتاب اللہ کو جاننے والے تھے اور اللہ کے دین کے زیادہ سمجھ دار تھے۔ (طبرانی)

۹۔ حضرت علیؓ سے آپؐ کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا۔ آپؐ میں بختگی۔ فراست و ہوشیاری علم اور شرافت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ (تاریخ الخلفاء ص ۹۵)

۱۰۔ حضرت قبیصہ بن جابرؓ فرماتے ہیں خدا کی قسم میں نے حضرت ابو بکرؓ سے بہتر اور



رعایا پر شفیق کوئی نہیں دیکھا۔ اور میں نے حضرت عمرؓ کے سوا۔ کتاب اللہ کا بڑا عالم۔ اللہ کے دین کا بڑا سمجھ دار۔ اللہ کی حدوں کو زیادہ قائم کرنے والا۔ اور لوگوں کے دلوں میں زیادہ بارعب نہیں دیکھا اور حضرت عثمانؓ سے بڑھ کر زیادہ حیا والا نہیں دیکھا (ابن الاثیر ج ۱ ص ۳)۔  
**علم عثمانی** ۱۔ حضرت عثمانؓ بھی بڑے عالم تھے۔ حضورؐ کے زمانہ میں فتویٰ دیتے تھے۔ جیسے پہلے گزر چکا ہے۔

۲۔ آپ سے زیادہ تراحدیث حضرت زید بن خالد جہنی ابن الزبیر۔ سائب بن زید۔ انس بن مالک۔ زید بن ثابت۔ سلمہ بن الاکوع۔ ابوامامہ باہلی۔ ابن عباس۔ ابن عمر۔ عبد اللہ بن مسعود۔ ابو قتادہ اور ابو ہریرہ وغیرہم رضوان اللہ علیہم اجمعین فاضل صحابہؓ نے روایات کی ہیں۔ اور تابعین کی تعداد شمار سے باہر ہے۔

۳۔ ابن سعد نے حضرت عبد الرحمن بن ابی حاتمؓ سے روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہؐ کے صحابہؓ میں سے حضرت عثمانؓ سے بڑھ کر زیادہ مکمل اور بہتر طریق پر حدیثیں بیان کرنے والا نہیں دیکھا۔ مگر یہ کہ حدیث بیان کرنے سے آپؐ ڈرتے بہت تھے۔ (مبادا الفاظ حدیث میں کمی بیشی ہو جائے)۔ (تاریخ الخلفاء ص ۱۱۶)

غالباً یہی وجہ ہے کہ حضرت عمرؓ و علیؓ وغیرہ فقہاء صحابہؓ کی یہ نسبت آپؐ سے احادیث کم مروی ہیں۔ کم گوئی اور شدت حیا کا ان چیزوں پر اثر پڑ گیا۔ ورنہ علم میں آپؐ کم نہ تھے جیسے۔ ۴۔ محمد بن سیرین کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ مناسک و مسائل حج کو سب سے زیادہ جانتے تھے۔ (ایضاً ص ۱۶)

۵۔ اور آپؐ کے فقہی فیصلے بدستور شیخینؓ کے ہم پلہ تھے۔ جیسے علیہ بن عبد اللہ بن عتبہ حضرت ابن عباسؓ کی مدح میں فرماتے ہیں۔ . . . کہ میں نے کسی کو حضرت ابن عباسؓ سے بڑھ کر حضرت ابوبکرؓ۔ عمرؓ۔ عثمانؓ رضی اللہ عنہم کے فیصلوں کو جاننے والا نہ دیکھا (از ابن سعد ج ۱ ص ۱۸۳۔ حیات الصحابہؓ ج ۳ ص ۲۹۹)

۶۔ آپؐ کے علم میں کون شک و شبہ کر سکتا ہے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی مدح یوں فرمائی ہے۔



”آیا وہ شخص جو رات بھر سجدے اور قیام میں اللہ کی عبادت کرتا ہے۔ آخرت سے ڈرتا اور خدا کی رحمت کا امیدوار ہے۔ آپ فرمائیے کیا عالم اور غیر عالم برابر ہو سکتے ہیں؟ بلاشبہ عقلمندی ہی نصیحت پکڑتے ہیں (زمرع ۲)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں یہ آیت حضرت عثمانؓ کے حق میں نازل ہوئی (آخر حصہ الواحدی والحاکی والفضائل) ریاض النضر فی مناقب العشرة<sup>۱۳۶</sup> احلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۵۶

علم رضوی | حضرت علیؓ کے علم کی بھی ایک جھلک ملاحظہ کر لیں۔  
۱۔ آپ بھی حضورؐ کے زمانے میں مفتی تھے۔

۲۔ مسروق کہتے ہیں کہ میں نے صحابہ کرامؓ کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ تو یہ پایا کہ ان کا علم چھ حضرات پر ختم ہے۔ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، معاذ بن جبلؓ، ابو الدرداءؓ، اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم۔ پھر ان سب کا مدار حضرت علیؓ و عبداللہ بن مسعودؓ پر ہے (حیات الصحابہؓ ج ۳ ص ۲۹۹)

۳۔ طبرانی کی ایک مرفوعہ حدیث میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت فاطمہؓ کی شکایات کے جواب میں ان کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا میں نے تیری شادی اس سے کی ہے جو سب سے پہلے اسلام لائے والا اور بڑا عالم ہے اور شہداء بارے۔ (حیات الصحابہؓ ج ۳ ص ۲۹۵)

۴۔ کوفہ کے باشندوں سے حضرت علیؓ فرمایا کرتے تھے خدا کی قسم کوئی آیت ایسی نہیں آئی جس کو میں نہ جانتا ہوں کہ کس کے بارے میں اتنی اور کہاں کہیں لوگوں کے منقلب آئی بے شک میرے رب نے مجھے سمجھا دیا اور فصیح زبان عطا فرمائی ہے۔

۵۔ یحییٰ بن سعید بن المسیبؓ نے بیان کیا کہ حضرت عمرؓ اس مشکل مسئلہ کے لیے بنا ہ مانگتے تھے جس کے لیے ابوالحسن (حضرت علیؓ) موجود نہ ہوں۔ (از ابن سعد حیات الصحابہؓ ج ۳ ص ۲۹۵)

(نوٹ) خلفاء اربعہؓ کے علم و فضل پر اور بھی کئی شہادتیں مل سکتی ہیں۔ جو آدمی فیصلہ نہ کر سکے تو وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اور تمام صحابہؓ کو حکم مقرر کر لے حضورؐ نے جن کو امام نماز بنایا۔ اور اپنے بعد پیروی کا حکم دیا اور سب صحابہ کرامؓ نے ان پر اتفاق کیا۔ وہی افضل اور ثبے عالم ہیں۔



**عبادت میں موازنہ** | حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ نے ایک لشکر بھیجا جو بڑی جلدی فتح پا کر بہت بڑی غنیمت لے کر واپس آگیا۔ کسی نے کہا یا رسول اللہ اس سے زیادہ غنیمت والا اور جلدی لوٹنے والا ہم نے لشکر نہیں دیکھا تو آپ نے فرمایا کیا میں تم کو نہ بتلاؤں کہ جو لوٹتے ہیں ان سے بھی زیادہ سریع ہو اور غنیمت میں ان سے زیادہ۔ وہ وہ آدمی ہے جس نے وضو کیا اور اچھا وضو کیا۔ پھر سجدہ کا قصد کیا اور اس میں صبح کی نماز پڑھی پھر اس کے بعد نماز چاشت ادا کی وہ لوٹنے میں زیادہ سریع رہا اور غنیمت میں بہت بڑا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ وہ آدمی حضرت ابوبکرؓ ہیں۔ (حیات الصحابہ ج ۳ ص ۵۷۱)

۲۔ حضرت یحییٰ بن سعید سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکرؓ شروع رات میں وتر پڑھتے اور جب آپ نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوتے تو دو دو رکعت کر کے پڑھتے۔ (البیہار ص ۱۸۱)

۳۔ حضرت ابوبکرؓ کا مکہ میں گھر کے سامنے چوترا بنا کر نماز پڑھنا۔ سوز و گداز سے قرآن پڑھنا اور رونا جتنی کہ مشرکین کی عینوں اور بچوں کا اسلام کی طرف مائل ہونا اور کفار کا شکایت کرنا تکالیف دینا۔ پھر ابن دغنے کا پناہ دینا مگر حضرت کا واپس کر دینا۔ کتب سیرت سے حوالہ کی حاجت نہیں۔

۴۔ حضرت سہل بن سعدؓ نے فرمایا حضرت ابوبکرؓ نماز میں اپنی کسی جانب التفات نہیں کرتے تھے۔ (منتخب الکثر)

۵۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ جب سورۃ قمر کا پہلا حصہ نازل ہوا تو صحابہ کرامؓ قریب قریب رمضان کے مہینے کے (ناسخ) قیام کے قیام کرتے تھے۔ اور اس سورۃ کے شروع و اخیر میں سال بھر کا فاصلہ تھا۔

۶۔ حضرت عثمانؓ بن ابی العاص نے حضرت عمرؓ کی ایک بیوہ سے محض اس لیے شادی کی کہ ان سے رات کی نماز کا پوچھیں۔ وہ فرماتی ہیں۔ حضرت عمرؓ عشاء کی نماز پڑھتے پھر حکم دیتے کہ ہم ان کے سر پر پانی سے بھر کر بنیل کا گھڑا رکھ دیں۔ وہ رات کو بیدار ہوتے تو اپنا ہاتھ پانی میں ڈالتے اور اپنے چہرے اور ہاتھ پر پھیرتے۔ اس کے بعد اللہ کا ذکر کرتے رہتے جب تک



ذکر کرنا چاہتے۔ پھر اس طرح کئی دفعہ بیدار ہوتے۔ یہاں تک کہ وہ ساعت آجاتی جس میں یہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے۔ (طبرانی رجالہ، ثقات)

حضرت سعید بن المسیبؓ نے کہا کہ حضرت عمرؓ بن خطاب رات کے جگر یعنی وسط میں نماز پڑھنا پسند کرتے تھے۔ (کنز)

۸۔ حضرت اسلم سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ بن خطاب جب تک اللہ چاہتا کہ وہ نماز پڑھیں وہ نماز پڑھتے۔ یہاں تک کہ جب ادھی رات ہوتی تو اپنے اہل کو نماز کے لیے بیدار کرتے پھر ان سے کہتے الصلوٰۃ اور یہ آیت پڑھتے۔ (وَأَمَّا أَهْلُكَ بِالصَّلَاةِ فَسَيُؤْتِيهِمُ الْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوَىٰ تَتَكَلَّمُ) (آخر حیدر ملک والبیہقی)

۹۔ حضرت عبداللہ بن شداد نے فرمایا۔ میں نے صبح کی نماز میں حضرت عمرؓ کے رونے کی آواز سنی۔ میں آخری صف میں تھا۔ آپ سورہ یوسف پڑھتے تھے اور اس آیت پر پہنچے اِنہا اشکوا بشی وحزن فی الی اللہ۔ میں تو صرف اللہ سے اپنے حزن و غم کی شکایت کرتا ہوں۔ (عبدالرزاق وابن ابی شیبہ)

۱۰۔ حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے فرمایا کہ میں نے حضرت عمرؓ کے پیچھے نماز پڑھی تو میں نے ان کے رونے کی آواز میں صفوں کے پیچھے سے سنی۔ (البیہقی)

۱۱۔ حضرت عثمانؓ تو گویا رئیس العابدین تھے۔ ہر روایت ابن عمرؓ آیت امن ہو قانت انا واللہ ساجد وقانتا الخ کیا وہ شخص جو رات کے اوقات میں سجدے اور قیام میں عباد کرتا ہے کا نزول حضرت عثمانؓ کی شان میں بیان ہو چکا ہے (روافی حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۵۶) ۱۲۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ ان لوگوں میں سے تھے جو ایمان لائے اور اچھے اعمال بجالائے پھر متقی رہے اور مومن رہے پھر تقویٰ اختیار کیا اور نیکی کی۔ اللہ نیکی کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ (حلیۃ الاولیاء ص ۵۶)

۱۳۔ حضرت ابن عمرؓ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے راوی ہیں کہ حضرت عثمانؓ میری امت میں سب سے زیادہ جبار اور شریف ہیں۔ (القیاض)

۱۴۔ نیز حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ قریش کے تین آدمی سب سے زیادہ حسین سب سے



زیادہ خوش اخلاق اور سب سے بڑے حیا دار ہیں۔ اگر آپ سے بات کریں تو جھوٹ نہ بولینگے  
اگر آپ ان سے بات کریں تو آپ کو نہیں چمٹائیں گے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ عثمان بن عفان۔ ابو  
عبیدہ بن الجراح۔ (ایضاً)

۱۵۔ زہیمہ کہتی ہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ عمر بھر روزے رکھتے تھے اور معمولی نیند کے سوا  
سب رات عبادت میں کھڑے رہتے۔

۱۶۔ عبد الرحمن بنی کا بیان ہے کہ میں نے ارادہ کیا کہ آج میں مقام ابراہیم پر قابض ہو کر  
عبادت کروں گا جب میں عشاء کی نماز پڑھ کر مقام ابراہیم پر گیا تو ایک شخص نے میرے  
کنڈھوں کے درمیان ہاتھ رکھا۔ وہ عثمان بن عفان تھے۔ فاتحہ شروع کی اور پڑھتے  
ہی پڑھتے سارا قرآن ختم کر دیا۔ پھر رکوع اور سجدہ کر کے (دور کثرت پوری کیں اور) جوتا  
لے کر چلے گئے۔ مجھے معلوم نہیں اس سے پہلے کچھ پڑھایا نہیں۔

۱۷۔ حضرت انس بن مالک اور نائلہ زوجہ عثمان رضی اللہ عنہ سے فرماتی تھیں۔ اگر تم ان  
کو قتل کر دیا چھوڑو بہر حال یہ ایک رکعت میں سارا قرآن پڑھتے اور پوری رات گانے  
پہن۔ (حلیۃ الاولیاء ص ۵۶)

۱۸۔ مسروق نے اشتر نخعی سے کہا تھا۔ کیا تم نے عثمان کو قتل کیا؟ ظالمو! تم نے  
صائم الدبر اور قائم اللیل کو قتل کیا۔ (ایضاً)

۱۹۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۹ میں حافظ ذہبی نے لکھا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان لوگوں  
تھے۔ جو علم عمل۔ روزہ۔ تہجد۔ استقامت۔ جہاد فی سبیل اللہ اور صلہ رحمی کے جامع  
ہوتے ہیں۔ اللہ و افضل کا ستیا ناس کرے۔

۲۰۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق لوگوں کی شکایت کے جواب میں آپ نے فرمایا۔ لوگو! علی رضی اللہ عنہ کی  
شکایت نہ کرو۔ بخدا وہ اللہ کی ذات میں خوب ڈرنے والے ہیں۔ (حلیۃ الاولیاء ص ۶۸)

۲۱۔ امام زہری حضرت زین العابدین سے بروایت حضرت حسین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ میں نے  
حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سنا ہے۔ فرماتے تھے۔ میں اور فاطمہؓ سحری کے وقت سوئے ہوئے تھے۔ تو  
حضورؐ ہمارے پاس آئے اور دروازے پر کھڑے ہو کر کہا کیا تم نماز (تہجد) نہیں پڑھتے؟



میں نے جواب دیا۔ یا رسول اللہ! ہماری جان اللہ کے قبضے میں ہے۔ جب وہ اٹھانا چاہے تو اٹھادیتا ہے۔ حضورؐ واپس ہو گئے اور جواب نہ دیا۔ میں نے سنا کہ جاتے وقت فرماتے تھے اور ہاتھ ران پر مارتے تھے کہ انسان بڑا جھگڑالو ہے۔ (حلیۃ الاولیاء ص ۶۸)

۲۲۔ حکایات صحابہؓ ص ۶۹ پر ہے کہ حضرت علیؓ کی عادت تشریفہ یہ تھی کہ جب نماز کا وقت آجاتا تو بدن میں کچپی آجاتی اور چہرہ زرد ہو جاتا کسی نے پوچھا یہ کیا بات ہے؟ فرمایا کہ اس امانت کا وقت ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے زمینوں اور پہاڑوں پر اتارا تو وہ اس کے تحمل سے عاجز آگئے۔ اور میں نے اس کا تحمل کیا ہے۔

۲۳۔ ابواسحاق سجستانی نے بیان کیا ہے کہ حضرت علیؓ بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی پہلی رات میں عبادت کے لیے نکلے۔ قنایلیں روشن تھیں۔ کتاب اللہ کی تلاوت کی جا رہی تھی تو حضرت علیؓ نے فرمایا اے ابن خطاب اللہ تیری قبر کو منور کر دے جس طرح پہرہ کہ تو نے اللہ کی مسجدوں کو قرآن سے منور کر دیا ہے۔ (کنز فی السنن ج ۴ ص ۲۸۴)

اس وصف میں بھی ہم بجا طور پر کہتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ رضی اللہ عنہ سناوت میں موازنہ اور حضرت عثمان غنیؓ سے بڑھ کر کسی کی سناوت و فیاضی اور ایثار مالی نہیں ہے۔ حاتم طائیؓ کے قصے ان کے مقابلے میں لاشعے ہیں۔ ان کی فیاضی اور زہد و قناعت پر ایک شیعہ عالم محقق جیلانی نے کیا خوب شہادت دی ہے۔

انہا نفوس خود را از اموال باز داشتند  
و شیوہ زہد و دنیا پیش گرفتند و رغبت بدینا  
و زینت آنرا ترک کردند و قناعت با قلیل و  
اکل خشن و لباس کرباس ملک خود ساختند در  
حالتیکہ اموال برائے ایشان حاصل و دنیا رو  
کردہ بود و اکن را در میان قوم خود قسمت میکردند  
و خود را بآن اصلاً آلود نمی کردند (فتح السبل بحوالہ  
تفسیر آیات قرآنی ص ۱۳۸)

ترجمہ۔ تینوں خلقا نے اپنے آپ کو مال دنیا سے  
علیحدہ رکھا اور دنیا میں زہد کا طریقہ اختیار کیا  
اور دنیا کی طرف رغبت اور اس کی زینت کو ترک  
کر دیا اور تھوڑی چیز پر قناعت کرنا اور بوٹا  
کھانا اور ٹاٹ پہنا اختیار کیا جس وقت کہ  
مال ان کے لیے موجود تھے اور ان لوگوں پر  
تقسیم کرتے تھے اور اپنے کو اس کے ساتھ آلودہ  
نہ کرتے تھے۔



۱۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا تم میں سے آج کون روزہ سے ہے۔ ابو بکرؓ نے کہا میں ہوں۔ فرمایا کہ تم میں سے کسی نے جنازہ کو الوداع کیا ہے۔ ابو بکرؓ نے کہا میں ہوں نے جنازہ پڑھا ہے۔ پھر آپؐ نے دریافت کیا کیا تم میں سے کسی نے صدقہ دیا ہے ابو بکرؓ نے کہا میں نے صدقہ دیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا جس شخص میں یہ سب باتیں جمع ہو جائیں وہ جنتی شخص ہے۔

۲۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ابو بکرؓ کے مال سے جس قدر مجھے نفع پہنچا دوسرے کسی کے مال سے نہیں پہنچا۔ (صحیحین)

۳۔ بخاری و مسلم میں روایت کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”صحبت اور رفاقت اور اتفاق مال کے اعتبار سے ابو بکرؓ میرے سب سے بڑے محسن ہیں اور اگر میں کسی کو سوائے اللہ کے مقام غلت سے نوازتا تو ابو بکرؓ کو بناتا لیکن اسلامی انوث و نبوت قائم ہے مسجد نبویؐ کی طرف کھلنے والی کھڑکیاں بند کر دی جائیں مگر ابو بکرؓ کی کھلی رہے۔“ (ص ۶۵۳)

۴۔ ترمذی و ابوداؤد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے ہمیں صدقہ کرنے کا حکم دیا۔ میرے پاس ان دنوں مال کافی تھا میں نے کہا آج میں ابو بکرؓ سے بڑھ جاؤنگا چنانچہ میں نے آدھا مال لا کر حضورؐ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ حضورؐ نے پوچھا بال بچوں کے لیے کیا باقی چھوڑا میں نے کہا اس کے برابر حضرت ابو بکرؓ گھر کا تمام اثاثہ لے آئے۔ آپؐ نے ان سے پوچھا۔ گھر میں کیا باقی چھوڑا؟ عرض کیا خدا اور رسولؐ کا نام ہے

پر وائے کو شمع ہے بلبل کو پھول بس صدیق کے لیے ہے خدا و رسولؐ بس

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں میں نے کہا اس کے بعد میں کبھی ابو بکرؓ کا مقابلہ نہیں کروں گا۔

۵۔ ابن عساکر و ابن زبیر سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ جس دن ایمان لائے تو ہم ہزار دینار یا درہم کے مالک تھے۔ وہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر۔ اور غلاموں کے آزاد کرانے پر۔ خرچ کر دیئے۔ حضرت ابن عمرؓ بھی کہتے ہیں کہ اسلام کے دن حضرت ابو بکرؓ کے پاس چالیس ہزار درہم تھے۔ جب ہجرت الی المدینہ کی تو صرف پانچ ہزار تھے جو سب ساتھ لے لیے تھے۔ اور یہ سب مال غلاموں کو آزاد کرنے اور خدمت اسلام میں صرف کیے۔



۶۔ ابن عباسؓ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے سات وہ غلام آزاد کرانے جو سب اللہ کے رستے میں عذاب پاتے تھے (تاریخ الخلفاء، للسیوطی ص ۳۸) حضرت بلالؓ وغیرہ کی آزادی کا ذکر حیات انقلوب، کشف الغمہ وغیرہ کتب شیعہ میں بھی ہے۔

۷۔ ترمذی نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہمارے ذمہ کسی کا احسان نہیں ہے مگر ہم اس کا بدلہ اتار چکے ہیں سوائے ابوبکر صدیقؓ کے کہ ان کا ہم پر احسان ایسا ہے جس کا بدلہ اللہ قیامت کے دن دیں گے مجھے کسی کے مال نے اتنا نفع نہ دیا جتنا ابوبکرؓ کے مال نے (ایضاً ص ۳۸)

۸۔ حضرت اشہار کا بیان ہے کہ ہجرت کی رات۔ ۶، ۵ ہزار درہم کا تمام مال آپ لے کر مدینہ چلے گئے۔ میں نے اس کی جگہ پتھر رکھ دیا اور داد ا جان کا ہاتھ لگا کر تسلی دی۔ وہ خوش ہو لے کر تمہارے لیے خرچ چھوڑ گئے۔ حالانکہ آپ سب کچھ ساتھ لے گئے تھے (حیات الصحابہ ص ۱۸۴ از ابن اسحاق)

۹۔ فتح مکہ سے پہلے بھی ایک دفعہ ہذا کا سب مال حضورؐ پر خرچ کر دیا تھا اور حضرت جبریلؑ نے بواسطہ پیغمبرؐ آپ کو اللہ کا سلام پہنچایا اور یہ کہ آپ اس فقر پر راضی ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں میں راضی ہوں (ابو نعیم فی حلیہ ج ۷ ص ۱۵۱)

۱۰۔ عمیر بن سلمہ دہلی کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ کے پاس ایک دیہاتی عورت آئی۔ اپنی مسکنت اور بچوں کا اظہار کیا۔ آپ نے آٹا سے بھری ہوئی لہری اور تیل اس کو دیا۔ پھر فرمایا، ہم سے خیبر میں ملتا۔ چنانچہ وہ خیبر میں ملی تو آپ نے دو بوری اور منگوا کر دیں۔ (حیات الصحابہ ج ۲ ص ۱۹)

۱۱۔ اسلم دہلی عمرؓ فرماتے ہیں۔ بازار میں حضرت عمرؓ کو ایک نوجوان چھوٹے بچوں والی بیوہ عورت ملی۔ کچھ دیر گفتگو کے بعد حضرت عمرؓ گھر گئے۔ اپنے مضبوط پیٹھ والے اونٹ پر دو بڑے بڑے تھیلے غلے کے بھر کر لادے اور ان کے بیچ میں اور سامان خرچ اور کپڑا رکھا پھر اس کی تکمیل عورت کے ہاتھ میں کپڑا کر فرمایا۔ اسے کہیں لے جا ختم نہ ہو پائے گا کہ اللہ تعالیٰ اور بھیج دے گا۔ زیادہ دینے پر ایک شخص نے تعجب کا اظہار کیا تو فرمایا اس کا باپ حدیبیہ میں



نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ خدا کی قسم میں نے اس عورت کے بھائی اور باپ کو دیکھا جنہوں نے ایک قلعہ کا عرصہ تک محاصرہ کیا۔ پھر ہم لوگوں نے اس قلعہ کو فتح کیا۔ (حیات الصحابہ ج ۲ ص ۱۹۱)۔ (بخاری و بیہقی)

۱۲۔ حضرت اسلم مولیٰ عمر کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد زیادہ پختہ کار اور فیاض و سخی حضرت عمرؓ سے بڑھ کر نہیں پایا (بخاری ص ۵۲۱)

۱۳۔ امیر المؤمنینؓ ایک دفعہ رات کو شہر کی چوکیداری کر رہے تھے۔ ایک جگہ معلوم ہوا کہ ایک عورت حالت بچگی میں گمراہ رہی ہے۔ فوراً گھرائے۔ اپنی اہلیہ حضرت ام کلثوم بنت فاطمہ و علی رضی اللہ عنہم کو ساتھ لیا۔ اور تیل بگڑ۔ گھی۔ غلہ وغیرہ بھی ساتھ لے لیا۔ حضرت ام کلثومؓ نے زچہ و بچہ کو سنبالا اور آپ نے ہانڈی میں کھانا تیار کیا۔ جب ام کلثومؓ سے بچہ پیدا ہونے کی بشارت سنی تو بہت خوش ہوئے۔ سب کو کھلا پلا کر گھر واپس ہوئے تو مالک خانہ سے فرمایا کل آنا۔ تمہارے لیے مستقل وظیفہ کا بند و بست کیا جائے گا۔ (حکایات صحابہ ج ۱ ص ۸۵)

۱۴۔ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ فرماتے ہیں کہ حبش عسکر (غزوہ تبوک) کے موقع پر حضرت عثمانؓ نے سات سو اوقیہ سونا دیا۔ ایک اوقیہ پالیس درہم کا ہوتا ہے۔ (سوار یوں کے متعلق) حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے ایک ہزار سواریاں دی تھیں جس میں پچاس گھوڑے تھے (باقی اونٹ) حسن کی روایت ہے کہ حضرت عثمانؓ نے ساڑھے نو صد اونٹ اور پچاس گھوڑے دیئے۔ یا راوی نے اس طرح کہا ۵۰ اونٹ اور تیس گھوڑے غزوہ تبوک میں دیئے۔ (کذا فی المنتخب ج ۵ ص ۱۳)

۱۵۔ حیات الصحابہ ج ۲ ص ۱۸۶ پر ہے کہ حضرت عثمانؓ نے لشکر (۳۰ ہزار) کے تھائی سلمان کا غزوہ تبوک میں خرچ برداشت کیا تھا۔ یہاں تک کہ کہا جانے لگا کہ لشکر والوں کی کوئی حاجت باقی نہیں رہی جو انہوں نے پوری نہ کر دی ہو۔ اسی صفحہ پر حضرت حذیفہ بن یمانؓ کی روایت میں ہے کہ حضرت عثمانؓ نے ۱۰ ہزار دینار آپؐ کی خدمت میں بھیجے حضورؐ ان کو ہاتھ سے اٹھتے پٹتے تھے۔ کبھی دونوں ہاتھوں کی پشت ظاہر ہوتی اور کبھی ہتھیلیاں۔ اور آپؐ دعا دے رہے تھے۔ اے عثمانؓ! اللہ تیرے ہر اس گناہ کو جو تو نے چھپ کر یا علانیہ یا باطن میں کیے ہیں



اور جو کچھ کر قیامت تک ہوتے والے ہیں۔ اللہ مخفرت فرمادے عثمان کو کوئی پرواہ نہیں اگر اس کے بعد کوئی عمل نہ کرے۔ (منتخب ج ۵ ص ۱۲)

- ۱۶۔ حضرت عثمانؓ کو چھ مرتبہ آپؐ نے جنت کی بشارت دی تھی۔ ۱۔ جب حبشہ عہدہ کو تیار کیا۔ ۲۔ جب مسجد نبویؐ کی تعمیر و توسیع کرائی۔ ۳۔ جب بیرہ و مہیو دی سے خرید کر مسلمانوں پر وقف کر دیا۔ ۴۔ جب اپنے عہد خلافت میں مسجد نبویؐ کی توسیع کرنی چاہی تو فرمایا میں نے حضورؐ سے سنا ہے جس نے اللہ کے لیے مسجد بنائی اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں ایسا ہی گھر بنائے گا۔ ۵۔ جب آپؐ نے حضرت عثمانؓ پر بلوے اور شہادت کا ذکر کیا تو فرمایا۔ انہیں جنت کی بشارت ہو۔ ۶۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے متعدد مرتبہ اصحابِ عشرہ مبشرہ بالجنتہ میں تیسرے نمبر پر آپؐ کا نام لیا۔ (صحاح سنیہ)

۱۷۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بلاشبہ طبعاً فیاض تھے۔ اور ناداری کے باوجود صدقہ کرنے اور غرباء کو کھانا کھلانے کے کئی واقعات ملتے ہیں۔ لیکن خلقاً ثلاثہ ان مشترکہ اوصاف کے علاوہ گزشتہ بالا واقعات میں منفرد ہیں۔ خدا و کتبہ مال سے جو خدمت اسلام اور اعانت پیغمبر ان کے مقدر میں آئی اور تحریک اسلام کو زبردست کامیابی ہوئی۔ اس کا جواب نہیں۔ بے شک ایک غریب یا مزدور کا دن بھر کی کمائی ساری یا کچھ اللہ کی راہ میں دینا کامل فیاضی ہے لیکن ایک امیر کا سالوں کی سب کمائی یا نصف ثلث کو اللہ کی راہ میں دینے کا حوصلہ کرنا اور اس المال بھی نہ چھوڑنا اس سے زیادہ فیاضی اور جگر گردے کا کام ہے۔ حضرت علیؓ شروع سے نادر تھے۔ آپ کے ذاتی و خاگی اخراجات بھی خود حضور علیہ السلام اٹھاتے تھے۔ ظاہر ہے کہ دینے والا ہاتھ لینے والے سے افضل ہوتا ہے۔

نوشت است برگور میرام گور۔ کہ دستِ کرم بہ ز بازوی زور۔

**امانت** بلاشبہ حضرت علیؓ امین تھے۔ اور کفار کی امانتیں۔ خواہ وہ مناج و نبوی کفار کی حلال کمائی تھی یا حرام کی۔ حضور علیہ السلام آپؐ کے سپرد کر گئے تھے۔ اور آپؐ نے ماکوں کو پہنچائیں۔ لیکن حضرت ابو بکرؓ سے مقابلہ کی کیا نسبت۔ آپ کے پاس اللہ کی وہ عظیم ترین امانت تھی اور اس کی حفاظت فرما رہے تھے جس کے قدموں پر ساری دنیا و مافیہا قربان کی جاسکتی ہے۔



اور وہ امانت انصار مومنین کے سپرد کی گئی جن سے محبت کرنا عین ایمان ہے۔ اور نفرت رکھنا نفاق و کفر ہے۔ صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۲۹ پر قصہ اہل بخران میں ہے۔ انہوں نے آپ سے کہا ہمارے ساتھ اپنا امین نمائندہ بھیجیں حضور نے فرمایا میں ایسا امین بھیجوں گا جو امانت کا حق ادا کرے گا۔ یعنی لو اکرے گا۔ صحابہ کرام غم منظر ہونے لگے تو آپ نے ابو عبیدہ بن الجراح کو کھڑا کر کے فرمایا ہذا امین ہذا تھے۔ یہ اس امت کے امین ہیں۔ کفار محمد جاہلیت میں خلفاء ثلاثہ کے پاس امانتیں رکھا کرتے تھے۔ ابن دغنے نے حضرت ابو بکر کو مکہ واپس لاتے ہوئے کہا تھا ابو بکر تیرے جیسا آدمی نہ نکل سکتا ہے نہ نکالا جاسکتا ہے۔ کیونکہ آپ نادر کو مکہ کر دیتے ہیں۔ صلہ رحمی کرتے ہیں۔ بھان نواز ہیں۔ مصائب آنے پر لوگوں کی امداد کرتے ہیں۔ واپس جہاں میں آپ کو پناہ دیتا ہوں۔ الخ (بخاری ج ۲ ص ۵۵۲)

حضرت سیدہ خدیجہ فاطمہ نے پہلی وحی کے دن حضور علیہ السلام کے بھی یہی اوصاف بیان کیے تھے۔ بخاری

قارین کرام! ہم نے قدرے سسطے معترض کے ذکر کردہ اوصاف حسنہ میں نہایت احتیاط سے موازنہ کر دیا۔ اگر کسی کے متعلق فرد کبریاقت ہوئی تو اللہ محاف فرمائے۔ دراصل اس موازنہ کے ہم اہل ہی نہیں۔ یہ صرف اللہ و رسول کا کام تھا۔ انہوں نے جس کام اور منصب کا جسے مستحق جانا وہ کام لیا۔ اور خدا کی طرف سے ایمان۔ اخلاص۔ صداقت اور جنت و کامیابی کی سندیں پائی والے صحابہ کرام نے بالترتیب ان کے درجات پر اتفاق کیا۔ اور وہ حضرات خلفاء راشدین کو ہم سے بہت بہتر جانتے تھے۔ تو انہی کا فیصلہ برحق ہوا۔ فماذا بعد الحق الا الضلال۔

ہم اس بحث کا خاتمہ حضرت شاہ ولی اللہ کے اس اقتباس پر کرتے ہیں۔

”رہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ان سے ولی عہد کا معاملہ کرنا تو اس کے دلائل یہ ہیں کہ حضور نے حضرت ابو بکر کے سپرد امانت نماز کی جب تبوک کے موقع پر آپ قبیلہ عمرو بن عوف میں گئے تھے اور مسلمانوں کی فوجیں شہر سے باہر آگئی تھیں۔ اور اس موقع پر نماز کے علاوہ لشکر کا نگران بھی حضرت ابو بکر کو بنایا۔ نیز مرض و فاق میں حضرت ابو بکر کو امام نماز بنایا اور یہ متواتر بالمعنی ہے۔ اور ۹ میں ابو بکر کو امیر حج بنایا اور چند بار غزوات میں بھیجا مسلمانوں کے معاملات میں ہمیشہ حضرت ابو بکر سے مشورہ کیا۔ حضرت عمر کو بعض غزوات میں امیر لشکر بنایا نیز مدینہ کے صدقات کا عامل (ڈپٹی کلکٹر) بنایا۔ حضرت عثمان کو اہل مکہ کی طرف حدیبیہ کے فوائد کے لیے سفیر بنایا۔ حضرت

مذہبی کو کہیں کا ولی بنایا اور دعا فرمائی کہ ان کے لیے قضا آسان ہو۔ اور یہ احادیث بخاری میں راز انہی الفاظ میں





## باب ہشتم

عقیدہ امامت پر ردہ ختم نبوت کا انکار ہے

سوال ۲۱۔ کیا کوئی روایت بخاری، مسلم، ترمذی، ابن ماجہ، ابن داؤد، نسائی ان کے علاوہ مشکوٰۃ اور موطا امام مالک یعنی ان آٹھ کتابوں میں مل سکتی ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ، امام حسن امام حسین، امام علی زین العابدین، امام محمد باقر، امام جعفر صادق، امام موسیٰ کاظم، امام علی الرضا، امام محمد تقی، امام علی نقی، امام حسن عسکری، امام احمد، امام اخصر والزمان علیہم السلام، اہلسنت والجماعت کے بارہ امام ہیں اگر نہیں تو اپنے بارہ اماموں کے نام بتائیں جبکہ حضورؐ نے فرمایا۔

عن جابر بن سمرة قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول لا يزال الاسلام عزيزا الى اثني عشر خليفة كلهم من قبيلتي (مشکوٰۃ) کیا آپ کے بارہ امام وہی تو نہیں جن کا تذکرہ تاریخ الخلفاء ص ۱ اور شرح فقہ اکبر ص ۱ پر درج ہے۔ ارے ان میں تو چھٹا نیزید بن معاویہ ہے۔ اس فرمان رسولؐ من مات ولحق بحدودہ امام زمانہ فدفن مات ميتة جاهليت (منصب امامت ص ۱۲) غور سے پڑھا اور سمجھ کر فیصلہ دیں۔

الجواب۔ ابن داؤد کسی کتاب کا نام نہیں۔ ابوداؤد نام ہے جو صحاح ستہ اہلسنت میں شامل ہے۔ افسوس کہ جو شخص اہلسنت کی صحاح ستہ کے نام نہیں جانتا وہ اہلسنت پر اعتراضات کرتا ہے بلکہ سابق سنی عالم ہونے کا مدعی ہے۔ اس غم کے جھوٹے اور پر فریب دعویٰ کی حقیقت اسی سے نمایاں ہے۔

اہل سنت کا معیار امامت اس حدیث کا مقدمہ ۱۲۰۰ خلفاء کی تعبیر سے قبل ہم اس حقیقت کو اہل علم نے شرح کرتے ہیں کہ لفظ خلافت پر متعلق اس حدیث کو معتبر من اپنے فاسد مذہب اور عقیدہ امامت پر کیسے منطبق کرنے کی جرأت کر رہا ہے۔ حالانکہ سنی نقطہ نظر سے خلافت۔ اور عند الشیخہ تصور امامت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اہلسنت کے ہاں خلافت و



امامت ایک انتظامی عہدہ ہوتا ہے۔ جو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی سے آپ کی جانشینی و حکمرانی کا نام ہے۔ خلیفہ نہ نبی سے افضل یا اس کے مساوی ہوتا ہے۔ نہ وہ مستقل مطاع اور نبی کی طرح مفترض الطاعت ہوتا ہے۔ نہ وہ حلال و حرام کرنے میں خود مختار ہوتا ہے۔ نہ اس پر وحی آتی ہے نہ وہ قرآن پاک اور سنت نبوی کے علاوہ کسی تفسیری وحی یا آسمانی کتاب و ہدایت کا حامل ہوتا ہے نہ اس کے لیے عصمت شرط ہے۔ نہ اس سے اختلاف کفر ہے نہ اس کے نام کا کلمہ ہے۔ نہ اس کی تعلیم تعلیم نبوی کے متوازی ہے۔ نہ اس کے نام کی الگ امت بنام شیعہ فلاں ہوتی ہے۔ نہ اس کا نام بطور ورود و استعانت استعمال کرنے کی اجازت ہے۔ بلکہ امام و خلیفہ کا منصب صرف اس قدر ہے کہ وہ شرائط خاصہ کے تحت اس کا اہل ہو۔ اشارۃً الیہ اختلاف نبوی یا انتخاب عامہ کے تحت اس عہدہ کو سنبھالے۔ اور حکومت و طاقت کے ذریعے قرآن و سنت کو نافذ کرے۔ اور انتظام مملکت کو بر انجام دے۔ تمام جائز امور میں اس کی اطاعت ضروری ہے اور مخالفت و انکار حرام ہے۔ اس سنت کے ہاں ایسے منظم شرعی خلیفہ مقتدر کے لیے یہ ۸ شرائط ہیں۔

۱۔ مسلمان ہو۔ ۲۔ عاقل و بالغ ہو۔ ۳۔ مرد ہو۔ ۴۔ متکلم اور سمیع و بصیر ہو۔ ۵۔ مجتہد ہو۔ ۶۔ بہادر اور صاحب الرائے ہو۔ ۷۔ عادل و منصف ہو۔ ۸۔ قریشی النسب ہو۔ ۹۔ علی قول الاصح کتابت بھی شرط ہے۔ (ازالۃ الخفاء)

مذکورہ بالا سنی حدیث اسی قسم کے خلفاء کی پیشینگوئی پر مبنی ہے۔

شیعہ کے ۱۲ امام ہرگز مراد نہیں | اس حدیث کا شیعہ کے ۱۲ ائمہ کے ساتھ نہ کوئی تعلق ہے نہ ان کی امامت کے تصور کی قرآن و سنت میں کوئی گنجائش

ہے۔ کیونکہ وہ منصب رسالت کے متوازی اور ختم نبوت کے عین برعکس ہے۔ امامیہ حضرات کے اس عقیدہ کا حاصل یہی ہے کہ کوئی شخص قرآن و سنت کی شریعت سے آزادی حاصل کر کے امامی خود ساختہ شریعت پر عمل کا دعویٰ کرے۔ اگرچہ وہ عملاً اس کا تارک اور ہوائی نفس کا پیروکار ہو۔ ہم یہاں شیعہ کی سب سے مستند اور عظیم مذہبی کتاب۔ اصول کافی کے کتاب الحجۃ سے شیعہ امامت کا تعارف کراتے ہیں۔ تاکہ ان کے ختم نبوت کے منکر ہونے پر شک و شبہ نہ رہے۔



۱۔ امام بھی نبی کی طرح مرسل من اللہ ہوتا ہے | باب الفرق بین الرسول والنبی والمحدث میں ہے۔

..... راوی نے پوچھا کہ امام کا مقام کیا ہے؟ تو امام یا قرہ نے فرمایا۔

بِسْمِ الصَّوْتِ وَلَا يَرَى وَلَا يَعَيْنُ الْمَلِكُ  
فَقَدْ تَلَا هَذِهِ الْآيَةَ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ  
مِنْ رَسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ وَلَا مُحَدِّثٍ (کافی ص ۱۸۱)  
امام فرشتہ سے وحی کی آواز سنتا ہے مگر مشاہدہ  
اور معاینہ نہیں کرتا۔ پھر یہ آیت پڑھی کہ ہم نے  
تم سے پہلے کوئی رسول، نبی اور محدث (امام) نہیں  
بھیجا۔

اس باب میں تین اور ایسی حدیثیں بھی ہیں جن میں ”محدث“ کے عنوان سے امام کو بھی  
مرسل من اللہ اور مرسل فرشتہ تسلیم کیا ہے اور سورت حج کی آیت محولہ میں ”ولا محدث“ کا  
اضافہ کر کے تحریف کی ہے۔

اہل حق شیعہ کے برخلاف ان احادیث سے یہ استدلال کر سکتے ہیں کہ امامت نبوت سے کم تر  
رتبہ ہے۔ کیونکہ نبی و رسول فرشتہ وحی کو بھیجتا بھی ہے اور امامت کو نبوت سے افضل کہنا قرآن کریم  
اور احادیث ائمہ کی کھلی خلاف ورزی ہے۔ ارشاد باری ہے۔ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعَالَمِينَ (انعام ۸۰)  
ہر ایک پیغمبر کو ہم نے سب جہانوں پر فضیلت دی ہے۔

۲۔ امام بھی پیغمبر کی طرح تحجہ اللہ ہے | باب ان لا نخلو من حجة میں ہے۔ امام  
علی رضا فرماتے ہیں۔

ان الحججة لا تقوم لله على خلقه الا  
بامام حتى يعرف (کافی ص ۱۸۱)  
امام کے بغیر اللہ کی حجت مخلوق پر نہیں ہو سکتی  
حتیٰ کہ اس کا پہچانا ضروری ہے۔

حدیث ہذا میں حصر کے ساتھ حجة اللہ کو امام میں محدود کر دیا ہے اور انبیاء علیہم السلام کا  
ذکر نہیں کیا۔ حالانکہ اللہ پاک یہ منصب صرف پیغمبروں کو عنایت فرماتے ہیں۔

رُسُلًا مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِّئَلَّا يَكُونَ  
لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ (نساء ۶۴)  
ایسے رسول (پیغمبر) خوشخبری دینے والے (بھی) تھے  
اور ڈرانے والے بھی تاکہ ان کے آنے کے بعد  
کوئی حجت باقی نہ رہے (ترجمہ مقبول)



## ۱۳- امام پر ایمان اور تمام دینی امور اسکی طرف لوٹنا ضروری ہے

امام جعفر فرماتے ہیں کہ جو شخص ہم اہلبیت کے امام کو نہیں مانتا

فانما یعرف و یعبدا غیر اللہ ہکذا بلاشبہ وہ غیر اللہ کو مانتا اور سجدہ غیر اللہ کی

واللہ صلا لا - مگر اہی سے عبادت کرتا ہے -

حالانکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں -

فَاِنْ تَنَادَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى

اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ

الْيَوْمِ الْاٰخِرِ (نساء ۵۹)

پھر اگر کسی معاملے میں تم آپس میں جھگڑ پڑو تو اسے اللہ اور رسول کی طرف پھیر دو بشرطیکہ تم اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔

معلوم ہوا کہ اولی اللہ سے اختلاف کی صورت میں صرف خدا اور رسول ہی فیصلہ آخری

بھٹ اور مرجع عوام ہیں۔ اہلکے بعد امام ہوتا تو اس کا ذکر ضرور ہوتا۔

باب فرض طاعتہ الامام میں ہے -

## ۱۴ پیغمبر کی طرح امام کی اطاعت بھی فرض ہے

عن ابی عبد اللہ یقول نحن قوم

فرض اللہ طاعتنا - امام ابو عبد اللہ فرماتے ہیں ہم وہ قوم ہیں کہ اللہ نے ہماری اطاعت فرض کر دی ہے -

حالانکہ قرآن پاک میں سیلوں مقامات پر یہ جملہ آیا ہے - وَاطِيعُوا اللّٰهَ وَاطِيعُوا الرَّسُوْلَ

کہ تم اللہ کی اطاعت کرو اور اللہ کے رسول کی - صرف ایک مقام پر اولی الامر کی اطاعت کا ذکر

ہے مگر وہ بھی ضمناً اور تبعاً ہے کہ ان سے اختلاف کی صورت میں خدا اور رسول کی طرف رجوع

اور ان کی اتباع کرنی ہوگی (پہلے عہد خدا اور رسول کی اطاعت پر ہی جنت کا وعدہ اور مخالفت پر

جہنم کی جگہ جبکہ وعید سنائی گئی ہے - البتہ ایک مقام پر مخالفت رسول کے ساتھ سبیل مؤمنین کی مخالفت

پر جہنم کی وعید سنائی گئی ہے امت کی حقانیت پر دلیل دی ہے - نیز یہ ارشاد صرف اتباع نبوی کو فرض

قرار دیتا ہے - مَا اَتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (حشر ۱) جس بات

کا تم کو رسول حکم دیں مانو اور جس سے وہ روکیں رک جاؤ



۵۔ اُمّہ ہی اللہ کی شریعت کے والی اور اس کے علم کا خزانہ ہیں | یہ کافی ہے اس باب کا ترجمہ ہے۔ باب ان الائمة ولاة

امہ اللہ و خزانة علمہ - نیز امام جعفر کی یہ حدیث ہے۔ "ہم اللہ کی شریعت کے مالک۔ اس کے علم کا خزانہ اور اس کی وحی کا شاک ہیں۔"

اور دوسری حدیث میں ہے کہ ہمارے عبادت کرنے سے اللہ کی عبادت کی گئی۔ اگر ہم نہ ہوتے تو اللہ کی عبادت نہ ہوتی۔ ص ۱۹۳۔

حالانکہ یہ منصب صرف پیغمبروں کا ہے۔ اور ایسے واضح تعلق امیر القایا انبیاء علیہم السلام کے متعلق قرآن پاک میں نہیں ملتے نہ وہ ارشاد فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ پیغمبروں کے ذکر کے بعد فرماتے ہیں۔  
 اُولَئِكَ الَّذِیْنَ اٰتٰیْنٰھُمْ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَ وَالنَّبُوۃَ  
 ..... اُولَئِكَ الَّذِیْنَ هَدٰی اللّٰهُ فَمَنْهُمْ  
 اَقْبَدُکَ - (انعام ۱۰۶)  
 وہ وہی ہیں جن کو ہم نے کتاب اور حکومت اور نبوت عطا کی۔ پھر اگر یہ کفار، ان چنیروں کا انکار کرتے ہیں تو (کچھ پر واہ نہیں کیونکہ) ہم

نے تو یہ ان لوگوں کے سپرد کی ہیں جو ان کے منکر نہیں ہیں وہ وہی تو ہیں جن کو اللہ نے راستہ دکھلایا ہے۔ پس اسے رسول تم ان ہی کے راستے پر چلو (ترجمہ قبول ص ۱۶۵)

مذکورہ بالا دعاوی اور متکبرانہ الفاظ منصب نبوت میں شرکت کے دعویٰ اور نخوت و خود پسندی پر صریح دال ہیں۔ سہرا غلام احمد قادیانی تو ایسے لفظ بول سکتا ہے۔ مگر ہم اُمّہ الطبیۃ کی طرف انہیں ہرگز منسوب نہیں کر سکتے۔

۶۔ اُمّہ اللہ کا نور ہیں | اس نام کے باب میں ہے کہ امام ابوالمحسین سے اللہ کے اس ارشاد کے متعلق پوچھا گیا۔

بُرِّدٌ وَنَ لَیْطِفُ نُوْرُ اللّٰهِ بِاَقْوَاہِمْ  
 وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُورِہِ (توبہ ۱۲۶)  
 کفار یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو مومنوں سے بجا دیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ اپنے نور یعنی امامت

کو پورا کرنے والا ہے اور امامت ہی نور ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔  
 اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِہِ وَالنُّوْرَ الَّذِیْ اَنْزَلْنَا  
 نور امامت علی پر ایمان لاؤ۔ (کافی ص ۱۹۶)



حالانکہ سیاق و سباق کی روشنی میں یہاں نور اللہ سے مراد اللہ کی توحید ہے۔ اس کے تمام اور غلبے کا وعدہ فرمایا ہے۔ مگر شیعہ نے اس سے وہ امامت مراد لے لی جسے عہد رسول میں بھی بقول شیعہ کسی نے تسلیم نہ کیا۔ بعد از رسول تو صراحت سے غصب کر لی گئی اور اس نور خدا امام کے گلے میں رسی ڈال کر گھسیٹا گیا۔ (جلاء الجیون ص ۱۲۵) اور اس منصب کو آپ کی اولاد سے ایسے دور رکھا گیا کہ وہ نور خدا آج ۱۲۵۰ سال سے ایک نامعلوم قاریں مغرب ہو چکا ہے اور وعدہ خدا فی آج تک شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔ (العیاذ باللہ)

یہ تو نور و صفی کا بیان ہوا۔ اگر ائمہ کے نور اللہ ہونے سے ان کی ذوات کا غیر شریعہ اور نور من نور اللہ ہونا مراد ہو جیسے عامہ شیعہ کا آج کل یہ عقیدہ ہے۔ تو یہ شرک صریح ہے۔ جب اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر سے یہ اعلان کروائیں **كُنْتُ الْاَبَشَرُ رَسُوْلًا**۔ نہیں ہوں میں مگر ایک انسان رسول **قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحٰى اِلٰی**۔ فرمایا ہے بلاشبہ میں تمہارے جیسا آدمی ہوں مگر مجھے وحی آتی ہے تو آپ کی بشری اولاد میں سے ۱۲ حضرات کیسے غیر شریعہ اور نور اللہ بن جائیں؟

۷۔ **آئمہ نبوت کا درخت اور مضبوط ملائکہ ہیں** | کافی ص ۲۲ میں ایک باب کا عنوان ہے۔ **باب ان الائمة معدن العلم وشجرة النبوة ومختلف الملائكة**۔ امام جعفر صادقؑ نے اپنے شاگرد خثیمہ سے فرمایا۔ ہم نبوت کا درخت ہیں۔ رحمت کا گھر ہیں حکمت کے خزانے ہیں۔ علم کی کان ہیں۔ رسالت کی جگہ ہیں۔ فرشتوں کے اترنے کی جگہ ہیں۔ اللہ کے بھید کی جگہ ہیں۔ ہم اللہ کے بندوں میں اس کی امانت ہیں۔ ہم اللہ کا حرم اکبر ہیں اللہ کا ذمہ۔ اللہ کا عہد ہیں جس نے ہم سے عہد پورا کیا اس نے اللہ سے عہد پورا کیا جس نے ہم سے بد عہد ہی کی اس نے اللہ سے بد عہد ہی کی۔

۸۔ **آئمہ اللہ کی زبان اور دروازہ ہیں** | کافی باب النوادر ص ۱۲۵ میں ہے۔ امام باقرؑ فرماتے ہیں۔ ہم ہی اللہ کی حجت ہیں۔ اس کا

دروازہ ہیں۔ اس کی زبان ہیں۔ اس کا چہرہ ہیں۔ اس کی آنکھ ہیں۔ ہم اللہ کے بندوں میں معاملات کے سرپرست ہیں۔ اور ایک روایت میں امیر المؤمنین علیؑ سے مروی ہے۔ آپ تے فرمایا۔ میں اللہ کی آنکھ ہوں۔ اس کا ہاتھ ہوں۔ اس کا پہلو ہوں۔ اس کا دروازہ ہوں۔



”انہی منہ میاں مٹھو بنتا“ اسی کو کہتے ہیں۔ ہم تو پیغمبروں کی ذات و صفات میں شرکت کا تذکرہ کر رہے تھے۔ خیر سے خدا بھی وحدہ لا شریک نہ رہا اور اس کے بھی ہاتھ۔ آنکھ۔ پہلو زبان وغیرہ اعضا تسلیم کر کے آئمان پر قابض ہو گئے۔ حالانکہ اس کا ارشاد ہے۔ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ۔ اس کے مانند کوئی شئی نہیں۔ تعجب ہے اگر الگ وجود فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں مانا جائے تو اللہ پاک ”وَجَعَلُوا الْكَافِرِينَ عِبَادًا لِجُزْءٍ مِّنْهُ لَا يَشْعُرُونَ“ کفار تھے اللہ کے بندوں کو اس کا بزد بنالیا۔ بلاشبہ انسان کھلا کافر ہے۔ سے کفر کا کھلا فتویٰ دیں اور آئمہ کو خدا کے اجزاء مانا جائے تو اسلام بن بھائے؟

۹۔ آئمہ عالم الغیب ہیں | کافی میں ایک باب کا عنوان یہ ہے۔ آئمہ حیب علم غیب چاہتے ہیں غیب معلوم کر لیتے ہیں۔ ایک کا عنوان یہ ہے۔ ”آئمہ ماکان و مایکون یعنی گزشتہ و آئندہ تمام باتوں کا علم جانتے ہیں۔ ان سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔“ ۲۶۱ اور اس میں یہ حدیث ہے کہ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا۔ میں ضرور جانتا ہوں جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ میں جانتا ہوں جو کچھ جنت میں ہے جو کچھ دوزخ میں ہے۔ میں جانتا ہوں جو کچھ چکا اور جو کچھ آئندہ ہوگا۔ حالانکہ ایسا قول اور ایسا عقیدہ قرآن کی بلیسوں آیات کی تردید اور خاصہ خداوندی میں ہاتھ ڈالتا ہے۔ جیسے اس کا ارشاد ہے وَ لِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ پنا۔ آسمانوں اور زمین کا غیب صرف اللہ کو ہے۔ وَ عِنْدَ كُم مَّقَاتِلُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَ غِیْب کے خزانہ اور کنجیاں اسی کے پاس ہیں ان کو سوائے اس کے کوئی نہیں جانتا۔ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ چنا بے شک اللہ آسمانوں اور زمین کا غیب جانتا ہے۔ قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبُ اِلَّا اللّٰهُ پنا۔ آپ فرمائیں آسمان و زمین کی کوئی مخلوق علم غیب نہیں جانتی سوائے اللہ کے۔

۱۰۔ آئمہ موت و حیات میں مختار ہیں اور اپنی موت کا وقت جانتے ہیں | اس عنوان کے باب ۲۵۸ میں یہ حدیث ہے کہ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا جو امام یہ نہ جانے کہ اسے کیا تکلیف آئے گی اور اس کا کیا انجام ہوگا تو وہ خدا کی مخلوق پر اس کی حجت (ادرا) امام نہیں ہے۔



حالانکہ اللہ تعالیٰ اغیوبِ خمسہ میں فرماتے ہیں۔ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ (تہان)  
 کوئی نفس یہ نہیں جانتا کہ وہ (کب) کس زمین میں مرے گا۔ نیز ارشاد ہے فَبِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ فَلَمَّا  
 جَاءَ أَجْلُهُمْ لَا يَسْتَأْذِنُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَنْقِذُونَ (الاعراف ۴۴)  
 ارشادِ قرآنی کے مطابق جب کوئی اپنے انجام اور موت کا وقت نہیں جان سکتا تو اعتراف  
 امام کے مطابق۔ انبیاء علیہم السلام کے سوا کوئی بھی بندوں پر حجت خداوندی نہیں۔

باب ان الانبياء ورثوا علم النبي وجميع  
 ۱۱۔ ائمہ پیغمبروں کے ساتھ علم میں مساوی ہیں۔ الانبياء ص ۲۲۳ پر ہے۔

امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں کہ سلیمان حضرت داؤد کے وارث بنے اور حضرت محمد  
 سلیمان کے اور ہم حضرت محمد کے وارث بنے اور ہمارے پاس تورات، انجیل، زبور اور الواح  
 موسیٰ کی تبیان کا بھی علم ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت آدم سے تاحضور  
 سب پیغمبروں کی ستیوں یعنی انبیاء کے تمام علوم عطا فرمادیے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے  
 صیر ذلك كله عند امير المؤمنين  
 تمام حضرت امیر المؤمنین کے سپرد کر دیئے۔  
 یعنی حضرت علیؑ بمعہ لوازم نبی بن گئے۔  
 علیہ السلام ۲۲۲

باب فيه ذكر الصحيفة والجفر والجامعة  
 ۱۲۔ ائمہ مستقل آسمانی کتابوں والے ہیں۔ ومصحف فاطمة عليها السلام میں ہے۔

کہ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا ہمارے پاس جامدہ ہے۔ جس کا طول حصوڑ  
 کے ذراع سے، گزہ ہے۔ اس میں تمام مخلوق کے حالات لکھے ہیں۔ اس میں حلال و حرام کا بیان  
 ہے اور ہر وہ چیز ہے جس کی ضرورت دامت کو ہوگی۔ حتیٰ کہ خراش اور طمانچے سے زخم کی  
 بھی دیت مذکور ہے۔ جعفر کے متعلق فرمایا ہے وہ ایک بڑا مخزن ہے جس میں تمام انبیاء و اوصیاء  
 اور بنی اسرائیل کے علماء کے علوم ہیں اور یہ اتنے معتبر نہیں ہیں۔ پھر فرمایا۔ ہمارے پاس مصحف  
 فاطمہ بھی ہے۔ وہ ایسا قرآن ہے جس میں تمنا سے اس قرآن جیسے سہ گنا احکام ہیں۔ خدا کی قسم  
 اس میں تمہارے قرآن کا ایک حرف بھی نہیں ہے۔ ص ۲۳۹



جیسا راجہ بیان - شیعہ کے آئمہ نے کتاب اور سنت کے برعکس مذکورہ بالا خیالی کتب پر ہی اپنے مذہب کی بنیاد رکھی ہے اور قرآن سے اس قدر جھڑپی ہے کہ اپنی طرف اس کی نسبت بھی نہیں کرتے۔ مخاطبین کی طرف (قرآن کم) کی نسبت کرتے ہیں اور جس مصحف کی اپنی طرف نسبت کرتے ہیں اس میں قرآن کے ایک حرف نہ ہونے کا بھی اعتراف کرتے ہیں۔ سبحان اللہ

باب مولد النبیؐ ص ۳۹ میں ہے۔  
**۱۳۔ آئمہ حلال و حرام میں مختار ہیں** | وفوض امورہا الیہم اللہ پاک نے اہلبیت کو

فہم یحلون ما یشاؤن ویحرمون ما یشاؤن ولن یشاء والا ان یشاء اللہ  
 پیدا فرما کر تمام مخلوق کے امور ان کے سپرد کر دیے پس وہ حلال کرتے ہیں جو چاہتے ہیں اور حرام کرتے ہیں جو چاہتے ہیں۔ وہ نہیں چاہتے مگر جو اللہ چاہے۔

حضور خاتم النبیینؐ کے بعد اس منصب کا کسی کو مختار یا ناسخ و تحریر پر خط کھینچنا ہے۔ نیز قرآنی تعلیم میں یہ حقیقت پیغمبروں کا بھی نہیں بلکہ شائع و محل و محرم صرف اللہ کی ذات ہے۔ انبیاء کی طرف مجاز صرف ہیں حتیٰ نسبت کی جاتی ہے کہ وہ وحی جلی یا خفی کے ذریعے منجانب اللہ حرمت و حلت کو بیان فرماتے ہیں۔ جیسے ارشاد ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ  
 اے نبی آپ کیوں وہ چیز حرام کرتے ہیں جو اللہ نے آپ کے لیے حلال کی۔ (تحریم آیت ۱)

اور اصول کافی باب الشک ص ۳۹۸ پر آیت اِنْ خِفْتُمْ وَاْجْبَارُكُمْ فِرَاقًا بَيْنًا فَاذْكُوا فَاذْكُوا فَاذْكُوا  
 نصاریٰ نے اپنے علماء اور مشائخ کو خدا بنالیا۔ کے متعلق ہے کہ بجز انہوں نے نصاریٰ کو اپنی عبادت کی طرف نہیں بلایا۔ وکن احلوا الہم حراما وحرما علیہم حلالا فعبدوہم من حیث لا یشعرون۔ لیکن انہوں نے ان کے لیے کئی چیزیں از خود حلال اور حرام کر دیں اور وہ غیر شعوری طور پر ان کے گویا عبادت گزار بن گئے۔ (مجمع البیان ج ۱ ص ۴۵)

**۱۴۔ آئمہ و جہ میں حضور کے مساوی یا افضل ہیں۔** | کتاب الحجۃ کے ایک باب میں ہے۔

عن ابی عبد اللہ قال ما جارہ علی  
 امام جعفر صادق فرماتے ہیں جو تشریف علیؑ لائے



أخذنا وما نها عنه انتهى عنه جري  
له من الفضل ما جرى لمحمد ولمحمد  
الفضل على جميع من خلق الله عز وجل  
المتعقب عليه كالمتعقب على الله ورسوله  
والرأد عليه في صغيرة أو كبيرة على حد  
الشرك بالله كان أميرا لمؤمنين باب  
الذي لا يؤتى الأمانة وسيله الذي  
الامن سلكه غيره ملك وكذلك يجري  
الأئمة الهدى واحد الجد واحد -  
(اصول کافی ص ۲۸۵ طبع سنو ۱۲۵۵ طبرستان)

ہیں میں وہ لیتا ہوں جس سے وہ روکیں رکتا  
ہوں۔ آپ کا وہی مرتبہ ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم  
کا ہے آپ کو تمام مخلوق پر برتری ہے حضرت علی  
پر اعتراض کرنے والا خدا و رسول پر اعتراض کرنے والا  
ہے کسی چھوٹی بڑی بات کو آپ پر رد کرنے والا اللہ  
کے ساتھ گویا شرک کرتا ہے امیر المؤمنین ہی وہ دروازہ  
میں جس کے ذریعے اللہ تک پہنچا جاتا ہے اور وہ  
راستہ ہیں جو اس کے خلاف چلے گا ہلاک ہوگا اسی  
طرح یکے بعد دیگرے ائمہ ہدایت کی شان ہے۔

کافی ص ۳۹۹ میں ایک باب یہ ہے ”کہ سب لوگوں کے  
پاس کچھ بھی حق نہیں ہے۔ بجز اس کے جو ائمہ سے نکلے اور

۱۵۔ حق صرف ائمہ کے پاس ہے

جو چیز ان سے نہ نکلے وہ باطل ہے۔“ اس میں امام باقرؑ کی کئی احادیث ہیں۔

ظاہر ہے کہ اس سے قرآن پاک بھی باطل ٹھہرا کیونکہ بالاتفاق وہ ان ائمہ سے نہیں نکلا۔

نہ وہ اس کے راوی ہیں۔ نہ جامع و ناقل۔ بقول شیعہ ان کا قرآن تاہنوز لوگوں کے پاس آیا ہی

نہیں۔ وہ امام مہدی صاحب الغار کے پاس ہے تمام سنن محمدیہ اور احادیث شیعیہ بھی باطل

ہوئیں کیونکہ ان کو براہ راست حضورؐ سے نقل و روایت کرنے کا حق صرف حضرت علیؑ و جنینؑ

کو تھا۔ کیونکہ یہی زیارت و صحبت نبویؐ سے مشرف ہوئے تھے۔ مگر تمام شیعہ ائمہ پر گواہ ہے

کہ ان بزرگوں نے حضورؐ کے ارشادات بہت ہی کم۔ دو چار فیصد ہی نقل کیے۔ باقی سب

ارشادات نبویؐ صحابہ کرامؓ نے ہی نقل کیے۔ عند الشیعہ امام باقرؑ و جعفرؑ نے جو کچھ ارشاد فرمایا

ہے مشکل پانچ فیصد ہی اس کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے۔ ان کی روایات کا

مصدر و منبع غالباً۔ وہی جعفر۔ جامعہ۔ صحیفہ۔ مصحف فاطمہؑ۔ اور ۱۲ اطلائی مہروں والے

صحیفے ہیں۔ جو خود ساختہ اور وہمی ہیں۔ کتاب اللہ اور سنت نبویؐ سے ان کو ذرا بھی تعلق نہیں۔



مہند آپ تابعی ہیں۔ تابعی کی مرسل روایات مطلقاً حجت نہیں۔ خصوصاً جب کہ آپ سے روایت کرنے والے اصحاب بشیہ علم حرج و تعدیل کی روشنی میں نہایت مجروح۔ بلکہ کذاب و محدثین تو ان پر کیا اعتماد کیا جائے۔ الغرض اس اصول سے تمام شریعت کا صفایا ہو جاتا ہے۔

۱۶۔ ائمہ کا منکر و مخالف بھی کافر و مرتد ہے | حیات القلوب ج ۲ ص ۶۸ پر ہے کہ حضور نے فرمایا

یا علی ہر کہ منکر امامت تست بعد از من  
چنان است کہ انکار رسالت من کردہ باشد  
در حیات من  
اسے علی میرے بعد جو تیری امامت کا منکر ہے  
(یعنی خلیفہ بلا فصل نہیں مانتا) وہ میری زندگی  
میں میری رسالت کے منکر کی طرح کافر ہے

نیز اسی کتاب میں ج ۲ ص ۶۲ پر یہ فتویٰ بھی موجود ہے۔  
وہ مجاہدین و انصار (جو بیعت علی نہ کرتے تھے) مرتد ہو گئے اور امیر المؤمنین کی خلافت کی اور اس کے دشمنوں (ابو بکر و عمار) کی مدد کی وہ تمام کفار سے بدتر ہیں (العیاذ باللہ)  
نیز ملا باقر علی مجلسی نے یہ بھی نقل کیا ہے۔ "کہ جو علیؑ کو (حسب عقاید شیعہ) پہچانے وہ مومن ہے اور جو انکار کرے وہ کافر ہے۔ جو کوئی دوسرے کو آپ کی بیعت میں شریک کرے وہ مشرک ہے۔ حیات القلوب ج ۲ ص ۵۲

۱۷۔ ائمہ سب انبیاء سے بھی افضل ہیں | ملا باقر علی مجلسی کہتے ہیں۔

اکثر علماء شیعہ را اعتقاد آہستہ کہ حضرت امیر و  
سائر ائمہ افضلند از سائر پیغمبران و حدیث  
مستفیضہ بلکہ متواترہ از ائمہ خود دیریں باب روایت  
کردہ اند حیات القلوب ج ۲ ص ۵۲  
اکثر علماء شیعہ کا یہ اعتقاد ہے کہ حضرت امیر  
اور سب ائمہ افضل ہیں اور سب انبیاء علیہم السلام  
سے اور اپنے ائمہ سے اس پر شہود بلکہ متواتر احادیث  
روایت کرتے ہیں

عصر حاضر کے شیعہ حجتہ الاسلام سید محمد کاظم شریعتی رنج البلاغہ مترجم کے دیباچہ ص ۳ طبع شیعہ  
جنرل بک ایجنسی لاہور پر لکھتے ہیں۔

"الغرض بعد از کلام ربانی سعادت علم و دانش کا سرچشمہ اگر ہے تو خطبات علی علیہ السلام کیوں



نہ ہو؟ ہمارے لیے حضرت علی علیہ السلام کی ذات والا صفات سرمایہ حیات ہے۔ جو مخصوص من اللہ ہے۔

معلوم ہوا کہ شیعہ کے ہاں قرآن کے بعد شادات رسول کی کوئی حیثیت نہیں۔ صرف خطبہ علی ہی سر شریعہ علم و دانش ہے۔

قاری بن کرام! بحرف طوالت یہ سلسلہ میں ختم کرتا ہوں۔ آپ کو یقین ہو چکا ہو گا کہ شیعہ دراصل ختم نبوت کے منکر اور امامت کے پردہ میں۔ اپنے بزرگوں کو نبی مانتے ہیں۔ آخر حیب وہ مرسل من اللہ حجتہ اللہ۔ آخری مرجع مفترض الطاعنہ۔ شجرہ نبوت۔ مہبط ملائکہ۔ اللہ کی زبان اور دروازہ ہیں۔ تمام پیغمبروں کا علم رکھتے ہیں۔ مرتبہ میں ان سے افضل ہیں منتقل آسمانی کتب اور وحی و امام کے مالک ہیں۔ شریعت الہی اور احکام خداوندی کا واحد مصدر۔ منبع اور خزانہ ہیں۔ حلال و حرام میں خود مختار ہیں معصوم ہیں۔ بعد از قرآن صرف ان کا کلام ہی علم و دانش کا سرچشمہ ہے اور ان سے اختلاف رکھنے والا بھی کافر و مرتد ہے۔ ان اوصاف کے باوجود وہ کیسے نبی نہیں ہیں۔ آخر نبوت و رسالت کس عہدہ یا وصف کا نام ہے جس سے حضور نہ فرما رہے ہیں مگر آئمہ محرم ہیں۔ خدا کی شہادت و فاضل اس نکتہ کو حل کر دے۔ امامی عقیدہ کے موجدین اور صاحب کافی کو انکار نبوت کا یہ الزام صریح نظر آرہا تھا ان ابواب کے بعد فوراً یہ باب باندھا "کہ آئمہ گزشتہ پیغمبروں جیسے ہیں مگر ان کو نبی کہنا مکروہ ہے۔" پھر یہ حدیث امام جعفر سے نقل کی کہ حلال و حرام پر اطلاع ان ہم سے حاصل ہوگی مگر نبوت ہم میں نہیں۔ نیز یہ فرمان بھی کہ آئمہ رسول اللہ کے مرتبہ و منصب پر ہیں مگر وہ پیغمبر نہیں ہیں اور ان کو اتنی بیویاں جائزہ تھیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جائزہ تھیں اس کے علاوہ وہ تمام باتوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بمنزلہ تھے ص ۲۷۔

اللہ اللہ! کس قدر وضاحت کے ساتھ ختم نبوت کا انکار اور اپنی نبوت کا اعتقاد ہے۔ چارے زائد از واج کا امام کے لیے حلال نہ ہونے کا عذر لنگ بھی علی۔ کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی۔ کا ایک بہانہ ہے۔ ورنہ یہ بات نبوت کی حقیقت یا لوازم میں سے نہیں بلکہ ان کے خصائص میں سے ہے۔



شیعوہ در باطن آئمہ کو نبی مانتے ہیں | خود مستند علماء شیعہ نے آئمہ کو درپردہ صراحتہ پیغمبر و نبی تسلیم کیا ہے۔

ملا باقر علی مجلسی لکھتے ہیں۔

۱۔ مرتبہ امامت نظیر مرتبہ نبوت و مثل آنست بلکہ چنانچہ نبوت رسالتے است از جانب خدا بواسطت ملک امامت نیز فی الحقیقت نبوتے است بواسطت نبی۔

(حیات القلوب ج ۳ ص ۸۱)

۲۔ بالضرورت نص تعین امام را کہ فی الحقیقت نبوتے است بحسب معنی البتہ یا حجتاً امت نحو اہل بود (حیات القلوب ج ۳ ص ۱۲۳)

۳۔ منصب امامت نظیر نبوت است زیرا کہ ہر دو بیاستے عام است بر ہمہ مکلفین و جمیع امور و دنیا (حیات القلوب ج ۳ ص ۲۳) بحوالہ مقدمہ حدیث ثقلین ص ۱۲۔

علامہ طوسی شیخ الطائفہ تہذیب الاحکام کتاب المزار ص ۳۳ پر رقم طراز ہیں۔

ہم مختلف الملائکہ و مہبط الوحی وحی کے اترنے کی جگہ ہیں۔

ملاحسن الملقب بملا فیض۔ منہاج النجات ص ۲۸ طرابلس میں لکھتے ہیں۔

کل ما شرط فی النبی من الصفات فهو شرط فی الامام ما خلا النبوة قال الصادق علیہ السلام کل ما کان لرسول اللہ قلنا مثله الا النبوة

امامت کا مرتبہ نبوت کا مقابل ہے اور اس کی مثل ہے بلکہ جیسے خدا کی جانب سے بواسطہ فرشتہ پیغمبری ہے۔ امامت بھی فی الحقیقت بواسطہ نبی ایک نبوت ہے۔

یقیناً امام کا مقرر کرنا کہ درحقیقت بحسب معنی یہ ایک نبوت ہے۔ امت کے اختیار میں نہ ہوگا۔

امامت کا منصب نبوت کی نظیر و مثل ہے۔ کیونکہ دونوں میں تمام مکلفین پر تمام دنیا کے امور میں سرکاری و حکومت ہوتی ہے۔

کہ وہ فرشتوں کے آنے جانے کا مقام اور

جو صفات نبی میں شرط ہیں وہی امام میں شرط ہیں سوائے نبوت کے۔ امام صادقؑ نے فرمایا جو منصب رسول اللہ کا تھا اسی کا ہم نے دعویٰ کیا سوائے نبوت اور نکاح کے۔



الغرض تشبیہ کی ایسی تصریحات کی کمی نہیں جن میں لفظ ائمہ کی نبوت کے انکار و اعتراف میں اختلاف ہے مگر بالظاہر بالاتفاق نبوت کا اعتراف اور ختم نبوت کا انکار ہے۔ آخر تشبیہ کا ۹ حصے اصول فقہ اس قریب دہی میں کام نہ دے گا تو کہاں دے گا۔ حضرت شاہ ولی اللہ ایسے الحاد کے متعلق لکھتے ہیں۔

یا کوئی یہ کہے کہ پیغمبر خاتم نبوت ہیں لیکن اس کا معنی یہ ہے کہ آپ کے بعد کسی کو نبی نہ کہا جائے لیکن نبوت کا معنی۔ یعنی ایک انسان کا منجانب اللہ مخلوق کی طرف مبعوث ہونا اور واجب اطاعت گناہوں سے معصوم اور بقا علی الخطا سے محفوظ ہونا۔ آپ کے بعد آئمہ میں موجود تھا تو ایسا شخص زندیق ہے۔

او قال ان النبی خاتم النبوة ولكن معنی هذا الكلام انه لا يجوز ان یستوی بعدہ احد بالنبی۔ واما معنی النبوة و هو كون الانسان مبعوثا من الله تعالى الى الخلق مفترض الطاعة معصوما من الذنوب ومن البقاء علی الخطا فهو موجود فی الائمة بعدة فذلك هو الذندیق (المسوی شرح مؤطا ج ۲ ص ۱۰۱)

نیز تفہیمات الہیہ ص ۲۲ میں بھی عقیدہ امامت کو ختم نبوت کے منافی بتاتے ہیں۔

لیکن ان تشبیہ کی اصطلاح میں وہ امام مقرر الطاعت۔ مخلوق کے لیے مقرر کیا ہوا ہے اور وحی باطنی امام کے لیے جائز کہتے ہیں پس یہ درحقیقت ختم نبوت کے منکر ہیں اگرچہ زبان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء کہتے

اما باصطلاح ایشان مفترض الطاعة منصوب للخلق است و وحی باطنی در حق امام تجویز میکند در حقیقت ختم نبوت را منکر اند گو زبان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم را خاتم الانبیاء مے گفتہ باشند۔

ہوں۔

حضرت شاہ صاحب کے یہ دو حوالے مقصد بالا کی وضاحت اور ہمارے استدلال کے مؤید ہونے کے علاوہ ان سادہ لوح علماء و عوام اہلسنت کے لیے بھی سرمد بصیرت ہیں جو تشبیہی لٹریچر اور ان کے عقائد سے یکسر غافل ہیں۔ ان کو اپنے جیسا مسلمان اور ختم نبوت کا قائل جاننے



ہیں۔ اور مرزائیوں کے متعلق ان کے سیاست باز لیڈروں کے بیانات سے دھوکہ میں آجاتے ہیں حالانکہ ظاہر سناپ سے یہ ماریا سستیں زیادہ موذی اور خطرناک ہیں۔

**شیعہ ائمہ کے دعاوی اور مرزا قادیانی کے دعاوی کا سرسری معائنہ** | ہم بزرگانِ اہلبیت کو مذکورہ بالا تمام

دعاوی سے میرا اور انہیں تفتیہ باز مفسدِ دین گروہ کا کرشمہ قرار دیتے ہیں۔ مگر واضح ہونا چاہیے کہ جہل و تکبر اور انتقاد و سراسر میں۔ اہل باطل یکساں اصول سے اپنی تحریکیں چلاتے ہیں۔ شیعہ حضرات نے تعلیمات نبوی اور قرآن سے گلو خلاصی کے لیے جہاں قرآن پاک کی صحت و سالمیت کا انکار کیا۔ آپ کے تمام شاگردوں کو مرتد اور منافق کہا۔ نبوت کے انکار کے لیے ”عقیدہ امامت“ کو آرٹ بنایا۔ چونکہ یہ عقیدہ پورے اسلام کی بیخ کنی کرتا تھا۔ اور اسے آشکارا کرنا انتہائی خطرناک تھا۔ لہذا عقیدہ تفتیہ کو ایجاد کیا۔ اور تمام مذہب کے ۹ حصے اس کے حوالے کیے۔ جیسے امام جعفر صادقؑ نے فرمایا۔

ان تسعة اعشار الدین فی النقیۃ  
ولا دین لمن لا نقیۃ لہ ذاب النقیۃ ۲  
۲۱ من الکافی  
بلاشبہ دین کے ۹ حصے تفتیہ یعنی مذہب کو چھپانے اور جھوٹ بولنے میں ہیں جو تفتیہ نہیں کرتا وہ بے دین ہے۔

یعنی مذہب شیعہ کا صرف دسواں حصہ ظاہر و باطن میں یکساں ہے گو وہ بھی قرآن و سنت کے مخالف ہو۔ ورنہ ۹ حصے ظاہر و باطن میں مخالف ہیں۔ شیعہ جو ظاہر کر رہے ہیں کہ وہ مراد نہ ہوگی بلکہ اس کے خلاف ہوگی اور جو باطن مراد ہوگی اسے لفظوں میں کبھی ظاہر نہ کریں گے اس کے خلاف کہیں گے۔ تمام عقلا اسے جھوٹ ہی کہتے ہیں یہ عقیدہ امامت بھی زیر زمین تحریک سے پیدا ہوا چنانچہ امام باقرؑ فرماتے ہیں۔

ولا یتہ الله اسرھا الی جبریل علیہ السلام واسرھا جبریل الی محمد صلی اللہ علیہ وسلم واسرھا محمد الی علی واسرھا علی الی من شاء الله ثم انتم تن یعون ذلك الی  
اللہ نے حضرت علیؑ کو امام بنانا بطور راز جبریلؑ کو بتایا۔ جبریلؑ نے یہ راز حضورؐ کو بتایا۔ حضرت محمدؐ نے یہ راز صرف حضرت علیؑ کو بتایا۔ حضرت علیؑ نے یہ راز مشیت خداوندی سے کسی کو بتایا



ان قال ولا تذیعوا حدیثنا

(اصول کافی ۲۲۵)

(اب وہ آشکارا ہو گا) ہم اس کو مشہور کرتے ہو۔۔۔

تم ہرگز ہماری امامت اور باتوں کو شہرت مت دے

سبحان اللہ عقیدہ امامت کیا ہی راز تھا کہ حضرت جبریل و پیغمبر علی کو معلوم ہوا اور باقی فرشتے۔ انبیاء اور حضرت فاطمہ و حسین بھی اس سے غروم رہے۔ پھر قرآن میں یہ کیسے ذکر ہو سکتا تھا۔ یہ راز سرستہ خاندان نبوت کے لوگوں کو بھی معلوم نہ تھا۔ اصول کافی ۲۲۵ میں ایک لمبی حدیث ہے کہ امام زین العابدین کے صاحبزادے حضرت زید شہید کے سامنے انول ناجی شخص نے مسئلہ امامت بیان کیا تو آپ نے فرمایا۔ میرے باپ مجھے ایک درس نہ خوان پرکھنا کھلاتے لقمے ٹھنڈے کر کے دیتے تاکہ میرا منہ نہ جلے۔ گرم روٹی سے تو مجھے بچایا مگر جنم کی آگ سے بچانے کی کوئی فکر نہ کی کہ تجھے مسئلہ امامت بتایا اور مجھے نہ بتایا؟

ایک حدیث میں امام نے فرمایا۔ تفتیہ میرا دین ہے اور میرے باپ دادا کا مذہب ہے جو تفتیہ نہ کرے وہ لا مذہب (کافر) ہے۔ ہماری امامت کو ظاہر کرنے والا منکر امامت کی طرح (باجعلان) ہمارے روایات سے اس مسئلہ کے درپے نہیں ہیں کہ آج شیعہ اپنے ائمہ کے ارشادات کی کھلی مخالفت کر کے علی الاعلان پاکسی نہ کسی رنگ میں جو امامت کے عقیدہ کو ظاہر کرتے ہیں وہ اپنے ائمہ کے فتویٰ کی دوسرے کھلے بے دین اور امامت کے منکر ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ جیسے شیعہ نے تفتیہ کی آڑ میں رفتہ رفتہ الحاد پھیلایا اور حسب الاعتراف مجلسی امامت بواسطہ نبی نبوت ہے۔ کافقہ نکالا۔ اسی طرح مرزا غلام احمد قادیانی نے بھی رفتہ رفتہ دعویٰ کیے اور نبوت کی سیٹھ تک بایں دلیل جا پہنچے۔ کہ خاتم الانبیاء کی ہر سے ایک شخص مثل نبی اور برہ وزی نبی بن سکتا ہے۔ ایک چراغ سے دوسرا چراغ جلا لیا جاسکتا ہے۔ زلزلہ تلخ ہو نقوشات مرزا ج ۵)

دعویٰ نبوت | ائمہ شیعہ کی طرح مرزا کے کلام میں استفادہ تضاد ہے کہ لاہوری گروہ کو نبی کے بجائے مجدد ماننا پڑا۔ ایک طرف یہ کہتا ہے۔ ”وہ مسیح ہو وود جو آخری زمانہ کا مجدد ہے۔“

وہ ہیں ہی ہوں۔ (حقیقۃ الوحی ص ۱۹)

دوسری طرف یہ کہتا ہے

آدم نیز احمد مختار در برہم جب ائمہ مجہد ابرار



اچھے دادا است ہر نبی را جام  
داداں جام را بہ تمام (نزول المسیح) ۹۹  
منم مسیح زماں و منم کلیم خدا  
منم محمد و احمد کہ محبتی باشند (زبایق القلوب) ۲  
جو شخص معجز میں اور نبی مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں فرق کرتا ہے اس نے مجھے نہیں  
جانا اور نہیں پہچانا۔ (خطبہ الہامیہ ص ۱)

**محدثیت کا دعویٰ** | جیسے شیعہ ائمہ نے محدث ہونے کا دعویٰ کیا اسی طرح مرزا نے بھی کیا۔  
”اس عاجز کے رسالہ فتح الاسلام، توضیح المرام، ازالہ اوہام میں  
جس قدر ایسے الفاظ ہیں کہ محدث ایک معنی میں نبی ہوتا ہے یا یہ کہ محدثیت جزوی نبوت ہے یا یہ  
کہ محدثیت نبوت ناقصہ ہے۔ یہ تمام الفاظ حقیقی معنوں پر محمول نہیں صرف سادگی سے ان کے  
لغوی معنوں سے بیان کیے گئے ہیں۔ مجھے حقیقی نبوت کا ہرگز دعویٰ نہیں۔ (حقیقۃ النبوت ص ۹)  
از میاں محمود احمد

**بیاطن نبوت کا اعتراف** | شیعہ علماء کی طرح بیاطن نبوت کا اقرار بھی ہے۔  
”ان اربعہ وزی وظلی، معنوں کی رو سے مجھے نبوت اور رسالت  
سے انکار نہیں اس لحاظ سے صحیح مسلم میں بھی یہی معبود کا نام نبی رکھا ہے اگر خدا تعالیٰ سے  
غیب کی خبریں پانے والا نبی کا نام نہیں رکھتا تو پھر تبارک و تعالیٰ کس نام سے اس کو پکارا جائے۔  
(اشتمار ایک غلطی کا ازالہ ص ۱)

شیعہ ائمہ کی طرح تشریح سازی اور تحریم و تحلیل بھی کی۔ رسالہ الجہنم ص ۱۱ میں لکھتا ہے۔  
”یہ بھی تو سمجھو کہ شریعت کیا چیز ہے جس نے اپنی وحی کے ذریعے سے چند امر اور نہی بیان  
کیے اور اپنی امت کے لیے ایک قانون مقرر کیا وہی صاحب التشریح ہو گیا پس اس تعریف  
کی رو سے بھی ہمارے مخالف ملزم ہیں کیونکہ میری وحی میں امر بھی ہیں اور نہی بھی۔

**منکر جہنمی ہیں** | ائمہ شیعہ کی طرح مرزا اپنے منکروں کو کافر اور جہنمی کہتا ہے  
۱۔ ہر ایک شخص جس کو میری دعوت پہنچی ہے اور اس نے مجھے قبول نہیں  
کیا وہ مسلمان نہیں ہے۔ (حقیقۃ الوحی ص ۱۲۳)

ب۔ اے مرزا! جو شخص تیری پیروی نہ کرے گا اور محبت میں داخل نہ ہوگا وہ خدا اور



رسول کی نافرمانی کرنے والا اور جہنمی ہے۔ (رسالہ معیار الانبیاء ص ۵)

نقطی ختم نبوت کا اقرار | آمد شیعہ کی طرح نقطی ختم نبوت کا قائل تھا۔

”نہ مجھے دعویٰ نبوت۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کا قائل اور یقین کا بل سے جانتا ہوں اور محکم ایمان رکھتا ہوں کہ ہمارے نبی صلعم خاتم الانبیاء ہیں۔ اُن جناب کے بعد اس امت کے لیے کوئی نبی نہیں آئے گا۔۔۔ ہاں محدث آئیں گے جو اللہ سے ہی ہم کلام ہوتے ہیں اور نبوت تامہ کے بعض صفات ظلی طور پر اپنے اندر رکھتے ہیں اور بلحاظ بعض وجود شان نبوت کے رنگ سے رنگین کیے جاتے ہیں ان میں سے ایک میں ہوں۔ (شہادۃ الملہمین ص ۲۸)

شیعہ

شیعہ بھی کہتے ہیں تمام مسلمانوں سے ان کا الگ خاص مذہب ہے۔ کلمہ نماز روزہ حج تمام دینی امور میں ان کے طریقے اور مسائل الگ ٹھیک ہیں۔ متن قرآن۔ تفسیر حدیث فقہ اصول عقاید اعمال غرض ہر شعبہ میں لٹریچر بھی الگ ہے۔ وہ کسی عام مسلمان سے نہ قرآن و سنت سیکھتے ہیں۔ ان کے پیچھے نہ نماز پڑھتے ہیں۔ ملت قادیانیہ کی طرح ملت شیعہ علی

مسلمانوں سے قطع تعلق | مرزا کتا ہے

فرقوں کو جو دعویٰ اسلام کرتے ہیں بکلی ترک کرنا پڑے گا۔ وحاشیہ تحفہ گوشت و دیر (ص ۱۲۸) غیر احمدیوں سے دینی امور میں الگ رہو۔ رنج المصلی ص ۳۸۲

میں تم کو تباکید منع کرتا ہوں کہ غیر احمدی کے پیچھے نماز نہ پڑھو (الحکم فروری ص ۱۹-۳۳)

کہلاتے ہیں۔ امت محمدیہ کہلانے پر کبھی فخر نہیں کرتے۔

معاملات میں قطع تعلق | قادیانی کسی

رشتہ نہیں دیتے۔ نہ ان کا جنازہ پڑھتے ہیں دیکھیے انوار خلافت ص ۹۲-۹۳

شیعہ بھی مسلمانوں سے رشتہ ناظر نہیں کرتے نہ ان کا جنازہ پڑھنا جائز سمجھتے ہیں۔ اگر کوئی تفتیہ کر کے سنی کا جنازہ پڑھے تو یہ دعا کرتا ہے۔ اے اللہ اس کی قبر کو آگ سے بھر دے۔



**کلمہ میں علیحدگی** | شیعہ تو صدیوں سے اپنا کلمہ الگ پڑھتے ہیں۔ علی ولی اللہ وصی رسول اللہ و خلیفۃ بلا فصل۔ مگر قادیانیوں نے ۱۷۷۷ء میں ناجبجیر یا میں ایک مسجد پر یہ کلمہ لکھا۔ لا الہ الا اللہ احمد رسول اللہ (بحوالہ چٹان ۱۰ دسمبر ۱۹۷۲ء)

**تمام مسلمان کنجریوں کی اولاد ہیں۔** | مرزا کہتا ہے۔  
الا ذریتہ البغایا۔ مگر کنجریوں کی اولاد نہیں مانتی۔ (آئینہ کمالات اسلام)  
شیعہ کے امام جعفر صادقؑ بھی فرماتے ہیں۔

واللہ یا ابا حمزۃ ان الناس کلہم اولاد البغایا ما خلا شیعتنا (روضہ کافی)  
اے ابو حمزہ خدا کی قسم سب لوگ کنجریوں کی اولاد ہیں۔ سوائے ہمارے شیعہ کے۔

**تمام مسلمان سور خنزیر اور لختی ہیں۔** | مرزا کا یہ شعر مشہور ہے۔

ان العدی صاروا خنازیر الفلا و ساء لهم من دونہن الالکب  
یہ دشمن جنگلوں کے سور ہیں اور انکی عورتیں کتوں سے بڑھ کر ہیں۔ (نجم المدنی قرہ)  
شیعہ کے امام صادق امت محمدیہ (غیر شیعہ) کے متعلق فرماتے ہیں۔  
ہذہ الامۃ انشأۃ الخنازیر  
وفیہا ہذہ الامۃ الملعونۃ  
(اصول کافی ج ۳ ص ۳۳۷)

**تمام مخالفین مسلمانوں کو قتل کرنے کے منصوبے۔** | خلیفہ قادیان کہتا ہے۔  
پہلے جو مسیح آیا تھا اسے دشمنوں نے صلیب پر چڑھایا۔ مگر اب مسیح اس لیے آیا کہ اپنے مخالفین کو موت کے گھاٹ اتار دے۔ (عرفان الہی ص ۹۷)  
شیعہ کا یہ قطعی عقیدہ ہے کہ حق تعالیٰ نے حضور کو رحمت کے لیے بھیجا ہے مگر قالم آل محمد



(مہدی) کو عذاب کے لیے بھیجا۔ (حیات القلوب ج ۲ ص ۶۱۱) چنانچہ آپ ۳۱۳ ہجری میں موتوں کو ساتھ لے کر تمام امت محمدیہ سے جنگ کریں گے اور امام حسینؑ کا انتقام لیں گے۔ حتیٰ کہ روضہ محمدیہ کو گرا کر (الحیاء باللہ) شیعین کی لاشوں کو باہر نکالیں گے اور انتقام لیں گے (اصول کافی) حضرت عائشہؓ کو بھی قبر سے نکال کر حد لگائیں گے اور حضرت فاطمہؓ کا بدلہ لیں گے (حیات القلوب ج ۲ ص ۶۱۱)

**انبیاء علیہم السلام اور بزرگان دین کی توہین** | مرزا نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے لے کر حضرت حسینؑ تک کی توہین کی ہے۔ "مسیح"

کا چال چلن کیا تھا۔ ایک کھاؤ پویش رانی، نہ زائد نہ عاید۔ نہ حق کا پرستار، متکبر، خود بین، خدائی کا دعویٰ کرنے والا (مکتوبات احمدیہ ص ۲۷۷)

اوشیعو! تم مردہ حسینؑ کا ماتم کیوں کرتے ہو۔ تم میں ایک زندہ حسینؑ (مرزا) موجود ہے۔  
سے صد حسنینم در گریبانم (الحیاء باللہ)

شیعی احادیث میں یہ بہت طویل اند و بناک موضوع ہے۔ مختصر یہ کہ پنج تن۔ منزعومہ بارہ آئمہ اور ان کو شرکار فی النبوة و اجزائے محمدانے والے شیعہ کے سوا امت کا ایک فرد بھی نہیں جس پر خصوصاً یا عمومًا لعنت اور تبرا نہ کیا گیا ہو۔ چنانچہ حضرت ابوبکر۔ عمر۔ عثمان۔ طلحہ۔ زبیر۔ جملہ صحابہ کرام۔ اہمات المؤمنین خصوصاً حضرت عائشہ و حفصہ۔ بنات رسولؐ (الصبوت اسکار و طعن در نسب) و اما و کان رسولؐ۔ آپ کے چچے۔ خالو جان۔ چچا زاد و بھوپھی زاد برادران تمام صحابہ و اہل بیت رضی اللہ عنہم کو نام بنام یا عمومًا لعنتیں کی گئی ہیں۔ یا ان کو ماننے والی تمام امت کو کافر ملعون اور دوزخی کہا گیا ہے۔ حتیٰ کہ حضرت عمارؓ۔ ابوذرؓ۔ حذیفہؓ۔ سلمان فارسیؓ اور مقدادؓ کے ایمان میں بھی کیڑے نکالے گئے ہیں جن کے متعلق ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ یہاں صرف ابوالانس والانبیاء حضرت آدمؑ کی توہین کا حوالہ کافی ہے۔

اصول الکفر ثلاثۃ الحرص  
والاستکبار والحسد فاما الحرص  
فان آدم علیہ السلام حین نفی عن  
کفر کے اصول تین ہیں۔ لالچ۔ تکبر اور حسد۔  
لالچ تو حضرت آدمؑ علیہ السلام نے کیا جب  
درخت سے روکے گئے تو لالچ نے ان کو کھانے



الشجرة حمله الحاص على ان اكل  
منها الحرام (اصول کافی ج ۲ ص ۲۸۹)

پر آمادہ کیا۔ (اور کفر کر بیٹھے)

مرزا محمود حقیقۃ الرؤیا ص ۱۲ پر لکھتا ہے۔

**مکہ و مدینہ کی توہین**

”قادیان تمام بستیوں کی ماں ہے پس جو قادیان سے تعلق نہیں رکھے گا وہ کاٹا جائے گا۔ تم ڈرو کہ تم میں سے کوئی کاٹا نہ جائے پھر یہ تازہ دودھ کب تک رہے گا آخر ماؤں کا دودھ بھی سوکھ جایا کرتا ہے۔ کیا مکہ اور مدینہ کی چھاتیوں سے یہ دودھ سوکھ گیا کہ نہیں۔“

مکہ اور مدینہ کی توہین اور اہل مکہ کے کافر خدا کے کھلے منکر اور رومی عیسائیوں سے بدتر واپیدیوں نے پرانام جعفر کی شہادت اصول کافی ج ۲ ص ۲۹ پر مفصل گزر چکی ہیں۔ مراجعت کر لیجائے۔ خلیفہ قادیان لکھتا ہے۔ ہمارا سالانہ جلسہ ایک قسم کا حج مکہ کے سوا دوسری جگہ کا حج ہے۔ (الفضل نمبر دسمبر ۱۹۳۲ء) ہمارا جلسہ بھی حج کی طرح ہے۔ خدا نے قادیان کو اس کام دجج کے لیے مقرر کیا ہے۔ (برکات خلافت ص ۵)

شیعہ کی مرفوع حدیث ہے کہ جو شخص حضرت حسین کی زیارت کو جائے ایسا ہے جیسے حج کرنے گیا ہو اور عمرہ بجالا یا ہو۔ ابن قولویہ نے معتبر سند کے ساتھ حضرت صادق سے روایت کی ہے کہ حضور نے فرمایا کہ جو شخص شہادت حسین کے بعد اپنی فکر کی زیارت کرے حق تعالیٰ میرے ایک حج کا ثواب اس کے لیے نکھیں گے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے تعجب کیا تو فرمایا۔ ایک دو چار نہیں بلکہ میرے ۹۰ حجوں کا ثواب ملے گا۔ (جلاء العیون ص ۳۲۷)

نیز فروع کافی ج ۲ ص ۵۸ پر ہے کہ جو عید کے دن حضرت حسین کا حق پہچان کر زیارت کرنے آئے اس کو ۲۰ حج مبرور ۲۰ عمرہ مقبول اور ۲۰ نبی مرسل کے ہمراہ حج کرنے کا ثواب ملے گا۔

نوٹ۔ عشرہ محرم میں تعزلیوں کی ساخت اور گلی گلی بھرا نا ان نبوی ۹۰ حجوں کے ثواب کمانے کا ست طریقہ ہے۔

قارئین کرام! مسلامت کی حقیقت اور اس کے مضمرات میں جا کر ہم نے تفصیل اس لیے



کی کہ شیعہ اسی بابہ تازہ مسئلہ سے عوام کو گمراہ کرتے اور مسلمانوں کو خاسخ از ایمان قرار دیتے ہیں۔ مگر اس کا حاصل ختم نبوت سے انکار مسلمانوں سے علیحدگی کے سوا کچھ نہیں۔ جیسے آپ قادیانیت کے ساتھ موازنہ سے معلوم کر چکے ہیں۔ شیعہ چونکہ قادیانیوں سے زیادہ پرہیزگار اور ہوشیار ہیں۔ اور تقیہ کی آڑ میں بالکل سیدھے مسلمان بن جاتے ہیں۔ اس لیے انکار ختم نبوت کی وجہ سے تکفیر سے اپنا بچاؤ کر لیتے ہیں۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کی خاص نصرت سے مسلمانانِ پاکستان کو ۷ ستمبر ۱۹۷۲ء کا جو مبارک دن نصیب ہوا اور قادیانیوں کو قومی اسمبلی نے بالاتفاق کافر قرار دے کر آئین میں جوئی دفعہ شامل کی وہ امامت کے متعلق ایسا عالی عقیدہ رکھنے والوں کو بھی شامل ہے۔ ہم فیصلہ قارئین پر چھوڑتے ہیں۔ سابقہ متر عنوانات متعلقہ امامت کو اس پر جانچ لیں۔

آئین پاکستان کے آرٹیکل ۲۶۰ میں دفعہ ۲ کے بعد نئی دفعہ یہ ہے۔

”جو شخص حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے پر مکمل اور غیر مشروط طور پر ایمان نہ رکھتا ہو یا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد الفاظ کے کسی بھی مفہوم یا اظہار کی صورت میں نبی ہونے کا دعویٰ کرنا ہو یا اسی قسم کے دعویٰ کو نبی یا مصلح ماننا ہو وہ آئین یا قانون کے مقاصد کے تحت مسلمان نہیں۔“ اور تخریراتِ پاکستان کی دفعہ ۲۹۵ میں یہ شرح بھی شامل کر دی گئی ہے کہ

”جو شخص حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کے تصور کے خلاف عقیدہ رکھے۔ عمل کرے یا پرچار کرے اسے اس دفعہ کے تحت سزا دی جا سکے گی۔“ (نوٹ: وقت راولپنڈی ۸ ستمبر ۱۹۷۲ء)

شیعہ کے آئمہ مراد نہ ہونے پر دوسری دلیل | سابقہ تفصیل سے معلوم ہو چکا کہ حدیثِ زیر بحث میں شیعہ کے مراد ۱۲ ائمہ مراد نہیں ہو سکتے کیونکہ ان کی امامت نبوت سے بھی افضل ہے اور انہیں ماننے پر ختم نبوت کا انکار ہے۔

اب ہم یہ واضح کرتے ہیں کہ حدیث میں عزتِ اسلام اور اس کے غلبہ کی جو پیشینگوئی ہے وہ بالاتفاق ان بزرگوں کے زیر خلافت پوری نہیں ہوئی۔ کیونکہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے سوا



باقی احضرات کو منصب خلافت و امامت عطا ہی نہیں ہوا۔ جو حدیث مذاہب مذکور ہے۔ مثلاً صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۱۳ پر ہے یوں اثنا عشر امیر۔ اسی طرح جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۱۳ پر ہے۔ یوں من بعدی اثنا عشر امیر۔ کہ میرے بعد ۱۲ امیر و حاکم ہوں گے۔ خلافت معہودہ کے لیے بالاتفاق حکومت اور رعایا پر حکمرانی شرط ہے۔ چنانچہ نتیجہ کی اصول کافی ج ۱ ص ۲ پر یہ باب ہے۔

باب ما یجب من حق الامام علی الرعیۃ  
و حق الرعیۃ علی الامام۔  
یعنی رعایا پر خلیفہ کے اور خلیفہ پر رعایا کے حقوق۔

اس میں یہ حدیث ہے کہ امام باقرؑ سے پوچھا گیا کہ لوگوں کا امام پر کیا حق ہے؟  
قال یقسم بینہم بالسوئۃ و یعدل فی الرعیۃ  
کہ انصاف سے لوگوں میں مال تقسیم کرے  
اور رعایا میں عدل پر قرار رکھے

امام باقرؑ سے ایک دوسری مرفوع حدیث میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔  
امامت اس آدمی کی ہی درست ہو سکتی ہے جس میں یہ تین خصلتیں ہوں۔ جسے تقویٰ گناہوں  
سے روکے جس کا حلم و حوصلہ غصے پر غالب ہو جو اپنے ماتحتوں پر اچھی حکومت کرے۔  
حتی یكون كالوالد الرحیم و فی روایۃ  
اخروی یكون للرعیۃ كالاب الرحیم  
یہاں تک کہ مہربان والد کی طرح ہو اور دوسری  
روایت میں ہے کہ رعیت کے لیے مہربان باپ  
کی طرح ہو۔ (ج ۱ ص ۲۷)

اسی طرح ایک باب کا عنوان ہے۔ باب ان الارض کلہا للامام۔ سب زمین پر  
حکومت امام کا حق ہے۔ اور اس میں یہ ہے کہ ”جو مسلمان بنجر زمین آباد کرے اس کا خراج  
امام اہل بیت کو ادا کرے۔“

ان تمام روایتوں سے معلوم ہوا کہ خلیفہ کے لیے ظاہری حکومت۔ رعایا کے لیے فیصلے کرنا  
اور ان کے معاملات میں تصرف کرنا۔ خراج لینا اور مال تقسیم کرنا شرط ہے۔ اور مرفوع حدیث  
نے توشیح کی ”منصوص امامت“ کا بھی ابطال کر دیا ہے۔ کہ ارشاد نبوی کے مطابق ہر وہ  
شخص جائز خلیفہ اور امام ہے جس میں تین شرطیں پائی جائیں۔ اور عصمت بھی شرط نہیں۔



بلکہ تقویٰ کے زور سے گناہوں سے بچنا۔ یعنی عدالت۔ ضروری ہے۔

اصول کافی ص ۱۲ طبع لکھنؤ میں یہ صراحت ہے۔ ”کہ بیشک امامت (خلافت) دین کی باگ مسلمانوں کا نظام اور دنیا کی اصلاح اور مومنوں کی عزت ہے۔ بے شک امامت دین اسلام کی بڑھنے والی جڑ ہے اور اس کی بلند شاخ ہے۔ بے شک امام کے ساتھ نماز۔ زکوٰۃ۔ روزہ حج اور جہاد کے فرائض ادا ہوتے ہیں۔ خے اور صدقات کی کثرت ہوتی ہے اور حدود۔ احکام شرعیہ کا جاری کرنا۔ ملکی سرحدوں اور بلاد اسلامیہ کی حفاظت ہے۔ وہ اللہ کے حلال کو حلال بتاتا ہے حرام کو حرام اور قائم کرتا ہے حدود خدا کو اور دفع کرتا ہے دشمنوں کو دین خدا سے اور بتاتا ہے دین خدا کی طرف لوگوں کو الخ (کافی اردو ج ۱ ص ۲۳)

جب خلافت و امامت کے لیے اقتدار۔ اجراء حدود۔ جہاد وغیرہ کا بھی مشروط ہونا ظاہر ہو چکا تو ان شرائط پر حضرت حسن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی مشکل پورے اترتے ہیں۔ حضرت حسن نے تو خلافت حضرت امیر معاویہ کے سپرد کر کے بیعت خلافت کر لی۔ اور حضرت علی نے تقریباً ساڑھے چار سال حکومت کی مگر کافی کے یہ اوصاف وہاں نظر نہیں آتے۔ آپ کے دور خلافت میں نہ مسلمان منظم تھے۔ نہ دنیا کی اصلاح اور مومنوں کی عزت نظر آتی ہے۔ نہ اسلام بڑھنے والی جڑ اور بلند شاخ کی صورت پیدا کر سکا۔ افراتفری کے دور میں مقبوضہ علاقوں کو سنبھالنا بھی مشکل ہو گیا تھا۔ اور حضرت معاویہ ان پر قابض ہوتے گئے۔ جیسے پہلے کتب شیعہ و تاریخ سے مسطور ہو چکا ہے۔

حدود و احکام شرعیہ کے نفاذ نہ کر سکنے کے متعلق خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کافی کی ایک لمبی تقریر میں فرماتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے۔ ”کہ مجھ سے پہلے خلفاء نے ایسے کام کیے جن میں عموماً انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خلاف ورزی کی

نافضین لہم ۸ مغیرین لسنہ  
و لو حلت الناس علی تذکھا و حولتها الی  
مواضعھا والی ما کانت فی عہد رسول  
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لتفرق عنی  
آپ کا عہد ٹوڑنے والے اور سنت بدلنے والے  
تھے۔ اگر میں لوگوں کو ان باتوں کے چھوڑنے  
پر آمادہ کروں اور سب کام اپنی جگہ درست  
کردوں جیسے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے



جندی حتی البقی وحدی او قلیل من

شیعتی

عمد میں تھے تو میرا لشکر مجھ سے جدا ہو جائے

اور تنہا رہ جاؤں یا پارٹی کے چند آدمی ساتھ ہو

پھر مثالیں دیتے ہوئے آپ نے فرمایا۔ اگر فاطمہؑ کے وارثوں کو فدک واپس کر دوں جو حضرت

کا صاع (غلہ ماپنے کا پیمانہ) جاری کر دوں۔ رسول اللہؐ کی ویسی ہوئی جاگیریں حقداروں کو دیدوں

ظلم کے فیصلے رد کر دوں۔ ناحق مردوں سے عورتیں چھین کر خاوندوں کو دے دوں۔ خیبر کی

تقسیم رد کر دوں۔ عطیات کے رہنمی پر فضیلت (کم و بیش دیوان ختم کر دوں اور برابر تقسیم کروں

کفو کی شرط اڑا کر نکاح میں مساوات جاری کر دوں۔ خمس رسولؐ کو نافذ کر دوں۔ رسول اللہؐ کی

مسجد کو گرا کر پہلی بنیادوں پر کر دوں۔ (یعنی تنگ کر دوں) مسح علی الخنین حرام کر دوں۔ نبیؐ

رکھو روں کا میٹھا پانی، پھر لگاؤں۔ متعہ کی حلت کا فتویٰ دے دوں۔ جنازہ پر پانچ تکبیریں

کہوں۔ لوگوں پر بلند آواز سے بسم اللہ پڑھنا لازم کر دوں۔ . . . . لوگوں کو قرآن کے فیصلے

اور طلاق سنت پر آمادہ کر دوں۔ تمام صدقات وصول کر دوں۔ وضو۔ غسل اور نماز اپنے دستور

اور وقت پر لوٹاؤں۔ غدا اہل بخران کو واپس کر دوں۔ فارس کی باندیاں واپس کر دوں اور تمام

قوموں کو سنت نبویؐ اور کتاب اللہ کی طرف لوٹا دوں تو اس وقت سب لوگ مجھ سے الگ ہو جائیں

میں نے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ ماہ رمضان میں صرف فرض کے لیے جمع ہوں اور بتلایا کہ نوافل

(یعنی تراویح) میں اجتماع بدعت ہے۔ تو لوگوں میں شور و غوغا مچا کہ ہوا کہ حضرت عمرؓ کی سنت بدلی

جاری ہے الخ (روضہ کافی ص ۵۹ طایران خطبہ فی الفتن والبدع)

حضرت امیرؓ پر شیعہ کے اس افتراء۔ جو خلفائے ثلاثہؓ کی دشمنی پر تصنیف کیا گیا۔ سے

معلوم ہوا کہ الیاذ باللہ خلفائے ثلاثہؓ نے تمام شریعت کا ستیاناس کر دیا تھا مگر حضرت علیؓ نے

صرف حکومت چھین جانے اور لشکر و احباب کے جدا ہونے کے خوف سے کسی ایک مسئلہ کو بھی قرآن و

سنت کی طرف نہ لوٹایا۔ نہ امامت کا فریضہ سر انجام دیا۔ اسے کہتے ہیں۔ پرانے شگون کی خاطر اپنی

ناک کٹوانا۔

خلفائے ثلاثہؓ رشتہ یحییٰ کی دشمنی میں شیعہ نے حضرت علیؓ کو امامت۔ بغیرت اور عقل و خرد

سے بھی محروم ثابت کر دکھایا کہ مسجد نبویؐ کی توسیع پر بھی ناخوش ہیں اور رمضان کی تکثیر عبادت پر بھی



تاریخ ہیں۔ عورتیں غیر مردوں کے تحت دیکھ رہے ہیں۔ مگر خاوندوں کو واپس نہیں کرتے۔ حالانکہ خلفاء ثلاثہ رضائے کے اگر کوئی کام خلاف شرع ہوتے تو ضرور ان کو بدلتے کیونکہ امام کا سب سے بڑا فریضہ ہی یہی تھا۔ جیسے اصول کافی میں ہے کہ زمین پر بہر صورت امام ہوتا ہے۔ تاکہ اگر مسلمان دین میں کچھ اضافہ کریں تو وہ رد کر دے اگر کوئی بات کم کر دیں تو وہ تکمیل کرے۔ دوسری روایت میں ہے کہ امام کا کام یہ ہے کہ وہ حلال و حرام کو پہچانے اور لوگوں کو خدا کی طرف بلائے۔ خلفاء ثلاثہ خاور ان کے کارناموں سے الفت کا اندازہ صرف اسی بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ باوجود فقیہ نہ ہونے۔ اختلاف کا حق رکھنے اور خلافت کی بدولت خود مختار ہونے کے قضاۃ کے سوال کے جواب میں کہتے ہیں کہ وہی پہلے فیصلے جاری رکھو۔ اقصوا جاکنتم قضاوی حتی یکون الناس جماعۃ او اموت کما مات اصحابی۔ جیسے پہلے فیصلے تم کرتے تھے اسی دستور پر فیصلے کرتے رہو حتیٰ کہ سب لوگ ایک جماعت ہو جائیں۔ یا اپنے اصحاب (خلفاء سابقین) کی طرح میں فوت ہو جاؤں۔

صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۲۶ پر یہ لفظ بھی ہیں۔ فانی اکبر الاختلاف میں اختلاف کو ناپسند کرتا ہوں۔

تغیب ہے کہ شیر خدا حضرت علی رضی اللہ عنہ پر یہ بزدلی۔ موقع پرستی اور بدابہت کا الزام شیعہ نے خود آپ ہی کے خطبات میں نہیں لگایا بلکہ ہر زمانہ میں شیعہ علماء۔ اس سوال کے جواب میں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پھر شیعہوں کا مسلک کیوں نہ ظاہر کیا۔ متعہ کو کیوں نہ رائج فرمایا وغیرہ۔ یہی کہتے آئے ہیں چنانچہ شیعہ کے شہید ثالث نور اللہ شوستری بھی لکھتے ہیں۔

دیگر آئندہ چوں حضرت امیر درایام خلافت خود دید کہ اکثر مردم حسن سیرت ابو کبر و عمر را معتقد اند و ایشان را برحق میدانند قدرت بر آن نداشت کہ کار سے کند کہ دلالت بر فساد خلافت ایشان دانستہ باشد۔ . . . تاکہ دوسرا جواب یہ ہے کہ جب حضرت امیر نے اپنے ایام خلافت میں دیکھا کہ اکثر لوگ (بلکہ سب) حضرت ابو کبر و عمر کی حسن سیرت کے معتقد ہیں اور ان کو برحق جانتے ہیں تو قدرت اس بات پر نہ پائی کہ آپ ایسا کام کریں جو



ان کی خلافت کے فساد پر دال ہو۔۔۔۔۔ بھتی کر  
حضرت امیرؓ نے مصلحتِ وقت کی خاطر ان کو  
(نماز تراویح میں) برہ حال خود رکھا۔ خلاصہ کلام  
یہ ہے کہ آپ کی خلافت ان دنوں (بھی) برائے

نام سے زیادہ نہ نکلی۔

اور ہمارے معاصر محمد حسین ڈھکونے بھی حامد حسین وغیرہ کی اتباع میں ”تجلیات صداقت“ میں یہی کچھ لکھا ہے۔ حالانکہ حضرت امیر المومنین اگلا اپنے نظریہ کے خلاف کسی ملامت کرنیوالے کی پرواہ کرتے یا مصلحت وقت کی خاطر مداخلت کو گوارا کرتے تو حضرت معاویہؓ کو معزول نہ کرتے۔ آپ کے مطالبہ کے باوجود حضرت عثمانؓ کے قصاص میں تاخیر نہ کرتے۔ پھر کبھی جبل و صغین میں ۷۰ ہزار مسلمانوں کے خون کی ندیاں نہ بہتیں جس کے نتیجہ میں اسے عامہ بالآخر آپ سے بظن و متغیر نہ ہوتی۔ منظم حکومت عراق و حجاز کے سوا آپ کے ہاتھ سے نہ جاتی۔ حضرت امیر معاویہؓ کبھی برسرِ اقتدار نہ آسکتے۔ اور امت میں تاہنوز ختم نہ ہونے والی تفرقہ بازی کبھی پیدا نہ ہوتی۔ مگر ہمارا ایمان ہے کہ دل و زبان میں ایک مرد مومن حضرت علیؓ المرتضیٰ نے یہ سب نقصانات مہصا۔ مخالفین کے طعنے سنی کہ جان عزیز تک کی قربانی منظور کر لی مگر اپنے نظریہ کے خلاف کرنا جو اندری اور جرات کے خلاف جانا۔ اور زبان و دل کے تغایر اور تفرقہ بازی کو کسی صورت میں منظور نہ کیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ ظاہر میں کچھ باطن میں کچھ“ کا آپ پر منافقانہ الزام ہمیں سننے کا حوصلہ نہیں۔ اگر شیخ حضرت یہ واقعی اور سیدھی بات مان لیں کہ حضرت علیؓ صاف گو پاک باطن اور نڈر تھے جو کچھ قولاً و فعلاً تاریخ و نقول کثیرہ کی روشنی میں آپ نے کیا وہی آپ کا مذہب برحق اور عقیدہ تھا جو آج تک جمہور اہل اسلام کا مذہب چلا آ رہا ہے۔ تو ہم بھی اپنے مفاد کے خلاف یہ کہہ دیں گے کہ طبعاً از خود حضرت علیؓ اہل شام کے حق میں کشیدگی اور غیر دوستانہ جذبات رکھتے تھے۔ زندگی میں ماسی پر عمل ہوا۔ ان کے متعلق احکم الحاکمین ہی بہتر فیصلہ کرے گا۔ ہم حضرت معاویہؓ کی بہ نسبت حضرت علیؓ سے زیادہ الفت و محبت رکھتے ہیں۔ اور حتی الامکان اتباع کر کے کسی کی بدگوئی نہیں کرتے۔



الحاصل ۱۲ حضرات آئمہ اہل بیت شیعہ مذہب میں کبھی مراد نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ان میں سے صرف ایک سیاسی حاکم حضرت علیؑ کے عہد میں بھی اسلام عزیز و غالب نہ رہا تھا تا بدگیاں پھر رسد مذہب اہلسنت میں آپ چوتھے امام تھے۔

**آئمہ اہل بیت مراد نہ ہونے پر تفسیری دلیل** | کبھی بھی امت میں مسلم اور نجس مع علیہ تفسیری دلیل انکے مراد نہ ہو سکنے کی یہ ہے کہ اہل امارت

نہ ہوئی اور حدیث کا مصداق وہ ہیں جو کلہم تجتمع علیہ الامۃ (ابوداؤد ج ۲ ص ۵۸۸) کے امتیاز سے موصوف ہوں۔ راہِ اس حدیث کا مصداق اگر یہ بارہ آئمہ ہوتے تو انہیں مقسم قریب کے عنوان سے ذکر کیا جاتا۔ یعنی کلہم من بنی ہاشم کہا جاتا یا کلہم من ذرینہ کہا جاتا۔ کلہم من قریش سب قریش سے ہونگے۔ کے عنوان سے مقسم بعد کا ذکر نہ کیا جاتا۔ کیونکہ دو چند چیزوں کی وحدت یا اشتراک ذکر کرنا ہوتا ہے قریبی وحدت و جنس سے ذکر کیا جاتا ہے۔ مثلاً اگر حضور علیہ السلام اور حضرت علیؑ کی خاندانی قرابت کو بیان کرنا ہو تو بنو ہاشم بلکہ بنو عبدالمطلب سے اس کا تعارف صحیح ہوگا۔ اور بنو اسمعیل کا عنوان بلاغت و مفاد کے خلاف ہوگا۔ اب آئیے حدیث کے اصل مقوم و مصداق کی طرف جس کی وضاحت مختصر حق کو درکار ہے۔

**حدیث کا مفہوم** | حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں خلافت علی منہاج النبوت کے حاملین مراد نہیں بلکہ خلفاء سے مراد مطلق امراد ہیں جن میں اچھے بھی ہو سکتے ہیں اور

برے بھی۔ یہ صرف ایسے بارہ امار و حکام کی خبر دی جا رہی ہے جن کی حکومت تمام قلم و اسلامیہ میں مسلم ہوگی اور ان ۱۲ احکام تک ایک ہی بیک وقت خلیفہ۔ ایک دار الخلافہ اور ایک ہی جھنڈا ہوگا تو انہیں خلیفہ کو نہ حکومت کے لحاظ سے ہے۔ جیسے ترمذی و بخاری کے حوالہ سے آٹھ عشر امیر کے لفظ گزر چکے ہیں۔ صرف حضورؑ کی جانشینی کے لحاظ سے ہرگز نہیں حقیقی خلافت اور مجازی خلافت ہر دو کے سربراہان اس مطلق خلافت میں جمع ہو سکتے ہیں۔ سنن ابی داؤد شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بارہ کی ملامت یہ بیان فرمائی ہے کہ ان میں سے ہر ایک کی حکومت پر پوری امت کا اتفاق ہوگا۔ کلہم تجتمع علیہ الامۃ (ابوداؤد ج ۲ ص ۵۸۸) اس قبیل سے معلوم ہوا کہ خلفاء بنو عباس میں سے کوئی اس کا مصداق نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس وقت مسلمانوں کے جھنڈے دو تھے



کہ اس وقت سپین میں بھی خلفاء بنو امیہ بالکل خود مختار تھے۔ عصر حاضر کے حکمران بھی اس کے ماتحت نہیں آسکتے کیونکہ یہ بھی بجائے ایک حکومت یا جھنڈے کے ماتحت ہونے کے بجائے متحد و مستقل و آزاد و خود مختار حکومتوں میں منقسم ہیں۔ یہاں صرف تین اشکال باقی ہیں۔

۱۔ حضرت علیؑ ان بارہ افراد میں کیسے شامل ہو سکتے ہیں جبکہ آپ کے عہد میں حضرت معاویہؓ بھی امیر تھے۔ جواباً گزارش ہے کہ اس وقت خلافت کا جھنڈا صرف ایک یعنی حضرت علی المرتضیٰؑ کا تھا ان کے مقابلے میں حضرت معاویہؓ خلافت کے مدعی ہرگز نہ تھے۔ بلکہ ان کی حیثیت خلیفہ برحق حضرت عثمانؓ کے مقرر کردہ گورنر کی تھی۔ اور وہ اپنی اسی حیثیت پر قائم تھے۔ جب تک کہ نئے خلیفہ انہیں شہادت عثمانؓ کے جملہ شہادت سے مطمئن نہ کر دیں۔ حافظ ابن تیمیہؒ نے منہاج السنۃ میں حضرت امیر معاویہؓ کے اس موقف کی خود حضرت امیر معاویہؓ سے ہی تصریح نقل کی ہے۔ — جیسے طبری وغیرہ کے حوالے سے ہم بھی سوال کیا کہ تخت بیان کر چکے ہیں — پس جب وہ اس عبوری دور میں ایک مستقل خلافت کے مدعی نہ تھے تو یہ ہرگز نہیں کہا جاسکتا کہ اس وقت دو خلیفہ تھے۔ خلیفہ برحق حضرت علی المرتضیٰؑ تھے اور حضرت امیر معاویہؓ عبوری طور پر ایک اجتہادی غلط فہمی سے اس چوتھی خلافت کو تسلیم کرنے سے رکے ہوئے تھے۔ پھر حضرت امام حسنؑ کے حضرت امیر معاویہؓ کی بیعت کرنے کے بعد یہ اختلافات بھی ختم ہو گئے اور جمہور اہل سنت نے حضرت علی المرتضیٰؑ کی سابقہ حکومت کے برحق ہونے پر اجماع کر لیا اور اسی طرح یہ چوتھی خلافت بھی کلہم تجمیع علیہ الامۃ کے ماتحت آگئی اور یہ اجماع عام ہے کہ وقت حکومت ہو یا بعد الحکومت بہر حال حکومت تجمیع علیہ ہونی چاہیے۔

اب، حضرت امیر معاویہؓ ان بارہ حکام میں کیسے شامل ہو سکتے ہیں جبکہ آپ نے حضرت علیؑ سے اختلاف کیا۔ جواب یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ اس وقت بارہ میں معدود ہیں۔ جب حضرت امام حسنؑ نے اپنی حکومت بھی ان کے سپرد کر دی اور اس وقت تمام مسلمانوں کا جھنڈا ایک ہو گیا تھا۔ اس دور میں سے تا وفات ۲۰ سال تک حضرت معاویہؓ کلہم تجمیع علیہ الامۃ کا یقینی مصداق تھے۔ (بحوالہ عبقات ص ۳۸۸ از علامہ خالد محمود)

ج، حضرت امیر معاویہؓ کا بیٹا یزید جس کے مقابل عبداللہ بن زبیرؓ خود مختار حکومت کے مدعی



تھے۔ ان بارہ میں شمار ہو گا یا نہیں۔ جو اب اگر ایشیہ ہے کہ مجبوراً پہل سنت کے نزدیک یزیدیان بارہ میں شامل نہیں۔ علامہ حافظ سیوطیؒ نے تاریخ الخلفاء میں ایک قول اور ملا علی قاریؒ نے شرح فقہ اکبر میں بے شک اس کو شمار کیا ہے مگر یہ ایک قول کی حکایت یا ان کی ذاتی رائے ہے۔ اجماعی مسلک نہیں۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ قرۃ العینین میں رقمطراز ہیں۔

یزید بن معاویہ خود انہیں میاں  
ساقط است بحجت عدم استقرار و مدت  
یزید بن معاویہ یا اس شمار سے باہر ہے کیونکہ  
معتد بہادت تک اسے استقرار نہ رہا۔ اور  
معتد بہا و سومیرت اور۔ قرۃ العینین ص ۲۹۸  
اس کی شیر بری تھی۔

مجتبائی دہلی،

مگر شیعہ حضرات کو شرح فقہ اکبر و تاریخ الخلفاء کے بیان سے اتنا جز بزر نہ ہونا چاہیے کیونکہ ان کے چوتھے امام نے تو یزید کے ساتھ ۵ دن دسترخوان پر کھانا کھایا۔ ہدایا اور مالی نقصانات وصول کیے۔ حرہ میں یزید کی مخالفت نہ کی۔ بلکہ روضہ کافی ص ۲۳۳ کے بیان کے مطابق خود کو یزید کا مجبور غلام کہا اور عملاً سبیت کر لی۔ یزید کے نام مبارک دور میں حادثہ کر بلا و واقعہ حرہ جیسے عظیم حادثات پیش آئے مگر ان کی زیادہ تر ذمہ داری ماتحت عملہ اور فوج پر ہی آتی ہے اور براہ راست اس کی طرف نسبت نہ کرنے میں مصلحت یہ ہے کہ عدم تصنوی میں جمل و صغین میں اسے کہیں زیادہ مسلمانوں کی عزت اور جانوں کا نقصان ہوا۔ جبکہ براہ راست کہان آپ کے ہاتھ میں تھی۔ بلاشبہ حضرت مرتضیٰؑ و یزید میں تقابل کا سوال نہیں مگر امت میں فرقہ بندی کے پیش نظر ایک ناہمی یزید کے خلاف مواد کو حضرت علیؑ کے خلاف استعمال کر سکتا ہے۔ تو یہ کہنا زیادہ موزوں ہے کہ جیسے حادثہ کر بلا کی ذمہ داری پیشتر۔ الی کوفہ۔ ابن زیاد اور شمر پر ہے اور حرہ کی چند سیاسی شاطروں اور درندہ صفت فوجیوں پر ہے۔ اسی طرح جمل و صغین کے خون ڈرامے۔ بلوایان عثمان اور سبائیوں کے (بالتفاق مورخین) رہیں منت پس گو وہ حضرت علیؑ کے فوجی ہیں۔ اس طرز ادا سے یزید سے دفاع مقصود نہیں بلکہ حضرت علیؑ سے دشمنوں کی زبان بند کرنا ہے۔ ان بارہ میں مردان بن حکم کے بجائے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو شمار کرنا زیادہ موزوں ہے۔ یہی حضرت امام مالکؒ کی رائے ہے اور یہی محدث ابن جوزیؒ کا فیصلہ ہے۔



اس حدیث کی تفہیم کے متعلق ایک اہم بات یہ ہے کہ اس روایت کے کسی طریق میں ان بارہ خلیفوں کی کوئی دینی شئنا منقول نہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں۔

لم يروا الحديث لمدحهم والتناء عليهم بالدين وعلى هذا اطلاق اسم الخلافة في هذا الحديث بالمعنى المجازي ولما حديث الخلافة من بعدى ثلاثون سنة فالمراد خلافة النبوة۔

ہوگی۔ "فتح الباری

یہ بے شک صحیح ہے کہ بارہ امراء کی اس روایت میں لا یزال هذا الدین عن یزأ آیا ہے کہ یہ دین ان بارہ امراء کے زمانے تک ضرور غالب رہے گا لیکن اس غلبے سے مراد دین کا داخلی غلبہ نہیں کہ ان کے زمانے میں تمام لوگ بڑے نیک اور دین دار ہوں گے بلکہ مراد دین کا خارجی غلبہ ہے کہ کوئی عین مسلم بیرونی طاقت مسلمانوں پر حملہ آور نہ ہو سکے گی۔ اور رقبہ اسلام ہر مخالف سلطنت کے لیے ارض منیع و محفوظ ہوگا جس کی طرف ہر غیر مسلم طاقت کو رخ کرنے میں رکاوٹ ہوگی۔ جیسے کتب تاریخ میں ہے کہ جب خلافت مرتضوی میں اندرونی فساد جنگی سے فائدہ اٹھا کر روم کے بادشاہ نے مقبوضات علوی پر حملہ کرنا چاہا تو حضرت معاویہؓ نے اسے لکھا کہ "اور وحی کتنے! میں اور علیؓ بھائی ہیں۔ اگر تو نے ان کے علاقہ کا رخ کیا تو میں ان سے صلح کر کے ان کی طرف سے تمہارا ایسا مقابلہ کروں گا کہ اینٹ سے اینٹ بجا دوں گا۔" چنانچہ شاہ روم سہم گیا اور حملہ کی جرأت نہ کی۔ عزیز کا معنی دین کا خارجی غلبہ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بھی منقول ہے۔

لا یزال هذا الدین عن یزأ منبعا الى انی عشر خلیفۃ (مسلم ج ۲ ص ۱۱۹)

یہ دین غالب اور بیرونی حملوں سے محفوظ رہے گا جب تک بارہ خلفاء ہوں گے۔

علاوہ ازیں یہ امر بھی پیش نظر رہے کہ یہاں عزیز جو نادین کی صفت ہے۔ ان بارہ امراء کی صفت نہیں۔ اگر ان بارہ میں بعض ظالم اور غلط کار بھی ہوں مگر عوامی سطح پر دین غالب رہے تو ایسا بسا اوقات ہوا ہے۔ دیگر پہلوؤں سے اللہ نے دین کی خدمت لے کر اسے مضبوط کیا ہے۔



## حدیث کے مصداق کونسے بارہ افراد ہیں

ان کی تعیین میں واقعی ابہام اور اختلاف ملتا ہے  
مطلب کہتے ہیں۔ میں کسی کو بھی نہ ملا جو اسکی قلیبت

کا دعویٰ کرتا ہو۔ چند اقوال یہ ہیں۔

۱۔ ان بارہ میں سے کچھ ہو چکے ہیں اور کچھ باقی ہیں۔ گنتی ابھی تک پوری نہیں ہوئی۔

۲۔ اس وقت تک اسلام کا غلبہ رہے گا۔ جب تک مسلمان حکومتوں کی تعداد زیادہ سے زیادہ

۱۲ ہوگی۔

۳۔ یہ بارہ حضرات وہ ہوں گے جو امام مہدی کی وفات کے بعد ولایت سنبھالیں گے۔ کتاب

وانیال میں ہے کہ امام مہدی کی وفات کے بعد پانچ افراد ان کے بڑے بیٹے کی نسل سے پھر پانچ

چھوٹے کی اولاد میں سے فائز حکومت ہوں گے۔ ان پانچ کے بعد پھر بڑے بیٹے کی نسل میں

سے ایک شخص والی حکومت ہوگا اور اس کے بعد اس کا بیٹا جانشین ہوگا۔ حاشیہ بخاری ج ۲ ص ۱۰۶

اس صورت میں یہ حدیث خالص اشراط الساعۃ کے سلسلے میں شمار ہوگی۔ الخضر محدثین نے

تمام مختلف اقوال ذکر کر دیے مگر عند الشیخ ۲۲ رگوں کو کسی نے شمار نہیں کیا۔

راجع یہ معلوم ہوتا ہے کہ حدیث مذکور میں جن بارہ حکمرانوں کی خبر دی گئی ہے وہ یہ ہیں۔

۱۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ ۲۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ۔ ۳۔ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ۔

۴۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ۔ ۵۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ۔ ۶۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ۔ ۷۔ عبدالملک

۸۔ ولید۔ ۹۔ سلیمان۔ ۱۰۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ۔ ۱۱۔ یزید بن عبدالملک۔ ۱۲۔ ہشام

بن عبدالملک۔

ہشام بن عبدالملک آخری خلیفہ ہیں جن کے عہد تک مسلمانوں کا جھنڈا ایک رہا۔ بعد میں

ولید بن یزید کے دور سے بنو امیہ کا نذوال شروع ہو گیا۔ قاضی عیاض۔ خلافت کی عزت۔ قوت

اسلام اور اجتماعی امور کی درستی خلیفہ واحد پر سب کا اتفاق مراد لے کر ولید سے خلل مانتے

ہیں۔ شیخ الاسلام ابن حجر قاضی عیاض کے قول کو بہتر اور راجح کہتے ہیں۔ (تاریخ الخلفاء للسیوطی ص ۱)

علامہ سیوطی متعدد اقوال اس بحث میں نقل کر کے آخر میں لکھتے ہیں۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ بارہ خلفاء کا وجود بلا تسلسل تا قیامت مراد ہے جو اپنے اپنے عہد



میں عمل یا لائحہ کر رہیں گے۔ اس کی تائید وہ حدیث کرتی ہے جو محدث مسند دینے اپنی مسند کبیر میں روایت کی ہے۔

لا تَهْلِكْ هَذِهِ الْأُمَّةُ حَتَّى يَكُونَ مِنْهَا  
اثنى عشر خَلِيفَةً كُلُّهُمْ يَعْلَمُ بِالْهَدْيِ  
وَدِينِ الْحَقِّ مِنْهُمْ رَجُلَانِ مِنْ أَهْلِ  
بَيْتِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ .

یہ امت اس وقت تک ہلاک نہ ہوگی جب تک  
بارہ خلیفے رہیں گے ہر ایک ہدایت اور دین حق  
کے مطابق عمل کرے گا۔ ان میں سے دو خلیفے  
حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت سے ہوں گے

بنابریں ۱۲ میں۔ ۸ خلیفے تو گزر چکے ہیں۔ خلفاء اربعہ راشدین۔ حضرت حسنؑ، حضرت حسینؑ، حضرت علیؑ، حضرت زبیرؑ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت عبدالعزیزؓ، بنو عباس میں سے منفقہی بالمشد کو اس میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ وہ ایک تھا۔ جلیسے عمر بن عبدالعزیزؓ بنو امیہ میں نیک تھے۔ اسی طرح طاہر راشد بھی عدل و انصاف والا تھا۔ اب دو کی انتظار ہے ایک ان میں ہمدی ہیں جو اہل بیت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ دنا یخ الخلفاء منکم

حدیث من مات کی بحث

ایمانیہ پیش من مات ولہ یعرف امام زمانہ جیسے حضرت  
رے "منصب امامت" کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ منصب  
امامت میں اسی سیاق سابق میں "کہ امام وقت کی اطاعت ضروری ہے ورنہ رب قدر کی  
دارہ و گیر سے خلاصی نہ ہو سکے گی۔" یہ جملہ یعنی مقولہ تو ہے۔ مگر اسے حدیث نبوی بتایا۔ نہ اثر و قوف  
علی الصحابی بتایا۔ نہ کسی کتاب کا حوالہ ہے۔ ہمارے علم میں بھی اس کا صحیح حدیث نبوی ہونا نہیں ہے  
جب تک اس کے ماخذ اور سند کا پتہ نہ چلے۔ اور نہ محتضر بتائے۔ اصولاً ہمیں اس کا جواب  
دینا لازم نہیں۔ ہاں اس کے قریب المعنی ایک اور حدیث حضرت قتادہ صاحبؓ نے لکھی ہے کہ  
رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔  
صلوا خمسکم و صوموا شہرکم و اداؤا زکوۃ  
اموالکم و اطیعوا امیرکم اذا امرکم تدخلوا  
جنة ربکم (منصب امامت ص ۱۲۳)

اس حدیث سے جو کچھ مستفاد ہوتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ تم اپنے حاکموں اور امراء کی اطاعت



کرو۔ سو الحمد للہ اہل سنت کا یہی مذہب ہے۔ وہ نظام خلافت کے قائل اور خلیفہ کی تمام جائز باتوں میں اطاعت واجب کہتے ہیں۔ اور یہ بات لاتعداد احادیث سے ثابت ہے۔  
 شرعی احکام استطاعت سے واجب ہوتے ہیں۔ اور کئی احکام کا وجوب۔ زمان۔ مکان۔ اور خاص حالات و شرائط کے تحت ہوتا ہے۔ اور شرط یا قید کے فقدان سے اس حکم کی وہ کیفیت باقی نہیں رہتی۔ انقلابات زمانہ اور مرور و ہر سے نظام خلافت پر اثر پڑا اور مسلمان متحد حکومتوں اور ریاستوں میں تقسیم ہو گئے اور ان کو باضابطہ خلیفہ مل نہ سکا تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ اب سب لوگ مرند سمجھے جائیں گے اور عہدِ بابلیت کے احکام ان پر مرتب ہوں گے۔ اور اس کے برعکس یہ مطلب بھی نہیں کہ اگر کسی جگہ مسلمانوں کی سیاسی حکومت قائم ہو اور اس کا سربراہ خلافت علی منہاج النبوة کے اوصاف و شرائط پر پورا نہ اترے تو اس کی جائز باتوں میں بھی اطاعت نہ کی جائے یا علمِ نبوت بلند کیا جائے۔ کیونکہ یہ دونوں باتیں افراط و تفریط کے ذیل میں آئیں گی۔ ایسی صورت میں اسلامی سیاست و قوانین کو سامنے رکھ کر یہی قدر مشترک نکالا جائے گا کہ تمام مسلمان اس کوشش میں ضرور رہیں کہ سب دنیا میں ان کا مرکز خلافت ایک ہو اور تمام حکومتیں آزاد اور خود مختار ریاستیں ہونے کے باوجود عالمی طور پر ایک الباسر براہ ضرور بنالیں جو بڑے بھائی کی طرح ان کی حکومتوں کی نگرانی کرے ان کے سرحدی جھگڑوں کا تصفیہ کرے اور تمام ممالک اسلامیہ کا یہ متحدہ ہلاک غیر مسلم قوتوں کے ساتھ بھی معاہدے اور خارجہ ایسی اختیار کر سکے اور جب تک ایسی صورت میسر نہ آئے ہر ملک کے باشندے اپنی حکومتوں سے صحیح تعاون کریں۔ اطاعت کریں اور شرعی احکام نافذ کرنے کے لیے حکومت کو مجبور کریں۔ فرض کیجئے کہ ان تمام تر کوششوں کے باوجود حکومت شرعی قوانین جاری نہیں کرتی جیسے پاکستان وغیرہ میں مشاہدہ ہو رہا ہے اور لوگ خلیفہ شرعی کی اطاعت سے باوجود منہا کے محروم ہیں۔ تو اس کا وبال ان حکومتوں پر ہو گا یا ان قومی نمائندوں پر جو اسمبلیوں میں جا کر اپنے فرائض سرانجام نہیں دیتے بلکہ ظالموں کا ترنوالہ بن کر قوم سے خیانت کرتے ہیں ایسی صورت میں کسی شرعی دفعہ سے یا غفل و آہن کی رو سے ان تمام عسائی مسلمانوں کو زمانہِ جاہلیت کی طرح ایمان و نجاتِ آخری سے محروم مانا جائے گا۔ مجبوری کے تحت ان حالات میں مقامی حکام کی جائز باتوں میں اطاعت ایسی ہوگی جیسے ایک شرعی خلیفہ کے



محال اور نمائندوں کی ہوتی ہے اور اطیعوا امیرکم کے فرامین بلاشبہ ان چھوٹے چھوٹے سرکاری افسروں اور نمائندوں کو بھی حاوی ہوں گے۔

اصول کافی جراثیم پر یہ باب ہے۔ باب ما امر النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالنصیحة لائمة المسلمين واللزم بمجاہدہم۔ پھر ایک حدیث میں حضور کا یہ فرمان ہے۔

ثلاث لا یغل علیہن قلب امر مسلم  
اخلاص الامر للہ والنصیحة لائمة المسلمين  
واللزم بمجاہدہم فان دعوتہم محیطہ  
من وراءہم۔

مسلمان کے دل میں تین باتوں کے متعلق کھوٹ نہیں ہوتا۔ خالص خدا کے لیے کام کرنا، مسلمان حاکموں کا خیر خواہ (مطیع) ہونا ان کی جماعت میں شامل رہنا۔ کیونکہ ان کی دعوت سب کو شامل ہوتی ہے۔

اور ایک حدیث میں آپ کا یہ ارشاد ہے۔  
عن ابی عبد اللہ قال من فارق جماعۃ  
المسلمین قید مشید فقد خلع رقبۃ  
الاسلام من عنقہ

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا جو مسلمانوں کی جماعت سے بالشت بھر علیحدہ چلے اس نے اسلام کا پرٹہ اپنے گلے سے نکال دیا۔

یہ تبلیغی احادیث وضاحت سے اس امر پر دلالت ہیں کہ اجتماعی نظم و نسق کے لیے حکام اور ان کے ماتحت نمائندوں کی جائز امور میں اطاعت ضروری ہے جب سب مسلمان یا ان کی اکثریت جائز امور میں اس سربراہ کی اطاعت کرنے لگے تو وہ سیاسی حاکم و امام ہے تو ایک ہی کو بلا مسئلہ شرعی کے اس سے انحراف و مخالفت جائز نہیں۔ اور جماعت مسلمین سے بالشت بھر انحراف گویا اسلام سے انحراف ہے۔ اب اس کی خیر خواہی لازم ہے۔ کیونکہ ایسے آئمہ و حکام کی دعوت سب کو شامل ہے۔ گویا اس مسئلہ میں سختی شیعہ کا اختلاف نہیں ہے۔

اگر کسی صاحبِ کوشہ ہو کہ اس سے مخصوص عند الشیعہ بارہ آئمہ مراد ہیں۔ تو سیاق و الفاظ اس کے متحمل نہیں۔ اور نہ وہ حضرات سیاسی سطح پر ابھر کر اطاعت کا مقام حاصل کر سکے

اب مذکورۃ الصدر حدیث اگر ثابت ہے تو اس کا یہی مفہوم ہے  
حدیث من مات کے معانی | کہ مسلمانوں کے سیاسی حکمرانوں کی جائز امور میں اطاعت ضروری



ہے اور بلاوجہ اس کی اطاعت نہ کرنا یا مخالفت کرنا گویا زمانہ جاہلیت کا دستور اپنانا ہے۔ اگر یہ حدیث ثابت ہے تو خود شیعہ پر عظیم حجت ہے کیونکہ ان کی تاریخ کا ایک ایک ورق گواہ ہے کہ مسلمان سیاسی حکام و پیشواؤں کی انہوں نے کبھی اطاعت نہیں کی۔ بلاوجہ منافقتیں روح اسلام کے خلاف مقاصد کے لیے بغاوتیں کیں۔ خود بھی کئی مصائب و محن میں الجھے اور حکومتوں کو بھی پریشان کیا اور مسلمانوں کے مسائل کو حتی الامکان الجھایا اور حکام کا کہنا ہی کیا ہے۔ خود خلیفہ راشد رابع سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی مخالفت کی اور پریشان کیا۔ جیسے منہج البلاغہ روضہ کافی کے بکثرت خطبات ان کی شکایت و مذمت میں بھرلوں ہیں حضرت معاویہؓ سے مصالحت اور بیعت کی وجہ سے حضرت حسنؓ پر انہوں نے قاتلانہ حملہ کیا سفل المؤمنین بتایا۔ برسوں تک حضرت حسنؓ کے اس عمل و فیصلہ پر اطمینان و ایمان کا اظہار نہ کیا۔ سیدنا حسینؓ سے جو سلوک ان لوگوں نے کیا وہ کسی کہ و مر سے مخفی نہیں۔ حضرت زین العابدینؓ نے تمام شیعوں سے دل گرفتہ ہو کر یزید سے مصالحت و حمایت کی ٹھانی اور یزید سے عطیات لیتے رہے۔ واقعہ حرہ میں کوئی شرکت نہ کی۔ یزید نے بھی حضرت زین العابدینؓ اور ان کے متعلقین کی حفاظت کا خصوصی حکم دیا۔ حضرت باقرؓ و جعفرؓ نے بیعت کو طلاق دے کر صرف علمی مسئلہ اختیار کیا اور مدینہ منورہ کو ہی جگمگایا۔ مگر کافی باب امکان کی روایت کے مطابق آپ کے مترہ حمایتی شیعہ بھی نہ تھے ورنہ آپ شاہ وقت کا ضرور مقابلہ کرتے۔ بعد ازاں آئے کہ تو مزید قحطِ رجال شیعہ کا شکار ہونا پڑا۔ اور موجود چند بوالہوسوں کو خوب سنائیں۔ اور حضرت صاحب العصر مدی تو ساڑھے گیارہ سو سال سے نامعلوم خارجیوں ۳۱۳ مومنوں کے انتظار میں تھے چھپے ہوئے ہیں۔ یہ تمام امور باحوالہ ہم سابق ذکر کر چکے ہیں۔ یہاں بطور مثال و اشارہ کافی ہے۔

الغرض امام زمانہ سے مراد کچھ بھی ہو۔ شیعہ نے یقیناً ان کی مخالفت کی اطاعت سے انحراف کیا اور زمانہ جاہلیت کی موت۔ قتل و غارت۔ ان کو نصیب ہوئی۔

۴۔ بشیر شیعہ اس حدیث کو حضرت ہمدی منتظر پر چسپاں کرتے ہیں اور ان کا لقب ہی امام العصر و امام زمانہ مشہور کیا ہے بایں معنی یہی حدیث شیعہ کے سخت خلاف ہے کیونکہ حضرت امام زمانہ سے آگے کم از کم پہچان اور روایت ہی مراد ہو۔ تب بھی تمام شیعہ ۱۱۵۰ سال سے ان کی



معرفت سے محروم ہیں۔ آخر کس نے امام کو دیکھا کس نے ان کی علی زندگی مشاہدہ کی۔ کون جانتا ہے کہ  
 امام موصوف۔ نماز روزہ کیسے ادا کرتے ہیں۔ ان کے عبادت کے دیگر معمولات کیا ہیں۔ ان کی معاشرتی  
 زندگی کیسی ہے۔ ان کی عائلی زندگی کس طرح گزرتی ہے۔ وہ امامت کے فرائض کیسے سر انجام دیتے  
 ہیں۔ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض کس کو اور کیوں کرا داکرتے ہیں۔ ان کی ظاہری وضع  
 قطع اور شیعہ کے لیے اسوہ حسنہ کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ شیعہ کا کوئی فرد یا کوئی جماعت نہ ان باتوں  
 کو معلوم کر سکتی ہے نہ ان کے پاس کوئی ذریعہ ہے۔ اگر نائب امام یا سفیر و ترجمان امام کا کوئی  
 فرضی و خلاف شرع امامیہ عہدہ ہے تو پھر پہچان صرف اسے ہی ہوگی اور تو کسی کو نہیں۔ پھر ان کو  
 بھی نہ زیارت کا شرف حاصل ہوا نہ ہی ہاتھ ملانے کا۔ کیا معلوم ان کے کان میں جو آواز گونجتی تھی وہ  
 کسی ناری مخلوق کے اس فرد کی ہو جس کی اسلام و انبیاء سے روزِ اول سے دشمنی ہے۔ کیا معرفت  
 امام اسی جہالت کا نام ہے؟ اگر معرفت سے مراد اطاعت ہے اور حدیث کا بھی یہی مطلب و  
 تقاضا ہے۔ ورنہ نفس پہچان نہ ہویت یا کلام۔ بلا اطاعت و ایمان۔ تو کفار کو انبیاء علیہم السلام  
 سے بھی حاصل رہا ہے پھر اس معرفت نے ان کو فائدہ نہ دیا۔ تو شیعہ آٹھ عشریہ سب سے زیادہ  
 مسکین اور قابلِ رحم فرقہ ہے جن کا امام خود انہی کے خوف سے ہجرت۔ ۵ سال سے غارِ سرمن رابی میں جا  
 چھپا ہے اور تاحنوز باہر نکلنے کی ہمت نہیں ہے۔ حالانکہ شیعہ کے بقول ان کے ہم مذہب ایران حبشی  
 حکومت بھی قائم ہے۔ شیعہ "امامت" کا منشاد و مقصد تو صرف یہ تھا کہ امام زمانہ تازہ بتازہ  
 احکام دے اور زمانے کے تقاضے کے مطابق شیعہ کی رہنمائی کرے۔ جمہوریت کا خاتمہ کرے۔ قوانین  
 اسلام کا نفاذ کرے اور لوگوں کو ان پر عمل کروائے۔ مشکلات میں ان کا ساتھ دے۔ دینی اختلافات  
 رفع کر دے۔ یہ مقصد تو از خود دفن ہو گیا۔ اور شیعہ امام زمانہ کی اطاعت اور تعلیم و تربیت سے  
 یکسر محروم ہو گئے۔ آج ان کے پاس غسونخ شدہ امامتوں کے کچھ ارشادات ہیں۔ وہی ان کے مذہب  
 کا ڈھانچہ ہیں۔ اس سے قطع نظر کہ یہ بھی "ہاتھی کے دانت دکھانے کے اور کھانے کے اور" کا  
 مصداق ہیں۔ اور شیعہ آج حضرت جعفر و باقرہ کے سینکڑوں ارشادات کی کھلی خلاف ورزی  
 کر کے غیر موصوم۔ خالی۔ شہرِ تعمیر وں۔ نام نہاد مجتہدوں بلکہ فاسق و فاجر زاکر وں کی پیروی کرتے  
 ہیں۔ جو مسائل آج امامیہ کا شمار ہیں اور ان کی ترویج پر ہی سب کوششیں مرکوز ہو رہی ہیں۔ مثلاً



کلمہ اذان - ترکِ تہبہ - اشاعتِ تہبہ عزاداری جمیع اقسام وغیرہ تمام تر ائمہ کی تعلیمات کی خلاف  
 ہیں۔ قابلِ توجہ یہ بات ہے کہ اصولِ شیعہ کے مطابق ایک امام کے اقوال صرف اس کی زندگی تک حجت  
 اور محمول بہا ہیں۔ بعد از وفات امام بھی نیا۔ احکام بھی نئے۔ تبھی تو ہر زمانے کا امام جدا مانا گیا۔ ورنہ  
 ایک امام ہی کافی تھا۔ جسے شیعہ خدا، اقصیٰ الامۃ کہا جاتا ہے۔ اگر آپ کے ارشادات حجتِ دائمہ ہوتے  
 تو آپ کی وفات سے۔ لوگوں کے ذہن سے از خود مٹ تو نہ گئے تھے رہتی دنیا تک آپ کے ماننے  
 والوں کے ذریعے راہنمائی کا کام دے سکتے تھے پھر کیوں امامِ حسنؑ، پھر امامِ حسینؑ الہ کو یکے بعد دیگرے  
 امام مانا گیا۔ اور ایک کی زندگی میں دوسرے کو کبھی امام و حجت نہ مانا گیا۔ اگر ایک امام کی سنت اور  
 ارشادات دائمًا حجت ہوتے تو پھر ائمہ میں اختلاف نہ ملتا۔ حضرت علیؑ کا خلفائے ثلاثہ سے تعاون۔  
 حضرت حسینؑ کا زیادہ سے مقابلہ۔ حضرت علیؑ کی حضرت معاویہؓ سے جنگ۔ حضرت حسنؑ کی مصالحت و  
 بیعت۔ حضرت حسینؑ کی بربادی سے جنگ اور حضرت زین العابدینؑ کی بیعت و مجبورانہ غلامی علیٰ احدا  
 القیاس تضادات نہ ملنے یہ تمام حقائق اس بات پر دال ہیں کہ ہر امام اپنے اپنے زمانے کا مستقل  
 ہوتا ہے۔ سابقہ امام کے اقوال و افعال اس کے ہاں منسوخ ہوتے ہیں۔ ایک پچھیر وقت کی طرح وہ  
 زمانہ کے مسائل حل کرتا اور لوگوں سے اتباع کرتا ہے۔

اگر امام سابق کے ارشادات۔ اس کی وفات کے بعد بھی حجت اور واجب العمل ہیں تو پچھیر  
 آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم اس منصب کے زیادہ مستحق ہیں۔ پھر عقیدہ امامت کے اختراع کی ضرورت  
 ہی کیوں ہوئی۔ کیا آخری دین کے علمبردار۔ شریعتِ ابدیہ کے تاجدار۔ سید و آقا، نامدار۔ سید المرسلین  
 محمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال زندگی کے تمام مسائل کے لیے کافی نہ تھے۔ یا کیا وہ  
 حضورؐ کی وفات سے ہی آپ کے ساتھ رخصت ہو گئے۔ ہزاروں صحابہ کرامؓ کو ہزاروں ارشادات  
 یاد تھے اور وہ ان پر عمل کرتے اور دوسروں کو تبلیغ کرتے تھے۔ مگر ایک شیعہ کے نزدیک وہ تمام  
 حضرات۔ دین۔ علم اور ایمان سے اس لیے گورے تھے کہ انہوں نے از سر نو حضرت علیؑ کے سامنے  
 زانوئے تلمذ طے نہ کیا اور ان سے علم و شریعت کا سرِ رشتہ تعلیم استوار نہ کیا۔ اس کا مطلب واضح تر  
 ہے۔ کہ ارشاداتِ محمدیہ بھی عند الشیعہ ہدایت کے حامل اور دائمی راہنما نہ تھے۔ یہ سیدِ حضرت علیؑ  
 نے لی۔ اور اسی طرح حضرت علیؑ سے یکے بعد دیگرے حضرت مہدیؑ تک پہنچی۔ اور پھر یہ سلسلہ ایسا



ہام ہوا کہ شیعہ حضرات کو بہت پیچھے چاکر مانچوس یا چھٹے امام سے رابطہ قائم کرنا پڑا۔ حالانکہ ان کے ارشادات سے تمسک اب ایسا ہی ہے جیسے کوئی پیغمبر آخر الزماں کا امتی۔ حضرت ابراہیم و موسیٰ کے ارشادات سے تمسک کرے کیونکہ شیعہ کے نزدیک امامت نبوت کی طرح ہے۔ اور ایک امام کا دوسرے سے اختلاف ایک پیغمبر وقت کے دوسرے پیغمبر وقت سے اختلاف کی طرح ہے۔

حاصل کلام یہ نکلا۔ شیعہ کو معرفت امام اس کی اطاعت سے ہی مقید ہے۔ اور اطاعت کے لیے ارشادات و اعمال کا سامنے ہونا ضروری ہے۔ اور حضرت مہدی غائب سے اس کا تصور بھی ممکن نہیں۔ تو معرفت امام سے جہالت اور اطاعت سے غرور میں سنی شیعہ برابر ہو گئے۔ شیعہ کو الزام دہی کا موقوفہ نہ رہا۔

کچھ شیعہ نے اس مشکل کو بھانپ کر یہ عذر لنگ ضرور تراشا ہے کہ کافی حضرت مہدی کی مصدقہ ہے اس پر عمل گویا حضرت مہدی کی تعلیمات پر عمل ہے۔ مگر یہ بوجہ مردود ہے۔

اولاً۔ تمام شیعہ علماء کو اس پر اتفاق نہیں۔ بھلا امام محصوم۔ ایک غیر محصوم شخص کی تمام مرویات کو بلا رد و قدح کیسے تصدیق کرے ہر کاف شیعتنا کہہ سکتا ہے جو اسکے پونے دو صد سال بعد پیدا ہوا ہے۔

ثانیاً۔ اگر ایسا ہو تو یہی کتاب کافی سمجھی جائے مگر شیعہ تین اور اہم کتابوں کو بھی اصولی اور واجب الاتباع مانتے ہیں۔ اور مزید دسیوں کتب کو جبر و مذہب اور قابل اطاعت سمجھتے ہیں۔ یہ تو کھلا شرک ہوا۔ یا فرمان امام کی تکذیب و تردید ہوئی۔

ثالثاً۔ شیعہ علماء کو بلا چون و چرا کافی کی تمام روایات ماننی چاہئیں۔ مگر وہ اس کی ہزاروں روایات سے آج گریزاں ہیں اور غلط ماننے پر مجبور ہیں۔ جیسے کلام اللہ کی تخریف والی روایات بعض کے نزدیک یا جود روایات بھی آج ان کے رواجی مذہب کے خلاف ہوں۔

جاہلیت کی موت کیوں ہوگی؟ امام زمان کو پہچاننے اور عدم پہچان پر جاہلیت کی موت کی وعید تشبیہ کے طور پر بطور تخلیط ہے کہ جیسے عہد جاہلیت میں لوگوں کا اجتماعی نظام نہ تھا۔ ہر قوم و قبیلہ خود مختار تھا۔ اور مسلسل لڑائیاں اور فتنے رونما ہوتے تھے۔ اسی طرح اگر مسلمانوں میں اجتماعی نظام کی وحدت نہ ہو کوئی منظم حکومت اور سربراہ



مملکت نہ ہو تو گویا جاہلیت کا دور ہے۔ انتخاب خلیفہ کے ذریعے اس کا ازالہ ضروری ہے ورنہ سب گنہگار ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ انگریز کی سازش اور مصطفیٰ کمال کے خونی انقلاب سے جب ترکی سے خلافت کا خاتمہ ہوا تو تحریک خلافت کے نام سے تحریکیں مختلف ممالک میں بیدار ہوئیں متحدہ ہند میں بھی اس کا زور رہا حضرت مولانا عبد اللہ سندھی جیسے حضرات اس حالت کو عہد جاہلیت کی یاد گاہ ہی جانتے تھے۔ گویا یہ حدیث خبر معنی اثناء ہے۔ کہ مسلمان نظام خلافت کو ضرور قائم کریں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اگر ایسا متحدہ نظام خلافت حاصل نہ ہو سکے تو سب لوگ عہد جاہلیت کی طرح کافر سمجھے جائیں گے۔ اور ارتداد کا فتویٰ ان پر لگے گا۔ کیونکہ عہد جاہلیت میں بھی ”امت مسلمہ“ کے تحت شیعہ ایک قریش کی جماعت کو مومن مانتے ہیں۔ اور کتب تاریخ و سیرت بھی محدود افراد کا رسوم جاہلیت سے پاکلا من ہونے کا پتہ دیتی ہیں جیسے زید بن عمرو بن نفیل۔ ورقہ بن نوفل متعدد راہبان وغیرہم۔

امام زمان کا ایک اور مصداق یہ بھی مطلب بعض علماء کرام بتاتے ہیں۔ جیسے امام اہلسنت ابو الامام عبدالشکور بکھنوی نے انجم دورِ قدیم میں زیر بحث حدیث من مات ولم یعرف امام زمانہ کا لیا تھا کہ امام زمانہ سے مراد آسمانی کتاب ہو اور مطلب یہ ہو کہ جو شخص اپنے زمانہ کے امام یعنی کتاب اللہ پر ایمان نہ لائے اور اس کی اتباع نہ کرے۔ وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔ اور امام کا اطلاق کتاب اللہ پر ہوا ہے۔

وَمِنْ قَبْلِهِ كِتَابُ مُوسَىٰ إِمَامًا وَرَحْمَةً  
اور اس سے پہلے حضرت موسیٰ کی کتاب (شہادت تھی) درانی لیکہ امام اور رحمت تھی۔ (ہود: ۲۶)

جب تورات امام و رحمت ہے تو قرآن مجید بدرجہ اتم امام و رحمت ہے۔ اور قرآن کتاب پر امام کا اطلاق اور آیات میں بھی آیا ہے جیسے سورۃ یس میں ہے۔

إِنَّا نَحْنُ نَحْيُ الْمَوْتَىٰ وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوا  
وَأَنذَرَهُمْ وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامٍ  
مُّبِينٍ۔ (یسا: ۸۰)

یہ شک ہم ہی مردوں کو زندہ کریں گے اور جو کچھ وہ آگے بھیجتے ہیں اور جو آثار ان کے پیچھے رہ جاتے ہیں ان سب کو ہم کھتے جاتے ہیں اور ہم نے ہر چیز کو امام مبین میں (اندر) علم و شمار جمع کر لیا ہے۔



روشن امام سے مراد یا لوح محفوظ ہے یا اعمالنامہ۔ سورۃ سیا میں اعمالنامہ کی تائید ہوتی ہے  
 وَلَا أَصْغَرُ مِنْ ذَلِكَ وَلَا أَكْبَرَ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ۔  
 اور نہ اس (ذکر سے) سے چھوٹی چیز لپشتیدہ ہے اور نہ بڑی۔ مگر یہ کہ کھلی کتاب میں سب  
 مذکور ہے۔

الغرض اہل سنت و شرع کی رو سے امام زمان قرآن مجید کو کہتے پر کوئی امتناع نہیں جب شیعی  
 امام زمان کی اتباع ناممکن ہے۔ سنی آئمہ کو شیعوہ نہیں مانتے۔ تو بہتر یہی ہے کہ بالاتفاق قرآن کو  
 امام زمان تسلیم کر کے اس کی اتباع سے جنت اور رضائے مولیٰ کی سند حاصل کی جائے۔ اور نزاع  
 کا خاتمہ ہو جائے۔

## باب نہم دین میں بدعات کا موجد کون ہے؟

سوال ۲۲۔ کیا کسی آدمی کو دین مصطفیٰ میں کمی بیشی کرنے کا اختیار یا حق ہے۔ اگر نہیں تو حضرت  
 عمرؓ کا اذان میں "الصلوة یوم النہار" نماز تراویح باجماعت۔ چار تکبیریں پر نماز جنازہ کا  
 اتفاق کرانا۔ متنعہ کو حرام قرار دینا۔ تین طلاقیں کو جو ایک ساتھ دی جائیں طلاق بائن قرار دینا  
 اور قیاس کو اصول قائم کرنا کمال تک درست ہے اور کیا یہ احثہ مداخلت فی الدین نہیں جو  
 ناجائز اور حرام ہے۔

الجواب۔ اہل السنۃ والجماعت کثریم اللہ  
 اہل سنت دین میں کمی بیشی کے قابل نہیں | کے مذہب حق میں دین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم  
 میں کسی شخص کو زہیم و فیسخ کا حق حاصل نہیں۔ کیونکہ وہ قرآن مجید کے بعد کسی آسمانی وحی اور نزول کتاب  
 کے قابل نہیں۔ خاتم الرسل حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو بھی شریعت سازی۔ تحمیم و  
 تحلیل میں خود مختار۔ مضبوط وحی اور معصوم دینی پیشوا ماننے کے لیے تیار نہیں جیسے خداوند تعالیٰ کے  
 بعد کسی کو مشکل کشا۔ حاجت روا۔ غیب دان اور رازق نہیں مانتے۔ اسی طرح بیت اللہ شریف  
 کے علاوہ کسی جگہ کو قبایع عبادت نہیں مانتے نہ کسی بقعہ کی زیارت کو حج یا اس سے افضل مانتے ہیں  
 گویا ایک قرآن ایک پیغمبر۔ ایک معصوم پیشوا اور ایک کعبہ کی وحدت پر یقین راسخ رکھتے ہیں۔



**عقائد و اعمال کا شیعہ اضافہ ایک نظر میں** | یہ صرف اور صرف شیعہ مذہب کا خاصہ ہے کہ جہاں انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سب عمر کی محنت شاقہ سے تیار کردہ و تعلیم یافتہ مسلمان جماعت کے ایک ایک فرد کو خواجہ از ایمان قرار دیا۔ مثلاً اصول کافی ج ۲ ص ۳۲۲ باب قلدہ المؤمنین میں ہے۔ حمران بن اعین نے امام باقرؑ سے کہا کہ ہم کس قدر تھوڑے ہیں کہ ایک بکری بھی نہیں کھا سکتے۔ فرمایا میں اس سے زیادہ عجیب تم کو بتاتا ہوں۔

المہاجرین والانیصار ذہبوا الی - وانشاء ربیدہ - ثلاثہ - کہ تمام مہاجرین و انصار تہذیب ہو گئے تھے۔ پھر ہاتھ کے اشارہ سے تین افراد کو مستثنیٰ کیا۔

یہاں مثنیٰ رجال کثی مر کے توالے سے کہتے ہیں کہ امام باقرؑ نے فرمایا۔ تین کے سوا سب صحابہ شمرند ہو گئے تھے۔ سلمانؓ، ابوذرؓ، مقدادؓ، رادیؓ نے عمارؓ کا پوچھا تو فرمایا۔ وہ بھی حق سے پھر گیا تھا پھر لوٹا۔ نیز فرمایا۔ اگر تم ایسا صحابی پوچھو جس نے شک فی الامامۃ نہ کیا ہو اور اس کے دل میں کفر کی بات داخل نہ ہوئی ہو تو وہ صرف مقداد ہیں۔ پھر حضرت سلمانؓ و ابوذرؓ پر بھی تنقید کی ہے۔ انتہی۔ معتبر سند کیساتھ حضرت صادقؑ نے مرفوعاً یہ روایت بھی کی ہے کہ اسے سلمانؓ اگر تیرے علم کو مقداد پر پیش کریں وہ کافر ہو جائے۔ اور اسے مقداد اگر تیرے صبر کو مقداد پر پیش کریں وہ کافر ہو جائے۔ رجیات القلوب ج ۲ ص ۶۶۱۔

بحوالہ رجال کثی و کتاب اختصاص،

— وہاں حضورؐ کی شریعت کے ایک ایک مسئلہ کو ختم کر کے متوازی شریعت اپنے خود ساختہ مثل پیغمبر و معصوم آئمہ سے تصنیف کرادی۔ کیونکہ وہ ہی اللہ کی شریعت کے والی اور اس کے علم کا خزانہ تھے۔

دکافی ص ۱۹۳، اور یحییٰ بن مایثاء و یحییٰ بن مایثاء و یحییٰ بن مایثاء و یحییٰ بن مایثاء۔ دین مصطفیٰؐ کے جس حرام کو چاہیں حلال کر دیتے ہیں اور جس حلال کو چاہتے ہیں حرام کر دیتے ہیں کے منصب کے مالک تھے۔ (دکافی ص ۲۲۱)

اور مذہب شیعہ کے مؤسس حضرت صادق المتوفی السہلؑ نے تو صراحتاً ارشاد قرآنی (در شرع) کے بغیر فرمادیا تھا۔

جو احکام علیؑ لائے ہیں میں وہ لیتا ہوں اور جس سے وہ روکیں رکھتا ہوں۔ آپ کو وہی فضیلت ملی ہے جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ملی ہے۔

ما جاء به علی اخذہ و ما نہی عنہ انتہی  
جہی لہ من الفضل ما جہی لمحمد  
(اصول کافی ص ۱۱۸ دیکھو)



جیسے تفصیل ۲۱ کے تحت گزر چکی ہے چنانچہ اس منصب کی رو سے (قبولِ شیعہ) ائمہ اہل بیت کی جو نبی شریعت و جود میں آئی اس میں حضور پاک کی ازواج مطہرات و امہات المؤمنین پر لعنت بھیجنا کارِ ثواب ہو گیا۔ (فروع کافی ج ۳ ص ۳۲۲) آپ کے خسران محترم۔ دامادوں اور جانثاروں پر نیز اجز و مذہب بن گیا۔ (روضہ کافی ص ۲۴۵، ۲۴۶) انبیاء سے آئمہ کو افضل ماننا ایمان بن گیا (جیہا القلوب ج ۲ ص ۲۷) آئمہ موت و حیات اور آسمان و زمین کے بھی مالک ہو گئے۔ (حق الیقین ص ۳۶) بدار کے عنوان سے خدائے علام الغیوب کو بھی مستقیل سے جاہل بتایا گیا (اساس الاصول ص ۱۹) دین اسلام کو چھپانا اور جھوٹ بولنا کافی کے باب النقیۃ اور باب الکتمان کی تعلیم سے واجب ہو گیا۔ عقل و غیرت اور تمام مل کے اتفاق سے حرام زنا کو بھی متہ کے نام سے سب سے افضل بتایا گیا۔ متہ کے چند فضائل بطور نمونہ ملاحظہ ہوں۔

۱۔ حضرت سید عالمؑ نے فرمایا (العباد باللہ) جو شخص مومنہ (شیعہ عورت سے) متہ کرے گویا اس نے خاتمہ کعبہ کی ستر مرتبہ زیارت کی (عیالہ حسنہ ص ۱۶ ترجمہ رسالہ متہ)۔  
 ۲۔ حضرت صادقؑ نے فرمایا۔ جو شخص متہ کر کے غسل کرے۔ ہر ہر قطرے کے بدلے اللہ تعالیٰ ستر ستر فرشتے پیدا کرتے ہیں جو قیامت تک اسی کے لیے مغفرت مانگتے ہیں (ولعنت می کند) اجماعاً کنندہ ازاں را۔ کہ متہ سے پرہیز کرنے والے شیعوں پر تا قیام قیامت لعنت کرتے رہتے ہیں۔ (مفتی الآمال ج ۲ ص ۲۲۸)

بلکہ سید زادیوں کی عصمت بھی محفوظ نہ رہی کہ تہذیب الاسلام طوسی میں ہے لا باس بالمتعة بهاشمیة ج ۲ ص ۱۹۲ کہ ہاشمی عورت سے متہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ متہ نہ کرنا لا ناقص الايمان ٹھہرا وروی ان المؤمن لا یکمل حتی یتمتع (الفتیہ ص ۳۳) حدیث ہے کہ مومن متہ کیے بغیر کامل نہیں ہوتا۔ بلکہ تفسیر منہاج الصادقین ج ۱ ص ۱۸ میں صراحت کر دی۔

من تمتع مرة کان درجته کدرجة الحسين ومن تمتع مرتین درجته کدرجة الحسن ومن تمتع ثلاث مرات کان درجته کدرجة علی بن مروت اس کا درجہ حضرت جبریلؑ کی طرح ہے اور جود و مرتبہ متہ کرے اس کا درجہ امام حسنؑ کی طرح ہے۔ اور جو تین دفعہ متہ کرے اس کا درجہ علی بن ابی طالب کے درجہ کی



ابی طالب ومن تفتح اربع درایت فدا جتہ طرح ہے اور جو چار مرتبہ متہ کرے اس کا درجہ  
 کد رحبتی (ذیر آیت والمحصنات پ) میرے درجہ کی مانند ہے۔ (العیاذ باللہ الف ملت)  
 غیر شیعہ اولاد علی پر لعنت بھیجا جائز ہو گیا۔ شیعہ کے شہید ثالث نے بڑے فخر سے یہ اشعار  
 لکھے ہیں۔

اذ العلوی تابع ناصبیا ہمدھبہ فھا ہومن ابیہ

حضرت علی رضی کی اولاد کا جو فرد ناصبی مذہب کی تابعداری کرے وہ اپنے باپ کا نہیں ہے۔  
 ناصبی وہ ہوتا ہے جو امیر المومنینؑ پر غیر کو مقدم کرے (مجالس المومنین ص ۳۸۷)

وکان الکلب خیرا منہ طبعاً لان الکلب طبع ابیہ فیہ

اس سے تو کہہ لیں طبیعت میں بہت بہتر ہے۔ کیونکہ کتے میں اپنے باپ کی خصلت پائی جاتی  
 ہے۔ اور مشہور شیعہ محمد بن ابی بن ابراہیم صاحب باقرؑ خلوص و اعتقاد سے کہا کرتا تھا۔

رشتہ امامت شہانا صاحب العصر وامت کا سلسلہ صاحب العصر وامت  
 وہر کہ ازاں تجا و نہ کند خواہ علوی باشند یا غیر تک پھیلا ہوا ہے جو اس سے آگے بڑھے خواہ

علوی از او بیزارم۔ (مجالس المومنین ج ۱ ص ۳۸۷)  
 بلکہ حق الیقین ص ۶۳۷ پر بلا باقر علی مجلسی نے لکھا ہے۔ کہ خلفائے ثلاثہ شعا و زید اور  
 دیگر مخالفین اہل بیت سے بیزاری کے علاوہ خلفاء اسماعیلیہ اور زیدیہ سے بھی بیزاری واجب  
 ہے کیونکہ انہوں نے امامت کا جھوٹا دعویٰ کیا۔

حضرت اسماعیل بن امام جعفر صادقؑ کی نسل سے جو شیعہ ہوئے وہ اسماعیلی کہلاتے ہیں اور حضرت  
 زید بن امام زین العابدینؑ کی نسل سے جو شیعہ و اہل بیت کے تابع چلے وہ زیدی کہلاتے ہیں۔ الغرض  
 آٹھ عشریہ نے اپنے ان سادات بھائیوں کو بھی نہ چھوڑا۔

صوفی و رند دونوں تیرے غمزدہ سے تبا خانقاہ گرہے ویراں تو خرابات خراب

حضرت عمر کا دامن بدعت سے پاک ہے | آدم بر سر مطلب۔ خلیفہ دوم حضرت عمرؓ پرچین مسائل  
 کی کمی پیشی کا الزام لگایا گیا ہے۔ وہ مذہب اہلسنت  
 کے مطابق صریح غلط ہے۔ افسوس کہ شیعہ حضرات تحقیق و دانش سے ذرا کام نہیں لیتے۔ حضرت عمرؓ



یاد نیکر صحابہ کرام کی دشمنی میں اگر مطاعن تصنیف کر دیتے ہیں۔

سوال میں مذکور مسائل خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں۔

۱۔ ابو داؤد ص ۷۷ - نسائی ص ۷۷ - موارد الطمان ص ۸۵۔  
**الصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ** | طحاوی ص ۸۲ میں حضرت ابو جندبہ کی روایت ہے کہ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب فجر کی آذان دو تو

قل بعد حی علی الفلاح الصلوۃ خیر  
من النوم۔  
حی علی الفلاح کے بعد الصلوۃ خیر من النوم کہو کہ  
نماز نیند سے بہتر ہے۔

قاضی شوکانی نیل الاوطار ج ۲ ص ۲۲ میں لکھتے ہیں صحیح ابن خزمیہ۔

شیخہ بھی یہ لکھتے ہیں قائل ہیں۔ شیخہ کی معتبر کتاب الفقیہ ص ۵۹ باب الاذان میں ہے کہ کوئی  
خرج نہیں۔ الصلوۃ خیر من النوم دو مرتبہ بطور تفسیر کہا جائے۔

۲۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں آذان میں  
حی علی الصلوۃ کے بعد الصلوۃ خیر من النوم دو مرتبہ کہا جاتا تھا۔ (طحاوی ج ۱ ص ۸۲ نیل الاوطار ج ۲  
از طبرانی و بیہقی)۔

ابن سید الناس یحیری کہتے ہیں۔ ہذا اسناد صحیح اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے تصحیح الخیر ص ۷۵ پر لکھتے ہیں۔  
سندہ حسن۔

۳۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں۔ سنت میں سے یہ ہے کہ فجر کی آذان میں حی علی الصلوۃ کے بعد  
الصلوۃ خیر من النوم دو مرتبہ کہا جائے۔ (طحاوی ج ۱ ص ۸۲۔ نیل الاوطار ج ۲ ص ۸۲ از دار قطنی  
و بیہقی) ابن سید الناس اور ابن حجر عسقلانی نے تصحیح کرتے ہیں۔ (از افادات شیخ محترم  
علامہ صفدر مدظلہ)۔

۲۸  
شیخہ کو مناظرہ موطا امام مالکؒ کی اس روایت سے لگا ہے کہ مؤذن نے صبح کو حضرت عمرؓ کو  
اٹھاتے ہوئے کہا۔ الصلوۃ خیر من النوم۔ فامروہ عمران یجعلها فی اذان الفجر مگر سنت نبویؐ  
سے قطعی ثبوت کے بعد حضرت عمرؓ کی مراد یہی ہو سکتی ہے کہ اس کلمہ کا استعمال صبح کی آذان کے  
بغیر نہ کیا جائے۔



**تراویح کا ثبوت** بخاری شریف ج ۱۸ پر حضرت زید بن ثابتؓ سے روایت ہے۔

”کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان المبارک میں ایک الگ جگہ نماز کے لیے بنادی۔ میرا گمان ہے کہ وہ چٹائی کا ایک پھیر تھا۔ آپؐ نے کئی راتیں اس میں نماز پڑھی آپؐ کے صحابہؓ نے بھی آپؐ کی اقتداء میں نماز پڑھی۔

اسی صفحہ پر حضرت عائشہؓ کی روایت میں ہے کہ لوگوں نے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حجرہ یا پھیر میں، دیکھا تو لوگوں نے آپؐ کی اقتداء میں نماز پڑھی۔ یہ دو یا تین راتیں عمل ہوا اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں بیٹھ رہے اور باہر نہ نکلے جب صبح ہوئی تو لوگوں نے وجہ پوچھی تو فرمایا۔

انی خشیت ان تکتب علیکم صلوۃ  
اللیل  
مجھے خوف ہوا کہ تمہارے شوق کے پیش نظر نماز شب (تراویح) تم پر فرض نہ ہو جائے۔

معلوم ہوا کہ نفس تراویح کا ثبوت باجماعت خود حضورؐ سے ثابت ہے۔ فرضیت کے اندیشہ سے آپؐ نے عہد اداومت نہ کی۔ عہد صحابہؓ میں جب یہ اندیشہ نہ رہا تو حضرت عمرؓ نے سب صحابہ کرامؓ کے اتفاق اور موجودگی میں اس سنت نبویؐ بالجماعت کو التوا امان زندہ فرما دیا۔ چونکہ یہ التزام و دوام نہایت توجہ و بطور رعوی استعمال اسے ”نعمت البدعة ہذیہ“ کیا ہی یہ نیا اچھا کام ہے۔ سے تعبیر فرمایا۔

علامہ عینی عمدۃ القاری شرح بخاری میں اس مقام پر لکھتے ہیں۔

فصلی فیہا لیبالی۔ اس جلد میں اصل تراویح کا ثبوت ہے اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نماز رمضان کی راتوں میں پڑھی۔ یہ ۲۰ رکعتیں ہیں۔ امام احمد اور امام شافعیؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک ۹ ترویجے ۳۶ رکعتیں ہیں و نیز کے ماسوا۔ آپؐ کا استدلال اہل مدینہ کے عمل سے ہے۔ ہمارے اصحاب حنفیہ شافعیہ۔ حنبلیہ کا استدلال بیہقی کی باسناد صحیح اس روایت سے ہے۔

عن السائب بن یزید الصحابی قال  
کانوا یقومون علی عہد عمر و عثمان  
حضرت سائب بن یزید صحابیؓ فرماتے ہیں کہ مسلمان  
حضرت عمرؓ کے عہد میں اور اسی طرح حضرت



زکوة وعلی عہد عثمان وعلی رضی اللہ عنہما مثله (بحوالہ حاشیہ بخاری ج ۱ ص ۱۸۱) عثمان وعلی رضی اللہ عنہم کے عہد میں ۲۰ رکعت تراویح پڑھتے تھے۔

جب حضرت عثمان وعلی نے بھی اسی پر عمل کیا اور کرایا اور کسی نے حضرت عمرؓ کے قول و فعل پر تکیہ نہ کی بلکہ تحسین و تائید فرما کر حضرت عمرؓ کے فقیہ و تابع سنت ہوتے پر گویا شہادت دی تو اس کے جواز پر کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں نور اللہ قبر عمرؓ کما نور مساجدنا اللہ حضرت عمرؓ کی قبر کو روشن کرے جیسے ہماری مساجد کو روشن کیا۔ (شرح نہج البلاغہ از ابن ابی الحدید ج ۳ ص ۳۳ فضائل عمرؓ) کتب شیعہ میں رمضان میں بعد از نماز عشاء ۲۲ رکعت نماز پڑھنے کا حکم ہے ائمہ کی طرف سے اور حضورؐ کا رمضان میں بعد از عشاء صحابہؓ کو تراویح پڑھانا منقول ہے۔ (فروع کافی ج ۳ ص ۳۹۹ از افادات تولسنوی)

چار تکبیر نماز جنازہ کا ثبوت بخاری ج ۱ ص ۱۸۱ پر یہ باب ہے۔ باب التکبیر علی الجنائزۃ اربعاً پھر پہلی حضرت ابوہریرہؓ کی یہ حدیث ہے۔ فخرج بهم الی المصلی وکبر علیہ اربع تکبیرات کہ نجاشیؓ کی موت کی خبر سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز گاہ کی طرف چلے۔ صف بنائی اور تم تکبیروں سے ان پر نماز جنازہ پڑھائی۔ دوسری حدیث حضرت جابرؓ سے ہے کہ حضورؐ نے احمہ نجاشیؓ پر چار تکبیروں سے نماز جنازہ پڑھائی۔ کتب اہلسنت میں اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں۔ سلف و خلف ہم تکبیروں پر اتفاق رکھتے ہیں۔ شاید کسی صاحب نے فعل نبوی سے بے خبری کی وجہ سے اس کے خلاف کہا سنا ہو تو حضرت عمرؓ نے اس کی تردید فرما کر اس سنت نبوی کو قانونی شکل دے دی ہو تو شیعہ نے بعض دشمنی کی وجہ سے اسے ایجاد عمرؓ قرار دے دیا ہو۔

بلکہ کتب شیعہ سے بھی فعل نبوی سے چار تکبیریں ثابت ہیں۔  
فروع کافی ج ۱ ص ۱۸۱ پر امام جعفر صادقؑ کی ایک حدیث میں ہے۔

عجب اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو منافقین پر نماز جنازہ پڑھنے سے روک دیا تو آپ یوں نماز پڑھتے تھے۔ کبر و تشهد ثم کبر و صلی علی النبیین کبر و کتبہم ثم کبر و دعا للمومنین کتبہم اور خدا و رسولؐ کی گواہی دیتے پھر تکبیر کتے اور مومنین کے لیے دعا کرتے پھر جو ہمتی کر



ثم كبر الرابعة والصرف ولم يدع  
للميت  
دعاه کرتے۔

پھر کبر کہتے اور مومنین کے لیے دعا کرتے پھر توبہ  
تکبیر کہہ کر نماز سے باہر آ جاتے اور میت کے لیے

معلوم ہو اگر اہلسنت کے ہاں مطلقاً اور عند الشیوخ حضور کا پچھلا تعامل (آیت ولا تنصل  
علی احد کے بعد) تم تکبیروں سے نماز جنازہ پڑھانا اور بعد از سلام دعاء کرتا تھا۔

اب شیعہ کے مایہ ناز دل پسند اور محبوب فعل متعہ  
متعہ کی حرمت خود حضور سے ثابت ہے | کی باری بھی آگئی کہ مطاعن فاروقی میں کسی  
اور بات کا ذکر کریں یا نہ کریں۔ متعہ کا ذکر ضرور کریں گے۔

متعہ کے عند الشیخ فضائل بطور نمونہ گزر چکے ہیں متعہ کی تعریف ملاحظہ کر لیں۔

کوئی مرد و عورت مقررہ وقت اور مقررہ اجرت سے بغیر گواہوں اور ولی کی اجازت  
کے ایجاب و قبول (رضامندی) کر کے تعلق قائم کریں۔ شیعہ کے ہاں اسی کا نام متعہ ہے مسلمان  
اسے زنا بالرضا سے تعبیر کرتے ہیں جو ہندو پاک میں شاپان روافض کی یادگار ”بازار حسن“ میں  
ہوتا ہے۔ اور اسی وجہ سے بے دین حکومتیں رضامندی سے اس فعل شلیح کو قابل گرفت و تحریر  
نہیں مانتی ہیں۔

سنی شیعہ کے اتفاق سے ممتوعہ عورت ایک بازاری و کسی کا حکم رکھتی ہے۔ کوئی بھی اس  
میں زوجه کے شرائط تسلیم نہیں کرتا۔ نہ زہریت کے حقوق دیتا ہے اور نہ اسے باندی مانتا ہے۔  
ممتوعہ عورت کی ”بازاری“ اور بیوی نہ ہونے کی حیثیت پر کتب شیعہ سے دلائل ملاحظہ ہوں۔  
۱۔ ولیس فی المنعۃ اشہاد ولا اعلان متعہ میں نہ گواہ ہوں گے نہ اعلان ہوگا۔

(تہذیب الاحکام ج ۲ ص ۱۸۹)

۲۔ ادنی ما یبتر زوجہ قال کف من امام جعفر سے پوچھا گیا کم از کم کتنی اجرت پر  
(ایضاً) زواج متعہ ہوگا۔ فرمایا۔ گندم کی ایک تھیلی۔

حالانہ بیوی کے مہر میں مہین مقبول رقم شرط ہے۔

۳۔ متعہ۔ مکان پانچ ہیں۔ مرد۔ عورت۔ مہر۔ وقت مقررہ۔ ایجاب و قبول کا لفظ



د گواہ شرط نہیں، تفسیر منہج الصادقین ص ۳۵

۴۔ عن ابی عبد اللہ قال ذکرلہ  
المتعة اھی من الاربع قال تزوج منها  
الافافانہن مستاجرات -

۵۔ وقال ابو جعفر لیس من  
الاربع لانہا لا تطلق ولا توث واقا  
ھی مستاجرة (تہذیب ج ۲ ص ۱۸۶)

۶۔ سئل ابو الحسن علیہ السلام  
عن المتعة اھی من الاربع فقال لا و  
فی رواية ولا من السبعین وانما هی  
مستاجرة (کافی ابواب المتعة ص ۱۸۶)

۷۔ وصاحب الاربع النسوة یزوج  
منہن ما شاء بغير ولی ولا شہود فاذا  
انقضی الاجل بانت منه بغير طلاق و  
يعطیہا المشی الیسیر (صدق الامام  
الصادق، فروع کافی ابواب المتعة ص ۱۸۶)  
فرمائی۔

۸۔ عن ابی عبد اللہ قال لا تكون  
متعة الا بامرین اجل مسمی واجر  
مسمی (ایضاً ص ۱۸۶)

۹۔ کہی آدمی ایک ہی عورت سے بار بار متہ کر سکتے ہیں۔ ذرا رہنے امام باقر سے پوچھا  
ایک آدمی متہ کرے اور شرط مدت ختم ہو جائے پھر دوسرا اس سے متہ کرے جب وہ اس سے  
جدا ہو تو پہلا متہ کرے اور اس سے جدا ہو اسی طرح تین دفعہ ہو اور (بیک وقت) وہ تین

امام جعفر صادق سے پوچھا کیا زین متہ چار  
میں سے ہے فرمایا (نہیں) ہزار سے عقد کر لو۔  
کیونکہ یہ کرایہ دار (پیشہ ور) ہیں۔

امام باقر نے فرمایا یہ چار عورتوں میں سے  
نہیں کیونکہ نہ طلاق پاتی ہے نہ وارث بنتی ہے،  
بلکہ یہ کرایہ دار ہے۔

امام ابوالحسن (رضا) سے پوچھا کیا کیا زین متہ  
چار (منکوحہ) عورتوں میں سے ہے۔ فرمایا نہیں  
ایک روایت میں ہے کہ یہ ۷۰ (یا ندیوں) میں سے  
بھی نہیں یہ کسی ہے۔

اور چار بیویوں کا خاوند متہ والی عورتوں میں  
سے جس کے ساتھ چاہے بغیر ولی اور گواہوں  
کے عقد کرے۔ جب مدت مقررہ ختم ہوگی تو  
بلا طلاق یہ جدا ہو جائے گی۔ مرد اسے کچھ پیسے  
دے دے۔ (امام صادق نے اس کی تصدیق

امام جعفر صادق نے فرمایا۔ متہ صرف دو باتوں  
سے ہوگا۔ وقت مقررہ ہو اور اجرت مقررہ  
ہو۔



مردوں سے متنعہ کرے۔ کیا اب بھی پہلے کے لیے حلال ہوگی۔ فرمایا ہاں۔ جتنی دفعہ چاہے۔ یہ کہ نہ او  
 عورتوں کی طرح نہیں ہے۔ بلکہ یہ کرایہ دار ہے۔ اور یہ باندیوں کے قائم مقام ہے۔ (ایضاً ص ۳۴)  
 ۱۰۔ معلوم ہونا چاہیے کہ عقد متنعہ میں عورتوں کی تعداد مبین نہیں ہے اور نفقہ کھانا پینا  
 مکان۔ لباس مرد پر لازم نہیں ہے۔ نیز اس جوڑے میں وراثت بھی نہ ہوگی۔ یہ تمام امور دائمی  
 عقد نکاح میں ضروری ہوتے ہیں۔ (تفسیر منہج الصادقین ص ۳۵)

شبیہ عبارات سے تفصیل ہم نے اس لیے کی تاکہ متنعہ کے زنا ہونے کا آپ کو یقین ہو جائے۔  
 اس رہنمائی طرفین میں نہ گواہ ہیں نہ اعلان۔ نہ نفقہ ہے نہ وراثت نہ طلاق ہے نہ اس کی عدت  
 بلکہ یہ ایک کرایہ دار عورت ہے جس کے ساتھ گھڑی دو گھڑی یا ایک دو دن کے لیے بھی تعلق  
 قائم کیا جاتا ہے۔ (تہذیب ج ۲ ص ۱۹) امام نے ان کو باندیاں بھی نہیں فرمایا بلکہ ولامن سبجین  
 کہہ کر صراحتہ تردید کر دی۔ ہاں بعض روایات میں بمنزلۃ الاماء فرمایا۔ یعنی چار سے زائد رکھنے  
 میں باندیوں کے قائم مقام ہیں۔

اس انتہائی فحش و جیاسوز فعل کی محبت پر تمام مل وادیان کی عقل و نقل سوا فرقہ شبیہ  
 متفق ہیں۔ بلکہ جن بزرگان اہل بیت کی طرف ان شہوت پرستوں نے اس کی نسبت کی ہے وہ  
 بھی اپنے گھر کا ذکر سن کر آگ بگولا ہو جاتے تھے۔ اگر نکاح کی طرح متنعہ بھی واقعی جائز ہوتا تو  
 ناراض کیوں ہوتے۔

امام باقرؑ سے عبداللہ بن عمیر نے کہا آپ کی بیویاں۔ بیٹیاں۔ بیٹیاں اور چچا کی بیٹیاں یہ  
 کام کرتی ہیں؟

فاعر ض ابو جعفر حین ذکر نساء و  
 بنات عمہ (تہذیب الاحکام طوسی ج ۲ ص ۱۸۶)  
 امام باقرؑ نے متنعہ بچہ لیا جب اپنی عورتوں اور  
 چچا زاد بیٹیوں کا ذکر ہوا۔

بلکہ شبیہ کے ذمہ دار علماء و مجتہدین جب متنعہ کی مدح و مصالح میں۔ منبر و محراب حسنی پر  
 رطب اللسان نظر آتے ہیں اور مستقل کتابیں لکھتے ہیں وہ بھی اپنے گھر میں اس فعل شنیع کو کبھی  
 جائز نہیں سمجھتے نہ برداشت کرتے ہیں۔ تو پھر ایسے لوگ عوام شبیہ خصوصاً عزباء کی بہن بیٹیوں کے  
 حتیٰ میں اس کے جواز کا فتویٰ کیوں دیتے ہیں۔ کیا وہ اس دورخی پالیسی پر خدا کا ذرا خوف نہیں



کرتے۔

كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ اَنْ تَقُولُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ۔ اللہ کے ہاں بڑی ناراضگی کی یہ بات ہے کہ تم وہ کہو جو کرتے نہیں ہو۔

پھر کیا شیعہ امیروں۔ نوابوں۔ جاگیرداروں۔ مسٹنڈے زاکروں۔ بے دین و نام نہاد سیدوں کی ہوس رانی ہی کے لیے یہ شرمناک مسئلہ ایجاد کر لیا گیا ہے تاکہ شیعہ مذہب زندہ رہے۔ کیونکہ اس مذہب کی بقا کے یہی لوگ ذمہ دار ہیں۔ اور ان کی روح ہی مسئلہ ہے۔ بے غیبتی کا طرہ امتیاز صرف شیعہ کا یہ مسئلہ ہی نہیں بلکہ وہ مقام مخصوص کو بطور عارت مانگنے پر کسی دست بھائی وغیرہ کو بھی دینے کے قابل ہیں۔ الاستبصار ج ۳ ص ۱۳۸ پر ہے کہ حسن عطار نے امام صادق سے مانگی ہوئی شرمگاہ کے مطلق پوچھا۔ قال لا باس بہ۔ فرمایا۔ کوئی حرج نہیں۔ بیوی سے در و بر لواطت جائز کہتے ہیں۔ امام باقر نے فرمایا لا باس اذا رضیت۔ جب بیوی راضی ہو تو کوئی حرج نہیں۔ (استبصار ج ۳ ص ۱۳۸) کہ لوگ خوف خدا پس پشت ڈال کر اور فحش کا لبادہ اوڑھ کر یہاں تک کہنے لگتے ہیں کہ یہ متوہ عمد نبوی میں طرح تھا اور فلاں فلاں اس کی مثالیں ہیں۔ حالانکہ بالفرض یہ بے حیائی۔ عمد جاہلیت کی یادگار۔ عمد نبوی میں ابتدائی عرصہ کے لیے کچھ تسلیم کی بھی جائے تو اس سے اس کی ابتدا حلت کیسے ثابت ہو جائے گی۔ قرآن کریم نے رفتہ رفتہ مصالح کے پیش نظر مسلم معاشرہ کی قوت کے مطابق۔ برائیوں کا ازالہ کیا اور حرمت نازل فرمائی ایک وقت میں نماز روزہ حج زکوٰۃ نہ تھی اور شراب۔ جو او وغیرہ رائج تھا۔ تو کیا بعد والی فرحیت یا حرمت سے قطع نظر کر کے یہ کہنا صحیح ہوگا کہ اسلام میں یہ عبادات فرض نہیں اور شراب و جو او حلال ہیں۔ ظاہر ہے کہ آخری دور حلت و حرمت ہی کو دیکھا جائے گا۔ جب اللہ پاک نے بار بار یہ ارشاد فرما دیا۔

اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ سوائے اپنی ازواج کے یا اپنے ہاتھ کے مال (لوٹڈیوں) کے کہ اس صورت میں وہ قابل

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِغُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ اِلَّا عَلٰی اَرْوَاحِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غٰیِبُوْا مَلُوْمِيْنَ (مومن۔ معارج)

لامت نہیں ہیں۔



اور حضرت ابن عباسؓ جیسے جبر امت و ترجمان قرآن نے اس کی تفسیر میں یہ فرمادیا۔  
 ”متعہ شروع اسلام میں تھا۔ ایک آدمی کسی شہر میں آتا وہاں جہان پہچان نہ ہوتی تو کسی عورت سے اقامت کی مقدار شادی کرتا وہ اس کے سامان کی حفاظت کرتی اور اس کے کام درست کرتی۔ حتیٰ کہ جب آیت الاعلیٰ اذواجہم اؤ ما ملکک ایما نلھم نازل ہوئی تو ابن عباسؓ فرماتے ہیں ہر فرج اس کے سوا حرام ہے۔ (ترمذی ص ۲۴۳)

اور یہ بھی ظاہر ہے کہ زن متعہ نہ بیوی ہے ورنہ اس سے عقد کے لیے گواہ۔ اعلان۔ میراث۔ نفقہ۔ نداد۔ طلاق۔ عدت وغیرہ ہوتی۔ نہ باندی ہے ورنہ بیع۔ ہبہ۔ آزادی وغیرہ اس میں نافذ ہوتی۔ تو اس آیت نے صراحتہ متعہ کو حرام کر دیا۔

اور بروایت سینا علی المرتضیٰؑ حضور علیہ السلام نے منع فرمادیا۔

۱۔ قال نہی عن متعة النساء یوم خیبر وعن اکل لحوم الحمیر الاہلیة (مشکوٰۃ ص ۲۴۲)

فتح خیبر کے دن حضورؐ نے عورتوں سے متعہ اور پالتو گدھوں کے گوشت سے روک دیا۔

۲۔ ان علیا قال لابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن المتعة وعن لحوم الحمیر الاہلیة (بخاری ج ۲ ص ۶۴)

حضرت علیؑ نے ابن عباسؓ سے فرمایا بلاشبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے متعہ سے اور پالتو گدھوں کے گوشت سے خیبر کے دنوں سے ممانعت فرمادی۔

۳۔ عن علی علیہ السلام قال حرم رسول اللہ لحوم الحمیر الاہلیة ونکاح المتعة (استبصار ج ۳ ص ۱۲۳)

حضرت علیؑ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر بلوگہ تھے اور عقد متعہ کی حرمت کر دی ہے۔

۴۔ حضرت ابن عباسؓ اولاً متعہ میں رخصت کے قائل تھے۔ آپ کو آپ کے غلام نے کہا یہ تو انتہائی مجبوری کی حالت اور عورتوں کی قلت وغیرہ کی وجہ سے تھا۔ فقال ابن عباس نعم (بخاری ج ۲ ص ۶۴)۔ (یعنی رجوع تسلیم کر لیا،

مزید کئی روایات بھی متعہ کی حرمت اور ابن عباسؓ کے رجوع پر صریح دال ہیں۔



قرآن و سنت اور اجماع صحابہؓ سے اس کی تحریم کے بعد کیا اب بھی اس کو جائز کہا جائے گا پھر تو گدھے بھی حلال ہوں گے؟ چہ خوب۔

علاوہ ازیں۔ یہ کسی صورت میں قابل تسلیم نہیں کہ بلاشہود و اعلان یہ خفیہ متہ شیعہ اور متہ دور یہ عہد نبوی میں واقع ہوا تھا۔ کیونکہ یہ انتہائی بے غیرتی اس وقت نہ تھی وہ صرف نکاح متہ تھا۔ یعنی گواہوں کی موجودگی میں مدت مقررہ کے لیے باقاعدہ نکاح ہوتا تھا جسے متہ یا نکاح مؤقت کہا جاتا تھا۔

”امام جعفرؑ سے پوچھا گیا۔ کیا عہد نبوی میں لوگ بغیر گواہوں کے عقد متہ کرتے تھے؟ قال لا۔ فرمایا نہیں۔ شیعہ علامہ طوسی اس پر کہتے ہیں کہ اس حدیث میں گواہ کے بغیر متہ کرنے کی مخالفت نہیں بلکہ اس کا بیان ہے کہ عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں وہ بلا گواہ نکاح متہ نہ کرتے تھے۔ انہم ماتذووا الابینۃ و ذالک هو الافضل انہوں نے کبھی نکاح متہ نہ کیا۔ سوائے گواہوں کے اور یہی افضل ہے۔ (تہذیب الاحکام ج ۲ ص ۱۸۶۔ استبصار ج ۳ ص ۱۴۸) کتب اہل سنت کے مطابق تو اس نکاح مؤقت میں نفقہ اور سکنی بھی لازم تھا۔

ایک شیعہ کا ازالہ | کچھ لوگ آیت نکاح ”والمحصنات“ کے جملہ ”فما استمتعتم بہ منہن“ سے اِلیٰ اَجَلٍ مُّسَمًّى کی قید قرات شاذہ یا منسوخہ نکال کر۔ حلت متہ

ثابت کرتے ہیں۔ حالانکہ اثبات احکام کے لیے قرات شاذہ و منسوخہ سے استدلال ناجائز ہے۔

علاوہ ازیں یہ مفید مطلب بھی نہیں ہے کیونکہ جار مجبوراً استمتاع (جماع) سے متعلق ہے۔

عقد کے متعلق نہیں اور عقد متہ میں تو تعین مدت شرط ہے۔ تو مطلب یہ ہوا کہ جب منکوحہ سے

نفع اٹھا لو یعنی جماع کر لو۔ تو مکمل مہر ادا کرو۔ بایں طور مثال مٹول نہ کر دو کہ پوری عمر کے بعد مہر

ادا کریں گے۔ اگر اِلیٰ اجل عقد سے متعلق ہو تو لازم آئے گا کہ متہ عمر مجبر کے لیے جائز نہ ہو حالانکہ

شیعہ عمر مجبر کے لیے متہ کو جائز کہتے ہیں۔ لفظ استمتاع متاع بمعنی نفع سے نکلا ہے۔ عقد

متہ کے لیے صریح نہیں۔ جیسے دوسری آیات میں ہے۔

فَاَسْتَمْتَعُوا بِحُلَا قِهِمْ کَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ پس انہوں نے اپنے حصے سے نفع اٹھایا اور

بِحُلَا قِکُمْ۔ (پ ۱۵۶۱) تم نے اپنے حصے سے ویسے ہی نفع اٹھایا۔



وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِمَا مَعْرُوفٍ۔

اور جن کو طلاق دی گئی ہے ان کو بھی نیکی کے

ساتھ نفع پہنچانا ہے۔

وَمَتَّعُوهُنَّ عَلَى الْمَوْسِعِ قَدَرَهُ

البتہ ان کو نیکی کے طور پر کچھ نفع پہنچا دو یہ

نفع پہنچانا، صاحبِ مقدر پر اس کی حیثیت کے موافق لازم ہے۔

قُلْ تَسْتَعُوْا فَرَانَ مَصِيْبِكُمْ اِلَى النَّارِ

تم کہہ دو کہ (چند روزہ) نفع اٹھا لو کہ تمہاری

بازگشت تو یقیناً جہنم ہی کی طرف ہے۔

(تراجم مقبول)

الترض اس تفصیل سے جب یہ حقیقت عیاں ہو گئی کہ حرمتِ متعہ پر قرآن کریم کتبِ فریقین سے

سنتِ نبوی اور اعلانِ مرتضوی متفق ہیں۔ تو بعض کتبِ تاریخ میں حضرت عمرؓ کی طرف نسبت کا

معنی صرف یہ ہے کہ آپؐ نے اس کی حرمت کو نمایاں اور شائع کیا اور کسی کے لیے اخفاء نہ رہا۔

تزارت باز لوگوں کے لیے سخت قانون بنادیا۔ تنزیہاً حلیفہ کو ایسا حق حاصل ہے۔

طلاق ثلاثہ معاً بائن میں | ۱۱۲ ص ۹۱ پر یہ باب باندھا ہے۔ باب من اجاز

طلاق الثلاث لقول الله تعالى الطلاق مكره

فَامْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ اَوْ تَسْرِيْعٌ بِاِحْسَانٍ۔ طلاق دو مرتبہ ہے پہر یا تو بند رکھنا ہے یا اچھی

طرح چھوڑنا ہے۔

امام بخاریؒ کے اس استدلال کا مقصد یہ ہے کہ آئندہ آیت فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ حَتّٰی تَنْكِحَ رَوْحًا غَيْرَہَا۔ پس اگر تیسری طلاق دے دی تو یہ عورت اس کے بعد حلال نہیں تا آنکہ کسی اور

مرد سے نکاح (وجماع) کرے۔ ہمیں طلاقوں کے وقوع اور حرمتِ منظرہ پر دلالت کرتی ہے۔

امام شافعیؒ کتاب الام میں اس آیت کے تحت فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کا یہ ظاہر مفہوم اس

بات کی دلیل ہے کہ تین طلاقیں اکٹھی بھی دی جائیں تو وہ عورت اس خاوند کے لیے حرام ہے

اکٹھی سے مراد یہ ہے۔ یعنی ایک مجلس میں دے دے۔ انت طالق۔ انت طالق۔ انت طالق۔ انت طالق۔

جو فان طلقها من بعد کا مقوم ہے۔

۲۔ ص ۱۲۱ اور بخاری ج ۲ ص ۹۱ اسی باب میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت

ہے۔



ان رجلا طلق امرأته ثلاثاً فزوجت  
 فطلقت فسئل النبي صلى الله عليه وسلم  
 أفحل للأول قال لا حتى يزوج عيالتها  
 كما ذاق الأول

ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں اس  
 عورت نے دوسری جگہ نکاح کر لیا پھر طلاق  
 پائی۔ تو حضور علیہ السلام سے پوچھا گیا کیا وہ  
 پہلے خاوند کے لیے حلال ہوئی فرمایا نہیں یہاں

تک کہ اس کا مزہ ثانی خاوند چکے جیسے پہلا چکھ چکا ہے۔

حافظ ابن حجر فتح الباری ج ۹ ص ۲۹۵ میں لکھتے ہیں کہ طلقتھا ثلاثاً کا جملہ اس کو چاہتا ہے کہ  
 اس نے تین طلاقیں اکٹھی دے دی تھیں اور یہی مطلب علامہ عینی عمدۃ القاری ج ۹ ص ۳۳۶  
 میں بیان فرماتے ہیں۔

۳۔ دارقطنی ج ۲ ص ۳۳۱ اور سنن کبریٰ ج ۴ ص ۳۳۲ اور مجمع الزوائد ج ۴ ص ۳۳۶ اور نصب الرایہ ج ۳ ص ۲۲  
 پر بسند صحیح حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض  
 کیا کہ میں نے اپنی بیوی کو بحالت حیض ایک طلاق دے دی ہے آپ نے فرمایا طلاق ہو گئی لیکن  
 رجوع کر لے۔ میں نے کہا یا رسول اللہ ثلاثاً لوافی طلقتھا ثلاثاً کان یحل لی ان اراجعھا  
 قال لا کانت تبین منك وتكون معصية اگر میں اس کو تین طلاقیں دوں تو کیا مجھے  
 حلال ہے کہ رجوع کر لوں؟ فرمایا نہیں وہ تجھ سے جدا ہو جائے گی اور تو گنہگار ہی ہوگا۔

۴۔ ترمذی ج ۱ ص ۱۱۱۔ ابوداؤد ج ۳ ص ۱۶۲ طیبی ج ۱ ص ۱۶۲ ابن ماجہ ج ۱ ص ۱۶۲ دارقطنی ج ۲ ص ۳۳۹ اور مستدرک ج ۲ ص ۱۹۹  
 پر حضرت رکابہ کی روایت ہے کہ میں نے بیوی کو طلاق بائن دے کر حضور سے پوچھا تو آپ نے دو مرتبہ  
 قسم دے کر پوچھا کیا تو نے ایک ہی کا ارادہ کیا؟ قلت واللہ! حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ حدیث  
 صحیح ہے اور ابوداؤد و حاکم ابن حبان وغیرہ اس کی تصحیح کرتے ہیں۔ (تلمیح النبی ص ۳۱۹)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اگر تین طلاقیں کے بعد رجوع کی گنجائش ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ  
 علیہ وسلم اس کو قسم نہ دیتے۔ (ازدافادات استاذ فہیم صفدر مدظلہ)

اس مسئلہ میں بہت معمولی اختلاف ہے۔ ائمہ اربعہ اور جمہور محدثین امام بخاری سے لے کر  
 حافظ ابن حجر صاحب بلوغ المرام تک اس کے قائل ہیں کہ تین طلاقیں تین ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ  
 عباس رضی اللہ عنہما روایت عن علی رضی اللہ عنہما و تمام جمہور سلف و خلف کا یہی مذہب ہے۔ رسول السلام



ابن حزم کا بھی یہی مذہب ہے۔ البتہ ابن تیمیہ ابن قیمؒ اور دورِ حاضر کے اہل ظاہر غیر مقلدین تین کو ایک شمار کرتے ہیں۔ شاید شیعہ مفاد بھی اسی میں ہے۔ ان کی اہم دلیل مسلم ج ۱ ص ۱۷۱ اور مستدرک ج ۲ ص ۱۹۶ کی وہ حدیث ہے جس میں حضرت عمرؓ نے فرمایا ہے۔ لوگوں نے اس معاملے میں جلدی کی جس میں ان کے لیے تاخیر تھی۔ کیا بہتر ہو کہ ان کی تین طلاقیں کو تین شمار کریں تو آپ نے تین جاری کر دیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یا تو راوی کو نسخ کا علم نہیں جیسے علامہ حازمی کتاب الاعتبار ص ۱ پر امام شافعیؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ تین طلاقیں دے کر رجوع کا حق پہلے تھا بعد کو منسوخ ہو گیا۔ ۲۔ امام نسائی ج ۲ ص ۸۳ پر اس حدیث کو باب طلاق الثلاث المتفرقة قبل الدخول بالزوجة میں پیش کر کے یہ بتلاتے ہیں کہ یہ غیر مدخول بہا سے متعلق ہے اور فقہاء نے تصریح کی ہے کہ کوئی شخص ایک مجلس میں یوں کہے۔ انت طالق۔ انت طالق۔ انت طالق تو ایک طلاق ہوگی۔ باقی دو کا وہ عورت محل ہی نہیں۔

۳۔ مولانا حبیب الرحمن اعظمی آثار المطبوعہ میں مصنف عبدالرزاق کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ پہلے لوگ بجائے تین طلاقیں کے ایک ہی دیتے تھے۔ عدت گزر جاتی تو عورت جہاں چاہتی نکاح کرتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیقؓ اور دو سال حضرت عمرؓ کے دور میں ایسا ہی ہوتا رہا۔ اس کے بعد لوگوں نے تین طلاقیں دینا شروع کر دیں تب حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ لوگ جلد بازی پر اتر آئے ہیں۔ پہلے لوگوں کو ایک طلاق کے بعد سوچنے سمجھنے اور رجوع کا موقع تھا۔ مگر اب لوگوں نے کوئی گنجائش نہیں چھوڑی۔ تین دے دیتے ہیں۔ لہذا ہم بھی تین نافذ کریں گے۔

ابوحدیث عالم مولانا محمد صدیق اس سوال کے جواب میں کہتے ہیں۔ ”تین طلاق کو جو ایک ساتھ دی جائیں۔ طلاق بائن قرار دینا خلیفہ ثانیؒ کا ایک تعزیری اقدام ہے اور امام کو حد تعزیر میں زیادتی کا اختیار ہے کمی کا نہیں۔ جیسا کہ حضرت علیؓ نے ان لوگوں کو جلد دیا تھا جو الوہیت علیؓ کا عقیدہ رکھتے تھے۔ حالانکہ اسلام میں کسی جرم کی سزا جلدانا نہیں ہے (کشف الاستار ص ۱۳۵)



یہ جواب شیعہ کے مقابلے میں ایک توجہ یا قدرے مسکت ہے۔ ورنہ صحیح جوابات وہی پہلے ہیں۔

**قیاس شرعی حجت ہے** | قیاس کو اصول قائم کرنے کا حضرت عمرؓ پر مخصوص الزام بھی حضرت عمرؓ سے دشمنی کا آئینہ ہے۔ ورنہ چند اہل ظاہر کے سوا تمام صحابہؓ تابعین اور ائمہ دین اس کی مشروعیت پر متفق ہیں۔ اور اس کی مشروعیت کتاب و سنت اور اجماع امت سے ثابت ہے۔

جیسے ارشادِ ربانی ہے۔ **وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لَتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ** (نحل ۶۴) اور تمہاری طرف ہم نے یہ قرآن نازل کیا تاکہ جو کچھ تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے۔ اسے تم لوگوں کے لیے کھول کر بیان کرو اور تاکہ وہ غور و فکر کریں۔

اور اگر وہ اس کو اپنے رسولؐ اور والیان امر کے سامنے پیش کر دیتے تو ان میں سے جو بات کی نہ تک پہنچ جانے والے ہیں وہ اس کی حقیقت (نسائہ ۱۱۶)

کو سمجھ لیتے۔ (ترجمہ مقبول)

قرآن پاک میں غور و فکر اور محقق احکام تک رسائی پانا۔ صاحبانِ علم و خرد کا کسی امر میں سوچنا اور قرآن و سنت میں چھان بین کر کے اس کا حکم نکالنا ہی ”قیاس“ کہلاتا ہے۔

سب فقہاء کا اتفاق ہے کہ قیاس مثبت احکام نہیں ہے۔ مطلق احکام ہے۔ چونکہ تاقیامت رہنے والی نسل انسانی کے لیے ہزاروں نئے مسائل کے احکام کی ضرورت ہوگی۔ قرآن و سنت میں ہر ہر چیز کا حکم مذکور نہیں ہو سکتا۔ نصوص متنابہ ہیں اور حادثات و قائلع غیر متنابہ ہیں۔ لہذا شرعی قیاس واجتہاد کی گنجائش تکمیل دین کی ایک ضرورت ہے۔ (کنز فی الملل والنحل ج ۲ ص ۱۴۱)

قیاس کے لغوی معنی تقدیر اور تسویر کے ہیں اور اصطلاح میں قیاس اس چیز کا نام ہے۔

انما القیاس ان تحزج العلة من الحكم المنصوص ویل اعلیه الحكم (حجۃ اللہ ۱۴۱۵ھ)

قیاس یہ ہے کہ تو کسی منصوص حکم سے علت نکالے اور پھر اس پر حکم دوہرایا جائے۔

یعنی قیاس کی حقیقت یہ ہے کہ قرآن و سنت کے احکام میں غور کر کے ہر حکم کی وجہ دریافت



کی جائے اور جب ایسی وجہ غیر منصوص و سنئے احکام میں پائی جائے تو ان کو اس کام منصوص پر بذریعہ علت قیاس کر کے ان پر علت یا حرمت کا حکم لگایا جائے۔ یہاں چار چیزیں ہوں گی۔  
 مقیس علیہ حکم۔ علت۔ مقیس۔ مثلاً شراب کی حرمت منصوص ہے یہ مقیس علیہ ہے۔ اس کی علت نشہ آور اور مخرب عقل ہونا اور حکم حرام ہونا ہے۔ اب بھنگ، چرس وغیرہ کو بھی قیاس بر شراب حرام کہا جائے گا کیونکہ علت حرمت یعنی نشہ آور ہونا ان میں پایا جاتا ہے۔  
 اصول قیاس سنت نبوی سے بھی ثابت ہے جسٹرماد بن جبل کو مین میں بھیجے وقت آپ نے فرمایا۔

کیف تفضی اذا عرض لك قضاء قال  
 اقضی بکتاب اللہ قال فان لم تجد  
 بکتاب اللہ قال فیسنة رسول اللہ  
 قال فان لم تجد فی سنة رسول اللہ  
 قال اجتهد رأيی ولا اکوا قال قضی  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی صدقہ  
 وقال الحمد لله الذی وفق رسول  
 رسول اللہ لما یرضی بہ رسول اللہ  
 (رواہ الترمذی والبوداؤد والدارمی بحوالہ مشکوٰۃ ص ۳۲۲)  
 تو کیسے فیصلے کرے گا جب مقدمات پیش ہوں گے  
 تو فرمایا اللہ کی کتاب سے کروں گا۔ آپ نے  
 پوچھا اگر تو اللہ کی کتاب میں وہ بات نہ پائے  
 تو فرمایا اللہ کے رسول کی سنت سے کروں گا۔  
 پوچھا اگر تو رسول اللہ کی سنت میں بھی وہ بات  
 نہ پائے تو فرمایا اپنی رائے غور سے استعمال کروں  
 گا اور کوتاہی نہ کروں گا۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر  
 رسول اللہ نے اس کے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا  
 سب تو یقین اس اللہ کی ہیں جس نے رسول کے  
 قاصد کو بھی اس بات کی توفیق دی جو رسول اللہ کو پسند ہے۔

قیاس کی حجیت اور جواز پر یہ صحیح حدیث ثریٰ اہم اور واضح ہے۔

ممکن ہے کہ قیاس سے ضد شیعہ کو اس بنا پر ہو کہ ان کے آئمہ کو اس کی حاجت نہ تھی کیونکہ  
 وہ ان کے بقول مہبط وحی تھے۔ اور وحی ان پر آتی تھی۔ ان پر منزلہ ۱۲ صحائف میں تمام مسائل  
 کی تفصیل موجود تھی۔ لیکن اپنے پیروکاروں کے لیے انہوں نے عقل و قیاس کی حجت صراحتاً بیان  
 فرمائی ہے۔

شیعہ کی اصول کافی جیسی اہم اور معتبر کتاب کا آغاز ہی کتاب العقل والمجہل سے ہوا ہے۔



جیکہ ہماری کتب کا آغاز کتاب الایمان، بدیع الوحی، کتاب الطہارت سے ہوتا ہے۔ اسی سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ وحی الہی کا قبیح کون ہے اور محض عقل کا غلام ہے دام بلکہ اپنے قرآن و سنت کی خلاف مسائل کو ڈھکوسلوں سے ثابت کرنے والا کون ہے۔

ساتویں امام موسیٰ بن جعفر نے اپنے شیعہ ہشام سے فرمایا۔

ان الله على الناس حجتين حجة ظاهرة وحجة باطنة فاما الظاهرة فالرسل والائمة عليهم السلام واما الباطنة فالعقول (اصول کافی ص ۱۷۱)

لوگوں پر اللہ کی دو حجتیں ہیں ایک ظاہری ایک باطنی۔ ظاہری تو انبیاء و رسل اور ائمہ علیہم السلام ہیں اور باطنی عقلوں (سلیمہ) ہیں۔

اب تو عقل قیاس کی حجت میں کوئی شک نہ رہا۔ بلکہ وہ انبیاء و ائمہ کے بالمقابل حجت باطنہ ہے۔ اگر دنیوی امور میں عقل کی راہنمائی حجت ہے۔ تو نصوص کے تعاون سے غیر منصوص احکام میں عقل قیاس سے راہنمائی حاصل کرنا بدرجہ اولیٰ حجت باطنہ ہوگا۔

علماء امت بھی قیاس کو اصول شرعی مانتے ہیں اور اس سے مستنبط مسائل کو بدعت نہیں کہتے۔ خود شیعہ علماء کو قیاس سے ظاہری انکار کے باوجود معترف ہیں۔ کیونکہ زندہ سلسلہ امامت ماننے کے باوجود وہ اجتہاد کی ضرورت کے قائل ہیں اور اجتہاد یعنی قیاس شرعی کے ہونے کا جتنی مسائل میں ان کو قول امام نہیں ملتا وہ قیاس و اجتہاد سے کام لیتے ہیں۔ گویا جسے حرام کہتے ہیں، اسے ہی کھاتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ان کے ہاں مجتہد کے مرنے سے اس کے اجتہادات و فتاویٰ باطل ہو جاتے ہیں تو ایک مسئلہ میں دسیوں متنہذا اقوال مل جاتے ہیں۔

سوال ۲۳۔ کیا ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء میں سے کسی ایک نبی کی بھی مثال پیش کی جاسکتی ہے کہ نبی کی وفات پر امت نے اپنے پیغمبر کا خلیفہ اجماع سے بنایا اگر ہو تو نام ارشاد فرمائیے۔

الجواب۔ یہ وہی سوال ۹ والا فقرہ ہے جسے پھرتے کر دیا گیا ہے۔ ہم پہلے یہ بتا چکے ہیں کہ سابقہ انبیاء علیہم السلام کے زمانے میں سلسلہ نبوت جاری تھا۔ ایک نبی کے بعد دوسرا نبی اس کا جانشین بنتا تھا۔ سیاست کی باگ ڈور بھی انہی کے ہاتھ میں تھی۔ بالضرر اگر اجماع و شور سے وہاں سے



استخلاف نہ ہو تو اس کی وہاں ضرورت ہی نہ تھی۔ امت محمدیہ میں سلسلہ نبوت ختم کر دیا گیا ہے  
وحی الہی بند ہو چکی تو خلیفہ کے تعین کی ایک صورت اجماع و شوری سے ہوگی۔ جیسے اس امت کے  
مخلوق اللہ پاک کا ارشاد ہے۔

وَالَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ وَأَقَامُوا  
الصَّلَاةَ وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ  
(شوری ع ۵)

اور جو اپنے پروردگار کا حکم مانتے ہیں اور نماز  
پڑھتے ہیں اور ان کا معاملہ باہمی مشورہ سے  
رہے، ہوتا ہے۔ (ترجمہ مقبول)

لہذا اس امت کا سابقہ اہم پر قیاس مع الفارق ہے اور اصول قرآن سے کھلا انحراف ہے۔  
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے پس پردہ شیعہ بدستور اجراء نبوت (بنام امامت) کے قابل اور ختم نبوت  
کے منکر ہیں تبھی تو مسند خلافت کو سابقہ انبیاء کی خلافت پر قیاس کرتے ہیں۔ سابقہ اہم میں سے  
بھی شیعہ کے پاس صرف ایک مثال ہے کہ حضرت یوشع حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلیفہ وحی تھے  
جو حضرت موسیٰ کے نامزد کردہ تھے، امت کا انتخاب میں دخل نہ تھا وہ صرف ماننے پر مامور  
تھے تو حضور کا وحی و جانشین بھی اسی معنی میں چاہیے تھا۔

حالا کہ یہی قصہ شیعہ عقیدہ امامت کا استیصال کر دیتا ہے کیونکہ حضرت یوشع بن نون حضرت  
موسیٰ علیہ السلام کے قریبی رشتہ دار یا علم زاد و برادر نہ تھے۔ وہ امت کے صالح نوجوان تھے۔ حضرت  
موسیٰ علیہ السلام کی بہت خدمت کی اللہ تعالیٰ نے منصب نبوت اور جانشینی کلیم اللہ سے سرفراز فرمایا۔  
اگر امامت کا شیعہ تصور درست ہوتا۔ تو حضرت موسیٰ کے بھتیجے حضرت ہارون کے دو صاحبزادے  
ہی آپ کے بعد وحی و جانشین بلا فصل بنائے جاتے۔ یا حضرت موسیٰ کے داماد کالوب بن یوقنہ  
یا کلاب بن یاقنہ نامزد خلیفہ بلا فصل ہوتے۔ (طبری ج ۳)

مسند اسب مؤرخین و مفسرین ذکر کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ کے خلیفہ یوشع بن نون چننے  
تھے۔

فحولت النبوة الى يوشع بن نون (طبری ج ۳) نبوت حضرت موسیٰ سے حضرت یوشع کی طرف  
منتقل ہو گئی۔

ثم ان الله عز وجل لما انقضت الاربعون  
سنة من ايام موسى عليه السلام قال يا موسى اني قد اخذت من عند ربك



سنة بعث يوشع بن نون فاخبرهم بان  
 نبى وان الله قد امره ان يقاتل الجباب  
 فبالعوة وصد قوا فهزم الجبارين  
 واقتحموا عليهم فقتلوهم الخ

(طبری ج ۱ ص ۳۳۶)

نے کفار پر خوب حملہ کیا اور ان کو تہ تیغ کیا۔

حضرت یوشع بن نون کو مبعوث کیا۔ انہوں نے  
 قوم موسیٰ کو بتایا کہ وہ اللہ کے نبی ہیں اور اللہ  
 نے ان کو جبارین کے ساتھ جنگ کا حکم دیا ہے  
 تو سب امت نے آپ کی بیعت کی اور تصدیق کی  
 تو حضرت یوشع نے جبارین کو شکست دی انہوں

بہر حال حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جانشین پیغمبر تھے۔ حضور خاتم النبیین کا جانشین پیغمبر یا ۱۰۰٪  
 پیغمبر از اوصاف کا حامل نہیں ہو سکتا۔ رہے باقی اوصاف یعنی امت کا ان کی بیعت کرنا۔ ان کے  
 ماتحت ہو کر جہاد کرنا۔ کفار و جبارہ کو شکست دینا۔ ان کو قتل کر کے ان کے ممالک پر قابض ہونا وغیرہ  
 اللہ کے فضل و کرم سے نبی آخر الزمان کے جانشینان حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ میں کما حقہ پائے  
 گئے۔ سب قوم نے بالاتفاق ان کی بیعت کی اور تصدیق کی۔ اسے ہی اجماع سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ چونکہ  
 اس بیعت و تصدیق سے ان کی خلافت اطہر من الشمس ہو گئی تو حجاز اجماع کی طرف نسبت کی جاتی  
 ہے۔ ورنہ حقیقہٴ خلیفہ بنانے والے صرف اللہ ہیں۔ جیسے آیت استخلاف در سورہ نور میں اپنی طرف  
 نسبت کی ہے۔ لیستخلفنم فی الارض۔ جب وہ ایسے حالات و وسائل کا سلسلہ بنا دیتے ہیں جن  
 سے خلافت ظاہر ہو جاتی ہے تو کبھی وسائل کی طرف نسبت کر دی جاتی ہے۔ جیسے رازق موطی بدل  
 نمیت۔ محی۔ صرف اللہ تعالیٰ ہیں۔ مگر اسباب کی طرف مجازاً نسبت عرف میں جائز و مشہور ہے تبھی تو  
 رزق عظیمہ حیوۃ کا سبب بنے والوں کا شکر ادا کیا جاتا ہے اور ذلت و موت کا سبب بننے والوں  
 کی مذمت کی جاتی ہے۔ سب امت محمدیہ نے ان خلفاء راشدین کے ماتحت ہو کر جہاد کیا جابر  
 کفار کو شکست دی۔ انہیں قتل کیا اور ان کے ممالک کو ختم کر کے دعوت محمدی کو خوب پھیلا دیا۔  
 الحاحیل یہ قصہ اور شیعہ کی دلیل۔ اہلسنت کی زبردست برہان اور مذہب شیعہ پر سیف برال  
 ہے کہ ان کے خیالی میں وحی پیغمبر آخر الزمان برگزہ کامیاب نہیں ہوا۔ امت نے ان کی بیعت و تصدیق  
 نہ کی۔ ان کے ماتحت ہو کر کبھی کفار سے جہاد نہ کیا۔ نہ کافروں کا گز بھر رقبہ ہی فتح ہوا۔ بلکہ علی العکس  
 بقول شیعہ ان کے ہاتھوں یہ مغلوب ہوئے۔ ان کے گلے میں رسی ڈال کر گھسیٹا گیا (جلال الحیون ص ۱۳۱)



ان کے حقوق تلف کیے گئے اور ان کی دعوت ہی تقیہ و خفا کی نذر ہو گئی اور جیابردہ ان پر غالب ہوئے یہی وجہ ہے کہ تاہنوز شیعہ کا ماتم و شیون ختم نہ ہوا۔ شیعہ بھائیوں کو اگر مزید اصرار ہے تو ہم تاریخ کے بطون سے یہ امر بھی واشگاف کر دیتے ہیں کہ اجم سابقہ میں بھی غیر نبی اگر خلافت کے منصب سے سرفراز ہوتا تو باقاعدہ شوریٰ و اجماع سے ہوتا۔

علامہ ابن خلدون حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کی وفات سے بادشاہ طالوت تک بنی اسرائیل کے سیاسی نشیب و فراز کا ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

وكان اصرهم شورى في خلدون للحكم في عامتهم من شاور وديد فعون للحزب من يقوم بها من اسباطهم ولهم الخيار مع ذلك على من يلي شيئا من امرهم و تارة يكون نبيا يدبرهم بالوحى واقاموا على ذلك نحو من ثلثمائة سنة لم يكن لهم ملك مستفحل والملوك تناوشهم من كل جهة الى ان طلبوا من نبهم شمويل ان يبعث عليهم ملكا فكان طالوت ومن بعد داود فاستفحل ملكهم ليومئذ وقهروا اعداءهم۔

(تاریخ ابن خلدون ج ۲ صفحہ ۱۶۸)

اور یہ دشمنوں پر غالب ہو گئے۔

کیا یہ ۳۰۰ سال کا نظام بنی بر شوریٰ سب باطل سمجھا جائے گا؟ حالانکہ کبھی پیغمبر وقت بھی اس منصب پر آتے رہے۔ اس تحقیق کے بعد اب ہم بھی شیعہ صاحبان سے پوچھتے ہیں۔  
۱۔ کیا سابق کسی پیغمبر کی مثال مل سکتی ہے کہ اس کی وفات کے ساتھ ہی اس کی سب جنّت ضائع اور امت مرتد ہو گئی ہو۔



۲۔ کیا کسی امت نے اپنے پیغمبر کے جانشین کا بھی انکار کیا اور اس پر غضب و ظلم کا الزام لگایا۔

۳۔ کیا کسی سابق امت نے بھی اپنے پیغمبر کے سب اصحاب و تلامذہ کو بے دین اور برا بھلا کہا۔

۴۔ کیا کسی سابق پیغمبر کا جانشین بھی اپنے مقاصد میں ناکام رہا اور مظلوم و مظلور رہا اور اس کی دعوت و وصایت و تقیہ کے پردوں میں گم ہو کر رہ گئی۔

۵۔ کیا کسی پیغمبر کے رشتہ داروں اور امت میں بھی بغاوت کے مشد پر سر پھٹپول ہوا یا تفرقہ بازی وجود میں آئی۔ اگر ان سب امور کا جواب نفی میں ہے تو کس قدر حیرانی اور تعجب کی بات ہے کہ اجم سابقہ تو اپنے پیغمبر کی تعلیم کی لاج رکھیں۔ سابقین امت کر مرتد و منافق کہہ کر اسے ضائع نہ کریں جانشین پیغمبر کا انکار نہ کریں۔ اس پر غضب و ظلم کا الزام نہ لگائیں بلکہ ان کی بیعت و تصدیق کر کے ان کے ماتحت ہو کر جہاد کریں۔ محاکمہ فتح کریں۔ اپنے پیغمبر کی دعوت و تعلیم کو تقیہ کے خلاف میں چھپانے کے بجائے علی الاعلان تبلیغ کریں۔ اپنے پیغمبر کو کامیاب و مسطاع کہیں۔ ان کے کارناموں پر فخر کریں۔ مگر شیعہ اپنے پیغمبر کی تعلیم کو ناکام بتائیں۔ پیغمبر کے تمام اصحاب و تلامذہ کو منافق و مرتد کہیں۔ واقعی خلفاء پیغمبر کی بیعت و تصدیق کے بجائے افتراق و بغاوت کی طرح ڈالیں یا بقول خود بچے جانشین کو اپنے مقاصد میں ناکام اور دعوت کو مستور و مکتوم کہیں۔ انصاف سے آپ ہی بتلائیں کہ ان مسائل میں یہود و نصاریٰ کی فکر بہتر تھی یا شیخہ حضرات کی؟

ع ہم عرض کریں گے تو شکایت ہوگی۔

## باب دہم

### کلمہ طیبہ اور چند روئی مسائل

سوال ۲۲۔ عام ملاں شیعوں پر اعتراض کرتے ہیں کہ شیعہ علی ولی اللہ قرآن سے ثابت کریں۔ ارشاد فرمائیں کہ الصلوٰۃ خیر من النوم۔ تراویح۔ التحیات سبحانک اللہم۔ درود لکھی۔



در وقت تاج نماز میں ہاتھ باندھنا۔ اٹا وضو۔ قرالی۔ قبروں پر حال کھیلنا۔ طبلے کی سرتال پر سہارنا  
 گیارھویں شریف عرس شریف پوشتی دروازوں سے گزرنا وغیرہ کس پارے اور رکوع سے ثابت  
 ہے۔ علی ولی اللہ کو آیت ولایت اور آیت اولی الامر میں قدرت نے واضح طور پر بیان فرمایا ہے۔  
 اور حدیث مصطفیٰ اس کی تصدیق کرتی ہے۔ عن جابر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 مکتوب علی باب الجنة لا اله الا اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہ اخر رسول اللہ  
 قبل ان یخلق اللہ السموات والارض بالقی عام۔ مودۃ القربی۔ ریاض النضیۃ۔  
 ینابیع المودۃ ص ۲۵۔ تذکرۃ الخواص ص ۲۸۔

اگر اس پر بھی نہ سمجھو تو پھر تم سے خدا سمجھے۔

الجواب ہے۔ اسلام میں کلمہ طیبہ کی جو اہمیت ہے وہ کسی عقلمند سے مخفی نہیں ہے کلمہ شہادت  
 ہی وہ دروازہ ہے جس سے گزر کر ایک کافر مسلمان ہوتا ہے۔ مستحق دوزخ مستحق بہشت بنتا ہے  
 دشمن خدا ولی خدا بن جاتا ہے۔ کلمہ کا اثر ہے۔ مباح الدم محفوظ الدم ہو جاتا ہے۔ بلکہ  
 پوری زندگی میں انقلاب آجاتا ہے۔ فکر کا رخ اور احکام کی لائن ہی بدل جاتی ہے۔ کلمہ پڑھنے  
 سے وہ کفار کی برادری سے نکل کر مسلمان برادری کا فرد بن جاتا ہے۔ سابقہ نبوی اس سے جدا رہتا ہے  
 انکار از کلمہ ہو جائے گی اور عزت ناب مسلمان خاتون کا اس سے نکاح درست ہو جائے گا۔ اس کی  
 تاباں اولاد بھی مسلمان سمجھی جائے گی۔ اس کی جان مال عزت وغیرہ ہر چیز کا محافظ کلمہ ہو گا۔ مرنے  
 پر اس کا جنازہ پڑھا جائے گا اور تقیامت اس پر مومنین اور ملائکہ رحمت کی دعائیں بھیجے جائیں گے  
 چونکہ کلمہ انتہائی انقلابی پیام ہے اس لیے انبیاء علیہم السلام کی بہشت کا مقصد وحید اور مشن  
 اصلی اسی کی تبلیغ تھی۔ باقی سارا دین اسی کے ضمن میں آجاتا تھا۔ کفار نے سب سے زیادہ ایذا میں  
 انبیاء و مومنین صادقین کو اسی کلمہ کی بنا پر پہنچائیں اور تمام مسلمانوں کا بائیکاٹ کیا۔ اسی کلمہ کی  
 بدولت مسلمانوں نے کفار سے جہاد کر کے انہیں تہ تیغ کیا۔ خود عہد نبوی کے ابتدائی مکی دور میں  
 صرف کلمہ طیبہ ہی کی تبلیغ و تلقین جاری رہی۔ پھر اس کے کلمہ کے ماننے اور انکار کرنے والوں کو  
 ”عقیدہ آخرت“ سنا کر انجام سے باہر کیا جاتا تھا۔ دس سال کے بعد لیلۃ مہراج میں صرف  
 نماز پنجگانہ کی فرضیت ہوئی۔ پھر جہاد۔ زکوٰۃ۔ روزہ۔ حج۔ قربانی وغیرہ اسلام کے شعار تو بدیع طیبہ



ہی میں اترے۔

جیسے عقیدہ توحید میں کمی بیشی مسلم و کافر کی تفریق پیدا کرتی ہے۔ عقیدہ رسالت میں حک و اضافہ کفر و اسلام کی جنگ برپا کر دیتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح کلمہ طیبہ میں ترمیم و اضافہ اور نقص و کمال سے جو دو فرقتے پیدا ہوں گے ان میں سے ایک مسلمان ہوگا ایک کافر ہوگا کیونکہ جب توحید و رسالت کی طرح کسی کا وحدت کلمہ پر ایمان و اتفاق نہیں وہ مسلم برادری کا فرد کیسے بنے کلمہ طیبہ میں اختلاف کو ماننا یا ایسے جملہ کا اضافہ کرنا جو قرآن و سنت اور سبیل مومنین سے ہرگز ثابت نہ ہو۔ اپنے کفر کا کھلا اعتراف کرنا ہے۔ یا پھر ۹۵٪ سب دنیا کے ۹۰ کروڑ مسلمانوں کو کافر اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دینا ہے۔ اس قدر اسلم۔ کفر و اسلام کے مابہ الامتیاز۔ اور تعلیمات نبویہ کی روح۔ کلمہ طیبہ کو ان مذکورہ فی سوال باتوں سے متاثر نہ کیسے دی جاسکتی ہے۔ یا موازنہ درست ہے یا جو فی نفسہ اسنت یا سخت ہیں اور ان کے ترک یا اظہار پر کفر و اسلام کے احکام مقرر نہیں ہوتے۔

ظ۔ فرق سنت گرنگی زندیقہ۔

کفر و اسلام میں فارق کلمہ طیبہ ہوا اور قرآن اس کا ذکر نہ کرے۔ یا سنت نبوی اسے نہ بتائے یا اس میں اختلاف کی گنجائش ہو؟ یہ ناممکنات ہیں۔ ہے۔ مدار کفر و اسلام کلمہ طیبہ وہی ہے جس کا قرآن پاک نے بار بار اعلان کیا۔ پیغمبر خاتم النبیین نے عمر بھر اس کی تبلیغ کی اور ہزاروں کفار کو براہ راست پڑھا کر حلقہ اسلام میں داخل کیا۔ اور سب مسلمان یا مسنونہ اس پر اسی طرح متفق اور ایمان رکھتے ہیں جیسے توحید۔ رسالت۔ قیامت پر ایمان رکھتے ہیں۔ اب ایسے اور معلوم کیجئے کہ خدا و رسول اور تمام مسلمانوں کا مصدقہ کلمہ کون سا ہے جس سے فرقہ شیعہ کو اختلاف ہے اور اسے ناقص مانتے ہیں۔

کلمہ طیبہ ہی قرآن نے سکھایا | متفقہ کلمہ اسلام لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہی قرآن نے سکھایا ہے۔ اس کے دو جز ہیں۔ توحید کا اقرار ہے لا الہ الا

اللہ سے تعبیر کرتے ہیں اور رسالت محمدیہ کا اقرار ہے محمد رسول اللہ سے تعبیر کرتے ہیں۔

متن و الفاظ و تعبیرات میں قرآن پاک نے سینکڑوں آیات میں اس کلمہ کو بیان فرمایا ہے مثلاً توحید کے سلسلہ کی آیات کا نمونہ مع ترجمہ مقبول یہ ہے۔



۱- وَاللَّهُمَّ إِلَهٌ وَاحِدٌ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ (بقرہ ۱۹۶)  
 ۲- إِنَّمَا اللَّهُ إِلَهٌ وَاحِدٌ (نساء ۲۳۶)  
 ۳- لَا تَتَّخِذُوا إِلَهَيْنِ اثْنَيْنِ إِنَّمَا هُوَ إِلَهٌ وَاحِدٌ (نمل ۶۶)

۴- وَمَا مِنْ إِلَهٍ إِلَّا اللَّهُ (آل عمران ۶)  
 ۵- تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا (آل عمران ۷۰)  
 ۶- قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ وَحْدَهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ (ص ۲۶) نہیں ہے۔

۷- لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ- فَإِنِ تَوَلَّوْا فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِكُونَ (فاطر ۱۶)  
 ۸- أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا الَّذِي آمَنَتْ بِهِ بَنُو إِسْرَٰئِيلَ (یونس ۹۶)  
 ۹- لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ (اعراف ۳۶)

۱۰- هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ (حشر ۳۶ تین مرتبہ)

۱۱- لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ (انبیاء ۱۱)  
 ۱۲- إِنِّي أَنَا اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي (طہ ۱۶)

اور تمہارا مہبود و معبود یکتا ہے۔ سوائے اس عمان و رحیم کے اور کوئی معبود نہیں ہے۔  
 اللہ تو وہی یکتا معبود ہے۔  
 وہ خدا نہ بناؤ۔ سوائے اس کے نہیں ہے کہ وہ معبود یکتا ہے۔

اور سوائے خدا کے کوئی معبود نہیں ہے۔  
 ایسی بات کی طرف آجاؤ جو ہمارے اور تمہارے مابین مساوی ہے کہ ہم سوائے خدا کے کسی کی پرستش نہ کریں اور نہ اسکا کسی کو شریک بنائیں۔  
 تم کہہ دو میں تو صرف ایک ڈرانے والا ہوں اور سوائے خدا یکتا و وزیر دست کے کوئی اور معبود

سوائے اس کے کوئی معبود نہیں ہے پھر تم کہہ دو  
 جس خدا پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔  
 سوائے اس کے اور کوئی معبود نہیں ہے وہی جلتا ہے اور وہی مارتا ہے۔

وہ اللہ وہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں چھپی اور کھلی کا جاننے والا۔  
 سوائے تیرے کوئی معبود نہیں ہے تو پاک ہے۔  
 یقیناً خدا میں ہی ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں پس تم میری ہی عبادت کرو۔



۱۳۔ اِنَّهُمْ كَانُوْۤا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا  
اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ (صفات ۲۶)  
۱۴۔ لَا اِلَهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ۔

(آیتہ الحکسی)

۱۵۔ فَاَعْلَمَ اَنَّهُ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ۔

(پ ۶۲۶)

رسالت محمدیہ پر بخیر ملاحظہ ہو۔

۱۔ وَرَاتَكَ لَيْلٌ الْمُرْسَلِينَ

(بقو ۳۶)

۲۔ وَالْقُرْآنُ الْحَكِيمُ اِنَّكَ لَيَمِّنُ  
الْمُرْسَلِينَ (یس ۱)

۳۔ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّي رَسُوْلُ اللّٰهِ  
اَلْبِكْرُكُمْ حَبِيْبًا (اعراف ۲۰۶)

۴۔ وَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ اَنَّكَ لَوْ سُوْلَةٌ (منافقہ)

رسول ہو۔

۵۔ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ دِيْنِكُمْ  
لَمَّا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ۔

(آل عمران ۹۴)

کہا جاتا ہے کہ اسم محمد کی صراحت کے ساتھ یکجا تذکرہ دکھانا چاہیئے تو وضاحت یہ ہے  
کہ پارہ ۲۶ میں ”محمد“ نام کی مستقل سورت موجود ہے اس کی دوسری آیت میں رسالت محمد  
کو یوں ذکر فرمایا ہے۔

وَاٰمَنُوْا بِمَا نَزَّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَهُوَ  
الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ

جب ان سے کہا جاتا تھا کہ سوائے خدا کے کوئی  
معبود نہیں ہے تو یہ اکثر اہی کرتے تھے۔  
اللہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں زندہ اور قائم  
ہے۔

اس بات کا یقین رکھیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود  
نہیں۔

اور بے شک تم رسولوں میں سے ہو۔

حکمت والے قرآن کی قسم ہے۔ یقیناً تم ان رسولوں  
میں سے ہو۔

اے آدمیو میں تم سب کی طرف خدا کا پیغام لایا  
ہوں۔

اور اللہ جیسا کہ جانتا ہے کہ تم بے شک اس کے

پھر ایک رسول تمہارے پاس والی چیزوں کی تصدیق  
کرتا اُسے گا۔ تم ضرور بر ضرور اس پر ایمان لانا  
اور اس کی مدد کرنا۔

(اور وہ نیک لوگ) ایمان لائے جو کچھ کہ محمد  
مصطفیٰ پر نازل کیا گیا اور وہ ان کے پروردگار



کی طرف سے حق ہے۔

اور دوسرے رکوع میں توحید کا اعلان یوں کیا ہے۔

فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ

پس یہ سمجھ لو کہ سوائے خدا کے کوئی معبود نہیں۔

اور اس سے متصل سورت فتح میں کلمہ رسالت یوں سکھایا گیا ہے۔

مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ

محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو بھی حقیقتاً ان کے

أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ

ساتھی ہیں وہ کافروں پر بھاری ہیں اور آپس

میں رحم دل۔

اپنے اپنے موضوع میں کیا ذکر اظہر من الشمس ہے۔

بلکہ کئی آیات میں کیا ذکر فرمایا ہے مثلاً۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ

اور ہم نے تم سے پہلے ایک رسول بھی ایسا نہ بھیجا

رَسُولٍ إِلَّا نُوْحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا

کہ اس کی طرف ہم یہ وحی نہ کرتے رہے ہوں

فَاعْبُدُونِ

کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے پس تم میری

ہی عبادت کیا کرو۔

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ

تم کہہ دو کہ اے آدمیو! میں تم سب کی طرف

إِلَيْكُمْ جَمِيعًا الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ

خدا کا پیغام لائے ہوں۔ وہی خدا جس کا اختیار

وَالْأَرْضِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ (اعراف)

آسمان میں بھی ہے اور زمین میں بھی۔ ہوائے

اس کے اور کوئی معبود نہیں۔

الغرض سینکڑوں آیات صرف کلمہ توحید و کلمہ رسالت کی ہی تعلیم دیتی ہیں۔ ایک آیت بھی

قرآن پاک میں ایسی نہیں بتلائی جاسکتی جس میں حضرت علیؑ اور آپؐ کی اولاد کی امامت کا ذکر

ہو۔ یا لفظ علیؑ کو متبادر بنا کر۔ ولی اللہ اس کی خبر بتائی گئی ہو۔ یا وحی رسول اللہ و خلیفۃہ، بلا فصل

کے خود ساختہ الفاظ کا اشارہ بھی ملتا ہو جو شیعہ کا مخصوص کلمہ ہے اور اسی کے اقرار پر ایمان

و کفر کی ان کے دارالافتاء سے سند ملتی ہے۔

اگر شیعہ عقیدہ امامت اصول دین میں سے ہوتا تو توحید و رسالت کے برابر سینکڑوں



آیات کریمہ میں اس کا ذکر ملتا ۔ امنوا باللہ ورسولہ کے ساتھ ساتھ حضرت علیؑ اور آپ کی اولاد کے اسماء گرامی بھی ملتے۔ چلیے ایک ہی آیت میں علی ولی اللہ کی صراحت ہی مل جاتی۔ اگر امامت اصول دین سے ہوتی تو ہر پیغمبر اس کے ساتھ مبعوث ہوتا۔ ان کے کلموں کے ساتھ امام کا کلمہ بھی ہوتا۔ مگر تاریخ کا ایک ایک ورق اس کے خلاف کہتا ہے۔ مثلاً پہلے انبیاء علیہم السلام کے کلمے صرف اسی قدر تھے۔

لا الہ الا اللہ آدم صغی اللہ۔ لا الہ الا اللہ نوح بنی اللہ۔ لا الہ الا اللہ ابراہیم خلیل اللہ۔ لا الہ الا اللہ اسماعیل ذبیح اللہ۔ لا الہ الا اللہ موسیٰ کلیم اللہ۔ لا الہ الا اللہ عیسیٰ روح اللہ۔  
گویا لا الہ الا اللہ سب انبیاء کا متفقہ کلمہ تھا۔ جز و ثانی میں رسالت کے بجائے دوسرے اوصاف کا ذکر فرمایا۔ اور آخری پیغمبر کا کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ فرما کر قصر رسالت کی تکمیل اور متوازی عقیدہ امامت کی نیچ گئی کر دی۔ اگر امامت اصول دین میں سے ہوتی یا جزو کلمہ بننے کی صلاحیت رکھتی تو کبھی اس کے اخفاء اور تفتیہ و کتمان کا حکم نہ ملتا۔ حضرت جبریل کے سوا سب فرشتے حضور کے سوا سب انبیاء کرام حضرت علیؑ کے سوا سب اہل بیت اس رازِ سرستہ سے بے خبر نہ رکھے جاتے۔ اور ظاہر کرنے والوں کو اصحابِ غدیر و مکر بے وقوف بلکہ بے دین ذلیل اور نورِ آخرت سے محروم نہ کیا جاتا۔ جیسے کہ اصول کافی باب الکتمان میں ہے ان سب امور کی صراحت سابقاً ذکر ہو چکی ہے۔ بلکہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی طرح بچہ بچہ کی زبان سے اس کا اعلان کرایا جاتا۔

**شیعیہ مستترض کا یہ جملہ کہ علی ولی اللہ کو آیت ولایت اور آیت اولیٰ شیعہ شہادت کا ازالہ** | الامر میں قدرت نے واضح طور پر بیان فرمایا ہے صریح جھوٹ

ہے۔ آیت ولایت مع شیعہ ترجمہ یہ ہے۔

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ وَ

الَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الصَّلٰوةَ

وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رَاكِعُوْنَ وَمَنْ

يَتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنْ

حِزْبَ اللّٰهِ هُمْ الْغَالِبُوْنَ (مائدہ ۸۶)

سوائے اس کے نہیں کہ حاکم تمہارا اللہ ہے اور اس کا رسول اور وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں نماز پڑھتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں اور جو اللہ کو اور اس کے رسول کو دوست رکھے گا وہ گروہِ خدا میں داخل ہیں اور گروہِ خدا



ہمیشہ غالب رہیں گے۔

اگرچہ مولوی مقبول مترجم نے ترجمہ میں دو غلطیاں کی ہیں۔ ایک یہ کہ وہم راکعون کا ترجمہ اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں کیا حالانکہ رکوع و زکوٰۃ دو مختلف حکم ہیں۔ ایک میں انہماک دوسرے کی طرف توجہ سے مائع ہے۔ نماز و رکوع میں توجہ صرف الی اللہ چاہیے۔ سائل کے سوال کی طرف توجہ خشوع کے منافی اور ادائیگی عمل کثیر کی بنا پر مفسد نماز ہے۔ یہاں وہم راکعون کا جملہ مندرجہ ذیل آیات کی طرح ہے۔

۱۔ یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا  
وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ (حج)  
اے ایمان والو! رکوع کرو۔ سجدہ کرو اور اپنے رب کی عبادت کرو۔

۲۔ يَا مَرْيَمُ اقْنُتِي لِرَبِّكِ وَاسْجُدِي  
وَارْكَعِي مَعَ الرَّاكِعِينَ  
اے مریم! اپنے رب کے آگے جھک جا۔ سجدہ کر اور رکوع کر رکوع کرنے والوں کے ساتھ۔

۳۔ وَاقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ  
وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ  
اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور رکوع کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ۔

دوم یہ کہ والذین امنوا کا ترجمہ بھی ہضم کر کے جس سے حضرت علیؑ کی مراد لیتے ہیں تاہم الفاظ قرآنی اور ترجمہ میں شیعہ کا کلمہ علی ولی اللہ الخ کا اشارہ بھی نہیں ہے۔

شیعہ بڑی چالاکوں سے اس آیت کا شان نزول حضرت علیؑ کے حق میں مانتے ہیں۔ اور حالت رکوع میں انکو ٹھٹی زکوٰۃ دینے کا قصہ بیان کرتے ہیں۔ مگر یہ جوہ باطل ہے۔

اولیٰ قصہ ضعیف قسم کی تفسیروں میں ثعلبی کی روایت سے بتایا جاتا ہے۔ ثعلبی اور اس کا شاگرد واقعی اور اسی طرح فقیہ ابوالمخاضلی حاطب میل اور کمزور ہیں۔ ان کی مؤلفات موضوعاً و کاذب کا پلندہ ہیں۔ (المنتقى ۶۱۲) ان کے علاوہ کسی سند صحیح سے حضرت علیؑ کے حق میں

شان نزول مذکور نہیں بلکہ سیاق و سباق حضرت ابوبکر صدیقؓ کے حق میں شہادہ ہے۔ یا عام مومنین مراد ہیں جن میں حضرت علیؑ بھی داخل ہیں۔ جیسے عبدالملک نے امام باقرؑ سے اس کی تفسیر میں پوچھا تو فرمایا اس سے سب مومن مراد ہیں۔ اس نے کہا بعض لوگ حضرت علیؑ مراد لیتے ہیں یہ سن کر امام باقرؑ نے فرمایا۔ اہل ایمان میں علیؑ بھی شامل ہیں۔ ضحاک سے بھی یہی مروی ہے۔ علی



بن طلحہ حضرت ابن عباسؓ سے ناقل ہیں کہ سب مومن و مسلم اللہ تعالیٰ کے ولی ہیں (المنتقى ص ۶۱۲)  
ثانیاً والذین امنوا وغیرہ جمع کے صبیغوں سے حضرت علیؓ کو مراد لینا بدامنتہ غلط ہے ورنہ  
حضرات حسینؓ، فاطمہؓ اور ابوذرؓ وغیرہ مومنین کا ملین اس سے خارج ہوں گے اور ان سے  
دوستی شرعاً و اومفید نہ ہوگی کیونکہ انما کا کلمہ حضرت تخصیص چاہتا ہے۔

ثالثاً۔ عمدہ نبوی میں باتفاق مؤرخین حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ صاحب انصاب نہ تھے نہ آپ پر نہ زکوٰۃ  
فرض تھی۔ پھر وہ علیؓ مخصوص یوتون الزکوٰۃ کا مصداق کیسے بنے؟

رابعاً۔ اگر صرف حضرت علیؓ مراد ہوں اور ولایت و محبت صرف ان سے واجب ہو تو فان  
حِزْبَ اللَّهِ هُمْ الْمُغْلَبُونَ۔ بلاشبہ اللہ کی جماعت غالب ہونے والی ہے کی پیشینگوئی باطل  
ہوگی۔ کیونکہ تاہنوز ولایت علیؓ رضی اللہ عنہ کے مدعی شیعہ حضرات غالب نہیں ہوئے۔ بلکہ ان کے اعتراف کے  
مطابق قرون ماضیہ میں ان پر وہ عذابات (خداوندی) ٹوٹے جن کا اثر آج تک محو نہیں ہوا۔  
تو معلوم ہوا کہ والذین امنوا سے مراد تمام صحابہ کرامؓ ہیں جن کی کامیابی و غلبہ اور نجات کی  
اس آیت میں پیشینگوئی دی ہے اور انہیں حزب اللہ فرمایا ہے۔

أُولَئِكَ حِزْبُ اللَّهِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ  
اللَّهِ هُمُ الْمُغْلَبُونَ  
یہی لوگ اللہ کا لشکر ہیں۔ سنو اللہ کا لشکر ہی  
(دنیا و آخرت میں) کامیاب ہونے والا ہے۔

جو بالاتفاق عمدہ تصوی تک تمام دنیا پر غالب و حکمران بنے اور ان کے پیروکار آج تک  
غالب ہیں اور شیعہ کا دعویٰ ہے کہ شہادت عثمانؓ تک سب امت نے حضرت علیؓ کا ساتھ چھوڑ  
دیا تھا۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد تو امت کا شیرازہ بکھر گیا۔ ایک گروہ حضرت علیؓ کا مساو  
نہا۔ دوسرا مخالف تیسرا غیر جانبدار تھا۔ شیعہ کا یہ بھی اتفاق ہے کہ حضرت علیؓ کا مساو گروہ  
شیعہ، مغلوب و مقہور رہا۔ اور مخالف و غیر جانبدار گروہ غالب رہے۔ اگر آیت لہذا سے شیعہ کا  
استدلال اور تفسیر درست ہوتی تو ایسا ہرگز نہ ہوتا۔ الغرض اس آیت کریمہ کو کلمہ طیبہ سے کوئی  
تعلق نہیں۔ اگر کوئی سید زوری سے کشید کرے تو یوں بنے گا۔ لا ولی لکم الا اللہ و رسولہ و  
المؤمنون۔ ظاہر ہے کہ یہ نہ شیعہ کا کلمہ ہے نہ اس سے کلمہ کی عرض و غایت شہادتین کا اعتراف  
حاصل ہوتا ہے۔



اسی طرح مندرجہ ذیل آیت اولی الامر سے بھی کلمہ ثابت نہیں ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ  
وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِيَ الْأَمْرِ مِنْكُمْ  
فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ  
وَالرَّسُولِ (نساء ۸)

اے ایمان والو! فرمانبرداری کرو اللہ کی اور  
فرمانبرداری کرو اس کے رسول کی۔ اور اپنے میں سے  
صاحبان اختیار کی اگر کسی چیز میں تمہارا اختلاف  
ہو جائے تو اسے خدا و رسول کی طرف لوٹاؤ۔

اس آیت کریمہ کی تشریح و تفسیر پہلے گزر چکی ہے۔ آخر اس میں علی ولی اللہ و صی رسول اللہ  
و خلیفۃہ بلا فصل کا کون سا جملہ ہے۔ یا کون سا لفظ اس پر دال ہے۔ کیا یہ صراحتہ افتراء علی اللہ  
نہیں ہے جو صرف کفار کا شیوہ تھا جیسے ارشاد ہے۔ فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللَّهِ اس سے  
بڑا ظالم کون ہے جو اللہ پر بھی جھوٹ بولے۔ اگر اپنی موضوع روایات کے پیش نظر اولی الامر  
میں حضرت علیؓ کو شامل مانا جائے تو قطع نظر اس سے کہ وہ روایات اور ایسا استدلال ہرگز  
اہل سنت کے لائق توجہ نہیں۔ یہاں سے کلمہ یہ بنے گا۔ لا طاعة الا للہ و لرسولہ و لا ولی الامر  
منکم۔ ظاہر ہے کہ اسے کلمہ طیبہ اور اس کے مفہوم سے ذرا تعلق نہیں نیز اولی الامر کی اطاعت مشروط  
ہے۔ ان سے اختلاف ممکن ہے۔ تنادع کی صورت میں ان سے اعراض کر کے خدا و رسول کی طرف  
لوٹنا اور فریقین کی بات کو قرآن و سنت پر پرکھنا واجب ہے حالانکہ صاحب کلمہ وہ ہستی ہوتی  
ہے جس کی بات مطلقاً حجت ہو اور اس سے اعراض و انکار کی ذرا الجائش نہ ہو۔ اور یہ صرف اللہ تعالیٰ  
اور اس کے رسول کا خاصہ ہے لہذا انہی کے نام پر یہ کلمہ چلے گا۔ لا الا للہ محمد رسول اللہ۔

## کلمہ طیبہ پر کتب شیعہ سے اہ شہادتیں

کلمہ اہلسنت ہی رسول اللہ نے سکھایا | قرآن کے بعد اب سنت نبویؐ کو دیکھو۔  
پیشتر تمل ہی کلمہ سب دنیا کو پڑھایا سکھایا تھا۔  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادتین

۱۔ سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو اسلام لاتے وقت حضورؐ و حضرت علیؓ نے یہ

پڑھایا۔



تشهد ان لا اله الا الله وان محمد  
رسول الله فقلت اشهد ان لا اله الا  
الله وان محمد رسول الله -  
(روضہ کافی ص ۲۹۵)

تو لا اله الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دے  
میں نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے  
بغیر کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد اللہ کے  
رسول ہیں۔

۲۔ اللہ نے پھر وحی کی کہ اے محمد لوگوں کے پاس جاؤ اور کہو کہ وہ لا اله الا اللہ محمد  
رسول اللہ کا اقرار کریں۔ (حیات القلوب ج ۱ ص ۳)

۳۔ جب اللہ نے مکہ سے مدینہ کو ہجرت کی اجازت دی تو حضورؐ سے یوں اعلان کر دیا۔  
بنی الاسلام علی خمس شہادۃ ان  
لا اله الا الله وان محمد عبده و  
رسوله واقام الصلوۃ وایتا الزکوۃ و  
حج البيت وصیام شہر رمضان -  
(اصول کافی ج ۲ ص ۲۶۱)

اسلام کی بنیاد پانچ باتوں پر رکھی گئی ہے۔  
۱۔ اس بات کی گواہی کہ اللہ کے بغیر کوئی معبود  
نہیں اور حضرت محمد اللہ کے بندے اور رسول  
ہیں۔ ۲۔ نماز قائم کرنا۔ ۳۔ زکوٰۃ دینا۔ ۴۔ حج  
بیت اللہ کرنا۔ ۵۔ رمضان کے روزے رکھنا

یہاں نہ شیعہ امامت کا ذکر ہے نہ خمس وغیرہ شیعہ کے مخصوص احکام کا جس سے معلوم ہوا  
کہ اصلی اسلام وہی ہے جو اہلسنت کا ہے۔ اور حدیث جبریل کے عنوان سے اسی طرح ارکان اسلام  
کا ذکر بخاری، مسلم وغیرہ کتب اہلسنت میں متواتر ہے۔

۴۔ جب آپؐ خلعت نبوت سے سرفراز ہو کر فارغ ہوئے تو حضرت خدیجہؓ سے فرمایا۔  
گو لا اله الا اللہ محمد رسول اللہ  
قریش کو بھی شہادتین کی دعوت دی۔ (حیات القلوب ج ۲ ص ۲۶۱)

۵۔ اسعد نامی مدینہ کے ایک شخص سے حضورؐ نے فرمایا۔

شہادۃ لبسوت شہادت بھدا  
خدا و پیغمبری من (حیات القلوب ج ۲ ص ۳۱۵)

میں تم کو خدا کے ایک ہونے کی گواہی اور  
پیغمبری کی گواہی کی دعوت دیتا ہوں۔

۶۔ فتح مکہ کے موقع پر آپؐ نے حضرت ابوسفیانؓ والد معاویہؓ کو شہادتین کی تلقین کی تو  
وہ یہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوئے۔



فقال اشهد ان لا اله الا الله و

اشهد ان محمدا رسول الله

وجيات القلوب ج ۲ ص ۲۵

تو اس نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے بغیر  
کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ حضرت  
محمد اللہ کے رسول ہیں۔

۷۔ ایک سفر میں ایک لاغرا عربی کو آپ نے اسی کلمہ کی تلقین کی۔

گواشہد ان لا اله الا الله واشہد ان محمدا رسول الله وجيات القلوب ص ۲۵

۸۔ ایک یہودی لڑکے نے حضور سے گفتگو کی اور پھر شہادتین کا کلمہ پڑھنے لگا (ایضاً)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس میں چار

باتیں ہوں گی وہ اللہ عز وجل کے نور میں ہوگا۔

جس کے عقیدہ کی ڈھال خدا کی توحید اور حضور

کی رسالت کی گواہی ہو۔

۹۔ قال رسول الله صلى الله عليه

وسلم اربع من كن فيه كان في نور الله

عن وجل من كان عصمة امره شهادة

ان لا اله الا الله واني رسول الله

ومن لا يحضره الفقيه ج ۲ ص ۲۵

۱۰۔ سید الشہداء حمزہؓ کو حضور نے اسی کلمہ کی ترغیب دی تو وہ بول اٹھے۔

اشهد ان لا اله الا الله وان محمدا رسول الله وجيات القلوب ج ۲ ص ۲۵

سنت نبوی کی دس شہادتوں کے بعد صحابہ الحبیت کی شہادتیں ملاحظہ ہوں۔

وفات کے وقت حضرت سلمان فارسیؓ

صحابہ الحبیت نے بھی یہی سنی کلمہ پڑھا دیا

نے یہ کلمہ پڑھا

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ وحدہ لا شریک لہ کے

بغیر کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ حضرت

محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

۱۱۔ اشهد ان لا اله الا الله

وحده لا شريك له واشهد ان

محمد اعبداه ورسوله وجيات القلوب ص ۲۵

۱۲۔ حضرت علیؓ نے خندق کے موقع پر عمر دین و دو کو اسی کلمہ کی دعوت دی تھی (کشف الغمہ ص ۲۴)

نیز اپنے اور اہل شام کے درمیان اسی کلمہ کی وحدت کا ذکر فرمایا تھا۔

حالانکہ ظاہر ہے ہمارا رب ایک ہے اور ہمارا

نبی ایک ہے ہماری اسلام میں دعوت ایک ہے

والظاہر ان ربنا واحد ونبينا واحد

ودعوتنا في الاسلام واحدة ولا تستزيدهم



فی الایمان باللہ والنفسد یق برسولہ و  
لا یستزید و ننا الامر واحد  
(نیج البلاغۃ ج ۳ ص ۱۲۵)

ہم متفق ہیں۔

آپ نے یہاں امامت کا ذکر نہیں کیا معلوم ہوا یہ خود ساختہ عقیدہ ہے۔

۱۳۔ جب ابوسفیان شفاعت کرانے کے لیے اہل بیت کے ہاں پہنچا تو حضرت حسن مامہ  
کے بچے نے کہا۔

بگو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ تا من  
شفاعت کنم نزد خود و حیات القلوب ص ۲۲۵

تو یہ کلمہ پڑھ لے تاکہ میں تیری اپنے نانا کے ہاں  
سفارش کروں۔

۱۴۔ ایک شخص نے حضرت حسن سے پوچھا اسلام کیا ہے تاکہ میں مسلمان ہو جاؤں۔

حضرت فرمود بگو اشہدان لا الہ الا اللہ  
وان محمد عبیدہ و رسولہ (ایضاً ص ۲۲۸)

تو حضرت حسن نے فرمایا تو کہہ دے کہ میں اللہ  
کی توحید اور حضرت محمد کی عبدیت و رسالت کی  
گواہی دیتا ہوں۔

۱۵۔ لان اصل الایمان کیونکہ ایمان کی

انما ہو شہادۃ ان فجع بر خدا اور رسول

کے وجود کی شہادت ہے جیسے سب حقوق میں دو  
گواہ معتبر ہیں اسی طرح ایمان میں یہ دو گواہ ہیں  
معتبر ہیں بحسب بندہ خدا کی توحید اور رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار کر لیتا ہے تو  
وہ تمام ایمان کا اقرار کر لیتا ہے۔

حضرت باقر و جعفرؑ نے بھی یہی کلمہ سکھلایا

شہادۃین کما جعلہ فی سائر الحقوق  
شاہد ان فاذا اقر العبد للہ عن جبل  
بالواحد اثیۃ و اقر لرسول صلی اللہ علیہ  
وسلم بالرسالة فقد اقر بجملة الایمان  
(من لا یحضرہ الفقیہ ص ۱۳۰) بجز انہما ج تنبیغ

۱۶۔ قال الصادق علیہ السلام

لقتوا موتا کم شہادۃ ان لا الہ الا اللہ  
وان محمد رسول اللہ (من لا یحضرہ الفقیہ ص ۱۳۱)

حضرت صادق علیہ السلام فرماتے ہیں اپنے مردوں  
کو یہ کلمہ یاد دلایا کرو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ



امام جعفر فرماتے ہیں ان (تہمیدوں) کے خزانے میں  
 ایک سونے کی تختی تھی جس میں بسم اللہ کے ساتھ  
 یہ کلمہ لکھا تھا۔

۱۷۔ عن ابی عبد اللہ قال کان  
 ذلک الكنز لوحاً من ذهب فیہ مکتوب  
 بسم اللہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ  
 (تفسیر قمی ج ۲)

۱۸۔ حضرت ابو طالب کا بیان  
 اُمّ ولادت و وفات کے وقت اہلسنت کا کلمہ پڑھتے تھے ہے کہ حضرت علیؑ نے

پیدا ہوتے ہی سجدہ کیا اور یہ کہا۔ اشہدان لا الہ الا اللہ وان محمد رسول اللہ (تحفۃ الابرار ص ۲۸)  
 ۱۹۔ حضرت علیؑ نے وفات کے وقت یہی کلمہ پڑھا۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور ہمیشہ  
 کے لیے آنکھیں بند کر لیں، کاروان اسلام ص ۱۹۹ از رئیس احمد جعفری)

۲۰۔ بروایت جلال العیون ص ۵۵ حضرت صادقؑ نے ولادت کے وقت کلمہ شہادتین زبان پر  
 جاری فرمایا۔ آپ ناف بریدہ اور ختنہ شہید ہوئے تھے (چودہ ستارے ص ۲۵۳)

۲۱۔ امام موسیٰ کاظمؑ نے بھی ولادت کے وقت یہی کلمہ پڑھا جیسے حضورؐ نے پڑھا تھا (جلال العیون ص ۲۷)

۲۲۔ امام تقیؑ نے بھی یہی کلمہ تیسرے دن آنکھیں کھول کر پڑھا (جلال العیون ص ۳۷)

۲۳۔ امام العصر حضرت مہدیؑ نے بھی ولادت کے وقت یہی کلمہ پڑھا۔

حضرت صاحب العصر (بچوں دیگر ائمہ)  
 شہادتین فرمود (جلال العیون ص ۵۸)  
 حضرت امام مہدیؑ نے دیگر ائمہ کی طرح خدا  
 رسولؐ کی گواہی والا کلمہ پڑھا۔

۲۴۔ حضرت مہدیؑ کی ماں پہلے مشرکہ تھی۔ پھر اہل جنت کا کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوئی۔ چنانچہ

جلال العیون کی روایت ہے کہ وہ حضرت فاطمہ الزہراء سلام اللہ علیہا کو خواب میں ملیں اور

شکایت کی کہ امام حسنؑ عسکری مجھ پر ظلم کرتا ہے اور مجھے دیکھنا نہیں چاہتا پس حضرت فاطمہؑ نے

فرمایا وہ تجھے کیسے دیکھے حالانکہ بجز اشک بیاوری و بر مذہب ترسانی پس بگو اشہدان لا الہ

الا اللہ وان ابی رسول اللہ حالانکہ تو خدا کے ساتھ شرک کرتی ہے۔ اور عیسائی مذہب پر ہے۔

تو گواہی دے کہ اللہ کے بغیر کوئی معبود نہیں اور میرے باپ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔

یہی خاتون حضرت حسن عسکریؑ کی بیوی اور صاحب الزمر امام زمانؑ کی ماں ہیں (جلال العیون ص ۵۸۲)



یہاں تک ۲۲ دلائل قاہرہ سے ثابت ہو چکا کہ مکلفین کا یہ مقدس ترین گروہ جو عند الشیخ  
حجة اللہ ہیں۔ سب اہل سنت کا مذہب رکھتے تھے۔ یہی کلمہ شہادتین پڑھتے اور پڑھاتے تھے۔  
اسی پر جیتے اور مرتے تھے۔ یہی ان کی زندگی کا مشن تھا اگر یہ کلمہ ناقص یا ادھورا ہوتا تو وہ کبھی  
یہ کلمہ نہ پڑھتے پڑھاتے۔ بلکہ نتیجہ کا مکمل کلمہ پڑھتے پڑھاتے۔ کلمہ الطہنت پر اعتراض اور اس سے  
اعراض دراصل خدا و رسول سے انکار اور مذہب الہدیت سے دشمنی ہے۔ اللہ تعالیٰ شیعہ کو کفر کے  
اندھیرے سے نکال کر ہدایت کی روشنی نصیب کرے۔

سب کائنات یہی کلمہ پڑھتی ہے | اب کائنات کی دیگر شیا کی شہادت بھی ملاحظہ ہوں۔  
۲۵۔ ایک فرشتہ غیب نے آواز دی کہ اے گرجوں اور  
صوامع والو۔ بیوہ و نصاریٰ۔

ایمان آورید بخدا و رسول او محمد کہ نزدیک  
شد بیرون آمدن اور حیات القلوب (۵۸)  
۲۶۔ حضور کی بشارت دینے والے دس ہزار فرشتوں کی قندیلوں پر لکھا ہوا تھا۔ لا الہ الا  
اللہ محمد رسول اللہ (حیات القلوب ۵۸)

۲۷۔ حضرت جبریل علیہ السلام چار جہتوں سے زمین پر لائے۔ سبز علم زمین پر گارا اس پر سفید  
سے دوسطروں میں لکھا تھا۔ لا الہ الا اللہ، محمد رسول اللہ (حیات القلوب ج ۲ ص ۵۹ بحوالہ  
مناجج التبلیغ)

۲۸۔ زمانہ طفولیت میں پہاڑوں اور جنگلوں نے آپ پر یوں سلام کیا۔  
السلام علیک یا صاحب القول العدل لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔  
(حیات القلوب ج ۲ ص ۶۰)

۲۹۔ تخلیق آدم کے وقت حضرت ابراہیم نے ایک مہر نکالی جس کی دوسطروں میں یہی کلمہ لکھا  
تھا اور وہ مہر حضور (حضرت آدم) کے کندھوں پر نقش فرمادی۔ (حیات القلوب ج ۲ ص ۶۱)  
۳۰۔ بعثت محمدی سے قبل تمام پرندوں، فرشتوں اور درختوں نے کہا لا الہ الا اللہ محمد  
رسول اللہ (حیات القلوب ج ۲ ص ۶۱)



۳۱۔ حضورؐ کی چاندی کی انگوٹھی پر یہی کلمہ لکھا تھا اور ایک دوسری پر صدق اللہ لکھا تھا۔

(ایضاً ص ۱۰۹)

۳۲۔ عرش الہی پر یہی کلمہ لکھا ہوا تھا۔ جو حضرت آدم علیہ السلام نے دیکھا (حیات القلوب ص ۱۳۸)

۳۳۔ شبِ معراج میں اسی کلمہ شہادتین کی آپ نے ملا اعلیٰ میں گواہی دی (حیات القلوب ص ۲۸۱)

۳۴۔ ہر نبوت پر یہی کلمہ تھا۔ جو آپ کے کندھوں کے مابین تھی۔ ایک سطر میں لا الہ الا اللہ

دوسری میں محمد رسول اللہ لکھا تھا۔ (حیات القلوب)

۳۵۔ بہشت سے کچھ لائینیں لائی گئیں۔ اور ہر قندیل پر نوشتہ تھا۔ لا الہ الا اللہ محمد

رسول اللہ۔ (ایضاً ص ۵۹)

۳۶۔ گرگوں نے آپ کو گزرتے دیکھا تو یہی کلمہ شہادتین پڑھا۔ (حیات القلوب ص ۲۱۵)

۳۷۔ تقدیر کی قلم نے بھی حکم دیا یہی کلمہ رقم فرمایا۔

۳۸۔ اللہ نے قلم کو وحی کی کہ میری توحید لکھ پس قلم یہ

کلام الہی سننے سے ہزار سال بیہوش رہا جب

وحی میں آیا تو پوچھا اسے پروردگار کیا چیز

لکھوں۔ اللہ نے فرمایا لکھ۔ لا الہ الا اللہ

محمد رسول اللہ

و پسوئے قلم وحی نمود کہ بنویس توحید مرا

پس قلم ہزار سال مدہوش گردید از شنیدن کلام

الہی و چوں بیہوش باز آمد و گفت پروردگار

چہ چیز بنویسم فرمود کہ بنویس لا الہ الا اللہ محمد

رسول اللہ (حیات القلوب ج ۲ ص ۵)

۳۸۔ براق کی پیشانی پر یہی کلمہ لکھا تھا۔

مکتوب بین عینہ لا الہ الا اللہ وحید لا شریک له محمد رسول اللہ۔

(احتجاج طبرسی ص ۲۸)

۳۹۔ جب آپ کسی سنگریزے کو ہاتھ لگاتے تو وہ گواہی دیتا۔

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ (تاریخ الأئمہؑ بحوالہ منهاج التبلیغ ص ۲۶)

۴۰۔ حضرت زید بن ثابتؓ کہتے ہیں بنی ہاشم میں ہرن دیکھے۔

کہ تسبیح و ذکر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ سے گفتند۔ (حیات القلوب ج ۲ ص ۲۲۶)



اذان و اقامت وغیرہ میں کلمہ طیبہ رسالت محمدیہ کا ذکر ہر اس چیز میں ہے جہاں خدا کا نام لیا جاتا ہے۔ حیات القلوب میں کیا

خوب لکھا ہے۔ اور اللہ کا ارشاد ہے وَدَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ اور ہم نے تیرا ذکر تیرے لیے بلند کر دیا پس کوئی آدمی اخلاص کے ساتھ کلمہ شہادت لا الہ الا اللہ کی آواز بلند نہیں کرتا مگر وہ محمد رسول اللہ کی شہادت کی بھی اذان میں۔ اقامت میں۔ نماز میں۔ عیدوں میں۔ جمعہ میں۔ اوقاف حج میں اور خطبہ نکاح میں ضرور آواز بلند کرتا ہے (حیات القلوب ج ۱ ص ۱۳۵)

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ورفحنالک ذکرک کے تحت اذان۔ اقامت خطبہ کلمہ شہد وغیرہ میں صرف توحید و رسالت کی شہادت ہوگی۔ امامت وغیرہ کا ذکر خالص بدعت اور حرام ہوگا چنانچہ تیسری چوتھی صدی میں جن غالی دین دشمنوں نے اذان میں شہادت رسالت کے بعد اشہدان علیا امیر المومنین الخ سے اضافہ کیا تو معتبر شیعہ علماء نے ان پر لعنت و پھٹکار برسائی۔ چنانچہ نتیجہ کی معتبر اور اصح کتاب من لا یحضرہ الفقیہ باب الاذان میں اہلسنت کی طرح اذان ذکر کر کے یہ لکھا ہے والمفوضۃ لعنہم اللہ زاد وافی الاذان اشہدان علیا امیر المومنین و خلیفۃ بلا فصل الخ۔ کہ یہ پراللہ کی لعنت ہو انہوں نے یہ الفاظ اذان میں ٹہرھا دیے۔ اور فروع کافی باب بدو الاذان والاقامۃ میں ہے کہ جو شخص مؤذن کو اشہدان لا الہ الا اللہ و اشہد ان محمد رسول اللہ کہتے سنے اور پھر یہی کلمہ دہرائے اور ان پر یہی اکتفاء کرے یعنی تیسری شہادت امامت کا ذکر نہ کرے، تو اس کو بڑا ثواب ملے گا۔ اس باب میں شیعہ کی امامت کا ذکر نہیں ہے بلکہ ضمنائفی کی گئی ہے۔

شہادتین کا کلمہ ہی کا بل بیان ہے ۲۲۔ جمیل بن دراج نے ایمان کے متعلق حضرت صادق سے پوچھا

تو آپ نے فرمایا لا الہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ کی گواہی۔ راوی نے پوچھا کیا یہ عمل نہیں ہے؟ فرمایا کیوں نہیں۔ میں نے کہا کیا عمل بھی ایمان سے ہے تو فرمایا ایمان ثابت نہیں ہوتا بغیر عمل

فقال شہادۃ ان لا الہ الا اللہ وان محمد رسول اللہ قال البیس هذا عمل قال بلی قلت فالعمل من الایمان قال لا یتثبت له الا ایمان الا بالعمل والعمل



کے اور عمل ثابت نہیں ہوتا بغیر ایمان کے۔

۴۳۔ ایک دن حضرت جبریلؑ بصورت اعرابی خدمت رسولؐ میں آئے۔ حضرت نے ان کو نہ پہچانا۔ انہوں نے پوچھا۔ اے محمدؐ! ایمان کیا ہے؟ فرمایا اللہ۔ یوم الآخرت۔ ملائکہ کتیب۔ انبیاء۔ بعث بعد الموت پر ایمان لانا۔ کہا سچ کہتے ہو۔ اور اسلام کیا ہے؟ فرمایا کلمہ شہادت لا الہ الا اللہ اور محمدؐ عیدہ و رسولہ زبان پر جاری کرنا۔ نماز قائم کرنا۔ زکوٰۃ ادا کرنا۔ ماہ رمضان کے روزے رکھنا۔ بیت اللہ کا حج کرنا۔ جبریلؑ نے کہا آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ (تحفۃ الابرار ترجمہ جامع الاخبار از ابن بابویہ قمی ص ۵)

اس حدیث جبریلؑ میں جو باتیں مذکور ہیں وہی اہل سنت کا مذہب ہیں۔ شیعہ کی مخصوص باتیں اس میں ہرگز نہیں معلوم ہو اندھب اہل سنت اور ان کا کلمہ خدا کی تعلیم پر قائم ہے۔

۴۴۔ حضرت جبریلؑ حضرت ابراہیمؑ کے پاس اس وقت آئے جب وہ آگ میں پھینکنے کے لیے تختہ میں رکھے ہوئے تھے تو کہا کیا آپ کو مجھ سے کوئی حاجت ہے فرمایا خاص تم سے کوئی حاجت نہیں پروردگار عالم سے ضرور حاجت ہے اس وقت جبریلؑ امین نے ایک انگشتی ان کے حوالے کی جس میں یہ لکھا تھا۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ الجأت ظہری الی اللہ و فوخت امری الی اللہ۔ میں نے اپنی پشت اللہ کی پناہ میں دی اور معاملہ اسی کے سپرد کر دیا، پس خدا نے آگ کو حکم دیا۔ ینار کوئی بدداؤ و سلا ما (عاشیہ ترجمہ مقبول ص ۳۹۲)

معلوم ہوا۔ اسی کلمہ اہل سنت کی برکت سے اللہ نے مہربانی فرمائی جو اللہ سے مدد مانگنا اور یا علیؑ مدد کے نعرے لگانا ملت ابرہیمی میں شرک ہوا۔

۴۵۔ تفسیر عیاشی اور الخصال میں جناب رسولؐ خدا سے یہ حدیث مروی ہے کہ جس شخص میں یہ چار خصلتیں ہوں گی اس کو خدا کے سب سے بڑے نور میں جگہ ملے گی اس کے ایمان کی سپر یہ کلمہ ہو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ (ترجمہ مقبول ص ۵۴)

۴۶۔ حضرت علیؑ قیامت میں یہی کلمہ پڑھیں گے۔ یقول لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

دکشف الغمہ ص ۱۱۹

۴۷۔ قیامت کے دن حضورؐ کے ہاتھ میں جو لواء الحمد ہوگا اس کی تین سطروں میں بسم اللہ، الحمد



لہذا رب العالمین اور لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوگا۔ (کشف الغم ص ۴۸)

شیعہ علماء کا اعتراف حقیقت | ۴۸۔ قاضی نور اللہ شونتری ایک نکتہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اول آنکہ اسلام مبتی است بر اصل شہادتین  
شہادت واحدانیت و شہادت رسالت ....  
و یا اینکه ہر یک از کلمات لا الہ الا اللہ محمد رسول  
اللہ و از وہ حرف است (مجالس المؤمنین ج ۲ ص ۱۶)

پہلا یہ کہ اسلام مبتی ہے دو گواہیوں کی بڑ پر۔  
توحید کی گواہی اور رسالت کی گواہی .... اور  
یابہ کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ میں سے ہر ایک  
کے بارہ بارہ حروف ہیں۔

۴۹۔ خواجہ نصیر الدین محقق طوسی نے اپنے رسالہ عقاید کے آغاز میں لکھا ہے۔

اعلم ایہا الاخ الصالح العزیز ان  
اقل ما یجب اعتقادہ علی المکلف ہوما  
ترجہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ  
(مجالس المؤمنین ج ۲ ص ۲۸)

اے نیک بھائی جان لے کہ کم از کم جس چیز کا اعتقاد  
رکھنا مکلف پر فرض ہے وہ لا الہ الا اللہ محمد  
رسول اللہ کا معنی ہے۔

۵۰۔ مشہور شیعہ لیڈر حسن بن صباح نے کہا تھا لوگ کہتے ہیں کہ میں نے دین و مذہب نیا  
نکالا ہے۔ بخود باللہ اس سے کہ میں نیا مذہب نکالوں۔ اور جو دین میں رکھتا ہوں رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم کے زمانے میں صحابہ کا یہی دین و مذہب تھا اور تاقیامت یہی مذہب ہی ہے اور رہے گا۔  
و اکنول دین من دین مسلمانی است اشہد  
ان لا الہ الا اللہ و اشہد ان محمد رسول اللہ  
(مجالس المؤمنین ج ۲ ص ۳۱۲)

اور اب میرا دین مسلمانوں والا دین ہے۔ میں  
خدا کی توحید اور حضرت محمد کی رسالت کی گواہی  
دیتا ہوں۔

گو اسے مبنی بر تقیہ ہی مانا جائے دین مسلمانی کی بنیاد صرف شہادتین کو تسلیم کیا۔

۵۱۔ شیعہ کے موجودہ شریعتیہ ار محمد کا فلم ایرانی لکھتے ہیں۔

و اگر کافر شہادتین بگوید یعنی بگوید اشہد  
ان لا الہ الا اللہ و اشہد ان محمد عبیدہ و رسولہ  
مسلمان میشود (توضیح المسائل)

اگر کافر شہادتین پڑھے یعنی کہ دے کہ میں  
اللہ کی توحید کی اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم  
کی عہدیت اور رسالت کی گواہی دیتا ہوں تو مسلمان



ہو جاتا ہے۔

”قصہ لذیذ بود حکایت دراز تر گفتیم“ کے تحت کلمہ طیبہ کا کتب معتبرہ شیعہ سے ہم نے اثبات کیا ہے۔ شیعہ کے ائمہ ہوں یا علماء و مجتہدین سب کلمہ اہلسنت ہی کے قابل ہیں اس میں اختلاف صرف متاخرین دورِ حاضر کے ذاکروں نیم ملاؤں اور مفاد پرست لیڈروں کو ہی ہو جاتا ہے۔ ان تمام دلائل کا تقاضا یہ ہے کہ آج کے شیعہ ان کے آگے سر تسلیم خم کر لیں اور خدا و رسول کی خلاف ورزی کر کے نئی راہ کفر و ضلالت نہ نکالیں اسی میں ان کی بھلائی ہے۔ ورنہ وہ دن دور نہیں جب عام مسلمان اور حکومت مجبور ہو کر کلمہ طیبہ کی حفاظت اور دفاع میں ان سے وہی سلوک کرے جو ختم نبوت کے دفاع میں قادیانیوں سے کیا گیا کیونکہ جیسے شرک خدا کے انکار سے نہیں بلکہ ایک اور الہ و حاجت روا کے اضافے سے خارج از اسلام ہے۔ قادیانی حضرت محمد رسول اللہ کے انکار سے نہیں بلکہ ایک نئے پیغمبر کے اضافے سے خارج از اسلام اور کافر ہے۔ اسی طرح امامی۔ لالا الہ اللہ محمد رسول اللہ کے انکار سے نہیں بلکہ اس پر ایک نئے کلمے کے اضافے سے خارج از اسلام قرار پائے گا۔

**شیعی شبہات کا ازالہ** | شیعہ کا عقیدہ اور مطلب دیالیں لٹریچر سامنے رکھنے سے یہ دعویٰ تو نہیں کیا جاسکتا کہ عقیدہ امامت کا رسالت کے ساتھ تذکرہ نہیں ملتا۔

تاہم یہ کہا جاسکتا ہے کہ امامت و ولایت کو جزو کلمہ بنانے کی تعلیم ائمہ نے نہیں دی اور نہ ہی اسلام کی صحت و صداقت کو اقرار امامت سے مشروط قرار دیا ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ عقیدہ امامت ایمان کا جزو ہے اسے ماننے بغیر کوئی شخص عند الشیخہ کامل الایمان نہیں ہو سکتا۔ جیسے اصول کافی ”باب ان الاسلام یقتضی بالدم“ میں یہ حدیث ہے کہ ایک شخص نے امام جعفر سے اسلام و ایمان میں فرق کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا۔ اسلام وہ ظاہر مذہب ہے جس پر سب لوگ ہیں کہ لا الہ الا اللہ کی گواہی اور حضرت محمد کی عبدیت اور رسالت کی گواہی۔ نماز پڑھنا۔ زکوٰۃ دینا۔ حج بیت اللہ کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔ پس یہی اسلام ہے اور ایمان اس کے ساتھ امامت کی معرفت کا نام ہے اور اگر اسلام کا اقرار کرے اور امامت کو نہ پہچانے وہ مسلمان گمراہ ہو گا۔ (اصول کافی ج ۲ ص ۲۵)

بہم اہلسنت پر یہ وجہ یہ روایت حجت نہیں شیعہ پر بایں معنی حجت ہے کہ وہ صرف معرفت امام



کے مکلف میں جو فعل قلبی ہے۔ اسے اسلام کے برابر قرار میں لانا یا کلمہ کا جزو بنانا اگرگزرا نہیں ہے  
 امتثال ارشاد امام کی رو سے ہر ایسی روایت مردود ہوگی جس سے امامت کا رسالت کے ساتھ اقرار  
 میں تلازم ترشح ہوتا ہو خواہ مناقب کی ہو یا عقاید کی۔

۲۔ جب قرآن و سنت صرف شہادتین کے اقرار پر ہی متفق ہیں تو ایسی روایت مردود ہوگی  
 جو اس کے خلاف تیسری شہادت کا ضمیمہ لگائے۔ کیونکہ امام صادق کا فرمان ہے :-

۱۔ لا تقبلوا علينا خلاف القرآن  
 فانان تعد تنا حد ثنا بموافقة القرآن و  
 السنة (کتا البیہ اوتے)  
 قرآن کے برخلاف حدیثیں ہم سے ذمے نہ لگاؤ گیونکہ  
 اگر ہم حدیث بیان کریں تو قرآن و سنت کے موافق  
 بیان کرتے ہیں۔

۲۔ کل شیء مردود الی الکتاب و  
 کل حدیث لا یوافق کتاب اللہ فهو  
 زخرف۔  
 ہر چیز کتاب اور سنت نبوی کی طرف لوٹائی جائیگی  
 اور جو حدیث کتاب اللہ کے موافق نہ ہو وہ بناوٹی  
 ہے۔

۳۔ سالم یوافق من الحدیث القرآن  
 فهو زخرف (اصول کافی ص ۶۹)  
 جو حدیث قرآن کے موافق نہ ہو وہ ملمع سازی ہے

اس سے ہر قسم کی رطب و یابس روایات کا جواب ہو چکا جس سے دہوکہ کھا کر شدید کلمہ بدل دیتے  
 ہیں۔ اب مشہور کی حدیث مصطفیٰ بر وایت از حضرت جابر کی حقیقت ملاحظہ ہو اس پر ایک حوالہ یافین  
 النفرة کا ہے جو البیہ سنت کے محب طبری کی تالیف ہے۔ مناقب عشرہ مبشرہ میں عمدہ کتاب ہے۔ مگر  
 عام کتب مناقب کی طرح ضعیف روایات سے خالی نہیں ہے۔ کلمہ طیبہ کے لیے نصوص قرآنیہ اور احادیث  
 معتبرہ متواترہ درکار ہوتی ہیں۔ کتب مناقب سے استدلال تو استہزا کے مترادف ہوتا ہے۔ ہم بھی  
 اس کتاب سے چاروں خلفاء کے نام سے کلمے دیکھا سکتے ہیں۔ مثلاً بیاض النضرہ ج ۱ ص ۳ پر ہے لا الہ  
 الا اللہ محمد رسول اللہ ابو بکر الصدیق عمر الفاروق عثمان الشہید علی الرضا عرش الہی پر یہ کلمہ لکھا ہے۔  
 چونکہ عرش الہی جنت سے افضل ہے۔ تو یہ کلمہ بہ نسبت یسعی کلمہ کے بہت افضل اور واجب الایمان  
 ہو گا۔ شیور جب اسے نہ مانیں تو ان کا کلمہ ہم کیسے مان لیں۔

علاوہ ازیں بیاض النضرہ ص ۱ کا یہ حوالہ صریح خیانت ہے کیونکہ وہاں انور رسول اللہ کے لفظ ہیں۔



علی ولی اللہ کے نہیں حضرت علیؑ کے چچا زاد برادر نبوی ہونے کا کوئی بھی منکر نہیں۔

رہی بیابیح المودۃ - تذکرۃ الخواص اور مودۃ القربی۔ کے حوالے تو یہ کتابیں نہایت مجروح اور غیر معتبر ہیں بنایاب ہونے کی وجہ سے ہم انہیں دیکھ نہ سکتے تاکہ معلوم ہو جاتا کہ بیاض النضرہ کی طرح ان کا حوالہ بھی غلط اور محض مرعوب کرنے کے لیے مشتہر نہ تو نہیں دیا۔

سبسط ابن جوزی کی کتابیں وہی ہیں واضح رہے کہ تذکرۃ الخواص جسے علام الخواص بھی

کہتے ہیں اور بیابیح المودۃ - مودۃ القربی سیرت حلبیہ وغیرہ - جن سے شیوخ اہل سنت کے خلاف استدلال کرتے ہیں اور ایسا مواد ان کو انہی کتب میں ملتا ہے یہ سبسط ابن جوزی کی تالیفات ہیں۔ جو مشہور علامہ ابو الفرج ابن جوزیؒ کا نواسہ تھا مگر برائے نام سنی تھا باطن شیوخ اور اپنی تالیفات سے شیوخ ہی کو فائدہ پہنچایا۔ اس کا نام یوسف بن قز علی المتوفی ۵۸۷ھ ہے۔ میران الاغذالؒ کے مرید ہیں۔ یوسف بن قز علی المتوفی ۵۸۷ھ و اعظم مورخ تھے۔ کتاب مرآۃ الزمان لکھی۔ اس میں منکر کہانیاں لکھتا ہے۔ میں اسے نقل کر وہ مواد میں ثقہ نہیں جانتا بلکہ جانبداری اور زہلیات سے کام لیتا ہے۔ پھر وہ رافضی ہو گیا اس پر ایک کتاب بھی شیخ محی الدین سوئی نے کہا میرے دادا کو جب سبسط ابن جوزی کی وفات کا علم ہوا تو فرمایا اللہ سپر رحم نہ کرے وہ رافضی تھا۔

اس کی کتاب تذکرۃ خواص الامۃ ص ۳۸ طبع نجف اشرف باہتمام شیخ محمد اس نے یہ عقیدہ رکھا ہے۔

قلت فی شرط الامام ان یکون معصوماً لئلا یتقع فی الخطاء غلطی میں نہ پڑے۔

اسی طرح لسان المیزان ج ۶ ص ۳۲۸ اور جواب المصیئۃ فی طبقات الخلفیہ ص ۲۳۱ پر اس طرح موجد

ہے۔ علامہ ابن تیمیہؒ منہاج السنۃ ج ۲ ص ۱۳۳ پر اس طرح جرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

”یہ شخص اپنی تالیفات میں قسم قسم کی محتاجی اور قحط سالی کا ذکر کرتا ہے اپنی اغراض کے لیے کمزور بلکہ موضوع احادیث سے استدلال کرتا ہے۔ لوگوں کے حسبِ منشا و مرضی کتابیں لکھتا تھا تاکہ ان کی مرضی درست ہو اور وہ اس کو اس کا ذنبوی فائدہ دیں اور یہ امام ابو حنیفہؒ کے مذہب پر بھی کتابیں لکھتا تھا تاکہ بادشاہوں سے اپنے مقاصد حاصل کر سکے۔ اس کی عادت صرف وعظ گوئی تھی اس سے پوچھا گیا



تمہارا مذہب کیا ہے؟ اس نے کہا کون سے شہر میں؟ یہی وجہ ہے کہ اس کی بعض کتابوں میں  
 خلفاء راشدین وغیرہم کبار صحابہ کی بدگوئی پائی جاتی ہے اور بطور تقیہ ان کے مذہب میں تبلیغ  
 کرتا ہے اور بعض میں خلفاء راشدین کی تعظیم بھی پائی جاتی ہے۔

یہ ہے شیعہ حوالہ جات کی حقیقت جن کی وجہ سے قرآن و حدیث کے متفقہ کلام طیبہ کو بدلا گیا  
 اور اہل سنت کو الزام دیا گیا۔

**التحیات و ثنا بھی ثابت ہے** | شیعہ کا یہ کہنا کہ الصلوٰۃ بخیر من النوم۔ تراویح۔ التحیات بجانک  
 اللہم۔ درود بھی۔ تاج۔ نماز میں ہاتھ باندھنا۔ الثا و صلوٰۃ

کس پائے اور رکوع سے ثابت ہے ایک لغویات ہے کیونکہ یہ امور کلام طیبہ کی طرح اہم اور مدار  
 کھرو اسلام نہیں ہیں کہ نقل قرآن ہی میں مذکور ہوں جب اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ ”رسول کی اطاعت  
 کرو۔“ جو وہ تمہیں دیں لے لو اور جس سے وہ روکیں رک جاؤ۔ تو جو حکم ارشاد نبوی سے ہو گا وہ  
 بھی قرآن سمجھا جائے گا۔ الصلوٰۃ بخیر من النوم کا ثبوت از پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ہم ذکر کر چکے ہیں۔  
 تراویح پر بھی مفصل روشنی ڈالی جا چکی ہے۔ کتب شیعہ سے مزید سنت نبوی ملاحظہ ہو۔

۱۔ عن ابی عبد اللہ قال کان  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا دخل  
 شہر رمضان زاد فی الصلوٰۃ فانا ازید  
 فا زید وا (استبصار ج ۱ ص ۴۲)

امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں جب ماہ رمضان  
 شروع ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نمازیں  
 اضافہ فرماتے ہیں بھی زیادہ پڑھتا ہوں تم بھی زیادہ  
 پڑھا کرو۔

۲۔ امام جعفر صادقؑ یہ بھی فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام رمضان میں ہر رات کو  
 نفل اس سے زیادہ پڑھتے جو پہلے پڑھا کرتے تھے۔ اول رات سے بیسویں رات تک ۲۰۔۲۰ رکعات  
 روزانہ پڑھتے تھے۔ (استبصار ص ۴۲)

۳۔ عن ابی جعفر صلی فی اول  
 شہر رمضان فی عشرين لیلة عشرين  
 رکعة (استبصار ص ۴۲)

امام باقرؑ کہتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام  
 یکم رمضان سے بیسویں تک ۲۰۔۲۰ رکعت  
 (تراویح) پڑھتے تھے۔

۲۰ رکعت کی اس نماز کو نفل سے تعبیر کرنا صرف لفظی اختلاف ہے۔



اب تشہد والتحیات کے متعلق بھی سنئے۔

زرارہ کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادقؑ سے تشہد کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا۔  
التحیات الحمد والصلوات والطیبات الخ دوسرے تیسرے دن بھی پہلے دن والا جواب دیا کہ التحیات  
الحمد والصلوات الخ۔ زرارہ کہتا ہے کہ جب میں نکلتے نکلتے اٹھا تو امام کی دائرہ بھی پہلے ہاتھ مارا اور کہا کہ یہ امام  
کبھی کامیاب نہ ہوگا (رجال کشی ص ۱۸۱ از افادات تونسوی)

ایسے معلوم ہوتا ہے کہ شیعہ کو روز اول اس تشہد نبوی سے جو خدا کی ثنا صلوة وسلام پر خیمہ  
واصحاب وشہادین پر مشتمل ہے۔ حذر ہے۔ نواسہ رسولؐ سے اس کے خلاف کہلوانا چاہتے ہیں۔  
وہ جب سنت نبوی جھوٹ کر ان کی بات نہیں مانتے تو یہ شیعہ ناراض ہو کر امام کی دائرہ بھی نوچتے۔ گستاخی  
کرتے اور بدو عادیوں سے نکلتے ہیں۔ واقعی ان مجاہد اہل بیت کی دشمنی اور ایذا رسانی کا جوا  
نہیں۔

میرے سامنے ”دینیات کی دوسری کتاب“ پر اٹے جماعت سوم ایک رسالہ ہے جسے سر رشته تعلیم  
نے ۱۹۵۳ء سے تمام پنجاب کے لیے منظور فرمایا تھا۔ اس میں شیعہ کی نمازیں قحدرے اور سلام کا طریقہ  
کے عنوان سے تشہد کا یوں ذکر ہے۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے بغیر کوئی معبود نہیں  
جو اکیلا اور لاشریک ہے اور گواہی دیتا ہوں

اشھدان لا الہ الا اللہ وحدہ  
وامشھدان محمد اعبدا ورسولہ  
کہ حضرت محمد اس کے بندے اور رسول ہیں۔

سلام ہو آپ پر اے نبی اور اللہ کی رحمتیں اور  
اس کی برکتیں ہوں۔ سلام ہو ہم پر اور اللہ کے  
تمام نیک بندوں پر۔

پھر ورد کے بعد یہ بھی ہے السلام  
علیک ایہا النبی ورحمة اللہ وبرکاتہ  
السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین

ترتیب کے اختلاف کے ساتھ یہی اہلسنت کا تشہد والتحیات ہے۔ ایک جملہ میں بھی کمی بیشی نہیں  
اور تشہد کا ہر کلمہ بطور مفہوم قرآن ہی سے ثابت ہے۔ التحیات کی ثنا۔ سورۃ فاتحہ سے ثابت ہے۔  
شہادین پر دلائل کا انبار مذکور ہو چکا ہے حضور پر درود و سلام صلوا علیہ وسلم و التسلیمات سے ثابت  
ہے عباد اللہ الصالحین صحابہ کرام پر درود و سلام کے متعلق یہ آیت کریمہ ملاحظہ ہو ھو الذی



يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلَائِكَتُهُ لِيُخْرِجَكُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَى النُّوْرِ كَانَ بِاٰمِلُوْمِيْن رَحِيْمًا اے نبی کے صحابہؓ...! وہ خدا تم پر رحمت بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے بھی دعا کرتے ہیں تاکہ تم کو اندھیروں سے نور کی طرف نکالے اور اللہ موتوں پر خوب مہربان ہے۔

کیا تشہد سے اس قدر شیعہ کو صند ہے کہ اب بھی اسے ثابت عن القرآن نہ مانیں گے۔ نماز کے اول میں شتا کے متعلق ثبوت یہ ہے۔

ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ نے یہ روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے تو سبحانک اللہم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جلالک ولا الہ غیرک پڑھتے تھے (یعنی حاشیہ بخاری ص ۱۳۱) نیز مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۸۱ مستدرک حاکم ج ۱ ص ۲۳۵ زادالمحاد ج ۱ ص ۵۲ پر بھی یہ ثبوت ہے۔

اب بالترتیب ان جملوں کا ثبوت قرآن پاک سے ملاحظہ ہو۔

وَسَبِّحْهُ بَكْرَةً وَّاَصِيْلًا (الحزاب)  
وَاِنْ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ  
(بنی اسرائیل)

صبح اور شام اللہ کی پاکی بیان کر و۔  
ہر چیز سبحانک اللہم وبحمدک پڑھتی ہے مگر تم نہیں سمجھتے۔

تَبَارَكَ اسْمُ رَبِّكَ (الرحمن)  
اِنَّهٗ تَعَالٰی جَدُّ رَبِّنَا (الجن)  
لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ (انبیاء)

تیرے رب کا نام بڑی برکت والا ہے۔  
بلاشبہ ہمارے رب کی شان بلند ہے۔  
تیرے بنیر اور کوئی معبود نہیں۔

رہے درود کبھی اور تاج۔ تو واضح رہے کہ یہ باتورہ از پیغمبر و صحابہؓ نہیں ہیں بلکہ بعد کے بزرگوں نے عشق نبویؐ سے سرشار ہو کر عربی میں جو آپ کو خراج عقیدت پیش کیا اور رحمت کی دعا کی ہے۔ ان کا نام درود پُر گیلہ حقیقین البسنت کے نزدیک درود تاج کے بعض الفاظ موہم شرک ہیں ان سے احتراز بہتر ہے۔ ان کی اسناد اور فضائل بھی کچھ معتبر نہیں ہیں۔ تاہم عشق نبویؐ سے ان کو پڑھا جائے اور کوئی لفظ خلاف شرع نہ ہو تو یہ ایسا ہی ہے جیسے حضورؐ کی مدح و توصیف میں نعت پڑھی جائے۔ جو ہر زبان میں جائز ہوتی ہے۔ اگر حضرت علیؓ و حسینؓ کی مدح میں قصائد جائز ہیں تو آپؐ کی مدح میں آپ کے لیے دعا و ترجم کے اصناف کے ساتھ ایسے کلمات بدرجہ اولیٰ جائز



ہیں۔ اگر شیعہ میں محبت نبوی کا جذبہ ہوتا تو ایسا اعتراض نہ کرتے۔

نماز میں ہاتھ باندھنا قرآن سے ثابت ہے | سورہ کوثر میں رب تعالیٰ کا ارشاد ہے۔  
فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ۔ پس اپنے رب کے لیے نماز پڑھیں اور رخ کریں۔

قرآن کے معنی جس طرح قربانی کرنے کے لغت میں آئے ہیں اور مفسرین اس سے تفسیر کرتے ہیں اسی طرح لغت میں ”دست راست را بر چپ گزاردن“ (قاموس) بھی آیا ہے۔ نماز کے ساتھ ذکر اس پر قرینہ ہے۔

نیز دُخُّوْا لِلّٰہِ قَانِتِیْنَ۔ اللہ کے آگے عاجز ہو کر کھڑے ہو۔ ھُمْ فِیْ صَلَٰتِہِمْ خَاشِعُوْنَ وہ مومن کامیاب ہیں جو نماز میں عاجزی کرتے ہیں۔ سے قنوت اور خشوع پیدا کرنے کا حکم واضح ہے۔

قنوت و خشوع ظاہر و باطن میں لازمی ہے۔ ظاہری خشوع نماز میں آداب سے ہاتھ باندھنے سے ہوگا۔ کوئی عقلمند اس کا انکار نہیں کرتا۔ عرف عام میں ادب اور عاجزی کو دست بستہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ مثلاً محاورہ ہے ”میرے والدین کی خدمت میں دست بستہ سلام و آداب عرض کریں۔“ علاوہ ازیں قنوت سکون کے ساتھ لازم ہے۔ وضع یدین کی حالت عین سکون یا اس سے قریب تر ہے اور ارسال یدین سکون سے بعید ہے۔ فطری بات ہے کہ بندش سے سکون ہوگا اور ارسال و کھلے رکھنے سے حرکت ہوگی۔ بالفعل حرکت نہ بھی کی جائے مگر یہ کیفیت قریب الحرت ہے جو منافی سکون ہے۔ قنیدر۔

شیعہ مذہب میں عورتوں کو تو ہاتھ باندھنے کا حکم ہے حالانکہ مردوں کی بہ نسبت وہ زیادہ ساکن و خاشع ہوتی ہیں۔ تو مردوں کو بدرجہ اولیٰ ہاتھ باندھنے چاہئیں تاکہ اس کیفیت سے وہ سکون کا کامل درجہ حاصل کریں۔ جو عادتہ ان کی متحرک اور فعال زندگی کی ضد ہو اور قُؤُومُوا لِلّٰہِ قَانِتِیْنَ کا آئینہ دار ہو۔

تحفۃ العوام منہ میں ہے کہ ”اگر زن باشد دست بر سینه بگزارد۔“ اگر عورت نماز پڑھے تو ہاتھ سینے پر رکھے۔ فروع کافی ج ۱ ص ۱۹۸ پر بھی عورتوں کو سینه پر ہاتھ باندھنے کا حکم ہے۔



من لا یحضرہ الفقیہ ص ۲۰ باب آداب المرأة فی الصلوة میں ہے۔

فاذا قامت المرأة فی صلوٰتہا  
جمعت بین قدمیہا ولم تفرج بینہا  
ووضعت یدہا علی صدرہا مکان  
ثدیہا۔

جب عورت نماز پڑھنے لگے تو پاؤں اکٹھے رکھے  
کشادہ نہ کرے۔ اور ہاتھ سینے پر پستانوں  
کی جگہ رکھے۔

اگر عورت کے لیے سینہ پر ہاتھ باندھنا ادب ہے تو مرد کے لیے ناف پر باندھنا کیوں ادب  
نہیں۔ (الفرق بینہما)

اہل سنت والجماعت کی وضع یدین پر اپنی دلیل یہ ہے۔

۱۔ عن قبیصۃ بن وہب عن ابیہ  
قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
یؤمنافیا خذ شمالہ بیمینہ رواۃ الترمذی  
وابن ماجہ، مشکوٰۃ ص ۷۲

قبیصہ بن وہب اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں  
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں امامت کرتے  
تو اپنا بائیں ہاتھ دائیں سے پکڑتے۔

۲۔ مؤطا امام مالک ص ۵۵ پر باب وضع الیدین علی الاخری فی الصلوة موجود ہے جس کی ایک  
روایت یہ ہے۔

من السنۃ وضع الیدین احدهما  
علی الاخری فی الصلوة وتعجیل الفطر  
والاستیناء بالسحور۔

نماز میں ایک ہاتھ دوسرے پر رکھنا سنت  
ہے۔ افطار میں جلدی اور سحری کھانے میں  
تاخیر بھی سنت ہے۔

ان روایات کے راوی خود امام مالک ہیں معلوم ہوا کہ آپ کا عمل بھی یہی تھا۔ آپ کی طرف  
جو متاخرین فقہاء مابکیہ نے ارسال یدین کی نسبت کی ہے۔ وہ مرجوح ہے۔

ترتیب وضو بھی قرآن سے ثابت ہے | افسوس کہ شیعہ حضرات اہل سنت سے بغض کی وجہ  
سے قرآن پاک میں مذکور ترتیب کو بھی ”الٹاؤ“

سے تعبیر کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ خود قرآنی مخالفت کرتے ہیں۔

سے برعکس زندگی نام نہند کا فور۔ آیت وضو مندرجہ ذیل ہے۔



يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى  
الصَّلَاةِ فَغَسِّلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ  
إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَجْزَلُكُمْ  
إِلَى الْكُعْبَيْنِ۔ (پ ۶۶)

اے مومنو! جب نماز کے لیے اٹھو تو اپنے منہ کو پھر  
ہاتھوں کو کہنیوں تک دھوؤ اور سر کا مسح کرو اور  
پاؤں کو ٹخنوں تک دھوؤ۔

اس ترتیب قرآنی میں منہ دھونا۔ بازو دھونا۔ سر کا مسح کرنا اور پاؤں دھونا ہے۔ اہل سنت  
اسی مذہب پر ہیں۔ اور یہ ترتیب سنت بھی ہے۔ امام احمد کے نزدیک فرض ہے۔ مگر شیوہ نے تو نماز  
قرآن کی حد کر دی کہ پہلے پاؤں دھوتے ہیں اور پھر اس پر مسح بھی کرتے ہیں۔ ان سے کوئی پوچھے کہ  
دھونے میں کیا نقص رہ گیا تھا کہ پھر مسح سے اس کی تکمیل کی۔

بازو بھی اٹھے دھوتے ہیں کہ کہنیوں سے شروع کرتے اور انگلیوں سے پانی بہاتے ہیں۔  
حالانکہ اگر قرآن کا منشا یہ ہوتا تو ایکم من المرافق کہا جاتا۔ کہ کہنیوں سے ہاتھوں تک دھوؤ مگر  
قرآن پاک نے ایکم الی المرافق کہا کہ ہاتھوں سے شروع کر کے کہنیوں تک دھوؤ۔

اعتقاد اشیوہ پاؤں دھونے کے قابل ہی نہیں۔ مسح واجب کہتے ہیں۔ حالانکہ قرأت ستہ میں تو  
ارحکم۔ بفتح لام پڑھا جاتا ہے کیونکہ فاعسلوا پر معلوف ہے اور ایک قرأت میں کسرہ جرجوار کے  
طور پر ہے۔ عقلاً بھی پاؤں کا دھونا واجب ہے کیونکہ سب سے زیادہ یہی عضو گرد و غبار سے بلکہ  
گندگی سے ملوث ہوتا رہتا ہے جس کا ازالہ دھوئے بغیر نہیں ہو سکتا۔ برخلاف سر کے کہ بالاتفاق  
اس پر مسح فامسحوا کے تحت فرض ہے۔ کیونکہ سب سے کم تر وہ گرد و غبار سے متاثر ہوتا ہے۔ بالوں  
کی وجہ سے عادتہ پانچ دفعہ دھونا اور خشک کرنا دشوار تھا۔ نہ لہجہ لے آسانی کی بنا پر دھونے کے  
قائم مقام مسح رکھ دیا۔ ان ربك حکیم علیم۔

سنی بدعات کی وجہ | رہیں نام نہاد سنتیوں کی بدعات۔ قوالی۔ قبروں پر حال کھیلنا۔ طبلے کی  
مستزالی پر سر مارنا۔ گیارھویں شریف۔ عرس شریف۔ بیشتی دروازوں سے  
گزرنا وغیرہ۔ تو ان کا حکم علماء اہل سنت کے نزدیک وہی ہے۔ جو شیعہ کی بدعات۔ عزاداری۔ ماتم  
سینہ کو بی زنجیر زنی۔ دوہرے خوانی۔ سوز خوانی۔ صریح۔ تخریہ یکہ پرستی۔ ماتمی جلوس۔ ماتمی مجالس  
سجیادہ پوشی وغیرہ کا ہے۔



کوئی سنی مستند عالم خواہ بریلوی ہو یا دیوبندی والحمد للہ۔ ان بدعات کو سنت یا کائنات  
نہیں بتلا سکتا۔ یہ صرف عوام یا نیم ملل خطرۂ ایمان کے افعال ہیں۔ چونکہ سب اہلسنت سے ہرگز نہیں  
دراصل یہ اس بات کا ردِ عمل ہے کہ سنیوں کا یہ جہل و طبقتہ شیعہ کے مافی جلیوسوں اور رسومات میں  
شرکت کرتا ہے تو بدعت کے اثرات اپنے اندر جذب کر لیتا ہے۔

صحبتِ صالح ترا صالح کند صحبتِ طالح ترا طالح کند

ورنہ تجربہ شاہد ہے کہ جو عوام اہلسنت اہل تشیع کے ماحول اور پروپیگنڈے سے دور رہتے  
ہیں وہ بہت کم ان بدعات کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اور جو ان بدعات سے پاکدامن ہیں وہ شیعہ  
کی رسوم و بدعات سے بھی دامن کشاں رہتے ہیں۔ میرے سادہ سنی بھائی اگر اس نکتہ پر غور کر لیں۔  
اپنے مذہب و اعمال پر غور ہو جائیں شیعہ کو غیر سمجھ کر ان کی کسی محفل و رسم میں شرکت نہ کریں تو  
وہ نہ صرف شیعہ کا ترلقمہ بننے سے بچ جائیں گے۔ بلکہ رفض و تشیع کا زور ٹوٹ جائے گا اور ان  
کا وہ عادی گھمٹ خاکستر ہو جائے گا جس کی وجہ سے وہ نصاب تعلیم الگ کر کے تمام احکام و  
شعائر اسلامیکہ کو مسخ کرنا چاہتے ہیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی  
رسولہ محمد وآلہ واصحابہ وازواجہ اجمعین۔

۱۹۷۶ء بروز پیر

کاتب: محمد یونس حنیف بمقام وڈاکانہ خاص کالی صوبہ خاں  
ضلع گوجرانوالہ۔





# کتاب مراجع و مصادر

## کتاب اہل السنۃ

- ۱۔ قرآن کریم
- ۲۔ صحیح بخاری
- ۳۔ صحیح مسلم
- ۴۔ طحاوی
- ۵۔ فتح الباری
- ۶۔ جامع ترمذی
- ۷۔ ابوداؤد
- ۸۔ مجمع الزوائد للسیوطی
- ۹۔ نسائی
- ۱۰۔ ابن ماجہ
- ۱۱۔ مؤطا امام مالک
- ۱۲۔ المسوئی شرح المؤطا
- ۱۳۔ مشکوٰۃ
- ۱۴۔ دارقطنی
- ۱۵۔ مسند احمد
- ۱۶۔ سنن کبریٰ بیہقی
- ۱۷۔ مستدرک حاکم
- ۱۸۔ نیل الاوطار
- ۱۹۔ الریاض النضرہ
- ۲۰۔ موارد النعمان
- ۲۱۔ کنز العمال

- ۲۲۔ نصب الرایہ
- ۲۳۔ سیرت ابن ہشام
- ۲۴۔ سیرت رسول رحمت
- ۲۵۔ سیرت النبیؐ شیلی
- ۲۶۔ الفاروق
- ۲۷۔ تاریخ طبری
- ۲۸۔ تاریخ ابن خلدون
- ۲۹۔ ابن اثیر
- ۳۰۔ تاریخ اسلام نجیب آبادی
- ۳۱۔ تاریخ اسلام ندوی
- ۳۲۔ البدایہ والنہایہ
- ۳۳۔ شرح فقہ اکبر
- ۳۴۔ تاریخ الخلفاء
- ۳۵۔ الاصابہ لابن حجر
- ۳۶۔ طبقات ابن سعد
- ۳۷۔ تفسیر ابن کثیر
- ۳۸۔ تفسیر قرطبی مائمی
- ۳۹۔ تفسیر درمنثور
- ۴۰۔ تفسیر آیات قرآنی
- ۴۱۔ تفسیر کبیر رازی
- ۴۲۔ تفسیر الاتقان
- ۴۳۔ الاستیعاب



- ۵۹- محمدیہ پاکٹ بک  
۶۰- سیرت المصطفیٰ مولانا ادیس کاندھلوی  
۶۱- المفتی من المتہاج  
۶۲- قرۃ العینین  
۶۳- منصب امامت  
۶۴- حجتہ اللہ البالغہ  
۶۵- موضوعات کبیرہ ملا علی قاری  
۶۶- شہادت النہم کھنؤ محمد ۱۲۵۶ھ  
۶۷- سیرت حلبیہ  
۶۸- جنازۃ الرسولؐ  
۶۹- مسلمان حکمران از شہید اختر ندوی  
۷۰- عرف شذی  
۷۱- رجاء بینہم  
۷۲- واما ونبی واما وعلیؑ

- ۴۴- شرح مسلم للنووی  
۴۵- میزان الاعتدال  
۴۶- میزان الکبریٰ للشحرانی  
۴۷- تقریب التہذیب  
۴۸- تحفۃ اثنا عشریہ  
۴۹- ازالۃ الخفاء  
۵۰- عدالت حضرت صیبا کرامؓ  
۵۱- مسند اہل بیت  
۵۲- بیاض ترمذی از علامہ صفدر  
۵۳- حدیث ثقلین  
۵۴- حیاۃ الصحابہؓ  
۵۵- حلیۃ الاولیاء  
۵۶- کشف الاسرار  
۵۷- عجبات از علامہ خالد محمود  
۵۸- اہل سنت پاکٹ بک

### کتاب شیعہ

- ۸- من لایحضرہ الفقیہ  
۹- ترجمہ مقبول  
۱۰- حیات القلوب  
۱۱- جلاء العیون  
۱۲- مجالس المؤمنین  
۱۳- کشف الغمہ  
۱۴- تجلیات صداقت  
۱۵- تفسیر متبع الصادقین

- ۱- اصول کافی  
۲- فروع کافی  
۳- روضہ کافی  
۴- رجال کشی  
۵- منج البلاغہ - عربی / اردو  
۶- تہذیب الاحکام  
۷- الاستبصار



- ۱۷۔ منشی الآمال  
 ۱۸۔ توضح المسائل  
 ۱۹۔ حق الیقین  
 ۲۰۔ شرح منہج البلاغہ فیض الاسلام نقوی  
 ۲۱۔ شرح ابن ابی الحدید  
 ۲۲۔ احتجاج طبرسی  
 ۲۳۔ کتاب خصال لابن بابویہ  
 ۲۴۔ روحنت الصفاء  
 ۲۵۔ اعلام الورعی  
 ۲۶۔ چودہ ستارے  
 ۲۷۔ تحفۃ النوام  
 ۲۸۔ مسالک الافہام  
 ۲۹۔ مجمع البیان  
 ۳۰۔ تفسیر قمی  
 ۳۱۔ تفسیر حسن عسکری  
 ۳۲۔ تفسیر معانی  
 ۳۳۔ ارجح المطالب  
 ۳۴۔ منہاج النجات لملا فیض  
 ۳۵۔ کتاب الخدائق  
 ۳۶۔ وفتیات کی دوسری کتاب  
 ۳۷۔ حملہ حیدری  
 ۳۸۔ درہ نجفینہ  
 ۳۹۔ خلاصۃ المصائب  
 ۴۰۔ فلک النجات  
 ۴۱۔ تنقیح المقال  
 ۴۲۔ مقدمہ باغ فدک  
 ۴۳۔ فی ظلال منہج البلاغہ

## مبلغ دس ہزار روپیہ انعام

ہر اس شخص کے لیے جو بدلائل یہ ثابت کر دے۔ جس کا فیصلہ عدالت کے جج صاحبان کریں گے۔ کہ اس کتاب کے مسائل قرآن و حدیث اور فریقین کی متبر کتابوں کے خلاف ہیں۔ یا رسول خدا و اہل بیت کی تعلیمات کے خلاف ہیں۔ نیز حوالہ جات غلط ثابت کرنے والے کو فی حوالہ ۱۰۰ روپیہ انعام دیا جائیگا۔



# محقق اہل سنت مولانا محمد میاں نوالوی مدظلہ العالی کی شہرہ آفاق تصانیف

صفحات ہدیہ

۱۵۰	۳۳۶	عدالت حضرات صحابہ کرامؓ (عظمت صحابہ پر خاص علمی تحقیقی کتاب)
۲۰۰	۵۶۰	سیف اسلام (یعنی ہزار سوال کا جواب)
۱۹۵	۴۸۰	تحفہ امامیہ (اسلام اور تشیع میں تمام اختلافی مسائل پر لا جواب کتاب)
۱۳۰	۳۲۰	ہم سنی کیوں ہیں (۱۱۰ شیعہ سوالوں کا مدلل جواب)
۴۰	۱۶۷	حرمت ماتم اور تعلیمات اہل بیتؑ (ماتم اور سینہ کوئی کی تردید پر رسالہ)
۴۰	۱۳۴	سنی مذہب سچا ہے (مداومت اہل سنت پر ایک کامیاب تحریری مناظرہ)
۲۷	۹۶	مسلمان کسے کہتے ہیں (اسلام کے عقائد ائمال، اخلاق اور دعائیں)
۱۲۰	۲۸۰	شیعت اور اسلام (یعنی مجموعہ رسائل) (عقائد شیعہ) (تاریخ شیعہ) (۱۰۰ سوالات و فیروہ)
۲۳۶		شرف صحابیتؓ

مذہب حضرت علی المرتضیٰؑ (زیر طبع)  
 مقام اہل بیت عظامؑ (زیر طبع)  
 الکوفیہ و علم الحدیث (زیر طبع)  
 الامام الاعظم ابو حنیفہؒ (زیر طبع)

بن حافظ جی  
 ضلع میانوالی

مکتبہ عثمانیہ

ہر قسم کی اسلامی  
 کتابیں ملنے کا پتہ